UNIVERSAL LIBRARY

OU-234481

UNIVERSAL LIBRARY

٨٩١٥٢٣٠١
م - ث

دل

234481

٦

فہرست مضامین کتاب تہذیب الاخلاق جلد اول یعنی مضامین نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی خان صاحب بہادر

نام مضمون	صفحہ
دیباچہ -	
اسلام -	۱
امام حجۃ الاسلام غزالی رح -	۲۰
دین کی تحریف -	۳۴
تقلید اور عمل بالحدیث -	۴۲
تفسیر بالرائے -	۱۲۳
وجود آسمان -	۱۲۵
تطبیق منقول با معقول -	۱۳۳
علم معقول و منقول -	۱۴۷
تحریف الفاظ علوم	۱۵۰
علم تفسیر	۱۵۶
اجماع -	۱۸۶
پہلا ریویو تاریخ ابن خلدون پر -	۱۹۰
دوسرا ریویو تاریخ ابن خلدون پر -	۲۱۵
قومی عشرہ -	۲۲۳
تدبیر و امید	۲۲۶
سپیچ بمقام ہائی سکول مرزاپور	۲۲۹
طعام اہل کتاب یعنی محاکمہ مولوی سید احمد خان کی کتاب طعام اہل کتاب اور اس کے جواب امداد الاحتساب پر -	۲۳۶
عزت -	۲۴۸
موجودہ تعلیم و تربیت کی شبیہ -	۲۵۶
لکچر بمقام مرزاپور انسٹیٹیوٹ -	۲۶۱
طعام اہل کتاب	۳۰۴
خط مع جواب	۳۰۶
سوال و جواب	۳۱۵
استفتا	۳۵۴
خط منظہر الحق مع جواب	۳۵۵
مسجد میں جوتا پہنے نماز پڑھنا	۳۶۲
التماس بخدمت حضرت کاشف الغطاء و کشاف حقیقت -	۳۶۶
اہل کتاب کے ساتھ کھانا شیعہ مذہب کی روایت سے -	۳۷۲
مراسلہ مہدی بنام ماجد علی -	۳۷۳
لعنت اللہ علی الکاذبین -	۳۸۰
کتاب الرحلت -	۳۸۳
اشتہارات کتب -	۳۹۹

۵۳۷

دیباچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تہذیب الاخلاق کی اشاعت کی ضرورت

جن لوگوں نے خواجہ نصیر الدین طوسی کی کتاب اخلاق ناصری پڑھی ہے وہ اِس بات کو خوب جانتے ہیں کہ تہذیب الاخلاق کیا کتاب ہے اور حکمائے کرام و علمائے عظام کی مجلس میں وہ کس عزت اور عظمت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ لیکن جن لوگوں کو اخلاق ناصری کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا ہم اُن کو بتلائے دیتے ہیں کہ آج سے قریباً نو سو٩٠٠ برس پیشتر ترکستان کے شہر رَے میں جو ایک حکیم فاضل اور اُستاد کامل **ابو علی مشکویہ** خازن رازی گزرا ہے یہ اُسکی تصنیف ہے۔ اِس کتاب نے مضامین کی عمدگی۔ بیان کی خوبی۔ زبان کی اسلوبی کی وجہ سے ایسا حُسن قبول حاصل کیا تھا کہ خواجہ نصیر جیسے شخص نے جو اپنے زمانہ کا ایک نامور عالم اور مشہور فاضل تھا جب قہستان کے حاکم امیر ناصر الدین عبد الرحیم کی پاس خاطر کتاب اخلاق ناصری مرتب کی تو فن اخلاق کے متعلق صرف اسی کتاب کے ترجمہ پر اکتفا کیا اور کسی جدید کتاب کے تصنیف کرنے کی ضرورت نہ سمجھی۔

جس زمانہ میں یہ کتاب تصنیف ہوئی اسلامی سلطنت کا آفتاب ترقی کے نصف النہار پر چمک رہا تھا۔ گھر گھر علم و فضل کا چرچا تھا۔ رعایا اُسکو ترقی مدارج کا ذریعہ سمجھتی تھی۔ حکام اپنی سلطنت کی زیب و زینت کا باعث تصور کرتے تھے۔ اَور تو اَور صرف ابو علی سینا اور ابو ریحان بیرونی اِس حکیم کے معصروں میں وہ ایسے باکمال ہو گزرے ہیں جن کا نام ایشیا اور افریقہ کی اسلامی قوموں میں عموماً اور یورپ کے تہذیب یافتہ ملکوں میں خصوصاً نہایت عزت اور توقیر کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ فاتح اور مفتوح قوم کی زبان۔ تمدن معاشرت۔ علوم و فنون۔ حرفت و صنعت میں کسی قسم کی مغایرت نہ تھی۔ اسواسطے حکیم مذکور نے اس امر کو کافی سمجھا کہ وہ اپنی کتاب میں نفس ناطقہ کی صفات سے بحث کرے اور اُسکے فضائل اور رذائل کے بیان سے اُسکو مکمل کرے۔ لیکن اگر ابو علی ہمارے زمانہ میں ہوتا اور دیکھتا کہ فاتح اور مفتوح قوم کی زبان میں اختلاف۔ دونوں قوموں کے تمدن اور معاشرت کا طریق جدا۔ ایک قوم کے علوم و فنون دوسری قوم کے علوم و فنون کے مقابلہ میں مثل تقویم پارینہ۔ حرفت اور صنعت کا یہ حال کہ تکلفات کی چیزیں تو بجائے خود رہیں چاقو قینچی۔ بلکہ سوئی دھاگہ تک جو ہمارے روزمرہ کے استعمال کی چیزیں ہیں ہم انہیں غیر قوموں کے

محتاج - تو کیا اِن حالات پر یہ ممکن تھا کہ وہ علاوہ مضامین کھیل تماشے کے ایسے مضامین درج نہ کرتا جو قوم کو تاریکی جہالت کے تنگ گڑھے سے نکلنے اور ترقی کے نورانی میدان میں قدم رکھنے کا ذریعہ ہوتے۔

خدا کا شکر ہے کہ جب ایسی کتاب کی ضرورت پیش آئی تو اُس نے اپنے فضل و کرم سے ہمارے زمانہ کے مناسب حال ایک اولو العزم کو پیدا کر دیا - جو رسائی عقل اور صفائی ذہن کے باعث قوم کی ضروریات سے - زمانہ کی رفتار سے - ترقی کے موانعات اور اُسکے اصلاح کی تجاویز سے ایسا ہی آگاہ ہے جو ایک مصلح قوم اور بہی خواہ ملک کو ہونا چاہیئے - وہ کون؟ **آنریبل ڈاکٹر سر سیّد احمد خاں** بہادر کے سی - ایس آئی - ایل ایل - ڈی اس مردِ خدا نے جب سے دنیاوی زندگانی میں قدم رکھا اور قوم کی موجودہ حالت کو دیکھکر معلوم کیا کہ یہی قوم ہے کہ ایک زمانہ میں علم و فضل - حرفت و صنعت - تجارت و حکمرانی میں ترقی کے اعلےٰ درجہ پر پہنچی ہوئی تھی یا اَب وہی قوم ہے کہ ترقیات کو اُس سے ایسی مغائرت ہے جو ایمان کو کفر سے - یا نور کو ظلمت سے - یا آبادی کو ویرانہ سے - تو اِن حالات سے اُس کا جی بھر آیا - اور ہمہ تن اُسکی حل مشکلات میں مصروف ہو گیا - اور جو کچھ ہو سکتا تھا - برسوں اُسپر سوچا کیا - دل و دماغ سے - قلم اور زبان سے مال اور جان سے جو مدد مل سکتی تھی وہ سب ہی اُسپر صرف کر دی - اور آخر کو ایک سوسٹی قایم کی - اخبار جاری کیا علمی کتابوں کے ترجمے کرا کر شایع کئے - مگر جب تھوڑے عرصہ کے تجربہ سے اُسکو معلوم ہو گیا کہ یہ تدبیریں موجودہ حالات کے لحاظ سے غیر تسلی بخش اور ناکافی ہیں تو فاتح قوم کے عروج اور اقبال مندی کا زندہ نمونہ دیکھنے کیواسطے لندن تک کا سفر اختیار کیا - اُس کے حالات کو نظر عبرت سے دیکھا - اُسکی ترقی کے اسباب کو جانچا - پھر ان سب اسباب کا موازنہ اپنی قوم کے حالات سے کیا - اور اِس تمام سفر کا نتیجہ یہ نکالا کہ **جو قوم دوسری قوم کے ماتحت رہکر ترقی کرنا چاہے عزت اور آرام سے زندگی بسر کرنے کی خواہشمند ہو غیر قوموں کے سامنے اولو العزمی کا پھریرا بلند کرنا اُسکے مدنظر ہو - اُسکو لازم ہے کہ فاتح قوم کی زبان اور اُن علوم کو سیکھے جو دنیا میں مفید اور بکار آمد ہوں اور ایک قومی دار العلوم قائم کرے جو اُسکی ضروریات کے انصرام کا کفیل ہو** +

اب اس نہد گوار نے ہندوستان میں واپس آکر چاہا کہ جو تجارب عظیمہ اِس لمبے چوڑے سفر میں حاصل کئے ہیں قوم کو اُن سے آگاہ کرے مگر قوم کو دیکھا کہ قومی سلطنت کا سایہ اُٹھ جانے سے علوم و فنون کی تحصیل چھوڑ بیٹھنے سے اُسپر ایسا پردہ چھا گیا ہے - خواب غفلت میں پڑی اینڈ رہی ہے - نہ سر پر بیکاری سے اُسکی آنکھ کھلتی ہے! ورنہ معمولی جھنجوڑ سے کروٹ لیتی ہے - تب ایک شیریں کلام بلند آواز - اُن تھک طبیعت کو اُسپر متعین کیا - اُسکی سریلی آواز میں وہ غضب کی طاقت تھی کہ جس دل میں گئی جادو کی طرح اثر کر گئی - جس گھر میں پہنچی مقناطیس کا کام کر دکھایا - سوتوں کو جگا دیا - سستوں کو

ہوشیار کر دیا۔ مُردہ تنوں میں رُوح پھونک دی۔ زندوں کو رُوح القدس کا اثر عطا کیا۔ وہ شیریں کلام کون تھا!

مقدّس تہذیب الاخلاق جسکی اشاعت کا انتظام درپیش ہے۔

آہا!! یہ وُہی تہذیب الاخلاق ہے۔

جس نے مُسلمانوں کی حُسن معاشرت کا بیڑا اُٹھایا۔

جس نے اسلامیوں کے اصلاحِ تمدّن کا بارِ گراں اپنے ذمّہ لیا۔

جس نے پاک مذہب سے رسُوم رواج کے اوہام باطلہ کو دُور کر دیا۔

جس نے دُنیا کو بتلا دیا کہ سچا اسلام ہر قسم کی دینی و دُنیاوی ترقیات کرنے کو بہمہ وجوہ آمادہ ہے۔

جس نے غیر مذہب والوں پر ثابت کر دیا کہ اسلام ہی وُہ مذہب ہے جو انسانی فطرت کے مطابق ہے۔

جس نے عام و خاص پر ظاہر کر دیا کہ مصلحات بنی آدم میں سے جسکی شریعت دُنیا کی زندگی کے ساتھ وابستہ ہے وُہ نبی عربی محمّد صلعم کی ذات بابرکات ہے۔

ہاں کتاب تو ایسی ہی ہے مگر اب کہاں کچھ تو پہلے ہی گنتی کے نسخے چھپا کرتے تھے۔ اور اب بیس برس کی مُدّت نے اُسکو اور نایاب کر دیا اگر کہیں اتفاقیہ بکتی ہوئی مل بھی جائے تو پھر عام کو اُسکی خریداری و نفیس طبایع کو اُسکی گرانباری مُتعذر غریب آدمی ہزار بارہ سو کہاں سے لائے اور آسیر آدمی اُسکی ورق گردانی کا کس طرح متحمل ہو پس سہولت اِسکی مُقتضی ہوئی ہے کہ کل اولڈ اڈیشن (عہد عتیق) چار حصوں میں شایع کیا جائے۔ اور ہر حصّہ کی قیمت دو روپیہ قرار پاوے۔ ترتیب مضامین کے لحاظ سے تفصیل حصص یوں ہو گی:۔

پہلے حصّہ میں آنریبل سر سید احمد خاں صاحب بہادر بالقابہ کے مضامین۔

دُوسرے حصّہ میں نواب محسن الدولہ محسن الملک مولوی سید مہدی علیخاں صاحب بہادر مُنیر نواز جنگ کے مضامین۔

تیسرے حصّہ میں نواب اعظم یار جنگ مولوی محمّد چراغ علی خاں صاحب بہادر کے مضامین۔

چوتھے حصّہ میں نواب انتصار جنگ مولوی مشتاق حسین۔ مولوی الطاف حسین حالی شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ۔ مولوی مہدی حسن۔ سید محمّد محمود وغیرہ صاحبان کے مضامین۔

ترتیب تو اسکی مُقتضی تھی کہ پہلے آنریبل سر سید احمد خاں بہادر کے مضامین چھاپے جاتے۔ مگر مشرقی تحقیقات کے نکتہ طراز و نے نواب محسن الملک کی تقدیم مضامین پر زور دیا۔ اسواسطے سب سے پہلے بجائے پہلے حصّہ کے دوسرا حصّہ شایع ہوتا ہے۔ باقی سلسلہ وار شایع ہونگے +

قوم کا خادم

خاکسار مُنشی **فضل الدین** تاجر کُتب قومی و مالک اخبار اشاعت

لاہور۔ بازار کشمیری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حصہ اوّل

اسلام

تمام متکلمین اور حکماء کا قول ہے کہ حقائق الاشیاء ثابتۃ یعنی ہر چیز کی فی ذاتہ ایک حقیقت اور ماہیت ہے اور انہیں کا یہ مقولہ ہے کہ تقلیب الماہیت محال یعنی ماہیت کا بدل جانا عقلاً محال ہے اور جو شئے عقلاً محال ہو اسکا واقع بھی ہونا غیر ممکن۔

پس اگر ہم کسی شئے کی حقیقت کو جانتے ہوں لیکن اسکو اسکی ماہیت سے بدلا ہوا پاویں یعنی جو اسکی ذاتی حقیقت اور اصلی حالت تھی اسمیں فرق دیکھیں تو ہمکو لازم ہے کہ ہم اسکا سبب دریافت کریں اور ان عوارض خارجی اور اسباب عارضی کی تحقیقات پر متوجہ ہوں جن کے سبب سے اس شئے کی ماہیت ہماری نظروں میں بدلی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

ہر شئے کی ماہیت ثابت اور قائم رہنے کے لیئے ضرور ہے کہ وہ اپنی اصلی حالت پر باقی رہے اور کوئی دوسری شئے اس میں نہ ملے ورنہ جہاں ترکیب اور اختلاط نے راہ پائی اور اشیاء مختلفہ ایک دوسری سے ملیں تو پھر ان اشیاء مختلفہ کی ماہیت کا دریافت کرنا مشکل ہوجاتا ہے اور اختلاط سے جس نے ان چیزوں کی حالت اصلی کو بدل دیا شبہ تقلیب ماہیت کا ہوتا ہے۔

ہر شئے فی نفسہ اپنی ماہیت اور حقیقت میں جدا جدا ہے اور کسی دو چیز کی ایک ماہیت نہیں ہے اس لیئے کہ جب تک ماہیت دوسری نہوگی تب تک وہ شئے دوسری نہ کہلائیگی پس جب دو چیزیں کہ لامحالہ فی ذاتہ جداگانہ ماہیت رکھتی ہونگی باہم ملینگی تو ان کے اختلاط سے دونوں کی ماہیت ایک ہوجائیگی گو ان کی ترکیب باہمی سے ان اشیاء مختلفہ مختلطہ کا

ایک رکھدیا جائے اصل میں دونوں چیزیں اپنی جُدا گانہ ماہیت پر باقی رہینگی اور اس ترکیب سے اُن کی حقیقت میں کچھ فرق نہ آئیگا +

لیکن ترکیب اور اختلاط کے سبب سے اُن اشیاء مختلفہ کی حیثیت ظاہری ایسی مل جاویگی کہ اُن کے ہر اجزاء منفردہ یعنی ہر شئے جداگانہ کی حقیقت کا دریافت کرنا نہایت دشوار اور قریب بہ محال ہوگا اور پھر جب تک کہ وہ ترکیب کسی عمدہ تدبیر سے دور نہ کیجاوے اور ہر شئے اپنی اصلی حالت پر نہ لائی جاوے تب تک ماہیت کا دریافت کرنا حیطۂ امکان سے خارج ہوگا -

پس اگر ہم کسی شئے کی حقیقت دریافت کرنے پر مستعد ہوں تو پہلا کام ہمارا یہ ہے کہ ہم اُسکی حالت موجودہ پر نظر کریں کہ آیا وہ اپنی اصلی حالت تجرد پر باقی ہے یا کہ اور چیزیں بھی اُسمیں ملی ہوئی ہیں اگر ہم اور چیزوں کا میل اُن میں پاویں تو دوسرا کام ہمارا یہ ہوگا کہ اُن چیزوں کو جدا کرکے اُس شئے کو اُن سے علیحدہ کرکے اُسکی اصلی حالت پر لے آنیکا قصد کریں اور جبکہ ہم اُس شئے کو اُن چیزوں سے جدا کرنیکا قصد کریں تو تیسرا کام ہمارا یہ ہوگا کہ ہم اُس آلہ اور ذریعہ کو پیدا کریں جس سے وہ اختلاط کما حقہٗ دور ہو سکے اگر ہم اپنے ان تینوں کاموں میں غلطی نہ کرینگے تو ضرور اُس شئے کی حقیقت دریافت کرسکینگے -

جب ہم کسی چیز کے حسن و قبح کی تحقیقات پر آمادہ ہوں تو ہمکو لازم ہے کہ پہلے ہم اُس شئے کی حقیقت جس طرح اوپر ہم نے بیان کی ثابت کریں بعد اُسکے اپنی رائے اُس شئے کی بُرائی بھلائی کی نسبت قائم کریں ورنہ اگر ہم بغیر دریافت کرنے اُسکی حقیقت کے کسی مرکب شئے کو جوہر مجرد سمجھکر اُسپر اپنی رائے قائم کریں تو ہم غلطی اور دھوکا میں رہینگے اور وہ رائے ہماری نسبت اُس شئے کے نہ ہوگی بلکہ نسبت اُن اشیاء مختلفہ کے ہوگی جن کو اختلاط نے ظاہر میں ایک کردیا ہے -

جب ہم موجودات خارجی میں سے کسی کو دیکھتے ہیں تو سرسری نظر میں ہمکو ہر شئے بسیط معلوم ہوتی ہے اور ہماری پہلی نگاہ اُسکی ترکیب اور اختلاط پر نہیں جاتی لیکن جس قدر ہم غور کرتے جاتے ہیں اُسیقدر ہمکو اُس کے اجزاء مرکبہ کی کیفیت معلوم ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ آخر ہمکو یقین ہوجاتا ہے کہ کوئی شئے اُن میں سے جوہر بسیط اور مجرد محض نہیں ہے اور سب میں اشیاء متضاد ملی ہوئی ہیں - آخر ہمکو اُس آلہ اور ذریعہ سے کام لینا پڑتا ہے جس سے اُس ترکیب کو باطل کرکے ہر شئے کو جدا جدا کریں -

جو کیفیت ہم نے اعیان موجودات کی بیان کی وہی حال ہماری مدرکات اور معلومات اور معتقدات کا ہے کہ جو کچھ ہم سمجھتے ہیں اور جو کچھ ہم جانتے ہیں اور جو کچھ ہم مانتے ہیں اُس کی نسبت صحت اور سچائی کا یقین نہیں کر سکتے اور اُسکو غلطی اور خطا اور وہم اور شک کی آمیزش سے خالی نہیں کہہ سکتے جب تک کہ ہم اُسکو کسی سچے ذریعہ اور کارآمد آلہ سے جانچ نہ کریں اور اُسکے اجزاء مرکبہ کو علیحدہ علیحدہ کر کے نہ دیکھ لیں پس جس طرح موجودات خارجی میں سے کسی شئے کی حقیقت کے جاننے کا دعویٰ کرنا بغیر اس کے کہ اُسکو اپنی اصلی حالت پر لاکر امتحان کر لیں نادانی ہے اسی طرح ہمکو اپنے معتقدات میں سے کسی اعتقاد کی صحت پر یقین کرنا قبل اس کے کہ ہم اُسکو توہمات اور خیالات سے جُدا کر دیں بڑی غلطی ہے۔

جیسا کہ ہمکو کسی موجودات کی حقیقت معلوم کرنے پر یقین نہیں ہو سکتا جب تک کہ ہمنے خود اُسکو مذکورہ تدبیروں سے نہ جانچا ہو اسی طرح ہمکو اپنے معتقدات کی صحت پر اعتقاد کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ ہمنے بذاتہ اُسکو اُسی طرح دریافت نہ کیا ہو اور اگر ہم نے ایسا کر لیا ہو تو پھر ہمارا اعتقاد بھی صحیح ہوگا اور اُس پر ہمکو یقین بھی ایسا ہوگا کہ اگر ساری دنیا ہماری مخالف ہو اور تمام جہان ہمکو مجنون اور دیوانہ بتاوے مگر ہمارے اُس یقین اور اعتقاد میں کچھ خلل نہ ہوگا"

بغیر اپنی ذاتی تحقیقات اور جانچ کے جو کچھ ہم سمجھیں اور جو کچھ اعتقاد کریں وہ صرف سُنا ہوا ہوگا اور کبھی غلطی کے احتمال سے محفوظ نہ رہیگا اور اطمینان قلبی جس شئے کا نام ہے وہ کبھی حاصل ہوگی ہماری مثال ٹھیک ٹھیک ایک اندھے کی ہوگی جس کو کوئی ہاتھ پکڑے لیئے جاتا ہو کہ اگر قسمت سے راہ بتانے والا اچھا ملگیا خیریت گذری ورنہ کسی گڑھے غار میں گر کر مٹی خراب ہوئی "

تحقیق کرنیوالے کو ہر چیز کی تحقیقات کے لیئے ضرور ہے کہ جو کچھ لوگوں سے اُس کی حقیقت کی نسبت سُنا ہو یا جو کچھ اُس نے خود سمجھ رکھا ہو اُس سے اوّل اپنے دماغ کو خالی کرے اور کسی کی حقیت اور صحت پر پہلے سے یقین نکرے اس لیئے کہ اگر وہ ایسا کرے گا تو یا تحقیقات کرنے پر اُسکو توجہ نہ ہوگی اس لیئے کہ وہ اپنے خیالات کو یقینیات سمجھ کر اپنے آپکو مستغنی سمجھیگا یا تحقیقات کرتے وقت اُسکو توہمات اور خطرات ایسے پیدا ہونگے کہ وہ اُسکی تحقیق میں خلل ڈالیں گے

ایسی تحقیقات کرنے والے کو چاہیئے کہ وہ اُن سب باتوں کو جو لوگوں سے سُنی ہوں یا جو کچھ اُس کے دل میں گذری ہوں پیش نظر رکھے اور بغیر پیدا کرنے یقین کے کسی پر وہ اُنکی تحقیق بذریعہ اُس آلہ اور ذریعہ کے جو اُس کے امتحان کے لیئے ہو کرے تاکہ اُسکو خود معلوم ہو وے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا۔

مثلاً ہم بیان کرتے ہیں کہ حکمائے یونان کا قول تھا کہ عناصر چار ہیں جن کا نام اُن کی اصطلاح میں اسطقسات اربعہ تھا اور اُن کے جوہر بسیط ہونے پر ہزارہا آدمی معتقد تھے اور ہزاروں برس سے اسی کے معتقد ہیں اور اب حکمائے یورپ کا قول ہے کہ وہ مرکب ہیں پس ہم جسکی بات کو بغیر امتحان اور جانچ کے مانینگے گو وہ فی نفسہ صحیح ہو مگر ہمارا بے جانچے مان لینا ہی باعث غلطی ہے اس لیئے ہمکو لازم ہے کہ ہم دونوں کے دلائل سُنیں اور جو ذریعے اور آلات اُن کے امتحان اور دریافت کرنے کے دونوں کے پاس ہوں لیکر خود امتحان کریں تب ہم خود یقین کرینگے کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا اور اگر ہم ایک کے قول کو پہلے ہی صحیح مان لیں اور دوسرے کی بات تک نہ سنیں تو ہم در حقیقت جہل بلکہ جہل مرکب میں گرفتار سمجھے جاوینگے اور گو وہ قول جس کو ہم نے بے سوچے سمجھے مانا ہے درست ہی ہو لیکن ہم غلطی اور دھوکا میں پڑے ہوئے سے غلطی کے گڑھے میں پڑے ہونگے

ان مقدمات کی تمہید سے مطلب ہمارا اپنی قوم کی موجودہ حالت پر غور کرنا اور اُسکی حقیقت اور ماہیت دریافت کرنا ہے پس ہم اُس حالت موجودہ کو ایک شئے قرار دیتے ہیں جو نام سے اسلام کے متعارف ہے اور ہماری نظر میں شئے واحد سمجھی جاتی ہے اور ہمارے تمام عقاید اور اعمال اور حرکات و سکنات اور چال چلن پر مسلمانی کا لفظ اطلاق کیا جاتا ہے لیکن غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بہت سے اجزائے کثیف اور بے شمار چیزوں سے مخلوط ہے اور وہ جوہر نورانی جس کا نام اسلام ہے اور جو فی الحقیقت ہر بُرائی سے پاک اور ہر تیرگی سے صاف ہے اجزاء کثیفہ کے مل جانے سے مکدر اور تاریک ہو رہا ہے اور اُس کا اصلی نور اُس تکدر کے سبب سے چھپ گیا ہے۔

ہر ملک میں عرب سے لیکر ہند تک اور ہر قوم میں سادات و شیوخ سے لیکر محترفہ بازاری تک اور ہر مذہب میں اہل سُنت سے لیکر معتزلہ تک اور ہر فریق میں علماء سے لیکر جہلا تک اُس نورانی جوہر کا جُداگانہ جلوہ دکھلائی دیتا ہے اور اُس کلی طبعی کا مضمون ہر فرد میں ایک علیحدہ طور سے

نظر آتا ہے پس جو شخص سرسری نگاہ سے دیکھتا ہے وہ اُن سب کو ایک ہی شئے جانکر اُسکو اسلام سے تعبیر کرتا ہے اور ہمارے عقائد اور رسمیات کو اصل اسلام سمجھکر اُنکے حسن و قبح سے بحث کرتا ہے۔

پس اگر ہم اُس مجموعہ کو مع جمیع افراد کے اسلام کہیں تو یہ کہنا ہمارا محض غلط ہے اور اگر اُس سے کلیتہً انکار کریں تو بھی انکار ہمارا نادرست ہے اس لئیے ہمکو سوائے اسکے کچھ چارہ نہیں کہ ہم اُنہیں اصول موضوعہ کو جو اوپر بیان کئیے پیش نظر رکھکر اُسکی ترکیب اور اختلاط کے دُور کرنیکی فکر کریں اور کسی نہایت سچے ذریعہ اور مفید تدبیر سے ہر ہر جزو کو علیحدہ علیحدہ کر کے اسلام جس شئے کا نام ہے اُسکو الگ کریں تب اُسکی حقیقت معلوم ہونے پر یقین کر کے اُن آرائے مختلفہ کو جو اُس مجموعہ مرکب کے حسن و قبح کی نسبت ہے دیکھیں تاکہ ہمکو معلوم ہو جاوے کہ اُن اجزا مختلفہ کا تعلق کس قدر اصل اسلام سے ہے اور کس قدر اُن اشیا خارجی سے جو اسلام میں مختلط ہو گئی ہیں۔

غرضکہ اس کام کے لیئے ہمکو کوئی سچا اور کارآمد آلہ درکار ہے جو کہ اُس ترکیب کو دور کرے اور وہ سچا اور کارآمد آلہ کیا ہے۔ رسول صلعم کی ذات ہے جن کا لقب احمد مجتبیٰ اور جن کا نام محمد مصطفیٰ ہے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

کوئی یہ نہ خیال کرے کہ وہ آلہ ہمارے پاس نہیں ہے بلکہ بالکل صحیح و سالم ہمارے پاس اب تک موجود ہے اور قیامت تک موجود رہیگا ہاں اُس کے اجزا کا سمجھنا اور اُس سے کام لینے کا طریقہ جاننا ضرور ہے۔

اُس آلہ سے مراد وہ صورت شخصی نہیں ہے جسمیں اور لوگ بھی مشابہت صوری رکھتے تھے بلکہ خاص منصب مراد ہے جس میں کوئی کچھ مناسبت نہیں رکھتا یعنی نبوت اور رسالت کہ اُسکے دو جزو ہیں ایک ایسا سچا کہ کسی طرح کا اُسمیں شک و شبہ نہیں دوسرا ایسا کہ جس کی سچائی پر کسی قدر صحت اور سند اور تحقیقات کی حاجت ہے۔ پہلے جزو سے مراد کتاب اللہ ہے۔ دوسرے جزو سے مراد حدیث ہے۔ پس جس کے پاس یہ دونوں جزو موجود ہوں اُسکے پاس ہر وقت اور ہر ساعت وہ آلہ گویا بذاتہ اور بنفسہ موجود ہے۔ مشرق میں ہو خواہ مغرب میں۔ شمال میں ہو خواہ جنوب میں۔

شاخ گل ہر جا کہ روید ہم گل است + خم مل ہر جا کہ جوشد ہم مل است

گر ز مغرب بر زند خورشید سر ٭ عین خورشید است نے چیزے دگر

پس ہمکو اپنے تمام حالات کا دینی ہوں یا دنیاوی - اصلی ہوں یا فروعی - حقوق اللہ سے متعلق ہوں یا حقوق العباد سے - امتحان کرنا لازم ہے - اور امتحان کا طریق یہ ہے کہ اسکی تطبیق کتاب اللہ اور سنت سے کریں جس کو اس کے مطابق پاویں اسکو اسلام سمجھیں اور جسکو مخالف پاویں اسکو اسلام سے خارج جانیں -

اسلام کو ہماری ذات سے دو قسم کا تعلق ہے - ایک متعلق عقاید کے جسکو حکما حکمت بالغہ یا کمال علمی کہتے ہیں - دوسرا متعلق اعمال کے جسکو عقلا قدرت فاضلہ اور کمال علمی سے تعبیر کرتے ہیں - پہلے امر کو جو درحقیقت اصول ہے کتاب و سنت نے ایسا صاف کر دیا ہے کہ اب کسی دوسرے سے پوچھنے بتلانے کی ضرورت باقی نہیں رہی - مراتب توحید اور نبوت اور معاد کی کامل تشریح کر دی ہے - دوسرے امر کو جو درحقیقت فروع ہے اسکے اصول بھی تصریح کے ساتھ بیان کر دیے ہیں اس لیے ہمکو اپنی دونوں باتوں کو کتاب و سنت سے ملانا چاہیے تب معلوم ہوگا کہ کتنی باتیں ہم میں اسلام کی ہیں اور کتنی اس سے خارج اور کون کون سا عمل ہمارا موافق اسکے ہے اور کون سا مخالف -

ہمارے حالات دنیوی بھی مذہب کے تعلقات سے آزاد نہیں ہیں بلکہ ہر معاملہ میں خواہ وہ سیاست مدن سے متعلق ہو خواہ اسکو حکمت منزلی سے علاقہ ہو ہمکو شریعت کی پابندی ہی ہمارا تمدن اور معاشرت اور برتاؤ آزادانہ یعنی بلا قید شریعت کے نہیں ہو سکتا جو برتاؤ دنیاوی ہمارا ہوگا وہ بھی مذہبی ہوگا اور ہماری ہر بات اور ہر چال اور ہر فعل اور ہر عمل میں جلوہ اسلام کا چمکیگا اگر وہ برتاؤ مطابق شریعت کے ہے تو وہ نور اسلام ہے اور اگر مخالف ہے تو وہ مانع اسلام -

شریعت نے ہمکو رہبانیت کی تعلیم نہیں کی - جوگی ہونیکی اجازت نہیں دی بلکہ فرمایا ہے کلوا من الطیبات واعملوا صالحا اس لیے اگر دل بایار اور دست بکار رہو تو عین صواب ہے شریعت نے دائرہ معیشت کو تنگ نہیں کیا - زینت دنیا سے ممنوع نہیں گردانا - ہم سب مسلمان محرمات سے بچکر اپنی زندگی کو نہایت آرام سے بسر کر سکتے ہیں اور اپنی اوقات کو اور اپنے مال کو اگر اپنے بھائیوں کی بھلائی میں صرف کریں تو کسی عبادت میں اس سے زیادہ ثواب کے مستحق نہیں ہو سکتے لیکن ہم نے اپنی بدبختی سے دیر [illegible] بدعت کے عقیدوں سے

خراب اور دنیا کو غفلت اور جہالت کے سبب سے برباد کر رکھا ہے۔ نہ دین کے ہوئے نہ دنیا کے۔

بیت

گئے دونوں جہان کے کام سے ہم نہ اِدھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے
نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم نہ اِدھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے

جب ہم خلفاء راشدین کے اصول سیاست اور طریقِ معاشرت اور اخلاق اور عادات اور چال و چلن اور برتاؤ کو دیکھتے ہیں تو ہماری آنکھوں کے سامنے بہت سی عجیب و غریب چیزیں پھر جاتی ہیں اور بہت سے عقدے ہمارے حل ہو جاتے ہیں اس لیئے ہم کچھ مختصر سا حال خلفاء راشدین کی خلافت کا لکھتے ہیں لیکن صرف اُن باتوں کو جو کہ متعلق سیاست اور معاشرت کے ہیں تاکہ اُس سے فواید ذیل حاصل ہوں۔

اوّل معلوم ہونا اُن کے اصول سیاست کا کہ وہ کیسے تھے اور کن قواعد پر مبنی تھے۔

دوسرے ظاہر کرنا اُن کے اخلاق و عادات کا کہ وہ کیسی صفائی اور سچائی اور راستی ہر معاملہ میں رکھتے تھے اور غیر مذہب والوں سے کس طور سے پیش آتے تھے۔

تیسرے ظاہر کرنا اُن کے مختلف قواعد انتظامیہ کا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ موافق ضرورت وقت اور حال زمانہ کے اصول سیاست اور تمدن اور معاشرت کے مقرر کرنا اور وقتاً فوقتاً اُن میں اصلاح کرنا اور نئے نئے ضابطے جو پہلے جاری نہ تھے منضبط کرنا اور امور مفید عام کے اجرا میں کوشش کرنا (بشرطیکہ کوئی نص کتاب و سنت سے اُسکے منع اور حرمت پر نہو) اُن کے نزدیک بدعت نہ تھا۔

چوتھے مخالفت اُن سلاطین اسلامیہ کی شریعت سے جنہوں نے اپنی حرکات ظالمانہ اور افعال جابرانہ سے اپنے بے جا تعصب اور غلبہ غضب کو سلطنت کے کاموں میں دخل دیا اور ناجائز طور سے اپنے اختیارات شاہی کو برتا اور اسلام کو بٹہ لگایا۔

پانچویں واقف کرنا اپنے بھائی مسلمانوں کو اُن کے پیشواؤں کے اخلاق اور عادات سے اور اُن کے قواعد انتظامیہ اور قوانین حکمیہ سے تاکہ اُن کو معلوم ہووے کہ وہ امورات انتظام سلطنت میں کیسی استعداد رکھتے تھے اور وہ تہذیب اور شایستگی کی ترویج میں کیسی سعی بلیغ کرتے تھے۔

خلفاء راشدین کے اصول سیاست و احکام و اخلاق اور عادت کا بیان

میں خلفاء راشدین میں سے صرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات لکھتا ہوں اسلیئے کہ اُن کا زمانہ کمال کا زمانہ تھا اور اُن کی ذات سے اصول سیاست کا اختراع ہوا اور اُن کے وقت میں کچھ فتنہ و فساد بھی پیدا نہیں ہوا۔

پہلا اصول جس پر بنا رخلافت تھی اجماع تھا۔ یعنی امام اور خلیفہ کا مقرر ہونا تمام اُمت اور رعیت کی مرضی پر موقوف تھا۔ قرابت اور رشتہ اور ارث کو اسمیں کچھ دخل نہ تھا چنانچہ جب وقت وفات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قریب ہوا تو لوگوں نے کہا کہ آپ اپنے بیٹے عبد اللہ کو اپنا جانشین کر دیجئے حضرت نے فرمایا کہ اُسکا کچھ حق نہیں ہے۔

درحقیقت اُس وقت کی خلافت کو سلطنت جمہوری سمجھنا چاہیئے جس کی خوبی اور عمدگی پر آج تمام شایستہ قوم یورپ کو اتفاق ہے۔

دوسرا اصول خلیفہ کو آزادی اور خود مختاری کا حاصل نہونا۔ امام اور خلیفہ اجراء احکام اور انتظام امورات سلطنت میں آزاد اور خود مختار نہ تھا اور اپنی خواہشات اور ارادوں کو بلا قید شریعت کے پورا کرنا کیسا ظاہر بھی نہ کرسکتا تھا۔ کتاب و سنت کا پابند ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی نے جبکہ وہ خلیفہ مقرر ہوئے جو پہلا خطبہ پڑھا وہ یہ تھا "اے مسلمانو میں آدمی ویسا ہی جیسے کہ تم ہو۔ نہ خطاؤں سے معصوم ہوں نہ غلطیوں سے محفوظ نہ تم سب سے بہتر اور اچھا ہوں اس لیئے تم میری خبرداری رکھنا۔ جو باتیں میری خدا اور اُس کے رسول کے احکام کے موافق ہوں اُن میں میری تبعیت کرنا۔ اور جن میں مجھے لغزش کرتے ہوئے دیکھنا سنبھالنا۔"

یہ دوسرا اصول درحقیقت پہلے اصول کا نتیجہ ہے بلکہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ خلافت راشدہ کے

ء ان حالات کو ہم نے اِن کتابوں سے منتخب کیا ہے۔

(۱) تاریخ یافعی۔ (۲) تاریخ الخلفاء سیوطی۔ (۳) ازالۃ الخفا (۴) طبری ؎

پہلا اصول قائم نہ رہا اور سلطنت حق موروثی ہوگیا اسی واسطے دوسرا اصول بھی ٹوٹ گیا اور بادشاہ اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے لگے اور بغیر پابندی قوانین شریعت و ضوابط امامت کے اپنی خواہشات کو پورا کرینگے۔

تیسرا اصول رعایا کو آزادی حاصل ہونا۔ سوائے شریعت کے احکام کے رعایا کو کسی قسم کے امام اور خلیفہ کی طرف سے پابندی نہ تھی اور خلیفہ کو کسی پر کچھ اختیار سوائے اُس کے جو قانون شریعت سے جائز تھا حاصل نہ تھا بلکہ ذاتی معاملات میں خلیفہ خود مدعی اور خود مدعا علیہ ہوتا تھا اور کوئی عامل و صوبہ اسی اصول کی پابندی سے اپنے اختیارات کو ناجائز طور سے استعمال میں نہیں لا سکتا تھا۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ فلاں حاکم نے مجھے بے قصور شرعی سو کوڑے مارے ہیں حضرت عمرؓ نے بعد ثبوت کے اُس حاکم کو سو کوڑے مارنے کا حکم دیا عمرو ابن عاصؓ سفارش کی تب جواب دیا کہ جب پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثنا اپنی ذات کو قصاص اور احکام شرعی سے مستثنےٰ نہیں سمجھتے تھے تو پھر میں یا یہ کون ہیں۔

کوئی شخص اپنی عزت اور جان اور مال میں کسی کا خائف نہ تھا اور سوائے اُن ذریعوں کے جو شرعاً جائز ہیں کسی سے خلیفہ وقت کچھ مزاحمت نہیں کر سکتا تھا بلکہ جو امور مصلحت وقت سے خلیفہ جاری کرنا چاہتا اور کوئی اسکی اباحت ثابت کر کے اُس سے انکار کرتا تو خلیفہ کو سوائے سکوت کے کچھ چارہ نہ ہوتا ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے مہر کے زیادہ باندھنے کی ممانعت پر خطبہ پڑھا کہ ایک بڑھیا عورت نے آیت قنطارا مقنطرۃ پڑھکر کہا کہ جس چیز کو خدا جائز اور مباح کرے تم کیونکر منع کرتے ہو حضرت عمرؓ نے انصاف کیا اور فرمایا کہ کل الناس افقہ من عمر حتی المخدرات۔

آزادی کا درجہ یہاں تک پہونچا تھا کہ اگر خلیفہ کسی شخص کو شرعی جرم میں ماخوذ کرتے لیکن بغیر ضابطہ معین کے تو مجرم عذر کرتا اور اپنے آپ کو بچا لیتا چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کو مدینہ کا گشت کرتے کرتے ایک ایسے گھر کے پاس پہنچے کہ وہاں سے آواز گانے کی آتی تھی۔ وہ اُس گھر کے اندر دیوار کی راہ سے گھس گئے وہاں ایک عورت کو دیکھا کہ شراب رکھی ہوئی ہے اور وہ گاتی ہے حضرت عمرؓ نے اُسکو پکڑا۔ اُس عورت نے کہا کہ میں نے اگر ایک جرم کیا ہے تو تم نے تین جرم کیے ہیں۔

اوّل۔ خدا نے فرمایا ہے کہ لا تجسسوا کہ تم تجسس کرتے پھرو۔ سو تونے تجسس کیا۔
دوسرے۔ خدا نے فرمایا ہے لیس البر بان تاتوا البیوت من ظھورھا۔ کہ دیوار کے پیچھے سے کسی مکان میں گھسنا اچھا نہیں ہے اور تم دروازہ بند پاکر پشت مکان سے داخل ہوئے۔
تیسرے۔ خدا فرماتا ہے لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم۔ کہ اپنے گھر کے سوا دوسرے کے گھر میں جاؤ۔ اور تم بغیر میری اجازت کے چلے آئے۔ چنانچہ حضرت عمر نے اُسکو چھوڑ دیا۔
حضرت عمر باوجود اپنے زہد اور ورع کے کہ جس سے زیادہ خیال میں نہیں آسکتا عام لوگوں کو مباحات سے منع نہ کرتے تھے اور کھانے پینے آرام کرنے میں وہ آزاد مطلق تھے چنانچہ جب حضرت ابو عبیدہ جراح نے انطاکیہ شہر کو فتح کیا اور بسبب پاک صاف ہونے اُس شہر کے اور اچھے عمدہ چیزوں کے مسلمانوں نے وہاں چندروز ٹھہرنے کا قصد کیا تو اُنھوں نے حضرت عمر کو خط لکھا کہ میں اس شہر میں ٹھہرنا پسند نہیں کرتا ایسا نہو کہ مسلمانوں کو اسکی آب و ہوا پسند آوے اور محبت دنیا کی اُن پر غالب ہوجاوے۔ بجواب اُس کے حضرت عمرؓ نے لکھا کہ خدا نے پاک چیزوں کو حرام نہیں کیا ہے تم کیوں حرام کرتے ہو۔
چوتھا اصول شوریٰ۔ اسکی اصل قرآن مجید سے ہے کہ خدائے عالم نے فرمایا ہے کہ شاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ کہ جو کام پیش آوے اُسمیں صلاح و مشورہ کرنا اور پھر جب تم مصمم ہوجاوے تو خدا پر بھروسہ کرکے اُسکو شروع کرنا۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس اصول کا ہمیشہ لحاظ رکھا اور نہایت خوبی سے اسکی پابندی کی جب وہ کوئی کام کرتے تو سب سے مشورہ و صلاح کرتے اور پھر سب کو میزان عقل میں تولتے اور بعدہ ایک رائے پر نہایت استقلال سے قایم ہوجاتے اسی واسطے تدبیر مملکت میں اُنھوں نے دھوکا نہ پایا اور اُن کی سب تدبیریں مفید پڑیں۔
حضرت عمرؓ کو اس اصول کا یہاں تک لحاظ تھا کہ اگر کسی فروعی مسئلہ میں وہ نص صریح کتاب وسنت کی نہ پاتے تو وہ مشورہ کرتے چنانچہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ اُنھوں نے اپنی آنکھ سے ایک شخص کو زنا کرتے ہوئے دیکھا تو باہم مشورہ کیا کہ خلیفہ کو اپنی رویت پر تعزیر کرنیکا اختیار ہے یا نہیں۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ جب نص صریح موجود ہے کہ چار گواہ ہونے چاہئیں تو کیونکر صرف اپنی رویت پر اختیار تعزیر کا ہوگا۔
یہ چوتھا اصول بھی دوسرے اصول کا ثمرہ ہے اس لیئے کہ جب بادشاہ کو آزادی اور خودمختاری

نہ ہوگی تو لامحالہ وہ صرف اپنی مرضی سے کام نہ کرسکے گا اور اُسکو ضرورت اُن لوگوں سے پوچھنے کی ہوگی جو کہ صاحب الرائے ہوں۔

یہ اصول وہی ہے جو کہ آجکل تہذیب یافتہ قوموں میں یورپ کی جاری ہے جسکو باختلاف لغت اور زبان کے کونسل کہتے ہیں۔

پانچواں اصول خلیفہ کو ملک کی آمدنی کا سوائے حق معین کے اپنے صرف میں لانا۔ ملک کی آمدنی خواہ وہ جزیہ کی ہوتی ہو یا خراج کی یا عشر کی وہ سب بیت المال میں جمع ہوتی۔ خلیفہ کو کسی قسم کا اختیار اُس پر نہ تھا صرف روزینہ یا تنخواہ مقرری کے سوا وہ کچھ نہ لے سکتے تھے۔ ابتدائے عہد خلافت میں حضرت صدیق اکبر رض کو صرف کھانا کپڑا ملتا تھا اور جب آمدنی زیادہ ہوئی تب دو ہزار پانچ سو درم ملنے لگے اور حضرت عمر رض بھی اپنی ذات کیواسطے صرف اُسقدر لیتے جس قدر اور مہاجرین و انصار کو دیتے تھے۔

جو آمدنی ملک کی ہوتی وہ خزانہ میں جمع ہوتی اور فوج کے سرداروں[۱] اور سپاہیوں اور مہاجرین و انصار کو اس سے مشاہرہ مقرری اور فقراء اور مساکین کو آذوقہ کافی دیا جاتا اور بوقت ضرورت عام فائدہ کے کاموں میں صرف کی جاتی جس طرح پہ کوفہ اور بصرہ وغیرہ شہروں کی آبادی اور عمارت میں یا وقت ایام قحط مدینہ کے جس کا نام قحط رمادہ ہے غلہ کے باہر سے منگانے میں صرف کی گئی۔

ملک کی آمدنی سے جس طرح مسلمان فقراء و مساکین کو حصہ دیا جاتا اُسی طرح پر اہل کتاب وغیرہ کو کچھ تخصیص مسلمانوں کی نہ تھی۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت عمر رض نے ایک بڈھے اندھے یہودی کو ایک جگہ سوال کرتے دیکھا اور بوقت استفسار کے معلوم ہوا کہ جزیہ کے مطالبہ کے واسطے وہ سوال کرتا ہے اُسی وقت اُس کا ہاتھ پکڑ کر نہایت اخلاق سے اپنے گھر لائے اور کچھ اسکو دیا اور جزیہ کے تحصیل کرنیوالوں کو حکم دیا کہ اس کا اور اس قسم کے لوگوں کا خیال رکھنا۔ یہ کون انصاف ہے کہ اسکی جوانی کی کمائی تو ہم کھاویں اور بڑھاپے میں اُس کو ذلیل کریں اور اسکی کچھ بھی خبر نہ لیں اس لیئے آیندہ سے ایسے لوگوں سے مطالبہ نہ کرو اور اُن کو جزیہ سے معاف جانو اور بیت المال کے داروغہ کو حکم دیا کہ خدا نے فرمایا ہے کہ انما الصدقات للفقراء والمساکین

---

[۱] عاملوں کی تنخواہ بارہ ہزار دینار سالیانہ تک ہوتی تھی اور اہل شوریٰ کو پانچ ہزار درم ماہواری مقرر تھے۔

اور یہی صابئین اہل کتاب سے ہیں اس لیئے ان کو بھی دینا چاہیئے۔

چھٹا اصول وقت لشکر کشی کے کسی ملک پر مراعات اور حسن سلوک کا لحاظ رکھنا اور کسی پر بیجا زیادتی نہ کرنا اور جہاں تک ممکن ہو نرمی سے پیش آنا۔

جب کسی ملک کے فتح کرنے کے لیئے لشکر بھیجا جاتا تھا تو اُس لشکر کے سردار کو جو احکام دیئے جاتے تھے اُن میں امور مفصلہ ذیل پر نہایت تاکید کیجاتی تھی۔

اوّل۔ کوئی عورت اور لڑکا اور بڈھا اور ضعیف نہ مارا جاوے۔

دوسرے۔ کسی کا ناک کان نہ کاٹا جاوے۔

تیسرے۔ عبادت کرنے والے گوشہ نشین قتل نہ کیئے جاویں اور اُن کے عبادت خانے نہ کھودے جاویں۔

چوتھے۔ کوئی درخت پھلدار نہ کاٹا جاوے۔ کوئی کھیت نہ جلایا جاوے۔

پانچویں۔ کوئی عمارت اور آبادی ویران نہ کیجاوے۔

چھٹے۔ کسی جانور بکری۔ اونٹ وغیرہ کی کونچیں نہ کاٹی جاویں۔

ساتویں۔ کوئی کام بغیر صلاح و مشورہ کے نہووے۔

آٹھویں۔ ہر ایک کے ساتھ طریقہ انصاف و عدل کا برتا جاوے کسی پر ظلم اور جبر کیا جاوے۔

نویں۔ جو عہد و پیمان غیر مذہب والوں سے کیا جاوے اُسمیں بیوفائی نہ کیجاوے اور وہ ٹھیک ٹھیک وفا کیا جاوے۔

دسویں۔ جو لوگ اطاعت قبول کریں اور جزیہ دیں اُن کی جان و مال مسلمانوں کی جان و مال کے برابر سمجھی جاویں اور اُن کے دشمنوں سے اُن کی حفاظت کی جاوے اور تمام معاملات میں اُن کے احکام مثل مسلمانوں کے تصور کیئے جاویں۔

گیارھویں۔ جب تک کہ اسلام کے قبول کرنے کی دعوت نہ کی گئی ہو دفعتاً لڑنا نہ چاہیئے۔

اِن احکام پر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ مقابلہ اور لشکر کشی کے وقت کیسی نیکی اور رحم اور نرمی کی رعایت کی جاتی تھی۔ اور غدر اور فریب اور بدعہدی پر کس قدر تہدید ہوتی تھی کوئی بادشاہ نیک سا نیک اور رحیم سا رحیم کیوں نہ ہو لشکر کشی کے وقت اس سے زیادہ نرمی نہیں کر سکتا۔

ساتواں اصول۔ امورات ریاست اور انتظام سلطنت کے عمدہ نظام کے لیئے لائق عہدہ دار

اور اہلکاروں کا منتخب کرنا اور اُن کو وقت تقرر کے ہدایات خاص کرنا اور ہمیشہ اُن کی نگرانی رکھنا۔

جس عامل کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقرر کرتے تھے اُسکو احکام ذیل سُناتے اور اُسکی تعمیل کی تاکید کرتے۔

اوّل۔ چوبدار اور حاجب نہ رکھنا کسی مستغیث کو آنیکی روک ٹوک کا ذریعہ پیدا نہ کرنا گویا یہ حکم تھا کہ درِ عدالت کو ہر وقت کھلا رکھنا۔

دوسرے۔ جب کوئی استغاثہ کرے اُسکو سُننا اور مدعی سے گواہ عادل اور منکر سے قسم لیکر اُسکو فیصلہ کرنا +

جس شخص پر حد شرعی جاری نہوئی ہو یا جھوٹی شہادت میں مشہور نہو یا اُس پر محبت اور وراثت کی تہمت نہو وہ عادل سمجھا جاویگا۔

اگر گواہوں کی حاضری کے واسطے مہلت مانگی جاوے تو مہلت دینا۔

تیسرے۔ مقدمات جلد فیصلہ کرنا تاکہ ایسا نہو کہ مدعی دیر کے سبب سے اپنا دعویٰ چھوڑ بیٹھے۔

چوتھے۔ باہم مصالحہ اور رضامندی کو منظور کرنا بشرطیکہ اُس سے تحلیل حرام اور تحریم حلال نہ ہو۔

پانچویں۔ متخاصمین پر سختی اور درشتی اور غصہ نکرنا۔

چھٹے۔ رعب قایم رکھنا مگر نہ اتنا کہ وہ منجر بہ جبر ہو اور اخلاق و نرمی کرنا مگر نہ اسقدر کہ حکومت میں سستی اور بدرعبی ہو۔

ساتویں۔ ہمیشہ عدل و انصاف کرنا اور حق بحقدار پہنچانا۔

عدل و انصاف پر یہاں تک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عمل رہتا تھا کہ وہ مسلمان اور کافر میں کچھ تفرقہ نہ کرتے تھے چنانچہ سعید بن مسیب سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ایک یہودی اور ایک مسلمان مخاصمہ کرتے ہوئے آئے اور اُن کے نزدیک حق یہودی کا ثابت ہوا۔ اُسی کے حق میں فیصلہ کیا۔ وہ یہودی اس عدل کو دیکھکر مدح و ثنا کرنے لگا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے فیصلے اُن کے عاملوں کے واسطے بطور نظیر کے ہوتے تھے اور کیشتر اُن میں نرمی اور رحم شامل ہوتا تھا چنانچہ اکثر بجائے جسمانی تعزیر کے مالی تعزیر کا

حکم دیتے تھے جیسا کہ عبدالرحمن ابن حاطب سے منقول ہے کہ ایک شخص نے ایک کا ناقہ چورایا
اول حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تجویز ہاتھ کاٹنے کی کی آخر مدعی سے پوچھا کہ کیا قیمت ہے
اُس نے چار سو درم بتلائے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آٹھ سو درم کا جرمانہ
مجرم پر کرکے مدعی کو دلایا اور مجرم کو رہا کر دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس طرح پر اپنے عاملوں کو تاکید کرتے تھے اُسی طرح پر
رعایا کو بھی آگاہ کر دیا کرتے تھے کہ سوائے شریعت کے احکام کے کسی اعلیٰ سے اعلیٰ حاکم کو ادنیٰ
سے ادنیٰ رعیت پر کچھ اختیار نہیں ہے کہ اگر کوئی عامل کچھ کسی پر جبر و زیادتی کرے میں اُس کو
اُسی طرح پر مجرم سمجھوں گا جیسا کہ ادنیٰ رعیت کو سمجھتا ہوں اور اُسکو سزا دوں گا سب اپنی
عزت اور جان و مال میں سوائے احکام شرعی کے آزاد اور خود مختار ہیں اور حاکم اور رعیت
سب برابر ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے عاملوں کو خود مختار اور آزاد نہ ہونے دیتے تھے۔ اُنکی نگرانی
رکھتے ہمیشہ اُن کی تبدیلی کیا کرتے اُن سے اگر خطا ہو جاتی تو معزول کر دیا کرتے۔ جواب دہی کے
لیئے دار الخلافت میں طلب کرتے بعض قصوروں میں اُن پر جرمانہ کرتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عاملوں
کی تنخواہ زیادہ سے زیادہ بارہ ہزار دینار سالیانہ تک تھی جو یزید ابن ابو سفیان میر شام پاتے تھے۔
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ کے سے لائق اور نیک اللہ کارگذار عہدہ دار پھر دوسری خلافت میں نہیں ہوئے۔

آٹھواں اصول۔ امور مملکت کے انتظام کی نظر سے قوانین و ضوابط جدید کا جاری کرنا اور
وقتاً فوقتاً موقع اور مصلحت وقت دیکھکر اُسکی اصلاح و ترمیم کرنا بشرطیکہ کوئی نص صریح اُسکی حرمت
پر کتاب و سنت کی موجود نہ ہو جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کو غور کرتے ہیں
تو اُسکو ہزاروں عمدہ قواعد و مفید ضوابط سے بھرا ہوا پاتے ہیں درحقیقت اُن کی رائے نہایت عمدہ
اور اُن کے کام نہایت عجیب و غریب ہوتے تھے جو کچھ اصول سلطنت کے قاعدے اور ضابطے مقرر کیے
اُن کو دیکھکر حیرت ہوتی ہے۔

آج کل کے زمانہ میں جہاں کسی نے کوئی نئی بات کی گو اُسکو ثواب اور عذاب سے علاقہ نہو لوگ
بدعت کہنے لگتے ہیں اور اُسکو حرام اور منع بتلاتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ جس بات کو شرع نے حرام
کر دیا ہے اُس کو چھوڑ کر سب چیزیں مباح ہیں اس لیئے کہ الاصل فی الاشیاء الاباحۃ اور یہ نہیں
سمجھتے کہ اُن امور میں جو کہ متعلق سیاست مدن اور معاشرت کے ہیں ہمیشہ اختلاف زمانہ سے اختلاف

ہوتا رہتا ہے اور اُن کا ترمیم کرنا اور اُن میں اصلاح دینا ضروری ہوجاتا ہے اُن میں اُسی قاعدہ کا لحاظ کرنا چاہیئے جس کا حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنی خلافت میں کیا یعنی محرمات منصوصہ کو چھوڑ کر اُن باتوں کو اختیار کرنے میں جو کہ اُن کے زمانہ کے مناسب حال تھیں کچھ ذرا سا بھی تامل نہ کیا اور کسی نے اُس کو بدعت نہ کہا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب احیاء میں کیا عمدہ معنی بدعت کے لکھے ہیں جن کا نقل کرنا ہم اس موقع پر مناسب سمجھتے ہیں۔

قیل اربع احدثت بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الموائد والمناخل والاشنان والشبع واعلم انا وان قلنا الاکل علی السفرۃ اولی فلسنا نقول الاکل علی المائدۃ منہی عنہ نہی کراھۃ او تحریم اذ امر یثبت فیہ نہی وما یقال انہ ابدع بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلیس کل ما ابدع منہیا بل المنہی بدعۃ تضاد سنۃ ثابتۃ وترفع امرا من الشرع مع بقاء علتہ بل الابداع قد یجب فی بعض الاحوال اذا تغیرت الاسباب و لیس فی المائدۃ الا رفع الطعام عن الارض لتیسیر الاکل وامثال ذلک مما لا کراھۃ فیہ۔

(لوگ کہتے ہیں کہ بعد پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے یہ چار چیزیں جاری ہوئیں۔

(۱) خوان پر رکھکر کھانا کھانا (۲) میدہ اور چھنے ہوئے آٹے کی روٹی (۳) اشنان (۴) پیٹ بھر کے کھانا۔

لیکن اگرچہ ہم بھی کہتے ہیں کہ کھانا سفرہ پر بہتر ہے لیکن یہ ہمارا قول نہیں ہے کہ کھانا خوان پر حرام ہے یا مکروہ ہے اس لیئے کہ کوئی نہی صریح اس باب میں نہیں ہے اور جو لوگ کہ اُس کو بدعت کہتے ہیں سو یہ غلط ہے اس لیئے کہ جو بعد حضرت کے ہوئی ہو وہ بدعت نہیں ہے نہ وہ ممنوع ہے بلکہ بدعت وہ ہے جو کہ ضد اور مخالف کسی سنت ثابتہ کے ہو اور جس سے کوئی حکم شرعی باوجود موجود ہونے اُس کی علت کے مرتفع ہووے بلکہ بعض حالتوں میں اور بعض ضرورت کے سبب ایسی نئی بات کا کرنا جو کہ حضرت کے وقت میں نہ تھی واجب ہوجاتا ہے اور خوان میں سوائے اُس کے اور کچھ نہیں ہے کہ کھانا بنظر آسانی کے زمین سے بلند کرکے اُس پر رکھا جاتا ہے اور یہ بات اور مثل اس کے وہ چیزیں ہیں جن میں کچھ کراہیت شرعی نہیں ہے) ؀

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ امور جو دینیات سے نہیں ہیں اور جن پر شارع نے عذاب اور ثواب مقرر نہیں کیا ہے وہ سب مباحات میں ہیں اُن پر اطلاق بدعت کا کرنا نادانی ہے اور اسکا ثبوت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حالات سے ہوتا ہے کہ اُنھوں نے امور انتظام مملکت میں کیسی کیسی اختراعات کیں کہ اسکو ہم بیان کرتے ہیں۔

پہلا نیا کام جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا وہ دفتر اور کچہری کا مقرر کرنا اور لشکریوں اور ملازموں اور روزینہ والوں کا نام لکھا جانا اور اُن کی تنخواہیں مقرر کرنا ہے۔ قبل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جو مال غنیمت کا آتا تھا ویسا ہی تقسیم کر دیا جاتا تھا نہ نام پانے والے کا نہ تعداد اُس مال کی لکھی جاتی تھی مگر جبکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس قاعدہ میں ترمیم کی حاجت معلوم ہوئی تب مشورہ کیا۔ ولید ابن ہشام نے کہا کہ میں نے بادشاہان شام کے ہاں دیکھا ہے کہ وہ دفتر رکھتے ہیں اور اُس میں سب حساب کتاب تحریری رہتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسکو پسند کیا اور عقیل ابن ابی طالب اور مخرمہ بن نوفل اور جبیر بن مطعم کو بطور منشی کے مقرر کیا اور سب کے نام لکھنے کا اُن کو حکم دیا اور یہ کام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۲۰ھ ہجری محرم مہینے میں کیا۔

دوسرا کام جو اُنھوں نے کیا وہ تاریخ ہجری کا جاری کرنا ہے کہ اُسکا پہلے اُنکے رواج نہ تھا۔

تیسرا کام اُن کا خزانہ کا مقرر کرنا ہے جسکو ہماری اصطلاح میں بیت المال کہتے ہیں۔

چوتھا کام اُن کا تقسیم اختیارات اور عہدوں کا ہے اس سے پہلے جو کام ہوتا تھا وہ ایک ہی شخص کرتا تھا مگر بخیال اس کے کہ اُس میں چند قباحتیں نظر آئیں اسکو بدل دیا اور تین قسم کے عہدہ دار مقرر کیے۔ ایک امیر جس کے تعلق انتظام کل امور ریاست کا ہوتا تھا اور جس کے اختیار میں فوج رہتی تھی۔ دوسرا قاضی جس کا کام انفصال خصومات اور تصفیہ حقوق تھا۔ تیسرا تحویلدار جسکی سپردگی میں خزانہ رہتا تھا اور ایک کو دوسرے کے کام سے کچھ تعلق نہ تھا۔

پانچواں کام اُن کا جو سننے والوں کو متعجب کرتا ہے مقرر کرنا قواعد خراج اور محصول کا تھا۔ محصول لینے کے چند طریقے رکھے گئے تھے۔ ایک جزیہ اگر وہ برضامندی دینے والے کے ٹھہرتا تو اُسمیں کمی بیشی نہوتی ورنہ بشرح مختلف لیا جاتا مگر چار درم ماہواری سے زیادہ نہیں۔

دوسرا محصول مال تجارتی پر جسکی شرح یہ تھی۔ ذمیوں سے پانچ روپیہ سیکڑا اور حربیوں سے دس روپیہ سیکڑا۔ لیکن یہ محصول سالانہ ہوتا تھا اگر وہ مال سال بھر میں چند مرتبہ آوے تو پھر کبھی اُس سے

نہ لیا جاتا تھا اور اگر کوئی تحصیل کنندہ غلطی سے لیتا تو وہ واپس کر دیا جاتا جیسا کہ ایک عیسائی تاجر کو پھیر دیا گیا۔

تشخیص محصول زمین کا۔ اس محصول کے اُس وقت باقاعدہ مقرر ہونے پر لوگوں کو تعجب ہوگا کہ وہ فی جریب شرح مقرر بعد پیمایش اراضی کے اکثر جگہ لیا جاتا تھا چنانچہ جب ملک عراق کا فتح ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ اُس زمین کی پیمایش کیجائے چنانچہ عثمان ابن ضیف اور حذیفہ ابن یمان اِس کام پر مقرر ہوئے۔ بعد پیمایش کے معلوم ہوا کہ کُل اراضی زمین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ہے اُسپر موافق حیثیت پیداوار اراضی کے شرح مقرر کی گئی۔ عامر شعبی لکھتے ہیں کہ وہ شرح یہ تھی۔

اراضی قابل زراعت پر فی جریب	ایک درم سالیانہ
ترکاری کی زمین پر فی جریب	پانچ درم سالیانہ
انگور اور چھوہارے کی زمین پر فی جریب	دس درم سالیانہ

اور یہ صرف عراق میں جاری نہیں ہوا بلکہ شام اور دیگر جزائر میں بھی اسی طور پر کیا گیا لیکن سب مُلک مقبوضہ میں اس کا رواج نہیں ہونے پایا۔ محصول کے تحصیل کرنے میں نہایت آسانی کا حکم تھا اور تکلیف جسمانی دینے کی سخت ممانعت تھی چنانچہ ایک مرتبہ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وقت مراجعت سفر شام کے دیکھا کہ ایک قوم کی قوم کو تحصیل کرنے والے محصول کے ستاتے ہیں آپ نے اُن کو چھوڑا دیا اور فرمایا کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو لوگ دنیا میں عذاب دیتے ہیں وہ قیامت میں عذاب کیے جاویں گے۔

جو ملک فتح کیا جاتا اور مصالحہ کیا جاتا تو یہ شرطیں عہد نامہ میں داخل ہوتیں۔

اوّل۔ خراج کی تفصیل۔

دوسرے۔ جو مُسلمان اُن کے مُلک میں گذرے اُسکی تین روز تک مہمانی کرنا۔[۵]

تیسرے۔ راہ بتلانا۔

چوتھی۔ دشمنوں سے سازش نہ کرنا۔

پانچویں۔ مجرم کو پناہ نہ دینا۔

[۵] معلوم نہیں کہ مسلمان ان لوگوں کے ہاں کا یا اُن کے ساتھ کھانا کھاتے تھے یا خشک سید ھالے لیا کرتے تھے۔

چھٹا کام اُن کا زمین کی آبادی میں سعی کرنا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا تھا کہ جو زمین بنجر کو مزروعہ کرے وہ زمین اُسی کی ہو جاویگی۔ غرض اِس حکم سے یہ تھی کہ لوگ زراعت کرنے لگیں۔

ساتواں کام اُن کا شہروں کی آبادی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس جگہ پر جہاں اب بصرہ شہر آباد ہے بنیاد آباد کرنے کی ڈالی اور بصرہ کو آباد کیا اِس لیئے کہ وہ مقام ایسا تھا کہ جہاں جہاز اور کشتیاں عجم اور ہند کی لنگر کرتی تھیں بنظر حفاظت ملک کے دشمنوں سے اور بنظر فائدہ تجارت کے اِس شہر کو آباد کیا اور وہاں ایک فوج کی چھاونی مقرر کی۔

دوسرا کوفہ بھی آباد کیا ہوا اُن کا ہے۔ اُسکے آباد کرنے کا یہ سبب ہے کہ جب مسلمان شہر مداین میں بہت سے ہو گئے تو وہاں کی آب ہوا بگڑ گئی اور لوگ بیمار ہو گئے تب سعد ابن وقاص کو عمدہ جگہ تلاش کرنے پر مقرر کیا اور شہر کوفہ آباد کرایا۔ اِس شہر میں اول کچی اینٹ کی عمارت اور پھونس کے چھپر کا حکم دیا لیکن پھر اسمیں پختہ عمارت بنانیکی بھی اجازت دی۔

علاوہ اِن شہروں کے شام اور مصر اور چند جزائر میں شہر آباد کیئے۔

آٹھواں کام اُن کا تجارت کی آزادی ہے۔ تمام لوگوں کو بلالحاظ مذہب اور دین کے تجارت کرنے کی اجازت تھی بلکہ حربیوں کو حکم عام تھا کہ وہ مجاز ہیں کہ دارالاسلام میں آویں اور مسلمانوں سے خرید فروخت کریں۔ منبج شہر کے حربیوں نے درخواست کی کہ ہمکو عشر لیکر آنے کی اجازت ہو چنانچہ اُن کو اجازت دی گئی۔

یہ امور جن کو ہم نے بیان کیا وہ بطور نمونہ کے ہیں اگر حالات تفصیلی لکھے جاویں تو ایک بڑی کتاب ہو جاوے لیکن ہم مسلمانوں کو چاہیئے کہ اسکو نظر غور سے دیکھیں اور ان اصول اور ضوابط کے علل اور وجوہ پر نظر کریں کہ بلحاظ ضرورت و مناسبت حال زمانہ کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے متورع اور زاہد اور تابع سنت نے کیسے کیسے کام کیئے بلکہ استیعاب میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معاویہ امیر شام کو جو کہ ہزار دینار ماہواری پاتے تھے اور ملک شام کی حکومت اُن کے متعلق تھی دیکھا کہ نہایت شان و شوکت اُن کے لشکر میں پائی جاتی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُسکا سبب پوچھا۔ امیر شام نے جواب دیا کہ میں ایسے ملک میں ہوں جہاں دشمن کے جاسوس آتے ہیں اگر اِس طرح نہ رہوں تو اُن کی آنکھوں میں عزت نہ ہووے۔ آپ نے جواب دیا کہ خیر نہ میں منع کرتا ہوں نہ اِس کی اجازت دیتا ہوں امیر شام نے کہا کہ صاف حکم دینا چاہیئے تب

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ کیا کہوں ایسا جواب تم نے دیا کہ میں بند ہو گیا گویا ایک بڑی دوست کے پنجہ میں گرفتار ہو گیا۔

ہم اگر ان اصول و احکام پر غور کریں تو ہزاروں نتیجے اُس سے حاصل ہوتے ہیں تعجب ہے مسلمانوں پر کہ اپنے پیشواؤں کے حالات پر غور نہیں کرتے اور اُن سے واقفیت پیدا نہیں کرتے اور دینی اور دنیاوی ذلت میں رہنا پسند کرتے ہیں۔

اگر ہم ویسی باتوں سے واقفیت حاصل کریں تو ہمکو اپنے دین و مذہب کی حقیقت معلوم ہو جاوے اور تمام عزتیں دینی اور دنیاوی ہمکو نصیب ہو سکیں لیکن افسوس ہے کہ ادبار نے ہمکو غافل کر دیا اور غفلت نے ہمکو ذلت کی حالت پر پہنچا دیا حقیقت میں ہمارے اس ادبار کا کوئی سبب نہیں ہے مگر غفلت۔ مگر غفلت۔ مگر غفلت ؛

اینہمہ مستی و بیہوشی نہ حد بادہ بود ؛ با حریفاں ہرچہ کرد آن نرگس مستانہ کرد

لیکن ہمکو صرف اس کہنے پر قناعت نہ کرنی چاہیئے اُس غفلت کا علاج اور اس ادبار سے نکلنے کی تدبیر کرنی لازم ہے تا کہ ہم خود ادبار کی حالت سے نکلیں اور اپنے بھائیوں کو زبردستی اس سے نکالیں۔

گر نیاید بخوشی موئے کشانش آرید

اس ادبار سے نکلنے کی کوئی تدبیر اس سے بہتر نہیں ہے کہ اول ہم اس امر کی تنقیح کریں کہ کونسے کام کرنیکی ہمکو ممانعت شرعی ہے اور کس کی اجازت اور کس کی پابندی ہمارے پیشواؤں نے جائز رکھی ہے اور کس میں آزادی ہے بعدہٗ ہم کوئی عملی تدبیر کریں کہ اُس علم سے فائدہ اُٹھاویں۔

افسوس ہے کہ بعض ہمارے دوست ہماری ان باتوں اور ان تدبیروں کو لغو محض جانتے ہیں بلکہ اُسکو سفسطہ اور جنون سمجھتے ہیں اور ایسے مضمون کے لکھنے والوں اور تدبیروں کے بتانے والوں کو آزرکلیہ کہتے ہیں اگر ہم اُن کی اِن باتوں کو سُنیں اور خاموش ہو جاویں تو سوائے اسکے اور کچھ نتیجہ نہ نکلے کہ جو تحریک ایسی تحریروں و تقریروں سے ہوتی ہے وہ بھی نہ ہووے۔ پس سب کے سب ہاتھ مُنہ پر رکھے ہوئے بیٹھے رہیں اور اپنی قوم کے ادبار و ذلت کا تماشا دیکھتے رہیں۔ اگر ہمارے دوست ہم کو غلطی پر بھولا ہوا جانتے ہیں وہی کوئی تدبیر مفید ہمکو بتاویں لیکن افسوس ہے کہ نہ وہ کچھ کرتے ہیں نہ کچھ کہتے ہیں نہ بتاتے ہیں بجز اس کے کہ ہمکو مجنون اور دیوانہ اور آزرکلیہ کہکر اپنا دل خوش کرتے ہیں اور ہمارا دل جلاتے ہیں۔

اس بات کا تو کوئی انکار نہیں کرتا کہ ہماری قوم روز بروز ہر بات میں تنزل کرتی جاتی ہے اور

ہر لحظہ اور ہر ساعت ادبار اور جہالت میں ترقی کرتی جاتی ہے پھر بھی اُن لوگوں کی خاموشی کو جو کچھ کر سکتے ہیں ہم کس بات پر محمول کریں۔ اگر ہم دیوانے اور مجنون ہیں خیر ہوں لیکن اُن کی خاموشی اور سکوت کا کیا سبب ہے۔

گیرم کہ وقت ذبح طپیدن گناہ من ٭ دانستہ دشنہ تیز نہ کردن گناہ کیست

خدا ہمکو اور ہمارے بھائیوں کو اس خواب غفلت سے جگاوے اور کچھ کرنے پر متوجہ کرے وھو ولی التوفیق وما توفیقی الا باللہ۔

امام حجۃ الاسلام غزالیؒ

منجملہ اُن مشہور شخصوں کے جو کہ مسلمانوں میں ہوئے ہیں امام غزالی ہیں۔ ہماری قوم میں کیا عالم کیا جاہل چندہی ایسے لوگ ہوں گے جو اُن کے نام سے واقف اور اُن کے کمالات سے آگاہ نہ ہوں مگر اکثر لوگ اُن کے ذاتی حالات سے اطلاع نہیں رکھتے اس لیئے ہم اُن کا مختصر حال لکھتے ہیں۔

ان کا نام زین الدین ابو حامد محمد بن محمد بن محمد بن احمد ہے اور غزالہ کے رہنے والے ہیں جو کہ ایک قصبہ طوس کے قصبات سے ہے اسی واسطے اُن کو غزالی کہتے ہیں۔ شہر طوس میں ۴۵۰ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۵۵ برس کے ہو کر ۵۰۵ھ ہجری میں رحلت کی۔ انہوں نے اوّل طوس میں احمد راذکانی سے تعلیم پائی بعدہٗ نیشاپور میں آئے اور امام الحرمین ابو المعالی جوینی سے علم حاصل کیا۔ چونکہ ذہن اور عقل اُن کو خدا نے اعلیٰ درجہ کی دی تھی اس لیئے تھوڑے ہی عرصہ میں علوم معقول و منقول کے جامع اور اپنے اُستاد کے جیتے جی مشہور اور نامور ہو گئے اور کتابوں کا تالیف بلکہ تصنیف کرنا شروع کیا جب اُن کے اُستاد ابو المعالی نے انتقال کیا تب وہ نیشاپور سے چلے اور وزیر نظام الملک سے ملے۔ اُس نے اُن کی نہایت تعظیم و تکریم کی اور اُسکی مجلسوں میں اکثر علماء و محدثین سے نوبت مناظرہ کی پہنچی جب اُن کے علم و کمالات کی شہرت ہو گئی تب وزیر نے اُن کی قابلیت و استعداد دیکھکر مدرسہ عالیہ نظامیہ کو جو بغداد میں تھا اُن کے متعلق کیا چنانچہ ۴۸۴ھ ہجری میں اُنھوں نے انتظام اور تدریس اُس مدرسہ کی اپنے ذمہ لی اور تمام اہل عراق اُن کی طرف رجوع کرنے اور اُن سے علوم معقول و منقول تحصیل کرنے لگے۔ چار برس تک وہ خدمت

اُنہوں نے اپنے تعلق رکھی ۔ ۴۸۸ ہجری میں اپنے بھائی احمد غزالی کو اپنا قایم مقام کرکے اس سے دست کش ہوئے اور زہد اختیار کرکے بیت المقدس کو چلے گئے بعد اُس کے شام اور دمشق اور مصر اور اسکندریہ کی سیاحت کی اور بسواری جہاز کے دیار مغرب کی طرف گئے اور حج کرکے اپنے وطن طوس کو لوٹ آئے ۔

اُن کی تالیفات و تصنیفات چار سو سے زیادہ ہیں منجملہ اُن کے مشہور کتابیں یہ ہیں ۔ **فقہ** میں وسیط بسیط وجیز ۔ **اصول فقہ** میں مستصفی منخول منتحل ۔ **علم کلام** میں تہافۃ الفلاسفہ محک النظر ۔ معیار العلم ۔ مقاصد مضنون بہ علی غیر اہلہ مشکوۃ الانوار ۔ منقذ من الضلال **تفسیر** میں یاقوت التاویل جس کی چالیس جلدیں ہیں ۔ **علم اخلاق و تصوف** میں احیاء العلوم اسرار علم الدین منہاج العابدین ۔ درۃ فاخرہ فی کشف علوم الآخرہ ۔ انیس فی الوحدت ۔ کتاب القربۃ الی اللہ ۔ اخلاق الابرار و نجاۃ من الاشرار ۔ بدایۃ الہدایۃ ۔ جواہر القرآن ۔ اربعین فی اصول الدین ۔ المقصد الاسنیٰ فی شرح اسماء اللہ الحسنیٰ ۔ میزان العمل ۔ القسطاس المستقیم ۔ التفرقہ بین الاسلام والزندقہ ۔ کتاب الذریعہ الی مکارم الشریعہ ۔ کتاب المبادی والغایات ۔ کیمیاء سعادت تدلیس ابلیس ۔ نصیحۃ الملوک ۔ کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد ۔ شفاء العلیل فی القیاس والتعلیل اساس القیاس ۔ کتاب المقاصد ۔ کتاب الجام العوام عن علم الکلام ۔ کتاب الانتصار ۔ کتاب المأخذ ۔ القول الجمیل فی الرد علی من غیر الانجیل ۔ کتاب المستظہری ۔ کتاب الامانی ۔ کتاب فی علم اعداد الوفق وحدودہ ۔ کتاب مقصد الخلاف ۔ اور ایک چھوٹا رسالہ فی الرد علی المنکرین فی بعض الفاظ احیاء علوم الدین ؀

تمام علماء کا اتفاق ہے کہ منجملہ مؤلفات امام غزالیؒ کے احیاء العلوم کیا باعتبار فصاحت و بلاغت کے اور کیا بلحاظ مضامین و معانی کے عمدہ ترین کتابوں سے ہے جس میں اُنہوں نے تمام علوم نقلی کو نہایت خوبی سے بیان کیا ہے اور دلایل عقلی سے مسایل شرعی کو مدلل کیا ہے اور منقول کو معقول سے ملایا ہے ۔ یہ طرز جدید انھیں سے جاری ہوا اور اسرار و نکات مسایل شرعیہ کے بیان کرنا انھیں کی ذات سے شروع ہوا ۔ اس کتاب کو اُنہوں نے نیشاپور میں ایک ہزار پانسو پچیس دن میں تالیف کیا ۔ چونکہ اُنہوں نے احیاء العلوم میں نیا طریقہ اختیار کیا یعنی تقلید کو چھوڑا اور تحقیق پر مستعد ہوئے اور الفاظ کے معنی اور مطالب اصلی بیان کیئے اور بخلاف اُس وقت کے فقہاء کے دقایق و حقایق ظاہر کرنے پر آمادہ ہوئے

نظر بریں بہت سے متعصبین مقلدین نے اُن کی کتاب کو ناپسند کیا اور اُس کے الفاظ و عبارات کو خلاف اپنے طریقہ کے جان کر اُن پر الحاد کا الزام لگایا بلکہ فقہاء جہال نے اُن کے کفر کا فتویٰ دیا اور ان کی کتاب احیاء العلوم کے دیکھنے کو حرام بتلایا اور اُس کے جلا دینے کا حکم دیا اور اس امر کے استفتاء تحریری علماء و فضلاء کے پاس لیگئے چنانچہ شیخ کبیر عارف باللہ ابوالعباس نے یہ فرمایا کہ انا نشھد لہ بالصدیقیۃ العظمیٰ کہ ہم امام غزالی کی صدیقیت پر شہادت دیتے ہیں۔ اور شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اپنے وقت کے قطب تھے یہ کہا کہ من کانت لہ الی اللہ تعالیٰ حاجۃ فلیتوسل بہ الیہ بالامام احمد غزالی اور ابوالفداء اسماعیل بن محمد حضرمی کے پاس فقہاء جہال نے ایک استفتاء شعر طعن و قدح امام غزالی کے بھیجا جس میں انہوں نے یہ لکھا تھا ھل یجوز قراۃ کتب الغزالی کہ آیا پڑھنا غزالی کی کتابوں کا جائز ہے۔ انہوں نے یہ جواب لکھا کہ انا للہ وانا الیہ راجعون الغزالی سید المصنفین علاوہ ان مختصر جوابوں کے اُس وقت کے علماء نے منکرین امام غزالی کے اعتراضات کے تفصیلی جواب لکھے اور اُن کے تعصبات کو رد کیا بلکہ خود امام غزالی نے ان اعتراضات کو جو الفاظ و عبارات پر احیاء العلوم کے فقہاء نے کیئے تھے ایک علیحدہ رسالہ لکھکر رد کیا مگر باینہمہ لوگ اُن پر اعتراض کرنے سے باز نہ آئے چنانچہ علی بن یوسف مؤلف کتاب مغرب نے جو نہایت دیندار اور متشرع مشہور تھا اور جو اپنے سرے کا عابد تھا اور جس کے پاس اکثر سوائے علماء اور فضلاء کے اور کوئی نہ جاتا تھا ۵۰۳ھ ہجری میں یہ فتویٰ دیا کہ کتاب احیاء العلوم کا نام و نشان نہ رہے اور بالکل جلا دیجاوے تاکہ مسلمانوں کے عقائد میں اُس سے کچھ خلل نہ آوے۔

یہ حال چند ہی روز رہا اور نیا طریقہ دیکھکر لوگوں کو جو اول اول متنفر ہوا آخر وہ امام غزالی کی مؤلفات دیکھ دیکھ کر جاتا رہا اور لوگوں نے احیاء العلوم کے خلاصہ کرنا شروع کیئے چنانچہ ابوذکریا یحیی نے جو ۶۳۶ھ میں مرے اور امام احمد برادر امام حجۃ الاسلام نے جنہوں نے ۵۲۰ھ میں وفات پائی احیاء العلوم کو مختصر کیا بعدہٗ اور لوگوں نے بھی اُس سے فائدے حاصل کیئے اور ہزاروں عالموں نے اُس کتاب کی تعریف میں اشعار اور قصیدے کہے اور منکرین امام غزالی پر اعتراضات کیئے چنانچہ شیخ الاسلام قطب الدین محمد ابن الشیخ الامام ابی العباس قسطلانی نے ایک بڑی کتاب معترضین امام غزالی کے رد میں تصنیف کی اور اُس میں معترضین کے اعتراضات کو بیان کر کے بخوبی باطل کیا اور ابی الفتح شیخ فقیہ نے امام غزالی

کی نہایت تعریف لکھی اور اُن کی کتابوں کو بہ سبب تطبیق معقول و منقول کے بہترین کتب سے تصور کیا۔

امام غزالی ہی پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے نیا طریقہ تطبیق بین المعقول و المنقول کا نکالا اور عقاید اور اعمال کے اسرار و حقایق کو بیان کیا اس طریقہ کے اختیار کرنے اور اسرار و حقایق کے بیان کرنے میں جو کچھ اُن پر اعتراضات ہوئے اُسکو اُنہوں نے جابجا اپنی تالیف میں ذکر کیا ہے اور اُن متعصبین و متقشفین فقہا پر جو منقول میں عقل کو دخل دینا حرام جانتے ہیں بہت ملامت کی ہے اور جنہوں نے شریعت کو صرف ظاہر پر محمول کیا ہے اور اُسکے اسرار و حقایق سے انکار کیا ہے اُن پر نہایت افسوس فرمایا ہے چنانچہ وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں[1] کہ علوم شرعی کے ظاہر و باطن پر منقسم ہونے سے کوئی صاحب بصیرت انکار نہیں کرسکتا سوائے اُن کوتاہ فہموں کے جنہوں نے لڑکائی میں کوئی چیز سُن لی اور اُس پر جم گئے اور مقامات عالیہ پر نہ پہنچے حالانکہ خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قرآن ظاہر و باطن کا جامع ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس آیت کی تفسیر میں جس میں ذکر سات آسمانوں زمین کا ہے یہ فرمایا ہے کہ اگر میں اُسکی تفسیر کروں تو لوگ مجھے سنگسار کردیں یا کافر کہنے لگیں۔

امام غزالی نے اپنی تالیفات میں قبل بیان کرنے اسرار و حقایق شریعت کے ایک نہایت عمدہ بیان نسبت اختلاف شریعت کے ظاہر اور باطن کے کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ جو لوگ نا سمجھ ہیں وہ جب شریعت کے حقایق سُنتے ہیں تو حیران ہوکر پوچھتے ہیں کہ اگر حقیقت خلاف شریعت ہے تو کفر ہے اور اگر موافق اُس کے ہے تو پھر اسمیں کیا فرق ہے حالانکہ وہ نہیں جانتے کہ ظاہر اور باطن شریعت کے اختلاف کے چند سبب ہیں اور اُسکی اُنہوں نے پانچ قسمیں کی ہیں۔

پہلی قسم ۔ کہ شئے فی نفسہ ایسی دقیق ہو کہ اکثر لوگ اُس کے سمجھنے سے عاجز ہوں اور اُس

[1] واعلم ان انقسام هذه العلوم الی خفية وجلية لا ينكرها ذو بصيرة وانما ينكرها القاصرون الذين تلقفوا في اوايل الصبی شيئا وجمدوا عليه فلم يكن لهم ترقي الی شاو العلاء ومقامات العلماء والاولياء وذلك ظاهر من ادلة الشرع قال صلی الله عليه وسلم ان للقرآن ظاهرا وباطنا وحدا ومطلعا وقال ابن عباس في قوله عز وجل الله الذي خلق سبع سموات ومن الارض مثلهن لو ذكرت تفسيره لرجمتموني وفي لفظ آخر لقلتم انه كافر

حقیقت کے بیان کرنے سے اُن کو توہمات لغو پیدا ہوں تو ایسی شئے کی حقیقت بیان کرنے سے شارع نے احتراز کیا ہے اور اسکو ظاہر نہیں کیا مثل حقیقت روح کے۔

دوسری قسم کہ اگرچہ وہ شئے فی نفسہٖ ایسی دقیق نہ ہو کہ اکثر لوگ اسکو سمجھ نہ سکیں لیکن عام سُننے والوں کے حق میں اُس کے سُننے سے اندیشہ ضرر پیدا ہونے کا ہو اس واسطے اُس شئے کی حقیقت کو شارع نے ظاہر نہیں کیا مثل مسئلہ جبر و قدر کے۔

تیسری قسم - اگرچہ اُس شئے کی حقیقت ظاہر کرنے سے احتمال ضرر پیدا ہونیکا بھی نہو لیکن استعارہ اور رمز میں بیان کرنے سے اُسکی وقعت عام لوگوں کے دلوں میں زیادہ ہو جیسا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اما یخشی الذی یرفع راسہ قبل الامام ان یحول اللہ راسہ راس حمار - کہ جو شخص امام سے پہلے اپنا سر اُٹھاتا ہے کیا وہ اس سے نہیں ڈرتا کہ خدا اُس کا سر گدھے کا سا کر دے پس باعتبار صورت کے آدمی کا سر گدھے کا سا ہو جانا نہ ہوا ہے نہ ہوگا لیکن مقصود اِس سے صورت گدھے کی نہیں ہے بلکہ خاصیت اُسکی ہے یعنی حماقت - یا حضرت نے فرمایا ہے کہ قلب المومنین بین اصبعین من اصابع الرحمان کہ مومن کا دل خدا کی دو اُنگلیوں پر لیٹے ہوئے ہے - یہ کلام بھی باعتبار ظاہر کے نہیں ہے اس لئے کہ اگر کسی کے دل کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے کوئی دیکھے تو ایک اُنگلی کا نشان بھی نہ ملے گا تو یہاں بھی اُنگلیوں سے مراد قدرت ہے۔

چوتھی قسم - کہ کسی شئے کی ماہیت اجمالاً بیان کر دی جاوے اور اُسکی حقیقت کی تفصیل اہل ذوق کی طبیعتوں پر چھوڑ دی جاوے کہ وہ اجمال بمنزلہ ظاہر کے اور وہ تفصیل بمنزلہ باطن کے ہو گی۔

پانچویں قسم - کہ کسی شئے کا بیان بزبان حال کیا جاوے اور اُس سے ظاہری نطق و بیان مراد نہو بلکہ اُسکی کیفیت و حقیقت مقصود ہو جیسا کہ خدا فرماتا ہے ثم استوی الی السماء وھی دخان فقال لھا وللارض ائتیا طوعا او کرھا قالتا اتینا طائعین کہ خدا نے آسمان و زمین سے کہا کہ تم دونوں خوشی سے چلے آؤ اُنھوں نے کہا کہ ہم خوشی سے حاضر ہوتے ہیں تو اس سے مراد باہم خدا اور زمین و آسمان کے گفتگو ہونا نہیں ہے بلکہ اُن کی تسخیر اور اطاعت مراد ہے اور اسی قبیل سے ہے خدا کا یہ فرمانا کہ ان من شئ الا یسبح بحمدہ - کہ کوئی چیز نہیں ہے جو خدا کی تسبیح نہ کرتی ہو - تو اس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ جمادات بھی حیات اور عقل اور نطق

رکھتے ہیں اور سبحان ربّہم سبحان اللہ بولتے ہیں بلکہ مراد اس سے اُن کا وجود ہی ہے کہ وہ اپنے صانع اور پیدا کرنے والے کی پاکی پر شاہد ہیں اور اُن کی ہستی ہی زبان حال سے اپنے صانع کی قدرت بیان کر رہی ہے۔

امام غزالی نہایت تعجب اپنا نسبت اُن لوگوں کے ظاہر کرتے ہیں جو فقط تقلید پر چلتے ہیں اور خود تحقیق کو دخل نہیں دیتے اور اپنی عقل کو بیکار کر دیتے ہیں اُن کا مقولہ ہے کہ وہ صفت جس سے انسان انسان ہوا اور جس نے اُسکو حیوان سے جُدا کر دیا ھو الذی استعد بہ لقبول العلوم النظریۃ وتدبیر الصناعات الخفیۃ الفکریۃ وہ ایک استعداد قبول کرنے علوم نظریہ کی اور پیدا کرنے تدبیر صنعتوں پوشیدہ کی ہے اور اسی استعداد کا نام عقل ہے اور کوئی انسان نہیں ہے جسکو یہ استعداد نہ دی گئی ہو۔ تمام علوم اور جمیع فنون اُسی سے پیدا ہوتے ہیں گویا وہ سب اُسمیں پوشیدہ ہیں اور صرف ایک سبب کی حاجت ہے جو اُن علوم کو اُس سے پیدا کرے کوئی علم اور فن نہیں ہے کہ جو اُس سے خارج ہو اور اُس میں پوشیدہ نہو عقل کی اور علوم کی اُس میں پوشیدہ ہونے کی مثال بعینہ پانی اور مٹی کی ہے کہ کوئی زمین نہیں ہے جس میں پانی نہو مگر اُس کا نکلنا محتاج کھودنے اور نکالنے اوپر کی مٹی کا ہے یا اُسکی تمثیل مثل روغن کے ہے کہ وہ ہر دودھ میں موجود ہے مگر اُس کا پیدا ہونا ایک تدبیر خاص پر موقوف ہے پس جو شخص اُس استعداد کو کام میں لاوے اور عقل کو بیکار کر دے وہ درحقیقت اُس استعداد کو ضایع کرتا ہے جو خدا نے اُسکو دی ہے اور وہ انسان ہو کر اپنے آپ کو حیوان بناتا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ کسی کے علم اور صناعت اور فن کے اوپر یہ یقین نہ کرنا چاہیے کہ جو کچھ معلوم ہو گیا یا جو ظاہر ہو چکا وُہی اُس کا کمال ہے اور اب اُس سے زیادہ لحاظ ہونا غیر ممکن ہے اور نہ کبھی کسی خاص قوم یا فرقہ یا شخص کی نکالی ہوئی بات پر یہ بھروسہ کرنا چاہیئے کہ وہ اخیر درجہ اُس استعداد کے ظہور کا ہے بلکہ ہمیشہ اُسکو ابتدائی حالت سمجھے اور اُسمیں ترقی کرے اور اُس استعداد کے ظہور کے ختم ہونے کا معتقد نہ ہووے اور جو امر عقل کے خلاف ہووے اُسکو کبھی نہ مانے اور کسی شرعی مسئلہ کو مخالف عقل کے نہ سمجھے اور اگر اُس کی سمجھ قاصر ہووے تو اُس کے اسرار اور اسباب دریافت کرے اور اُس مغز کو جو الفاظ کے پوست میں چھپا ہوا ہو باہر نکالے اور اُس پانی کو جو مٹی کے اندر موجود ہو کھود کھود کر پیدا کرے۔

اُس استعداد کا کمال اور ترقی تجربہ اور تحقیقات اور محنت پر موقوف ہے قدرت نے بدو فطرت میں وہ قوت سب کو دی ہے جو اُسکو کام میں لاتے ہیں۔ وہ اُس کی حقیقت سے واقف ہوتے ہیں اور اُس کے ثمرات اور نتایج کا لطف اُٹھاتے ہیں جو اُسکو کام میں نہیں لاتے وہ اُس کی حقیقت ہی کے منکر ہو جاتے ہیں اور اُسکو استعمال میں لانے اور اُس سے فائدہ اُٹھانے سے محروم رہتے ہیں۔

امام غزالی آیت الست بربکم قالوا بلی کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ فرمانا خدا کا کہ بنی آدم سے اپنی ربوبیت کا روز ازل میں اقرار لیا اور اُن سے کہا کہ کیا میں تمہارا خدا نہیں ہوں تو سبھوں نے اقرار کیا اُسی استعداد کے عطا کرنے کا بیان ہے کہ انسان کو روز ازل میں بخشی وہ استعداد دی ہے جس سے اُن کی ذاتوں نے میری ربوبیت پر ازل کے دن اقرار کیا اس اقرار سے مراد زبانی اقرار نہیں ہے اس لیئے کہ ازل کے روز نہ جسم تھا نہ زبان بلکہ وُہی استعداد مراد ہے اور اُس اقرار و میثاق کا بھلا دینا اور یاد رکھنا اشارہ اُسی استعداد کے کام میں لانے اور نہ لانے پر ہے یعنی جو اُس استعداد سے کام لیتے ہیں وہ میری ربوبیت کا اقرار کرتے ہیں اور جو اُسکو استعمال میں نہیں لاتے خواہ تقلید آبا و اجداد کے سبب سے یا اپنی غفلت اور کاہلی کے سبب سے وہ میری ربوبیت سے انکار کرتے ہیں اور یہی مطلب ہے خدا کے اس قول کا کہ لئن سالتھم من خلقھم لیقولن اللہ کہ اگر تو پوچھے لوگوں سے تو سب یہی کہینگے کہ ہمکو خدا نے پیدا کیا حالانکہ باعتبار ظاہر کے یہ کلیہ صحیح نہیں ہے اس لیئے کہ بعض فرقے بالکل خدا کے منکر ہیں۔

فمعناہ ان اعتبرت احوالھم شھدت بھذا نفوسھم و بواطنھم فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا ای کل انسان فطر علی الایمان باللہ عز و جل بل علی معرفۃ الاشیاء علی ماھی علیہ پس مطلب اس کا یہی ہے کہ اُن کی ذاتیں خود اسکی مقر ہیں کہ ہمکو خدا نے پیدا کیا ہے اور خدا نے ہر آدمی میں استعداد ایمان کی بلکہ تمام چیزوں کی حقیقت کما ہی ہی دریافت کرنے کی دی ہے اگر اُن کو یہی استعداد نہ دی ہوتی تو تکلیف ایمان کی اور اُسکے قبول پر جزا اور اُس کے انکار پر سزا دینا جائز نہ ہوتا۔

امام غزالی ان آیات کو اور اسکی مانند اور آیات کی تفسیر بیان کر کے لکھتے ہیں کہ وہ لوگ جو تقلید سے نہیں نکلتے اور اپنی اُس استعداد کو کام میں نہیں لاتے ایسی آیتوں کو دیکھکر حیران ہوتے ہیں اور اس کا مطلب جب اُسکی سمجھ میں نہیں آتا تو اُس یقین سے جو ہونا چاہیئے حقیقت میں

پھر چلتے ہیں اور اپنے نزدیک اُن کو غیر صحیح سمجھتے ہیں گو زبان سے اُسکی تصدیق کرتے رہیں حقیقت میں اُن کی مثال ایک ایسے آدمی کی ہے جو کہ آنکھ بند کر کے کسی محل میں داخل ہو اور وہاں اسباب بینت رکھا ہو اور وہ اُس سے ٹھوکر کھاوے اور کہنے لگے کہ کیسے وہ لوگ ہیں جنھوں نے راہ میں برتنوں کو رکھدیا ہے حالانکہ وہ چیزیں سب اپنی اپنی جگہ پر رکھی ہوئی ہیں مگر یہ اُسی کا قصور ہے کہ آنکھ موجود ہے اور پھر اُس سے کام نہیں لیتا اور اندھا بنکر چلتا ہے تو وہ کیونکر ٹھوکریں نہ کھاوے۔

وہ کہتے ہیں کہ اُسی استعداد کا نام عقل ہے اور اُسی کا خطاب بصیرت ہے اور اُسی کا لقب نور ہے اور اُسی کو ایمان کہتے ہیں وہ سب ایک ہی چیز ہے صرف نام علیحدہ علیحدہ ہیں تو جس شخص نے اُسکو دنیا میں استعمال کیا وہ آخرت میں بھی بینا ہے جس نے اُس سے یہاں کام نہ لیا وہ وہاں بھی اندھا ہے اور یہی معنی ہیں اس آیت کے من کان في ھذہ اعمی فھو فی الاخرۃ اعمی واضل سبیلا۔

وہ ایک سوال لکھتے ہیں کہ جب عقل بہترین مخلوقات ہے تو کیوں بعض علما نے اُسکو شریعت کے مسائل میں دخل دینے سے منع کیا ہے اور پھر خود ہی یہ جواب دیتے ہیں کہ یا تو وہ منع کرنیوالے خود بے عقل تھے اور اُنھوں نے اپنی عقل کو بیکار کر دیا تھا یا کہ وے لوگوں کی عقل پر توہمات کا اطلاق کرتے پاتے تھے جیسا کہ بعض اہل کلام نے عقاید دینی میں اپنے توہمات اور خیالات کو دخل دیا اور اُس کا نام عقل رکھا تو صرف اُن کا منع کرنا اصلی عقل کے استعمال سے نہ تھا بلکہ اُن توہمات اور خیالات کے دخل دینے سے۔

اُنھوں نے اس شک کو کہ عقل اور وہم میں کیا فرق ہے اور اُسمیں کیونکر تمیز ہو سکتی ہے نہایت خوبی سے رفع کیا ہے اور اس مشکل مسئلہ کو نہایت عمدہ تمہیدات اور تمثیلات سے حل فرمایا ہے چنانچہ کتاب منقذ من الضلال اور اسرار علم الدین اور مشکوٰۃ الانوار کے دیکھنے سے اسکی حقیقت معلوم ہوتی ہے

مگر وہ اپنے اس قول پر نہایت مضبوطی سے قایم رہے ہیں کہ کل قلب فھو بالفطرۃ صالح لمعرفۃ الحقایق لانہ امر ربانی شریف فارق سائر جواھر العالم بھذہ الخاصیۃ والشرف والیہ الاشارۃ بقولہ عزوجل انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منھا کہ جو دل ہے وہ باعتبار اپنی فطرت کے صلاحیت اور

استعداد حقایق اشیار کے دریافت کرنے کی رکھتا ہے اور اسی صلاحیت اور استعداد سے مراد وہ امانت ہے جو آیۃ انا عرضنا الامانۃ میں مذکور ہے کہ یہ استعداد نہ آسمان میں ہے نہ زمین میں۔ نہ پہاڑ میں نہ کسی میں سوائے انسان کے۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا نے ہر انسان کے دل کی لوح پر اپنے قدرت کے قلم سے حقیقت اشیار کو لکھدیا ہے اور اسی کی طرف اشارہ اپنی اس آیت میں کیا ہے کہ الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم پس جس طرح جو کچھ کتاب میں لکھا ہو وہ وُہی پڑھ سکتا ہے جس نے محنت اور تجربہ سے اُس استعداد کو ظاہر کر لیا ہو۔ اسی طرح پر حقایق اشیار کو جو دلوں پر انسان کے بقلم قدرت منقوش ہے یعنی اُن کو صلاحیت اُس کے سمجھنے کی ہے وُہی سمجھ سکتا ہے جس نے اُس صلاحیت کو مشق اور تجربہ اور طریق معین سے لائق کام میں لانے کے بنالیا ہو۔ مثال اُسکی بعینہ ایک پڑھے اور بے پڑھے آدمی کی ہے کہ دونوں کی آنکھیں بینائی میں برابر ہیں مگر کیا سبب ہے کہ پڑھا ہوا اُن لکیروں کو جو سیاہی سے کاغذ وغیرہ پر کھینچی ہوتی ہیں سمجھ لیتا ہے اور بن پڑھا ہوا اُسکو اور لکیروں میں کچھ تمیز نہیں کر سکتا اور وہ اُن کی حقیقت پر نہیں پہونچ سکتا یہی سبب ہے کہ پڑھے ہوئے آدمی۔ نے اپنی آنکھ کی استعداد کو جو واسطے سمجھنے اُن نقوش مرئیہ کے قدرت نے دی تھی ظاہر کر دیا اور بن پڑھے ہوئے نے ظاہر نہیں کیا۔

وہ کہتے ہیں کہ بڑے نادان وہ لوگ ہیں جو علوم و حقایق کے دریافت کرنے میں سعی نہیں کرتے اور وہ علوم دینی ہوں یا دنیاوی اُن میں اَوروں کی بتلائی ہوئی باتوں پر قناعت کرتے ہیں حالانکہ دین میں کسی کو سوائے نبی کی بتلائی ہوئی بات کے اَور کسی پر کلیتہ اعتماد کرنا اور لوگوں کی بنائی ہوئی کتابوں پر اپنے یقین کو قایم کرنا نہ چاہیئے اور رسول م کی بتلائی ہوئی باتوں کے اسرار اور حقایق کے دریافت کی فکر کرنا لازم ہے اس لیئے کہ ان اکتفی بالحفظ مایقال کان وعاء للعلم ولا عالما۔ کہ اگر اُس نے اُسکی حقیقت نہ جانی تو وہ اُس علم کا برتن ہوا نہ عالم۔ پس کیا سبب ہے کہ انسان باوجود ہونے استعداد حقیقت اشیائے کے دریافت سے غافل ہے اور اپنے آپکو جاہل رکھے۔

وہ اُن فقہار اور علمار پر نہایت افسوس کرتے ہیں جو تقلید پر قانع ہیں اور جنہوں نے صفات نفس اور حالات قلب کا علم چھوڑ کر وعظ اور قصہ گوئی پر قناعت کر لی ہے اور علم یقین کو چھوڑ کر مجادلہ اور مناظرہ میں پڑ گئے ہیں اور جنہوں نے تعصب اور تقشف کو دینداری سمجھ رکھا

ہے وہ کہتے ہیں کہ ان علماء کے حالات بالکل مخالف صحابہ کے ہیں اور جہلا اور متعصبین
آج کل علماء کہلائے جاتے ہیں[1]۔
وہ کہتے ہیں کہ جو لوگ تعصب کو دینداری سمجھتے ہیں وہ احمق ہیں اس لیے کہ احمق اُسی کو کہتے ہیں جس کی غرض تو صحیح ہو مگر اُس کے حصول کا طریق غلط ہو اور جس راہ سے اُس مقصود تک پہنچنا ممکن ہو اس سے وہ منحرف ہووے۔
یہی حال متعصب کا ہے کہ وہ جانتا ہے کہ میں اپنے دین میں کامل اور اپنے مذہب میں مضبوط اور شریعت پر قایم ہوں اور اس سے وہ درجہ عزت کا جو خدا نے کاملوں کے لیے مقرر کیا ہے مجھے ملیگا حالانکہ جس طور سے وہ دین اور مذہب پر چلتا ہے اور جس طرح سے وہ شریعت کو لیتا ہے اُس میں وہ غلطی پر ہے متعصب ہمیشہ اَوروں کو ذلت اور حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اور لوگوں سے بغض اور عداوت رکھتا ہے جو کچھ اُس کے توہمات اور خیالات ہیں اُنہیں کو یقینیات سمجھتا ہے جو جھوٹے تخیلات دینی خود اُس کے دل میں پیدا ہوتے ہیں وہ تعصب کے سبب سے اُسکی آنکھوں کو سچے عقائد کی صورت پر دکھلائی دیتے ہیں اور جو بیہودہ وسوسے اور واہمے مذہبی اُس کی سمجھ کی غلطی سے اُسکی خاطر میں گذرتے ہیں وہ اُسکو خدا کے بتلائے ہوئے اور پیغمبر کے فرمائے ہوئے مسئلہ معلوم ہوتے ہیں متعصب اُسکے دل کو غرور اور تکبر ایسا گھیر لیتا ہے کہ انصاف اور سچ اور سمجھ کی رسائی بھی اُس تک نہیں ہوتی نصیحت یا ملامت کسی کی اُس کے دل کے کنارہ تک پہونچنے نہیں پاتی۔ اُسکی آنکھوں کے سامنے تعصب مثل ایک سیاہ کثیف غبار کے ہر وقت چھایا رہتا ہے جس سے وہ کسی چیز کی بُرائی بھلائی کو دیکھ نہیں سکتا۔ وہ کسی شے کی حقیقت سے واقف نہیں ہو سکتا وہ ہمیشہ لوگوں کو بُرا اور احمق اور فاسق سمجھتا رہتا ہے اور جس کو اپنا سا سخت اور متعصب نہیں جانتا اُسکو دین میں ضعیف اور سُست جانتا ہے اور چونکہ غرور اور تکبر انسان کی جبلی عادت ہے

[1] کما قال رحمہ اللہ علیہ فصار یسمي المجادل المتکلم عالماً والقاص المزخرف الکلام بالعبارات المسجعۃ عالماً ہکذا ضعف الدین فی قرون سالفۃ فکیف الظن بزمانک ہذا وقد انتہی الامر الی ان مظہر الانکار یستہدف لنسبۃ الی الجنون فالاولی ان یشتغل الانسان بنفسہ ویسکت۔

اس لیئے وہ اپنے غرور کے سبب سے اور بھی احمق ہوجاتا ہے اور یہ سمجھکر کہ اصل دینداری یہی ہے جو مجھ میں ہے وہ شیطان کا کھیل ہوجاتا ہے۔ شیطان اُس کے دل میں یہ وہم پیدا کر دیتا ہے کہ جو میں جانتا ہوں اور جو میں سمجھتا ہوں وہی اصل دین اور عین مذہب ہے اور اس سے اُس کے دل میں ایک حلاوت اور چاشنی پہونچتی ہے اور جسکو وہ کبھی کسی کے کہنے سے چھوڑ نہیں سکتا اور اپنی اس حماقت پر نہایت خوش رہتا ہے کما قال رحمہ فاذا خیل الیہ الشیطان ان ذلک ھو الحق وکان موافقا لطبعہ غلبت حلاوتہ علی قلبہ فاشتغل بہ بکل ھمتہ وھو بذالک فرحان مسرور ویظن انہ یسعی فی الدین وھو ساع فی اتباع الشیاطین۔ برخلاف اسکے جو شخص سچا دیندار ہوگا وہ کبھی کسی کو ذلت سے نہ دیکھیگا۔ کسی کی حقارت نہ کرے گا۔ ہمیشہ اپنے دل کو لوگوں کی باتوں کے سُننے کے لیئے کھولا رکھیگا۔ ہر ایک کی بات پر غور کرے گا۔ ہر چیز کی حقیقت اور ماہیت دریافت کرنے کی فکر میں رہے گا۔ ہر شئے کی وجوہات اور اسباب کی تحقیق کرے گا۔ انصاف اور سچائی اور راستی اور محبت کو ہمیشہ اپنی آنکھوں کے سامنے رکھیگا وہ اصول شریعت میں خاص خدا اور اُس کے رسُول کے قولوں پر متمسک ہوگا اور اُس کے حقایق اور اسرار کو دریافت کریگا۔ وہ کبھی اپنے آپ کو بُرائیوں سے پاک اور عیبوں سے صاف نہ سمجھیگا۔ وہ مذہب اور شریعت کو اپنے مطالب کی تحصیل کا ذریعہ نہ گردانے گا۔ وہ جاہ و عزت کا مذہب کے حیلہ سے خواہاں نہ ہوگا۔ وہ اپنے آپ کو کامل نہ جانے گا۔ وہ سب کو شفقت کی نظر سے دیکھے گا۔ وہ ہمیشہ اپنے دل کے پاک کرنے اور اپنے نفس کے مہذب کرنے پر متوجہ رہے گا۔

وہ کہتے ہیں کہ تعصب سے لوگوں نے اپنے سچے دین اور اصلی مذہب کی خوبیوں کو چھپا دیا ہے اور بُرائیوں کو بھلائی اور بھلائیوں کو بُرائی سمجھ رکھا ہے اگر کسی متعصب کے سامنے کوئی شریعت کے اسرار اور مصالح بیان کرے وہ اُس کے دشمن ہوجاتے ہیں اور اُسکو ملحد اور زندیق سمجھتے ہیں۔ اُن کے نزدیک شریعت میں کوئی خوبی ہے نہ اُس میں کوئی مصلحت ہے جتنے احکام شریعت کے ہیں وہ سب جبری ہیں۔ اور خدا نے بلا کسی حکمت اور سبب کے اپنے بندوں کو اپنے احکام کا مقید کر دیا ہے۔ اُس کے نزدیک خدا مثل ایسے جابر بادشاہ کے ہے جو بلا سبب اپنے نوکروں کو کسی بیہودہ کام کے کرنے کا حکم دے اور اُس سے صرف اُس کی

اطاعت کا امتحان اُسے منظور ہووے حالانکہ یہ بڑی تہمت خدا پر ہے کوئی حکم اور کوئی مسئلہ شریعت کا علت اور سبب اور مصلحت سے خالی نہیں ہے۔ہاں وہ مسئلے اور وہ باتیں جو لوگوں کی ایجاد اور ہیں اور جن کا کچھ نشان شریعت میں نہیں ہے وہ بے شک بے فائدہ ہیں اور جبکہ تعصب سے وہ اپنی نکالی ہوئی باتوں یا اپنے بزرگوں کے سُنے ہوئے مسئلوں کو خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اُس کو بے فائدہ اور لغو جانتے ہیں تو اسی سے اُن کو یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ سب احکام خدا کے ایسے نہیں ہیں ورنہ اگر وہ آنکھ کھول کر دیکھیں اور تعصب کے پردہ کو اپنی بصیرت قلبی سے اُٹھا دیں اور اپنے مسئلوں اور خدا کے حکموں کو جُدا جُدا کر کے اُسکی حقیقت کے دریافت کرنے پر متوجہ ہوں تب اُن کو اُسکی ماہیت معلوم ہو جاوے۔

اکثر متعصب اپنے تعصب پر قایم رہنے کے لیئے یہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے دین و مذہب کا مدار تعصب پر ہے اگر تعصب کو ہم بُرا جانیں تو ہم ملحد اور لامذہب ہو جاویں اور اپنے عقاید دینی میں شک کرنے لگیں۔اگر تعصب منع ہوتا تو اصحاب رسول کیوں اپنے دین میں سخت ہوتے۔اُن کا یہ کہنا تعصب و دینداری میں اور یقین و شک میں مابہ الامتیاز نہ سمجھنے سے ہے اس لیئے ہم اُن کی حقیقت بیان کرتے ہیں۔

جو تصور اور خیال دل میں آوے خواہ وہ خود اُس کے دل میں پیدا ہوا ہو خواہ وہ کسی سے سنا ہو اُسکی تین حالتیں ہیں۔

اوّل۔یہ کہ اُس کی صحت اور غلطی دل میں ایک سی ہو۔نہ اس کی تصدیق کو غلبہ نہ تکذیب کو رجحان ہووے تو اس حالت کا نام شک ہے۔

دوسرے۔یہ کہ اُس کی صحت اور غلطی میں سے کسی کا دل پر غلبہ ہووے اور ایک کو دوسرے پر رجحان ہووے لیکن اُسکی ضد و نقیض کے امکان سے انکار نہو اس حالت کو ظن کہتے ہیں۔

تیسرے۔یہ کہ اس کی صحت اور غلطی میں سے کسی جانب کا دل پر ایسا غلبہ ہووے کہ اُسکی ضد اور نقیض کے امکان سے بھی انکار ہو۔اس حالت کو یقین کہتے ہیں۔

پھر یقین کی دو حالتیں ہیں۔ایک یہ کہ اگرچہ اُسکے خلاف کو دل قبول نہ کرے لیکن اُسکا یقین کسی اصل صحیح پر مبنی نہ ہو بلکہ وہ اسباب جن نے اُس کے دل میں اُس تصور اور خیال کو مضبوط کر دیا ہے اور اُسکو صحیح ٹھہرا دیا ہے غلط ہوں۔

دوسرے یہ کہ وہ یقین کسی اصل صحیح پر مبنی ہو اور وہ امر جس نے اُسکی صحت پر دل کو قوی کر دیا ہے وہ بالکل صحیح اور سچے ہوں۔

پس جو خیالات دینی کسی شخص کے دل میں پیدا ہوں اگر وہ اوّل قسم کے ہیں یعنی وہ شخص نہ اُن کی تصدیق کرے نہ تکذیب تو اُسپر اطلاق اعتقاد کا نہ ہوگا نہ وہ خیال کرنے والا خود اپنے آپ کو اُس کا معتقد جانے گا۔ اور اگر وہ دوسری قسم کے ہیں یعنی گو اُسکو اُن کی صحت پر گمان غالب ہووے مگر اُس کے خلاف کے ہونے سے منکر نہووے تو اُس کا اعتقاد ظنی کہلایا جاوے گا اور اگر وہ تیسری قسم کے ہیں یعنی اُن خیالات کے صحیح ہونے پر وہ دل سے یقین رکھے مگر اُسکی بنا اصول صحیحہ پر نہ ہو تو اُس کا اعتقاد تو پکا اور مضبوط کہلایا جاویگا لیکن غلط اور غیر صحیح۔ اور چوتھی قسم وہ ہے کہ اُن خیالات کی بنا اصول صحیحہ پر ہو تو اُس کے اعتقاد کو مضبوط اور کامل بھی کہینگے اور صحیح اور درست بھی۔

پس تعصب اُس حالت کا نام ہے جو تیسری قسم میں مذکور ہے یعنی اُن خیالات کی صحت پر یقین ہونا جس کی بنا غلط اصول پر ہے۔ اور دینداری اُس حالت کو کہتے ہیں جس کا ذکر چوتھی قسم میں ہوا یعنی اُن خیالات کی صحت پر یقین ہونا جس کی بنا صحیح اصول پر ہے۔

متعصب اپنے خیالات کی صحت پر گو یقین رکھتا ہے مگر اُس کا یقین مثل ایک دیندار کے یقین کے نہیں ہوتا اس لیئے کہ متعصب کے خیالات کی بنا صحیح نہیں ہوتی اس لیئے ممکن ہے کہ کبھی وہ اپنے خیالات کی بنا کے غلط ہونے پر آگاہ ہو جاوے اور تب وہ اپنے خیالات کے غلط ہونے پر متنبہ ہووے اور دیندار کے خیالات کی بنا ہمیشہ اُن مضبوط اور صحیح لیلوں پر ہوتی ہے جن میں احتمال بھی غلطی کا نہیں ہوتا اور شک اور ظن کا اُسمیں دخل نہیں ہوتا اس لیئے کبھی وہ اپنے یقین سے پھر نہیں سکتا۔

متعصب جسطرح پر اوّل اپنی سمجھ کی غلطی سے اپنے خیالات کو غلط اصول پر قایم کرلیتا ہے اسیطرح اخیر تک اُسی غلطی میں گرفتار رہتا ہے یعنی وہ کبھی اپنے خیالات پر غور و تامل نہیں کرتا۔ جو لوگ اُسکی غلطی بیان کرتے ہیں اُن کے سُننے کا تحمل نہیں ہوتا۔ اپنے مخالفوں کی آواز مخالفت اپنے کان میں آنے نہیں دیتا اور اسی سبب سے اُسکو کبھی موقع اُس غلطی سے نکلنے اور اُس بلا سے چھوٹنے کا نہیں ملتا۔ بخلاف ایک دیندار کے کہ وہ اوّل ہی اپنے خیالات کی بنا صحیح اصول پر قایم کرتا ہے اور جبتک اُسپر عمل کرتا ہے جو کوئی اُس کے مخالف بات کہتا ہے

اُسکو سنتا ہے اور سوچتا ہے جو کوئی اُس کے یقین میں شکوک پیدا کریں اور اُسکی غلطی بیان کریں وہ اُن سے نفرت نہیں کرتا بلکہ اُن کو اپنے دل میں جگہ دیتا ہے اور تامل کرتا ہے اور جبکہ اُن شکوک اور اعتراضات کو بالکل غلط پاتا ہے تو وہ اپنے یقین کی صحت پر اَور بھی زیادہ خوش ہوتا ہے اور اُن غلط خیال کرنے والوں کو ذریعہ اپنے یقین کے اصول پر مطلع کرنے کا پیدا کرتا ہے۔

پس جو لوگ تعصب اور دینداری میں فرق نہیں کرتے اور اپنے تعصب کو دین سمجھتے ہیں اور اپنی حالت کو ظاہری حالت سے صحابہ کی ملاتے ہیں یہ غلطی اُن کی ناواقفیت اور جہالت کی ہے۔ وہ بے شک اپنی جھوٹی دینداری پر مضبوط ہونے میں صحابہ کی سچی صلابت فی الدین سے مشابہت پیدا کرتے ہوں مگر وہ مشابہت جھوٹے موتی کی سچے موتی سے ہے کہ جو صرف صورت ظاہری میں ہے نہ حقیقت باطنی میں۔

تعصب ایک ایسی بُری خصلت ہے کہ جس سے صرف متعصب ہی کی ذات کو نقصان نہیں پہنچتا بلکہ اُس کا بد اثر دوسروں کی طبیعت پر پہونچتا ہے اور سادی سچی طبیعتوں کو بھی بگاڑتا ہے۔ تعصب ایک زہر آمیز خمیرہ ہے کہ وہ اچھے صاف میدے کو بھی تھوڑی ہی دیر میں اپنا سا کر لیتا ہے اور اُس شئے کو جو باعث زندگی انسان ہے اُسکی موت کا سبب کر دیتا ہے دین و مذہب انسان کی اُس روحانی زندگی اور چین کا ذریعہ ہے جو بعد اس جسمانی حیات کے ملنے والی ہے اور تعصب اُسی زندگی کا مٹانے والا ہے اور اُسی چین کا کھو دینے والا ہے اس لیے کہ اُس نے باطل کو حق اور غلط کو صحیح سمجھ رکھا ہے اُسکی سختی اور درشتی کسی مخالف کو موقع اُن باتوں کے ظاہر کرنے کا نہیں دیتی جو اُن کے دلوں میں ہے اور جس کے ظاہر ہونے سے اگر وہ غلط ہیں اُن کی اصلاح ممکن ہے۔ متعصب کی حالت دیکھکر اُس کا مخالف بھی متعصب ہو جاتا ہے اور وہ بھی اپنے خیالات کو صحیح سمجھکر اُن کی حقیقت کا اعتقاد کرنے لگتا ہے چنانچہ تعصب ہی تمام مذاہب باطلہ کی بناء اور تمام عقاید فاسدہ کی جڑ ہے اور ایک جہان اسی مرض میں مبتلا اور اسی بیماری میں گرفتار ہے اسی لیے خدا نے اور شارع نے اور تمام دیندار عالموں اور دانشمند حکیموں نے اُسکی برائی بیان کی ہے۔

دین کی تحریف

ابتدائے پیدایش آدم علیہ السّلام سے شیوع اسلام تک جتنے دین جاری ہوئے اور جتنی شریعتیں قایم ہوئیں اور جن کا علم ہمکو ہے اُن کی نسبت یہ سمجھنا کہ ہر ایک دین اور ہر ایک شریعت ایک زمانہ معین تک جاری اور قایم رہی اور جب اُسمیں تحریف نے راہ پائی اور اُس دین کے قبول کرنیوالوں نے اُسکو اپنی اصلی حالت پر نرکھا تب خدا نے بذریعہ دوسرے پیغمبر کے دوسری شریعت قایم کی بہت آسان ہے لیکن اُن اسباب کا سوچنا جن سے دین میں تحریف ہوئی اور اُن وجوہ کو سمجھنا جن سے شریعت اپنی اصلی حالت پر نہ رہی نہایت ہی مشکل ہے اور اُن سب باتوں سے واقف ہو جانا انسان کی قدرت سے باہر ہے اسی واسطے بہت ہی تھوڑے لوگ گذرے ہیں جنہوں نے اس طرف توجہ کی ہو یا اُن وجہوں اور علتوں کو لکھا ہو بلکہ بعضوں نے تو ایسے اسرار اور حکمتوں میں غور کرنے ہی کو بُرا جانا ہے اور بعضوں نے اُس کو قدرت بشری سے خارج سمجھکر لغو محض تصور کیا ہے اور بعضوں نے پچھلے بزرگوں کو ایسی باتوں پر متوجہ نہ دیکھکر اُسکو بدعت خیال کیا ہے۔ لیکن حقیقت میں نہ اُن باتوں پر غور کرنا بُرا ہے اور نہ لغو اور عبث ہے اور نہ بدعت ہے بلکہ وہ چیز جس سے حکیم مطلق کی کامل حکمت کا دل پر یقین ہووے اور خدا کے احکام کے معلل بالمصالح ہونے پر اعتقاد ہووے وہ یہی ہے کہ اُس کے احکام اور افعال پر جہاں تک انسان کی طاقت ہو غور کرے اور اُس کے اسرار اور وجوہ کو سوچے اس لیئے ہم اپنے مذہب کے ایک بڑے نامی محقق کے کلام سے اس مضمون کو کہ ادیان سابقہ اور شرایع گذشتہ میں کیونکر تحریف ہوئی اور کس ضرورت سے بجائے اُسکے دوسری شریعت قائم ہوئی اخذ کر کے لکھتے ہیں۔

جب ہم کسی دین اور کسی مذہب پر خیال کریں اور اُسکی ترقی اور تنزل اور زوال کے تاریخی حال پر غور کریں تو ہمکو معلوم ہوگا کہ جب کسی پیغمبر کے ذریعہ سے خدا نے کوئی دین اور مذہب جاری کیا اور لوگوں کو اُس کا تابع بنایا تو وہ طبقہ جو خاص اُس پیغمبر سے تعلیم پاتا ہے اور جو اپنے کانوں سے اُسکی باتیں سنتا ہے اور اپنے دل میں بے واسطہ اور بغیر علاقہ دوسرے کے اُسکے احکام اور مسائل کو جگہ دیتا ہے تو وہ ہر طرح پر اشاعت دین میں ساعی ہوتا ہے اور امر بالمعروف

اور نہی عن المنکر میں ٹھیک اپنے نبی کے قدم پر چلتا ہے اور یہ پہلا طبقہ ہر بُرائی سے پاک اور ہر عیب سے صاف ہوتا ہے۔ اُس طبقہ کے تھوڑے ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں جنکو عادت اور سیرت میں اپنے نبی سے مشابہت اور اخلاق اور اعمال میں اپنے پیغمبر سے مناسبت نہو بعد اُس کے دوسرے طبقہ کا زمانہ آتا ہے جنہوں نے نہ اپنی آنکھوں سے پیغمبر کو دیکھا نہ اپنے کانوں سے اُسکی وعظ و نصیحت کو سُنا نہ بلا واسطہ خود اُن کو تعلیم اُس پیغمبر کی نصیب ہوئی بلکہ طبقہ اولیٰ کو اُنھوں نے دیکھا اور اُن کی باتوں کو سُنا اور اُن سے دین میں تعلیم پائی تو اگرچہ یہ کل طبقہ دین میں کامل اور مذہب میں مضبوط ایسا نہیں ہوتا جیسا کہ پہلا طبقہ تھا لیکن تب بھی بسبب اِس کے کہ صرف ایک ہی واسطہ بیچ میں ہوتا ہے اور طبقہ اولیٰ کی تعلیم اور ہدایت میں بھی ایک کامل تاثیر ہوتی ہے اِس لئے یہ دوسرا طبقہ بھی اچھی حالت پر رہتا ہے لیکن جس قدر نئے لوگ بڑھتے گئے اور اُمت کثرت سے ہوتی گئی اور اغراض اور خواہشیں دنیاوی پیدا ہونے لگیں اور امتداد مدت اور اختلاف طبایع سے اتفاق میں خلل ہونے لگا اُتنا ہی وہ مذہبی جوش اور دینی ولولہ جو سب کو ایک ہی بات پر یعنی اشاعت دین پر متوجہ رکھتا ہے کم ہونے لگتا ہے اور دلوں کی وہ پاکی اور نیتوں کی وہ صفائی جو طبقہ اولیٰ کے اکثر افراد میں ہوتی ہے وہ اِس طبقہ ثانیہ کے تھوڑے ہی شخصوں میں پائی جاتی ہے۔

بعد اِس کے جو زمانہ آتا جاتا ہے اور جس میں ایسے لوگ ہوتے ہیں جنہوں نے خود نہ بانئ مذہب کو نہ اُس کے دیکھنے والوں کو دیکھا اور نہ اپنی سعی اور اپنے شوق سے اُس دین و مذہب کو اختیار کیا بلکہ اپنے باپ دادا کی میراث میں جہاں اور چیزیں پائیں منجملہ اُنکے دین و مذہب کو بھی پایا اور اُن کے اور صاحب شریعت اور بانئ مذہب کے بیچ میں واسطے اور علاقے بھی بہت ہوگئے تو سوائے تھوڑے دینداروں کے اکثر تو ایسے ہی ہوتے ہیں کہ وہ اُس دین و مذہب کی خود قدر نہیں جانتے اور سوائے حمیت نسبی کے اصلی دینی حمیت سے بے بہرہ ہوتے ہیں اُن کے دل اصلی روشنی سے اور اُن کے سینے حقیقی نور سے مذہب کے خالی ہوتے ہیں اور اُن پر مضمون خلف اضاعوا الصلوٰۃ واتبعوا الشہوات کا ٹھیک ٹھیک بلاکم و کاست صادق ہوتا ہے۔ اِس طبقہ میں بہت ہی کم ایسے ہوتے ہیں کہ اُس دین اور مذہب کو جس کے وہ پابند ہیں تحقیق کر کے اور سمجھ بوجھ کر اختیار کرتے ہوں بلکہ اپنے باپ دادا کا طریقہ

سمجھکر اُسکی حقیت کے معتقد ہوتے ہیں اور بجائے تحقیق اور تلاش کے بل نتبع ما الفینا
علیہ آبائنا پر قانع ہوتے ہیں اور جسطرح طبقہ اولی کے ایمان والے اصلی اور سچی باتوں پر دین
کی مضبوطی سے اعتقاد رکھنے اور عمل کرنے پر دیندار کہلاتے اور قابل تعریف سمجھے جاتے ہیں
اُسی طرح اور طبقہ کے لوگ میراثی اور جھوٹی باتوں پر تقلید کے سبب سے یقین رکھنے اور
اُسکی پابندی کرنے پر متعصب اور جاہل اور لایق مذمت تصور کیئے جاتے ہیں اور جس قدر
نبوت کا زمانہ دُور ہوتا جاتا ہے اُسی قدر دین و مذہب میں پیغمبر سے علاقہ چھوٹتا اور
اَوروں کا واسطہ بڑھتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جتنا زمانہ گذرتا گیا اور غرضیں بڑھتی
گئیں اور خواہشیں زیادہ ہوتی گئیں اور طبیعتوں میں خودپسندی اور نفسانیت کا غلبہ
ہوتا گیا اُسیقدر ہر شخص موافق اپنی حالت اور ضرورت اور حاجت اور خواہش کے اُس دین میں
تحریف اور تبدیل کرنے لگتا ہے اور خدا کے کلام اور نبی کے اقوال کو اپنی خواہشوں کا
عرضہ بنالیتا ہے۔ اُس کے لفظوں اور عبارت کو بدلنا یا اپنی طرف سے بناکر اُسکی طرف
منسوب کردینا اگر ممکن ہوا تو اُسمیں بھی دریغ نہیں ہوتا ورنہ اُس کے معنی اور مطلب کو اپنی
سمجھ اور اپنی غرض کے مطابق پھیر دینے میں تو کچھ تامل ہی نہیں ہوتا اور جب تک
یعنی جتنے عرصہ تک خدا کو اپنے نزدیک اُس دین کا قایم رکھنا منظور ہوتا ہے تب تک
ایسے تغیر اور تحریف سے کم و بیش خدا اپنے علم اور ارادہ کے موافق بچاتا ہے اور اخیر پر تو اس
تحریف اور تغیر سے اُس دین کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ اپنی اصلی حالت پر کچھ بھی باقی نہیں
رہتا اور اگر کوئی اُس کے اول حال سے آخر حال کو ملاوے تو زمین و آسمان کا فرق دکھلائی
دیتا ہے پیغمبر کی کتاب جسپر مذہب کا دارمدار ہے وہ تو برائے نام قسم کھانے کے لیئے
اور عزت سے طاق میں رکھنے کے لیئے ہوتی ہے کوئی اُس سے اپنے دینی عقاید اور مذہبی
مسائل کو نہیں ملاتا۔ اپنے بزرگوں یا اپنے پیرودں کے اقوال اور افعال کو مستند سمجھکر
اپنے مذہبی سلسلہ کو اُسی پر ختم کردیتے ہیں اور اُنہیں کو معصوم اور مثل نبی کے سمجھکر
اپنا پیشوا اور ہادی اور شفیع اور نجات دہندہ سمجھنے لگتے ہیں جب طبقہ اولی کا زمانہ ہوتا ہے
اُس وقت رسم اور رواج پر عمل کرنے کا کچھ ذکر نہیں ہوتا بلکہ وہ لوگ اُس کے جانی دشمن ہوتے
ہیں اسلیئے کہ وہ اپنی پرانی رسموں اور خاندانی چال چلن کو صرف پیغمبر کی ہدایت سے چھوڑکر
اُس کے دین میں آتے ہیں اور اُن کے بھائی بند یار دوست رسموں ہی کے چھوڑنے پر

اُن کو برادری سے خارج کر دیتے ہیں اور اُن کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ وہی طبقہ جس نے ایک خدا کے خوف سے رسموں کو چھوڑا اور اپنے بھائیوں سے علاقہ نہ رکھا اور صرف اپنی نجات کی اُمید پر پیغمبر کا تابع ہوا ہو وہ خود رسموں پر عمل کریگا یا اُس طبقہ میں سوائے خدا اور رسُول کے حکم کے کسی دوسری بات کو دخل ہوگا لیکن جتنا زمانہ گذرتا جاوے گا اُتنی ہی آمیزش اَور چیزوں کی ہوتی جاوے گی۔ کچھ باتیں دنیا کی دین میں داخل ہو جاوینگی کچھ پیزیں غیر قوموں کی اُسمیں خلط ملط ہو جاوینگی اور اُس سب مجموعہ پر دین کا اطلاق ہوگا اور چونکہ ظاہر ہے کہ جب دین میراثی اور آبائی ہوگا تو دل میں وہ دینی ولولہ جو کہ پہلے طبقہ کو ہوتا ہے نہ رہیگا اور وہ مذہبی جوش جو خاص پیغمبر سے تعلیم پانے والوں کو ہوتا ہے ٹھنڈا پڑجاویگا تو پھر ایسی حالت میں ہر شخص جس کو خدا نے عقل سلیم دی ہے سمجھ سکتا ہے کہ لامحالہ رسم و رواج ہی پر مدار مذہب کا آرہیگا اور قومی چال چلن اور خاندانی طریقہ ہی دین سمجھا جاوے گا چنانچہ جتنے پہلے دین گذر گئے اُن سب کا یہی حال ہوا کہ لوگوں نے پیغمبر کی کتاب کو چھوڑ دیا اور رسم و رواج پر مدار مذہب کا ٹھہرالیا اور انا وجدنا علیہ آبائنا اور بل نتبع ما الفینا علیہ ابائنا کہکر تحقیق سے ہاتھ اُٹھالیا۔ عقیدہ اُسی کو سمجھنے لگے جو آبا و اجداد سے سُنا عمل اُسی پر کرنے لگے جو بھائی بہنوں کو کرتا ہوا دیکھا۔ خاندانی طریق پر چلنے کو سنت اور اُسکو چھوڑ کر اصلی دین کی باتوں کی تحقیق کرنے کو بدعت کہنے لگے۔

چنانچہ جب کل یا اکثر آدمی کسی دین و مذہب کے ایسے ہو گئے اور اُنھوں نے دین میں ایسی تحریف اور تغیر کر دی تو جو خوبی اُس مذہب کی تھی وہ جاتی رہی اور غفلت اور پابندی رسم و رواج اور تقلید آبا و اجداد کی بدولت اُس دین کی اصلی حالت باقی نہ رہی تب خدا نے اُسکی اصلاح کرنے کے لیئے دوسرا پیغمبر مبعوث کیا جس نے اُن خرابیوں کو دور کیا اور جو تحریف و تغیر اُس دین کے لوگوں نے اپنی غفلت اور تقلید کے سبب سے کی تھی اُس کو ظاہر کیا اور رسم و رواج پر چلنے والوں کو متنبہ اور باپ دادا کے چال چلن پر سند پکڑنے والوں کو ہوشیار کیا اور لوگوں کو غفلت سے نکالا اور اُن سے تقلید کو چھوڑایا لیکن غفلت اور تقلید ایسی بُری اور اپنی بُرائی میں ایسی کامل ہے کہ تمام انبیا کو اپنی نبوت کے زمانہ میں لوگوں کے دلوں سے رسم و رواج کی پابندی کے مستحکم زنجیر اور غفلت اور تقلید کی مضبوط قید کے

توڑنے سے زیادہ کوئی مصیبت اور دقّت نہیں ہوئی۔

کیسی ہی محبت سے اپنی قوم کو سمجھایا اور کیسے ہی نرم اور ملائم لفظوں سے اُن کو نصیحت کی اور اُن کے دلوں کی صفائی کرنی چاہی لیکن اُس قوم کے کانوں کو کوئی اور سخت اور ہولناک اور عجیب آواز ایسی معلوم نہوئی تھی جیسی کہ نبی کے پاک مونھ سے رسم و رواج کی بُرائی کی آواز اور اُن کے پتھر سے زیادہ سخت دلوں پر کسی اَور چیز کا اتنا صدمہ نہوتا تھا جتنا کہ اپنے باپ دادا کے چال چلن چھوڑنے کا۔ اسی کمبخت رسم و رواج کی پابندی نے اُن کو ایمان سے محروم رکھا اور جان بوجھکر اُنھوں نے اپنے آپ کو دوزخ کا کندہ بنایا اخترت النار علی العار کہتے لیکن اپنے پُرانے طریقوں کے چھوڑنے پر جرأت نہ کرسکتے اور اپنی گردنوں کو تقلید کی رسّی سے باہر نہ نکالتے۔ حقیقت میں اگر رسم و رواج کی پابندی کو ایسا کامل اثر نہوتا اور اُس کا چھوڑنا دوزخ میں جانے سے زیادہ سخت نہوتا تو کبھی کسی پیغمبر کو ہدایت کرنے میں کچھ تکلیف نہ ہوتی بلکہ اتنے پیغمبروں کی بعثت کی حاجت ہی نہ ہوتی۔ ایک لاکھ اسّی ہزار یا جس قدر پیغمبر آئے اور جو کچھ انہوں نے مصیبتیں اور تکلیفیں پائیں وہ اسی رسم و رواج کی بدولت۔

تمام اولوالعزم پیغمبروں کے حالات پر غور کرنے سے ہمارے اِس قول کی تصدیق ہوتی ہے اس لیئے کہ جب ہم کسی پیغمبر کی کتاب کو دیکھتے ہیں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ جو نبی آیا اُس نے اوّل پچھلے دین کی اصلاح کی اور جو تحریف اور تغیر لوگوں نے اُس دین میں کی تھی اُسے بیان کیا اور جس قدر باتیں رسم و رواج کی لوگوں نے دین میں شامل کردی تھیں اُن کو علیحدہ کیا۔ بعدہٗ اُن جدید احکام کو جو خدا نے اُس وقت کے مناسب دیکھے جاری کیا پس بڑا سبب دین اور مذہب کے زوال کا حقیقت میں غفلت اور تقلید ہی ہوئی ہے۔

یہ کیفیت جو دین میں خلل آنے اور مذہب کے خراب ہونے کی ہم نے بیان کی ایسی کھلی ہوئی اور صاف ہے کہ کوئی اُس کا انکار نہیں کر سکتا اور جو کوئی دین کی کتاب اُٹھا کر دیکھے وہ اُسکی تصدیق کرسکتا ہے لیکن وہ بہت سے سبب جن سے یہ خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور جن کو دین کے خلل اور مذہب کے زوال کا مادہ کہنا چاہیئے وہ ایسی اوپری ہیں کہ ہر شخص اُنکو سمجھ نہیں سکتا اس لیئے اب ہم اُن کو بیان کرتے ہیں[۱]

---

[۱] یہ اسباب شاہ ولی اللہ صاحب محدث نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھے ہیں۔ ۱۲

پہلا سبب۔ بانی ملت اور صاحب شریعت کے اعمال اور اقوال سے چشم پوشی کرنا اور اپنے عقائد اور اعمال میں اُس کے عقائد اور اعمال سے مخالفت کرنا۔

دوسرا سبب۔ اغراض فاسدہ کا پیش آنا اور اُن کے حاصل کرنے کے لیے اصل بانی مذہب کے کلام میں تاویل باطل کرنا۔

تیسرا سبب۔ تعمق یعنی تکلف بیجا کرنا کوئی شخص شارع کی کسی امر و نہی کی علت پر غور کرے اور بعض وجوہ کو اُس کے کسی دوسری شئے پر اپنے نزدیک مطابق کر کے اپنی طرف سے مثل شارع کے اُس شئے کی امر و نہی کا حکم قایم کرے یا نبی کے تمام اعمال اور افعال کو عبادت سمجھکر جو کچھ اُنھوں نے عادتاً بھی کیا ہو اُس کو بھی فرایض و واجبات میں داخل کرے۔

چوتھا سبب۔ تشدد یعنی اُن عبادات شاقہ کا اختیار کرنا جس کا شارع نے حکم نہ کیا ہو یا سنن اور آداب کا مثل فرایض و واجبات کے التزام کرنا اور یہی وہ بیماری ہے جسمیں یہود اور نصرانی گرفتار ہو گئے تھے اور جن کو رہبان کہتے تھے۔

پانچواں سبب۔ اجماع کا اتباع کرنا یعنی اگر کسی بات پر بہت سے عالم اور مولوی متفق ہو جاویں اُن کے اتفاق ہی کو اُس امر کے ثبوت کی دلیل قاطع سمجھنا۔

یہ بات یاد رہے کہ اجماع کی دو صورتیں ہیں۔ ایک وہ اجماع جس کا مستند کتاب و سُنت ہو یہ اجماع واجب الاتباع ہے۔ دوسرا وہ اجماع کہ جس کا مستند کتاب و سنت نہ ہو بلکہ رسم و رواج نے بہت لوگوں کو ایک بات پر جمع کر دیا ہو۔ اس اجماع سے مخالفت کرنا بعض حالات میں واجب اور بعض صورتوں میں جائز ہے اور وہ اجماع جس کی بُرائی جا بجا خدا نے اپنی کتاب میں بیان فرمائی ہے اور جس کے اتباع سے لوگوں نے دین اسلام کو قبول نہیں کیا اور جس کے التزام کو بل نتبع ما الفینا علیہ آباءنا کہکر اپنے اوپر واجب جانا یہی دوسری قسم کا اجماع تھا۔ ہندوستان میں ہمارے ہم مذہب اجماع کی ان دونوں قسموں میں کچھ فرق نہیں کرتے اور بلا تمیز ایک کا اطلاق دوسرے پر کرتے ہیں۔ اپنے بزرگوں کی رسموں اور اپنی خاندانی عادتوں کو جن کے وے پابند ہوتے ہیں اجماع کی دلیل سے واجب العمل جانتے ہیں اور اُن باتوں کو جو صریح مخالف کتاب و سُنت کے ہیں مخالفت اجماع کے ڈر سے ترک نہیں کرتے۔

چھٹواں سبب۔ غیر معصوم کی تقلید کرنا[1]۔ یعنی کسی مجتہد کی یہ سمجھکر کہ تمام مسائل میں

---

[1] اس پر ہمنے ایک بہت تفصیلی [illegible] ہے جو بہت جلد چھپے گا۔ ۱۲

اُس کا اجتہاد صحیح اور درست ہے اور جو کچھ اُس نے کتاب و سُنت سے استنباط کیا ہے وہ خطا اور غلطی سے محفوظ ہے۔ ایسی تقلید کرنا کہ اگر کسی مسئلہ میں جس کا اُس نے استخراج کیا ہو اُسکی غلطی ثابت ہو اور کوئی حدیث صحیح صریح مخالف اُسکے موجود ہو اُس حدیث کو چھوڑ کر اُس کے اجتہاد پر عمل کرنا۔

یہ تقلید وہ نہیں ہے جس پر اُمت کا اجماع ہے یعنی اکثر علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ مجتہدین کی تقلید جائز ہے اور اُن کے استخراجی مسائل پر عمل کرنا درست ہے بلکہ اکثر حالات میں نہایت مفید اور بعض صورتوں میں نہایت ضرور ہے مگر دو شرطوں کے ساتھ اوّل یہ سمجھنا کہ مجتہد اپنے اجتہاد میں خطا بھی کرتا ہے اور صواب بھی۔ دوسرے منصوصات نبوی پر اُسکو مقدم نہ کرنا یعنی اگر کسی مسئلہ میں حدیث صحیح مخالف اُس مجتہد کے اجتہاد کے مل جاوے تو حدیث کا اتباع کرنا اور تقلید کا ترک کر دینا۔

بغیر ان شرائط کے غیر معصوم کی تقلید کرنا نہایت ہی نقصان دین کا سبب ہے اور اگلے اہل کتاب ایسی ہی تقلید کرتے تھے جس کی بُرائی خدا نے اپنی کتاب میں بیان فرمائی ہے حیث قال تبارک و تعالیٰ اتخذوا احبارھم ورھبانھم ارباباً من دون اللہ کہ اہل کتاب نے اپنے عالموں اور پیروں کو اپنا رب ٹھہرالیا ہے اور خدا کو چھوڑ دیا ہے حالانکہ کوئی اہل کتاب اپنے عالموں اور پیروں کی عبادت نہ کرتا تھا مگر اُن کو ایسا معصوم سمجھ لیا تھا کہ جس کو وہ حلال کہدیتے تھے اُسی کو حلال جانتے تھے جس کو وہ حرام کردیتے تھے اُسی کی حرمت کے معتقد ہوجاتے تھے اور اپنے نبی کے اقوال اور احکام پر بمقابلہ اُن کے قولوں اور حکموں کے عمل نہ کرتے تھے۔

ساتواں سبب - ایک ملت کا دوسری میں خلط کرنا یعنی کسی دوسرے دین کی باتوں کو بےسند کے کسی ضعیف و بیجا یا موضوع سند سے اُس کا جواز ثابت کرکے اپنے مذہب میں اس طرح داخل کر لینا کہ پھر کچھ تمیز نہ رہے کہ یہ باتیں کس مذہب کی ہیں بلکہ وہ باتیں اسلام ہی کی معلوم ہوں جس طرح بنی اسرائیل کے علوم اور یونان کی حکمت وغیرہ کو مسلمانوں نے اپنے دین و مذہب میں داخل کرلیا ہے اور اپنی تفسیروں اور کلام کی کتابوں کو انہیں روایات اور مسائل سے بھر دیا ہے۔

یہ اسباب دین میں نقصان اور خلل پیدا کرنے کے جو ہم نے بیان کیے ہیں یہ ہیں جنہوں نے

پرانے دینوں کو خراب کر دیا تھا اور جن کے سبب سے بہت سے اولوالعزم پیغمبر یکے بعد دیگرے بھیجے گئے ۔ قطع نظر ملت حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی ملت کے جس کا اب کوئی فرقہ بالتخصیص پابند نہیں ہے دین موسوی کو انہیں باتوں نے بگاڑا اور انہیں باتوں سے احبار یہود نے اپنی کتاب میں تحریف کی اور اپنے دین کو تغیر اور تبدیل کر دیا اور دین عیسوی میں بھی انہیں وجوہ سے نقصان آیا اور رہبانوں نے انہیں باتوں سے اپنے کو اصلی حالت پر نہ رہنے دیا ۔ اب اگر کوئی پوچھے کہ کیا ایسی تحریف اسلام میں بھی ہوئی ہے تو اُسے خود اسلام کی حالت پر غور کرنا چاہیے کہ جو نور ایمان کا طبقہ اول کے ہر شخص کی پیشانی پر چمکتا تھا وہ نور دوسرے طبقہ میں نہ رہا لیکن اُس کا عکس دوسرے طبقہ کے اکثر آدمیوں کے دل پر پڑا اور اُس طبقہ کے اکثر آدمیوں نے اپنے عقاید اور اعمال کو صحابہ کے مطابق رکھا ۔ اُس کے بعد تیسرے طبقہ میں بھی کچھ کچھ رونق اسلام کی رہی بلکہ بعض شخصوں نے اسلام کے قایم رہنے کے لیئے احادیث کے جمع کرنے اور اقوال رسول کے اکٹھا کر دینے سے سب پر پیغمبر صاحب کے اس قول کی کہ یہ دین ہمیشہ قایم رہے گا تصدیق کرا دی مگر بعد اُس کے جو جو زمانے آتے گئے اُن میں فساد ہی بڑھتا گیا اور جدال اور جہل کا زور ہی ہوتا گیا مگر جس طرح خدائے جل شانہ نے حضرت موسیٰؑ کے دین کو رسولوں اور پیغمبروں کو اُن کے بعد بھیجکر ایک عرصہ تک قایم رکھا اسی طرح پر دین محمدی کو علماء ربانی کے پیدا کر دینے سے تحریف سے بچایا یعنی جب کبھی لوگوں نے کچھ تحریفیں اور کچھ فتنہ پیدا کیا خدا نے کسی نہ کسی عالم کو جس کے حق میں علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل صادق ہے کھڑا کر دیا اور اُس نے محرفین کی تحریفات اور جہلا کی جہالتوں کو ظاہر کیا اور اصل اصول شریعت اور دین محمدی کا کھول دیا ۔

اس بات کا بیان کرنا کہ وہ تحریفات کیا ہیں جو اسلام میں لوگوں نے کیں ہم نہایت ضروری سمجھتے ہیں اور اس مضمون کو بطور مقدمہ کے لکھتے ہیں آیندہ اُسکی تصریحات کرینگے شاید خدا ہمکو اور ہمارے زمانہ کے لوگوں کو توفیق دے اور سنت کی سیدھی راہ پر چلا دے ۔ وما توفیقی الا باللہ ۔

تقلید اور عمل بالحدیث

تھوڑے دن ہوئے کہ میں نے اپنے مذہب کے ایک بڑے محقق کے کلام سے اخذ کرکے ایک مضمون بدعتوں میں تحریف ہونیکا لکھا تھا اور وہ ایک پرچہ میں تہذیب الاخلاق کے چھپا ہے اُسمیں جا بجا ذکر تقلید کا تھا وہاں میں نے وعدہ کیا تھا کہ اُسکو آیندہ بہ تفصیل لکھونگا چنانچہ اب اُسکو لکھتا ہوں۔

اس مضمون میں سات تذکرے ہیں

اوّل ۔ مذاہب اربعہ کے جاری ہونے سے پہلے زمانہ کا حال ہے۔
دوسرے ۔ مذاہب اربعہ کی بنیاد پڑنے کا زمانہ اور اُس کا سبب۔
تیسرے ۔ ان چاروں مذہب کی پابندی کامل طرح سے کب ہوئی۔
چوتھے ۔ ان چاروں مذہبوں میں اختلاف ہونے کا باعث۔
پانچویں ۔ اجتہاد اور عمل بالحدیث میں کیا فرق ہے۔
چھٹے ۔ تقلید اور عمل بالحدیث پر مقلد اور غیر مقلد کا مباحثہ۔
ساتویں ۔ قول فیصل بہ نسبت تقلید اور عمل بالحدیث کے۔

مذاہب اربعہ کے جاری ہونے سے پہلے زمانہ کا حال

پیغمبر خدا علیہ التحیتہ والثناء کے عہد کرامت مہد میں سوائے قرآن مجید کے مسائل شریعت اور احادیث اور احکام کے جمع کرنے کا کسی کتاب یا نسخہ میں رواج نہ تھا۔ پس اُس وقت میں نہ کسی نے کوئی حدیث کی کتاب لکھی نہ فقہی مسائل یا شرعی احکام کو کسی صحابی نے جمع کیا نہ کسی علم کے اصول و قواعد اُس وقت مقرر ہوئے۔ اُس زمانہ میں عمل کی یہ صورت تھی کہ اصحاب نبوی جیسا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتا ہوا دیکھتے ویسا ہی خود بھی کرتے ارکان اور آداب اور تدقیقات فقہی پر کچھ توجہ نہ کرتے اور اُن کی تعلیم کی یہ کیفیت تھی کہ جو کچھ سرور کائنات علیہ التحیات والصلوات فرماتے یا کسی معاملہ میں فتویٰ یا کسی سوال کا جواب دیتے

تو اسے حضرتؐ کے اصحاب سنتے اور یاد رکھتے اور چونکہ آنحضرتؐ عادات اور مباحات اور سنن عبادات میں اکثر ایک ہی امر کے پابند نہ رہتے اور مثل فرایض کے اُن کا التزام نہ رکھتے اور نیز ہر وقت اور ہر حال میں سب اصحاب بھی خدمت میں برابر حاضر نہ رہتے اس لیے جس نے جو حضرتؐ کو کرتے ہوئے دیکھا اُسے یاد کیا یا جو کچھ ارشاد فرماتے سُنا۔ اُس کی کوئی وجہ اور علت اپنے نزدیک سمجھ لی اور صرف اطمینان قلبی پر نہ استدلال کے طریقوں پر بھروسہ کر کے اُسے ذہن نشین کیا۔ پس جو شخص صحابہ میں سے اُن باتوں کے یاد رکھنے اور اُس پر غور کرنے کا زیادہ شایق تھا وُہی اُن میں زیادہ فقیہہ ہوا یا جس نے پیغمبر خدا کی صحبت میں رہکر اِن باتوں کی زیادہ تعلیم پائی وہ بہ نسبت اَوروں کے زیادہ واقف ہوا۔

جب آنحضرت کا زمانہ گذرا اور اصحاب کا زمانہ آیا تب اُنھوں نے اپنی دیکھی سُنی ہوئی باتوں پر خود عمل کیا اور اگر کوئی بات جدید پیش آئی تو اَوروں سے پوچھ لیا۔ اگر کسی بات میں کوئی حکم صریح کتاب و سنت سے نہ ملا تو منصوصات کتاب و سُنت پر غور کیا اور اُس کی علت کو دریافت کر کے اُسی پر پیش آئے ہوئے معاملہ کو قیاس کیا اور اگر کوئی مسئلہ مشکل ہوا تو اپنے آپس میں صلاح و مشورہ کر کے اُسکو طے کر لیا۔

صحابہؓ کے زمانہ میں جو لوگ نئے پیدا ہوئے یا نئے ایمان لائے اُنہوں نے صحابہ سے اُسی طور پر علم دین حاصل کیا جس طرح پر صحابہؓ نے آنحضرتؐ سے سیکھا تھا یعنی جس نے جس صحابی کو پایا اور اُسے فقیہہ جانا اُس سے مسائل شریعت کو اخذ کیا اور احادیث نبویؐ کو سیکھا اور چونکہ بعد آنحضرت کے صحابہ دُور دُور ملکوں میں پھیل گئے تھے اور بجائے ایک مکہ یا مدینہ کے صدہا کوس کے فاصلہ پر چلے گئے تھے اور ایک دوسرے سے جُدا ہو کر منتشر اور متفرق شہروں میں جا بسے تھے اس لیئے اُس زمانہ کے لوگوں نے اپنے ہی شہر اور اپنے ہی ملک بلکہ اپنے ہی محلہ کے رہنے والے صحابی سے امور دینی کی تحقیق کی اور اُنہیں سے احادیث نبوی اور مسائل شرعی کو سیکھا۔ اور چونکہ اکثر اصحاب نبوی فقیہہ تھے اور نامی گرامی اصحاب بھی بڑے بڑے شہروں میں موجود تھے اور ضروری مسائل بھی اُنکو یاد تھے اور جھگڑے قصے کی باتیں بھی اُس وقت تک شروع نہ تھیں اور نئی نئی تدقیقات اور جدید جدید مصطلحات کا بھی رواج نہ ہوا تھا اور علم بھی الفاظ غریبہ کی دقت اور اصطلاحات عجیبہ کی وحشت سے پاک تھا اور فقیہہ ہونا بھی دلایل منطقی کے جاننے اور اصول فلسفی سے

واقف ہونے پر منحصر نہ تھا اس لیئے اُس زمانہ کے سیدھے سادھے پاک اور نیک لوگوں کی روزمرہ کی کارروائی اور حاجت براری کے لیئے ہر شہر میں ایک عالم موجود تھا اور بہ سبب نہ رائج ہونے مناظرہ اور مجادلہ اور کلام کے کوئی کسی پر کسی طرح کا الزام بھی نہ دیتا تھا۔ اور بہ سبب صفائی طینت اور پاکی نفس کے تعصب اور تفرقہ کا بھی اظہار کسی کو منظور نہ تھا اس لیئے تابعین میں سے جو لوگ عوام تھے وہ وقت پیش آنے ضرورت کے اپنے شہر کے نامی مشہور صحابی سے مسئلہ پوچھ لیا کرتے اور جو کچھ وہ کہدیتے اُس پر عمل کرتے اور جو لوگ علم دین کے شایق تھے وہ اُنہیں سے علم دین کی تحصیل اور مسائل شریعت کی تحقیق کرتے جب کہ صحابہ کا زمانہ نہ رہا تو وہی لوگ اپنے اپنے شہر کے عالم اور محدث ہوگئے اور وہی مفتی اور فقیہہ مشہور ہوئے ۔

بعد تابعین کے جب زمانہ تبع تابعین کا آیا انہوں نے بھی اسی طور سے اپنے اپنے شہر کے مشہور نامی فقیہہ سے جو تابعین میں سے تھے تعلیم پائی اور فقہ حدیث کو سیکھا پس اُس وقت بھی ہر شہر کا ایک علیحدہ امام اور ہر مقام کا ایک خاص عالم اور فقیہہ تھا۔ جو لوگ اُس کی باتوں کو مانتے یا اُس کے فتووں پر عمل کرتے یا اُسکی سند سے احادیث کو روایت کرتے وہ اُسکی طرف منسوب ہوتے اور اُس عالم کے مذہب پر چلنے والے کہلاتے ۔

تابعین کے وقت تک مذہب سے صرف لغوی معنی مراد لیئے جاتے تھے نہ اصطلاحی معنی جو آج کل لوگوں کے ذہنوں میں ہیں اسکی تخصیص بھی کسی خاص فرقے اور گروہ پر نہ تھی بلکہ ہر شخص پر موافق اُس کی رائے اور طریقہ کے اس لفظ کا اطلاق ہوتا تھا چنانچہ مذہب فلاں کذا بجائے قولہ یا عملہ کذا کے بولا جاتا اور جو عالم نامی گرامی ہوتا وہ فقیہہ اور امام کہلایا جاتا باین اعتبار اُس وقت میں مذہب بھی بہت سے تھے اور امام صاحب مذہب بھی بہت سے اُس وقت کے مذہبوں اور اماموں کا حال جیسے اپنے زمانہ کے مولویوں اور اُن کے عقاید اور اعمال کے حال پر قیاس کرنا چاہیئے کہ جو جس شہر میں مشہور مولوی ہے اُسی سے لوگ استفتا کرتے ہیں اُسی سے علم سیکھتے ہیں اُس کی باتوں پر عمل کرتے ہیں اور اُسی کے فتووں پر چلتے ہیں اور جس طرح آجکل ایک ملک کے لوگ ایک ہی شہر کے مولوی یا ایک ہی عالم کے پابند نہیں ہیں بلکہ اپنے اپنے شہر کے مولویوں کی راہ پر چلتے ہیں اسی طرح پر اُس زمانہ میں تمام عرب و عجم کے لوگ کسی ایک یا چند معین فقیہوں کے پابند نہ تھے بلکہ ہر شہر کے آدمی اپنے اپنے

فقیہہ و مفتی اور محدث کے قول پر عمل کرتے اور اُس سے فتوے لیتے اور علم سیکھتے غرضکہ جس طرح پر آج کل لکھنؤ کے مولوی الگ ہیں اور دہلی کے علیحدہ اور جونپور کے جدی اسی طرح اُس وقت بھی مکہ اور مدینہ اور بصرہ اور کوفہ کے فقیہوں کی صورت تھی چنانچہ اُس زمانہ میں مدینہ منورہ کے فقیہہ اور صاحب مذہب سعید بن مسیب اور سالم بن عبداللہ بن عمر تھے اور بعد اُن کے زہری اور قاضی یحییٰ بن سعید اور ربیعہ بن عبدالرحمان ہوئے اور مکہ میں عطا ابن ابی رباح اور کوفہ میں ابراہیم نخعی اور شعبی اور بصرہ میں حسن بصری اور یمن میں طاؤس بن کیسان اور شام میں مکحول امام اور مجتہد تھے ۔ یہ صورت دوسری صدی کے اوسط تک یعنی ۱۴۳ھ ہجری تک قایم رہی اور لوگوں نے مسائل شریعت میں کسی شخص معین کی کامل پابندی نہ کی مگر بعد اُس کے وہ زمانہ شروع ہوا جس میں ان مذہب اربعہ کی بنیاد پڑی اور جس سے مذہب کے وہ اصطلاحی معنی قرار پائے جیسے مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنی بعض تالیفات میں لکھا ہے کہ[1] "مذہب نام راہیست کہ بعض اُمتیاں را در فہم شریعت کشادہ شود و بعقل خود چند قاعدہ قرار دہد کہ موافق آں قواعد استنباط مسائل شرعیہ از ماخذ آں نماید" ۔

مذاہب اربعہ کی بنیاد پڑنے کا زمانہ اور اُس کے رایج ہونے کا سبب

تبع تابعین کے زمانہ میں حدیث و فقہ کی تعلیم و تعلم کی صورت تو وہی تھی جو تابعین کی تھی لیکن اُس وقت میں بسبب کثرت مسلمانوں کے اور شروع ہونے جھگڑے اور فساد کے اور جاہل ہو جانے خلفاء وقت کے اور شایع ہونے جھوٹ اور افترا کے اور واقع ہونے اختلاف کے خیال نے لوگوں کو مسائل کے جمع کرنے اور اصول و قواعد کے منضبط کرنے اور ارکان اور آداب عبادات کی تشریح کرنے اور اجتہاد اور استنباط اور استخراج کے قواعد کے ترتیب دینے پر راغب کیا اور اُس وقت کے نیک اور پاک لوگوں کو حدیث اور

[1] تحفہ اثنا عشریہ ۱۲

فقہ کی تدوین کا شوق دیا چنانچہ دوسری صدی ہجری کے اواسط سے جس شہر میں جو نامی فقیہ اور عالم
تھا اُسمیں بعض بعض نے حدیث کی تالیف پر اور فقہ کی تدوین پر کمر باندھی اور مسائل کا
جمع کرنا شروع کیا - چنانچہ مکہ میں ابن جریج اور ابن عیینہ نے اور مدینہ میں امام مالک اور
محمد بن عبدالرحمن ابن ابی ذہب نے اور کوفہ میں ثوری نے اور بصرہ میں ربیع ابن صبیح نے
اوّل اوّل حدیث میں تالیف اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک وغیرہ نے فقہ کی تدوین شروع کی ہو
سب سے پہلے حنفی مذہب کی بنیاد پڑی اس لیئے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو
خدا نے اجتہاد اور استنباط مسائل اور استخراج فروعات کی ایک خاص قسم کی استعداد
دی تھی اور وہ زہد اور ورع میں بھی کامل تھے پس اُنھوں نے اپنے شہر کے امام و فقیہ
ابراہیم نخعی کی احادیث اور اقوال اور روایات پر اپنے مذہب کی بناء قائم کی اور اُنہیں کے
اصول پر استخراج کرنا جزئیات مسائل کا شروع کیا چنانچہ یہ امر بخوبی اُس شخص پر ظاہر
ہے جس نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الآثار اور جامع عبدالرزاق اور مصنف
ابی بکر ابن شیبہ کو دیکھا ہے اور پھر ابراہیم نخعی کے اقوال کو امام ابوحنیفہ کے مذہب سے
ملایا ہے -

غرضکہ جب امام ابوحنیفہؒ نے اس طور پر فقہ کی تدوین شروع کی تب لوگوں نے اُن کی
طرف رغبت کی اور اُن کے اصول و فروع کو پسند کرکے اُسے سیکھا اور فقہائے کوفہ نے
اُن کے اجتہاد کو قبول اور اُن کے استخراجی مسائل پر عمل کیا اور جب قاضی ابویوسف
اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما سے دو شاگرد اُن کے ہوگئے تب پہلے شاگرد کی عمارت و قضا
کے سبب سے اور دوسرے شاگرد کے علم و تالیف کی برکت سے امام کا مذہب سارے
عراق اور خراسان اور ماوراء النہر میں پھیل گیا -

حنفی مذہب کے بعد بنیاد مالکی مذہب کی پڑی کہ امام مالک حدیث اور فقہ اور زہد اور
پرہیزگاری میں بڑے مشہور تھے اور اُن کو احادیث نبوی بہت سی یاد تھیں اور وہ
اُس کے ضعف و قوت سے بھی بخوبی واقف تھے چنانچہ اُنھوں نے نہایت عمدہ اور
صحیح اور جامع کتاب حدیث کی لکھی جس کا نام موطا ہے - اُسکی قبولیت اعلےٰ درجہ پر پہنچی
اور ہزاروں آدمیوں نے اُس وقت کے اُس کی سند امام مالک سے حاصل کی پس امام مالک کی اس کتاب
کی برکت سے ایسا فائدہ لوگوں نے پایا کہ جس کا کچھ بیان نہیں ہو سکتا - پس جہاں جہاں اُن کے

اصحاب اور شاگرد پہونچے اور اُن کی کتاب کو لوگوں نے دیکھا اُن کے مذہب پر عمل کرنا شروع کیا پھر تو اُن کے بعد اُن کے شاگردوں نے اُن کے مذہب کے اصول اور دلایل کو ترتیب دیا اور اُن کی کتاب کے خلاصے کیئے اور اُن کے کلام اور فتووں کی شرح کی یہاں تک کہ آخر اُن کا بھی ایک جدا مذہب قرار پایا اور نواح مغرب کی طرف جہاں اُن کے تلامذہ زیادہ ہوئے مالکی مذہب پھیل گیا۔

ان دونوں مذہبوں کی بنیاد پڑ چکی تھی کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے اُنہوں نے دونوں مذہبوں کے اصول و فروع کو دیکھ کر اور اُن کے کلیات و جزئیات پر نظر کر کے اُن باتوں کو جو اُن مذہبوں میں ناقص تھیں پورا کیا اور نئی طرز سے اصول اور قواعد کو ترتیب دیا۔

امام شافعی نے سب سے اوّل ایک کتاب اصول کی تالیف کی اور اُسمیں احادیث مختلف کے جمع کرنے کے قاعدے مرتب کیئے اور احادیث مرسل اور منقطع پر استناد کرنے کا بغیر پائے جانے اُسکی شرائط کے التزام ترک کیا چنانچہ جو کچھ اُنہوں نے حنفی اور مالکی مذہب سے اختلاف کیا اکثر اِن باتوں میں تھا۔

اوّل - احادیث مرسل و منقطع پر اسناد نہ کرنا۔ امام شافعی نے حنفی اور مالکی مذہب والوں کو بعض احادیث مرسل و منقطع پر استناد کرتے ہوئے دیکھکر یہ اصول قایم کیا کہ ایسی احادیث پر جب تک اُسکی شرائط پائی نہ جاویں سند نہ کی جاوے اس لیئے کہ طرق حدیث کے جمع کرنے سے بخوبی ظاہر ہوا کہ بعض احادیث مرسل محض بے اصل ہیں اور بعض مسند کے مخالف ہیں۔

دوسرے - احادیث مختلفہ کے جمع کرنے کے اصول قایم کرنا۔ امام شافعی سے پہلے احادیث کی وہ کثرت نہ تھی جو اُن کے زمانہ میں ہوئی اس لیئے کہ ہر شہر کے رہنے والے اپنے ہی شہر کے عالموں اور اماموں سے احادیث کو اخذ کرتے اور اُسی کو روایت کرتے مگر جب اس علم کی تدوین شروع ہوئی اور لوگوں نے ایک شہر کے دوسرے شہر میں جا کر احادیث کو سیکھا اور متفرق متفرق لوگوں کو جو کچھ حدیثیں یاد تھیں اُن سے سُنا تو احادیث کی کثرت ہوگئی اور پھر اُن میں اختلاف بھی معلوم ہوا تو ضرور ہوا کہ اُس اختلاف کے رفع کرنے اور احادیث مختلفہ کے جمع کرنے کے قاعدے مقرر کیئے جاویں چنانچہ اسیواسطے

امام شافعیؒ نے ایک اصول کی کتاب تالیف کی۔

تیسرے۔ احادیث صحیحہ کے ترک کرنے سے پرہیز کرنا۔ پچھلے لوگوں نے جن جن بزرگوں سے فقہ کو حاصل کیا اور جن کے اقوال پر اپنے مذہب کی بنا قایم کی اُن کو اُس وقت تک بعض احادیث صحیحہ نہیں پہونچیں اور اُن کو بسبب نہ معلوم ہونے اُن احادیث کے جن سے مسائل بتصریح نکلتے تھے قیاس سے کام لینا پڑا۔ پس جبکہ امام شافعیؒ نے دیکھا کہ بعض احادیث صحیحہ پر عمل کرنا پچھلے مذہبوں میں بمجبوری رہ گیا ہے تو امام شافعیؒ نے اس امر کو صاف بیان کیا کہ وقت مل جانے حدیث صحیح کے قیاس کو چھوڑ دینا اور حدیث صحیح پر عمل کرنا ضرور ہے۔ اور انہوں نے ثابت کیا کہ یہی طریقہ صحابہ اور تابعین کا تھا کہ وے ہمیشہ احادیث کی جستجو کرتے۔ جب کوئی حدیث نہ ملتی تب استدلال اور قیاس سے کام لیتے اور اگر پیچھے اُن کو حدیث پہونچ جاتی تو اُسی وقت قیاس کو چھوڑ دیتے اور عمل بالحدیث کرنے لگتے۔

اس بات سے کہ امام ابو حنیفہ یا امام مالکؒ وغیرہ کو سب احادیث پر اطلاع نہیں ہوئی درحقیقت اُن کی پاکی اور بزرگی اور علم میں کچھ الزام نہیں آتا اس لیئے کہ اُس وقت تک وہ مادہ احادیث کا نہ تھا جو پیچھے کر کے امام شافعی کو ملا اور اس کا عذر علماء محققین حنفیہ نے خود کیا ہے چنانچہ امام شعراوی لکھتے ہیں کہ ان عذر ابی حنیفۃ فی کثرۃ القیاس عدم بلوغ الاحادیث الصحیحۃ الیہ فی زمنہ۔ یعنی امام ابو حنیفہ کا عذر کثرت قیاس میں یہ ہے کہ سب احادیث صحیحہ اُن کو اُن کے وقت میں نہ پہنچیں تھیں۔ اور علامہ احمد بن عبد السلام اپنی کتاب رفع الملام عن الائمۃ الاعلام میں لکھتے ہیں کہ بہت سی حدیثیں ایسی ہیں جو کہ خود خلفاء اربعہ رضی اللہ تعالی عنہم کو نہیں پہونچیں اور علاوہ اُن کے اور اصحاب اُن سے واقف ہوئے پس اگر بعد اُن کے کسی امام کو احادیث صحیحہ پر اطلاع نہیں ہوئی تو کچھ جائے تعجب نہیں اور اس مضمون کو لکھکر علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ فمن اعتقد ان کل حدیث صحیح قد بلغ کل واحد من الائمۃ او اماما معینا فھو مخطی خطاء فاحشا قبیحا۔ یعنی جس نے یہ اعتقاد کیا کہ ساری صحیح حدیثیں ہر ایک امام کو پہنچ گئیں یا کوئی خاص امام اُن سب سے مطلع ہوا تو ایسا اعتقاد کرنے والا کھلی ہوئی نہایت قبیح خطا پر ہے اور یہ بھی وہ لکھتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ کیونکر سب

احادیث نبوی پر اطلاع نہیں ہوسکتی تھی جبکہ احادیث کی تدوین ہوچکی تھی تو یہ بھی بڑی غلطی ہے لان ھذہ الدواوین المشہورۃ فی السنن انما جمعت بعد انقراض الائمۃ المتبوعین۔ اس لیئے کہ یہ کتابیں مشہور بعد گذرنے اُن اماموں کے مدون ہوئی ہیں جنکی لوگ تقلید کرتے ہیں اور یہ کہہ دینا مقلدین کا کہ ہر مسئلہ میں ہمارے امام کے پاس ایک حدیث تھی اور ایک خاص دلیل وان لم نعرفہ ونعتقدہ یعنی گو ہم اُسکو نہیں جانتے حقیقت میں ایسا جواب ہے جس کو سفسطہ محض اور جہالت قبیح کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے اور مقدمہ منہج کے باب تبری الائمۃ من اقوالھم اذا خالف الشریعۃ میں امام شعراوی نے صاف لکھدیا ہے کہ لو عاش ابوحنیفۃ الی تصحیح الاحادیث لترک القیاس یعنی اگر امام ابوحنیفہ اتنی زندگی پاتے کہ تصحیح حدیث کرسکتے تو ضرور وہ قیاس کو چھوڑ دیتے۔

غرضکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اُن مسائل ہیں قیاس کو چھوڑا جن میں بہ سبب نہ پانے حدیث کے اگلے اماموں نے اجتہاد کیا تھا اور صرف حدیث پر عمل کیا۔

چوتھے - اقوال صحابہ پر بوجہ مخالفت حدیث کے استدلال نہ کرنا - امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے وقت میں صحابہ کے اقوال بھی لوگوں نے جمع کرلیئے تھے اور وہ باہم مختلف تھے اور بعض بعض احادیث صحیح کے مخالف تھے اس لیے امام شافعی نے اُن کے اقوال پر بعد پانے حدیث صحیح کے استدلال کرنے کو ترک کیا اور صاف کہہ دیا کہ ھم رجال ونحن رجال کہ وہ بھی آدمی تھے اور ہم بھی آدمی ہیں - اُن سے غلطی ہوسکتی تھی پس بعد پانے حدیث کے اُن کے اجتہاد پر عمل کرنا ضرور نہیں بلکہ اُس کا ترک کرنا اور حدیث پر عمل کرنا ضرور اور لازم ہے - کما قال شارح سفر السعادۃ ابوحنیفہ تقلید صحابی را در آنچہ صحابی باختیار خود گوید واجب داند وشافعی گوید ھم رجال ونحن رجال ما و ایشان در اجتہاد برابریم وہمہ مجتہد انیم مجتہد را تقلید مجتہد دیگر نرسد۔

پانچویں - رائے اور قیاس میں تمیز کرنا - امام شافعی کے وقت میں کثر لوگ ایسے تھے جو اجتہاد میں رائے کو دخل دیتے اور اُسی کو وہ قیاس سمجھتے جو شرعاً جائیز ہے حالانکہ قیاس جو شرعاً جائیز ہے اور جو صحابہ اور تابعین میں جاری تھا وہ صرف یہ ہے کہ کسی

حکم منصوص سے اُسکی علت نکالنا اور جس میں وہ علت پائی جاوے اُسپر اُسی حکم کو قایم کرنا مثلاً خدا کی کتاب میں شراب کی حرمت مذکور ہے نہ کسی اَور مسکرات کی تو حرمت شراب کی حکم منصوص ہے اور سکر اُس کی حرمت کی علت ہے[1] پس جس چیز میں وہ علت پائی جاوے یعنی سکر اُسپر حرمت کا حکم قایم کرنا حقیقت میں قیاس ہے اور رائے یہ ہے کہ کسی تراشی ہوئی بات کو اصول میں قایم کرنا اور اُسکو علت حرمت و حلت کی بنانا مثلاً مظنہ حرج یا مصلحت عام کو کسی حکم کی علت ٹھہرانا۔ پس ایسے قیاس کو جو کہ درحقیقت رائے ہے امام شافعی نے ترک کیا اور صاف کہدیا کہ من استحسن فانہ اراد ان یکون شارعا۔ کہ جو قیاس استحسان کو شریعت میں دخل دیتا ہے وہ درحقیقت اپنے آپ کو صاحب شریعت بنایا چاہتا ہے ۔

غرضکہ یہ چند کھلی ہوئی اور صاف باتیں ہیں جس سے امام شافعی نے اپنے پچھلے آئمہ سے اختلاف کیا اور بیچ کے ذریعے اور واسطے چھوڑکر اصل ماخذ سے فقہ کو لیا اور کتاب و سنت ہی پر مدار اپنے مذہب کا رکھا اور کسی خاص شہر کے عالم یا کسی معین قوم کے فقیہ کے اقوال و اصول پر اپنے اجتہاد کی بنا قایم کی اور حقیقت میں یہ طریقہ اُن کا نہایت ہی اچھا تھا لوگوں کو حد سے زیادہ پسند ہوا اور بڑے بڑے فقہا اور محدثین نے اُن کے مذہب کی خوبی پر اقرار کیا اور اُسکو اختیار فرمایا اور اس طور سے بعد چند سے مذہب شافعی رایج ہوا ۔

جو کیفیت حنفی اور مالکی اور شافعی مذہب کی بنیاد کی ہوئی قریب قریب اسی کے امام احمد بن حنبل کے مذہب کی بنیاد پڑنے کی ہے ۔

اس مسلسل مختصر بیان سے سمجھنے والے کو نہ صرف یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ بنیاد ان چاروں مذہب کی کب اور کیونکر پڑی بلکہ یہ بھی ثابت ہو سکتا ہے کہ کسی نے منجملہ ان چاروں امام کے اپنے مذہب کو لوگوں کی تقلید کے لیئے نہیں بنایا اور اپنے آپ کو صاحب مذہب کہلانے کے لیئے اجتہاد و استنباط نہیں کیا بلکہ اُنہوں نے صرف اپنی ذات کے لیئے اجتہاد کیا اور اپنے دین کے شوق میں فقہ کو تدوین کیا کسی نے

---

[1] مگر ضرور ہے کہ اُس علت کا علت ہونا بھی نص سے ثابت ہوا ہو نہ کسی انسان کی عقل سے ۔ ١٢

اُن میں سے یہ نیت نہیں کی کہ ہم مقتدا بنیں اور ہم کوئی خاص مذہب گھڑا کریں اور لوگوں کو اُسپر راغب کر کے کچھ شہرت یا عزت حاصل کریں۔ اُن بزرگوں کی نیت ایسی کدورتوں سے بالکل پاک اور اُن کے دل ایسے خطرات سے بالکل صاف تھے اُنکو سوائے اپنے ذاتی فائدہ کے کوئی دوسری غرض نہ تھی اسی واسطے اپنی تقلید سے منع کرتے تھے اور جب کوئی خلیفہ اور بادشاہ اُن کی تالیفات کو لوگوں کے عمل کرنے کے لیئے مشتہر کرنا چاہتا وہ منع کر دیتے چنانچہ لواقح الانوار القدسیہ میں لکھا ہے کہ واعلم ان ما علمہ المجتھدون من الکتاب والسنتہ انما کان لانفسھم لا الخلق ای لا لان کل مجتھد یوجب تقلید نفسہ علی کل فرد من افراد العالم بل من الائمۃ من نھی عن تقلید نفسہ وامر بتحصیل رتبۃ النظر؛

پس وہ اثر جو اُن بزرگوں کی نیک طبیعت اور پاک طینت کا ہمارے دلوں پر ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ وہ خود متبوع اور صاحب شریعت بننے کا قصد نہ رکھتے تھے اور اپنے اجتہاد اور استنباط کو سارے جہان کے لوگوں سے قبول کرانے کا شوق نہ رکھتے تھے بلکہ جہاں تک اُن سے اپنی ذات کی بھلائی اور لوگوں کے نفع کے واسطے ہو سکتا تھا وہ احادیث نبوی یا اقوال فقہا سے مسائل کو استخراج کرتے اور لوگوں کی ضرورت اور حاجت کو رفع کرتے اور صاف صاف کہدیا کرتے کہ اگر کوئی مسئلہ اور کوئی جزئیہ ہمارا حدیث کے خلاف پاؤ یا کسی قیاس اور رائے کو ہماری کتاب سُنت کے برخلاف دیکھو تم اسے ہرگز نہ مانو اور اسپر عمل کرنے کو حرام سمجھو۔

مگر خدا نے اپنے قانون قدرت میں یہ قاعدہ رکھدیا ہے کہ ہر شئے آہستہ آہستہ شروع ہوتی ہے اور تھوڑی تھوڑی بڑھتی ہے جب اُسکی ترقی پورے درجہ پر اور اپنی معین حد پر پہنچ جاتی ہے تب اُسکی ترقی رُک جاتی ہے اور گھٹنے لگتی ہے اور پھر درجہ بدرجہ اُسمیں خرابی آتی جاتی ہے یہاں تک کہ آخر سوائے لفظوں کے کچھ حقیقت اُس شئے کی باقی نہیں رہتی اور بجز نام کے کوئی خوبی اُس میں پائی نہیں جاتی پس اسی قاعدہ کا اثر ان اماموں پر ہوا کہ اول تو آہستہ آہستہ آئمہ دین نے فقہ اور حدیث کو جمع کیا اور اجتہاد اور استخراج کو درجہ بدرجہ کمال پر پہنچایا اور اپنی نیتوں کو پاک اور اپنے ارادوں کو نیک رکھا اور پھر آخر لوگوں نے تحقیق اور تنقیح کو چھوڑ دیا اور جس امر کا دعویٰ اُن اماموں نے

اُس وقت تک جو لوگ تھے وہ دو حال سے خالی نہ تھے یا ذی علم تھے یا جاہل۔ پس
جو لوگ جاہل تھے وہ اپنے گھر میں روزہ نماز وغیرہ عبادت کے مسئلے سیکھتے اور اُسپر عمل
کرتے۔ اگر ضرورت کسی مسئلہ کے پوچھنے یا فتویٰ کے لینے کی ہوتی تو جس عالم کو وہ افضل
اور بہتر جانتے اُس سے پوچھ لیتے اور اُسکی بات پر عمل کرتے بالحاظ اس کے کہ وہ عالم
حنفی ہوتا یا شافعی یا مجتہد۔ اور جو لوگ خود ذی علم تھے اُن کی دو صورتیں تھیں بعضے
اہل حدیث تھے بعضے صاحب اجتہاد۔ جو اہلحدیث تھے اُن کا طریقہ یہ تھا کہ وہ
کتاب الٰہی اور احادیث نبوی اور آثار صحابہ پر عمل کرتے اور اگر کسی مسئلہ میں ضرورت
ہوتی تو کسی فقیہ کے کلام پر رجوع کرتے خواہ وہ فقیہہ مدنی ہوتا یا مکی۔ کوفی ہوتا یا
بصری۔ اور جو صاحب اجتہاد تھے وہ اجتہاد اور تخریج کرتے اور اصول اور قواعد کلیہ
کو پیش نظر رکھکر اُسی سے فروعات کا استنباط کرتے۔ پس اگر وہ اصول پہلے سے کسی
خاص امام یا اُس کے فرقہ کے ساتھ مخصوص ہوتے تو لوگ اُس مجتہد کو بھی اُسی امام
کی طرف منسوب کرتے اور اس مجتہد کو بھی اُن اصول کا پابند پاکر شافعی یا حنفی سمجھنے۔

یہ صورت تیسری صدی کے اخیر تک قایم رہی اُس وقت تک نہ عمل بالحدیث
پر کوئی طعنہ کرتا نہ اجتہاد پر الزام دیتا۔ مگر جب جہالت کا زور ہوا اور اختلاف اُمت میں پڑ گیا
اور طبیعتوں سے تحقیق کا مزہ جاتا رہا اور صاحب شریعت تک واسطے در واسطے ہوگئے
تب چوتھی صدی میں لوگوں نے سیدھا رستہ چھوڑ دیا اور دائیں بائیں چلنا شروع کیا
اور سلاطین کے سامنے مناظرہ اور مجادلہ میں اپنے ہمسروں پر غالب ہونے کا شوق پیدا
ہوا۔ علم کو دنیا کی تحصیل کا ذریعہ گردانا۔ اپنی ناموری و عزت اور شہرت کے لیئے اُن
مسائل کو جن میں نہایت نیک نیتی کے سبب سے باہم آئمہ اربعہ کے اختلاف ہوا تھا
ذریعہ بحث کا بنایا اور اپنے اپنے اماموں کے اقوال کو نہ صرف اس وجہ سے کہ حقیقت میں وہ
اُنھیں کو صحیح اور دوسرے کو غلط جانتے تھے مثل کتاب و سنت کے مستند گردانا بلکہ اس
لحاظ سے کہ وہ خود اُس مذہب سے منسوب تھے اور اُس امام کے مقلد کہلائے جاتے
تھے۔ اُن اقوال کے اثبات کو اپنی غزارت علم کے اظہار کا سبب تصور کیا تاکہ لوگوں کو
یہ معلوم ہو کہ یہ ایسے بڑے مولوی اور فقیہہ ہیں کہ جن باتوں پر یہ عمل کرتے ہیں اور جن لوگونکو
یہ واجب العمل جانتے ہیں وہی صحیح اور درست ہیں اور اُن کے پاس بہت سی دلیلیں

اُس وقت تک جو لوگ تھے وہ دو حال سے خالی نہ تھے یا ذی علم تھے یا جاہل۔ پس جو لوگ جاہل تھے وہ اپنے گھر میں روزہ نماز وغیرہ عبادت کے مسئلے سیکھتے اور اُس پر عمل کرتے۔ اگر ضرورت کسی مسئلہ کے پوچھنے یا فتوی کے لینے کی ہوتی تو جس عالم کو وہ افضل اور بہتر جانتے اُس سے پوچھ لیتے اور اُسکی بات پر عمل کرتے بالحاظ اس کے کہ وہ عالم حنفی ہوتا یا شافعی یا مجتہد۔ اور جو لوگ خود ذی علم تھے اُن کی دو صورتیں تھیں بعضے اہل حدیث تھے بعضے صاحب اجتہاد۔ جو اہلحدیث تھے اُن کا طریقہ یہ تھا کہ وہ کتاب الٰہی اور احادیث نبوی اور آثار صحابہ پر عمل کرتے اور اگر کسی مسئلہ میں ضرورت ہوتی تو کسی فقیہ کے کلام پر رجوع کرتے خواہ وہ فقیہ مدنی ہوتا یا مکی یا کوفی ہوتا یا بصری۔ اور جو صاحب اجتہاد تھے وہ اجتہاد اور تخریج کرتے اور اصول اور قواعد کلیہ کو پیش نظر رکھکر اُسی سے فروعات کا استنباط کرتے۔ پس اگر وہ اصول پہلے سے کسی خاص امام یا اُس کے فرقہ کے ساتھ مخصوص ہوتے تو لوگ اُس مجتہد کو بھی اُسی امام کی طرف منسوب کرتے اور اس مجتہد کو بھی اُن اصول کا پابند پاکر شافعی یا حنفی سمجھتے۔

یہ صورت تیسری صدی کے اخیر تک قایم رہی اُس وقت تک نہ عمل بالحدیث پر کوئی طعنہ کرتا نہ اجتہاد پر الزام دیتا۔ مگر جب جہالت کا زور ہوا اور اختلاف اُمت میں پڑ گیا اور طبیعتوں سے تحقیق کا مزہ جاتا رہا اور صاحب شریعت تک واسطے در واسطے ہوگئے تب چوتھی صدی میں لوگوں نے سیدھا رستہ چھوڑ دیا اور داہنی بائیں چلنا شروع کیا اور سلاطین کے سامنے مناظرہ اور مجادلہ میں اپنے ہمسروں پر غالب ہونے کا شوق پیدا ہوا۔ علم کو دنیا کی تحصیل کا ذریعہ گردانا۔ اپنی ناموری و عزت اور شہرت کے لیے اُن مسائل کو جن میں نہایت نیک نیتی کے سبب سے باہم آئمہ اربعہ کے اختلاف ہوا تھا ذریعہ بحث کا بنایا اور اپنے اپنے اماموں کے اقوال کو نہ صرف اس وجہ سے کہ حقیقت میں وہ اُنھیں کو صحیح اور دوسرے کو غلط جانتے تھے مثل کتاب و سنت کے مستند گردانا بلکہ اس لحاظ سے کہ وہ خود اُس مذہب سے منسوب تھے اور اُس امام کے مقلد کہلائے جاتے تھے۔ اُن اقوال کے اثبات کو اپنی غزارت علم کے اظہار کا سبب تصور کیا تا کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ یہ ایسے بڑے مولوی اور فقیہ ہیں کہ جن باتوں پر یہ عمل کرتے ہیں اور جن لوگونکو یہ واجب العمل جانتے ہیں وہی صحیح اور درست ہیں اور اُن کے پاس بہت سی دلیلیں

اُسکے اثبات پر موجود ہیں اور اس سے اُن کے علم اور تفقہ کی شہرت ہو اور جب ایسے لوگوں نے اپنی اپنی تقریر اور تحریر کے زور سے اور اپنی فصاحت و بلاغت کے بھروسے پر ایک چیز کا التزام کر لیا اور اپنے ہمعصروں سے اُن باتوں میں مباحثہ اور مناظرہ شروع کر دیا اور بڑے بادشاہوں اور امیروں کی مجلسوں میں اُس کی بحثیں ہونے لگیں تو تعصب نے اُن کی آنکھوں کو اندھا کر دیا اور غرور نے اُن کے دلوں سے نیک نیتی اور صفائے طینت کو نکال لیا اپنے دل میں اپنے قول اور اپنے عقیدہ کی سفاہت پر قایل ہو جاتے مگر زبان سے اقرار نہ کرتے اور اُس سے پھرنے کو اپنی ہتک سمجھتے اور جان بوجھ کر کتاب و سنت کو چھوڑ کر اپنی بات پر قایم رہتے اور پوچ دلیلوں اور بیہودہ اور خرافات باتوں اور ضعیف سندوں سے اُسی کے ثابت کرنے پر قایم رہتے اور اسی کو استقلال اور صلابت فی الدین اور غزارت علم سمجھکر ابطال حق اور احقاق باطل کر کے بہ مقتضائے اخترت النار علی العار دنیا کی شرم کو عاقبت کی شرم پر اختیار کرتے چنانچہ اسی وقت میں ایک ایک عقیدہ پر سو سو ورق کی کتابیں تالیف ہو گئیں اور ایک ایک فقہی مسئلہ پر ہزار ہزار صفحے سیاہ ہو گئے۔ فقہ اور حکمت اور علم کی اصلی حقیقت تو جاتی رہی۔ اُس کے ناموں پر مدار دین کا آ گیا اور مباحثات اور مناظرات کا نام استنباط دقایق شرع رکھا گیا تالیفات اور تحریرات کی وہ کثرت ہوئی کہ ہر جاہل صاحب تالیف اور ہر عامی صاحب تصنیف بن گیا اور ایک ایک دنیا طلب مولوی اپنے آپ کو عالم ربانی سمجھنے لگا فقہ کے مسئلوں اور علم کلام کے فرضی عقیدوں کے اثبات کا نام اعلاء کلمۃ اللہ ہو گیا یہاں تک نوبت پہونچی کہ جو بڑا بکنے والا ہوتا اُسی کو لوگ بڑا مولوی سمجھتے جو سب سے زیادہ خوش گپ ہوتا اُسی کو لوگ عمدہ واعظ جانتے۔ جو لڑنے جھگڑنے میں خوب مشاق ہوتا وہی متحقق کہلایا جاتا۔ جو نہایت فضول و لغو ہوتا وہی جامع منقول سمجھا جاتا جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء میں فرماتے ہیں فصار یسمی المجادل المتکلم عالماً والقاص المزخرف کلامہ بالعبارات المسجعۃ عالماً هکذا اضعف الدین فی قرون سالفۃ فکیف یظن بزمانک هذا وقد انتهی الامر الی ان مظهر الانکار یستهدف لنسبتہ الی الجنون فالاولی ان یشتغل الانسان بنفسہ ویسکت یعنی جو شخص جھگڑنے والا۔ بڑی بات چیت کرنے والا ہوتا اُسی کو لوگ عالم جانتے اور جو بیہودہ قصے کہنے والا اور مزخرفات

کہنے والا ہوتا اسی کو سب مولوی سمجھتے۔ پس جبکہ پچھلے اماموں میں دین ایسا ضعیف ہوگیا تو اب
اس زمانہ کا حال کیا بیان کیا جاوے کہ اب تو وہ زمانہ آگیا ہے کہ جو ان مولویوں اور عالموں
کی باتوں کو نہ مانے وہی تیر ملامت کا نشانہ ہوتا ہے اور جو حق بات زبان پر لاوے وہی
مجنوں اور دیوانہ ٹھہرتا ہے پس انسان سوائے اسکے کیا کرے کہ اپنا کام کرے اور چپ
چاپ رہے۔

غرض کہ یہی زمانہ میں تقلید کی جڑ مضبوط ہوگئی اور وہ چیونٹی کی سی چال تقلید کی جو
لوگوں کے دلوں میں دوسری صدی سے شروع ہوئی تھی چوتھی صدی میں پوری
ہوگئی اور سوائے چند علماء ربانی کے سب کے دلوں میں کامل طرح سے اُس نے جگہ کرلی۔

ہمارے اس بیان سے غور کرنے والے کو تقلید پر پورے طور پر عمل کرنے کا سبب
تو بخوبی ظاہر ہوسکتا ہے لیکن ہم اس امر کو کہ تقلید نے کتاب و سنت پر استناد کرنے کا طرز
پسندیدہ کیوں متروک کرادیا اور بجائے قال اللہ تعالیٰ اور قال الرسول کے قال زید قال عمرو
کیوں رائج کیا۔ چند لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔ سبب اس کا یہ ہے کہ جب علماء اور فقہاء
باہم بحث کرنے لگے اور اپنی سخن پروری اور نفسانیت کے سبب اوروں پر حق ناحق
غلبہ پانے کے شایق ہوئے اور ایک دوسرے کو حسد کی نظر سے دیکھنے لگے اور لوگ
اُسی سے رجوع کرنے کے عادی ہوگئے جو کہ وقت مباحثہ کے غالب رہتا اور اپنی طرف
مقابل کو ہرا دیتا تو اُس وقت مباحثہ اور مناظرہ کی کثرت ہوئی اور سوائے شاذ و نادر
نیک پاک لوگوں کے ایک نے دوسرے کے کلام کی تردید شروع کی۔ یہاں تک کہ ایک
عالم دوسرے کے فتوے کو رد کرتا اور ایک فقیہ دوسرے کی بات کو کاٹ دیتا اور چونکہ
اس کے لئے ضرورت کسی دلیل و برہان کی ہوتی پس فقہ اور دین میں سوائے نقل کے صرف
عقلی دلیل کافی نہ تھی اور بغیر کسی سند اور قول کے بات نہ بنتی تھی۔ پس دلایل و برہان کی جستجو
کرنی پڑی اور اپنی اپنی باتوں پر سند لانے کی حاجت ہوئی۔ جب ان لوگوں نے کتاب و
سُنت پر توجہ کی تو کوئی دلیل ایسی کہ جو صرف اُن کی بات کو ثابت اور دوسرے کے قول کو رد
کرے نہ ملی تو اپنے اپنے بزرگوں اور فقیہوں اور شیوخ کے قولوں ہی کو سند لانا شروع کیا اور
صرف اپنے اپنے فرقہ کے نامی نامی عالموں کے اقوال و اعمال کو حجت گردانا۔ پس جب کسی
ایک فریق نے کتاب و سُنت کو چھوڑ کر غیر معصوم کے کلام یا عمل کو دلیل میں پیش کیا تو دوسرے

فریق نے بھی یہی طرز اڑایا اور مضمون الکیل بالکیل اور کما تدین تدان کا
ادا کیا اُس نے بھی اپنے قول کی سند میں عالموں اور مولویوں کی باتوں ہی کو پیش کیا
پس اِس طرز جدید کے شروع ہونے ہی کی دیر تھی کہ مثل تیز بارود کے جسمیں آگ
لگنے ہی کی دیر ہوتی ہے نہ اڑنے اور اڑانے کی اُس کا اثر ساری طبیعتوں پر ہو گیا
اور تھوڑے ہی عرصہ میں از شرق تا غرب یہ طریقہ جاری ہو گیا۔ اِس دین و مذہب کے
خراب و بدنام کرنے والے طریقہ کا صرف یہی بد اثر نہیں ہوا کہ لوگوں نے علماء و فقہاء کے
اقوال کو مستند گردانا بلکہ چند ہی روز میں اُس کا یہ بُرا نتیجہ ظاہر ہوا کہ لوگوں نے اگلے علماء
و فقہاء پر تہمت کرنا شروع کیا اور جو بات اُنھوں نے اپنی زبان سے نہیں نکالی اور جو چیز
اُن کے دل میں بھی نہیں آئی اُسکو اُن کی طرف منسوب کر دیا اور اپنی بات قایم رکھنے اور حریف
پر عیاری اور فریب سے غالب ہونے پر اقاویل باطلہ اور اسناد کاذبہ کا نقل کرنا شروع کیا۔

چنانچہ ایک مجلس میں امام احمد حنبل رح گئے وہاں دیکھا کہ ایک شخص بہ قید اسماء ایک امر کو
اُن کی طرف منسوب کر رہا ہے اور عن فلاں عن فلاں کہکر خاتمہ اُس کا اُن تک کر رہا ہے
وہ یہ سُن کر غرق حیرت ہوئے اور خاموش رہ گئے۔ آخرش اُن سے نہ رہا گیا اور اُس شخص سے
کہا کہ میں احمد حنبل ہوں میں نے یہ بات نہیں کہی۔ اُس عیار کی چالاکی قابل آفرین کے ہے
کہ اُسی وقت اپنی بات قائم رکھنے اور جھوٹ کو چھپانے کے لیئے کہا کہ تم بڑے احمق ہو۔
کیا تمہی اکیلے احمد حنبل ہو دوسرا اِس نام کا نہیں ہے۔ وہ احمد حنبل جس سے میں روایت
کرتا ہوں دوسرے ہیں۔

پس جس طرح سے اُس زمانہ میں جبکہ حدیث پر لوگوں کی نہایت توجہ اور اُسی کی سند اور
دلیل لائی جاتی تھی بدباطنوں اور خبیث طبیعتوں نے جھوٹی حدیثیں بنا لیں اور موضوع
احادیث کو صاحب الشریعت کی طرف منسوب کیا۔ اسی طرح سے اِس زمانہ میں جب علماء اور
فقہاء کے اقوال سند میں پیش ہونے لگے اُن عالموں اور فقیہوں کی طرف جھوٹی جھوٹی باتوں
کو منسوب کیا اور تاکہ اُس قول کی وقعت اور عزت زیادہ ہو بقید اسماء اُس کا سلسلہ
عن فلاں عن فلاں کہکر صاحب قول تک پہنچا دیا مگر احادیث وضعی کو اِس سبب سے کہ
احادیث حقیقت میں قابل اسناد کے ہیں اور مدار شریعت کا اُن پر ہے پچھلے محققین نے
اصلی حدیثوں سے علیحدہ کر دیں اور موضوعات کے رسالے لکھکر اُن کی غلطی اور موضوعیت کو

بیان کر کے قوی کو ضعیف سے اور موضوع کو صحیح سے جدا کر دیا مگر علما اور فقہا کے اقوال موضوعہ کو اُن کے اقوال صحیحہ سے جدا کرنے پر اُس طرح کسی نے توجہ نہ کی اس لیے کہ اُن پر محنت کرنا محض فضول تھا اس لیئے کہ بالفرض اگر وہ کلام انہیں کا ہوتا تو وہ کسی پر حجت نہیں ہو سکتا تھا اور بہ سبب نہ معصوم ہونے اُن کے اُس کی غلطی پر فقط غلط کہدینا ہی اُسکا اور نہ ماننا اُس کا کافی تھا لیکن سوائے چند محققین کے بےتعقل اور سند سے عوام کو بڑا نقصان پہونچا اور دین میں بڑا رخنہ پڑ گیا۔ لوگوں کی طبیعتیں ایسی اسناد اور استناد کی ایسی عادی ہو گئیں کہ بغیر کسی مولوی کے قول کے اور بغیر کسی عالم کی سند کے کتاب و سنت کی باتوں کا ماننا ہی جاتا رہا اور بجائے قال اللہ اور قال الرسول کے قال زید و قال عمرو پر مدار دین و مذہب کا آگیا۔

اس خرابی نے اس سے زیادہ اور بھی ترقی پائی کہ جو لوگ حقیقت میں لایق اسناد نہ تھے بلکہ جن کے اقوال و اعمال لائق اجتناب کے تھے وہ بھی قابل استناد کے ٹھہر گئے اور اہل بدعت اور منافق اور جاہل صاحب سند ہو گئے۔ اور اگر کسی شہر یا کسی فرقہ یا کسی خاندان میں کوئی نامور ہوا اور اُس کو کچھ لکھنا پڑھنا بھی آگیا اور کچھ تالیف و تصنیف کر لیے و اسکی عزت بھی بڑھ گئی تو اُس شہر کے رہنے والوں اور اُس فرقہ اور خاندان کے آدمیوں نے اپنے شہر اور اپنے خاندان کی عزت اسی میں جانی کہ اُسی کی بات کو مانیں اور اُسی کے کہنے پر چلیں۔ پس اُن کے دلوں میں یہ بات ایسی جم گئی کہ اُس کے قول سے پھرنا گویا خدا کے قول سے پھرنا ہے اس لیے وہ اُسی کی باتوں کے مقلد ہو گئے اور قدم بقدم اُس کے طریقہ پر چلنے لگے اور اسی طرح سے جب اُس کے مقلد اور تابع زیادہ ہو گئے اور وہ مقتدا اور متبوع کسی فرقہ اور گروہ کا ہو گیا تو بس وہ صاحب الکتاب ٹھہرایا گیا اگر اُس سے کوئی صریح غلطی ہو جاتی یا اُس سے کوئی فعل مخالف کتاب و سنت کے ہو جاتا تو اُس کے مقلدین و اصحاب اُس کی توجیہات کرتے اور اُسکی تاویلات کرتے یہاں تک کہ آخر اُسکے حالات اور سیر میں کتابیں لکھی جاتیں اور اُس کے معجزے اور کرامتیں اور زہد اور پرہیزگاری کی حالتوں میں دفتر کے دفتر سیاہ کیئے جاتے اور جو کچھ جھوٹھ خرافات اُسمیں ہوتا اُس کو اُس کے معتقدین اور مقلدین نصوص قرآنی کی طرح واجب الاذعان جانتے ہیں اور خدا کی کتاب رسول کے کلام کو چھوڑ کر اُسی کو حرز جان بناتے اور ہر مسئلہ اور ہر عقیدہ کے لیئے اپنی

لال کتاب کو دیکھتے پس بجائے اس کے کہ جو کچھ اُن کے حضرت نے فرمایا ہے اور جو کچھ اُن کے پیر و مرشد نے ارشاد کیا ہے یا جو کچھ اُن کے شیخ و بزرگ نے عمل کیا ہے اُسکو کتاب و سنت پر عرض کرتے اور خدا و رسول کی کتاب کو معیار صحت بناتے۔ اُن بدبختوں نے برعکس اس کے ساری شریعت اور تمام مذہب کو اپنے ہی پیر و مرشد کی تالیفات اور اپنے حضرت کے ملفوظات و مکتوبات پر عرض کرنا شروع کیا پس جو کچھ اُس کے مطابق پاتے اُسپر عمل کرتے ویسا ہی عقیدہ رکھتے جو کچھ اُس کے برخلاف دیکھتے اُسے چھوڑ دیتے اور کتاب و سنت کے امتحان کے لیئے اُسی کو کسوٹی بناتے پس ایسی حالت میں جو کچھ دین کی خرابی ہو سکتی ہے وہ ہوئی اور جو کچھ شریعت میں ان باتوں سے خلل پیدا ہو سکتا ہے ہوا۔ ان چیزوں نے یہاں تک دلوں پر اثر کیا کہ اس کے برخلاف کوئی کلمہ زبان پر لانا کفر کے کلمہ سے کم نہ سمجھا جاتا اور اُن باتوں کا منکر خارق اجماع اور بدعتی اور فاسق ٹھہرتا پس کیا زمانہ نے انقلاب پایا کہ کتاب و سنت کو لوگوں نے پس پُشت ڈال دیا اور اپنے اپنے بزرگوں کے صحیفوں کو سامنے کر لیا اور پھر جس نے کتاب و سنت کا نام لیا اور اُسپر چلنے کا قصد کیا وہ فعل اُسکا بدعت ٹھہرا اور جس نے اُن صحیفوں کو واجب العمل جانا اور اُسپر عمل کیا وہ فعل اُسکا سُنّت قرار پایا۔ فاصبح کل واحد منهم بعاجل حظه مشغوفا فصار یری المعروف منکرا والمنکر معروفا اس خرابی کا باعث ایک بہت ہی بڑا غلط خیال ہوا جس کو شیطان نے لوگوں کے دلوں میں ڈالا اور جس کو مقلدین نے عقل و ایمان کی مدد سے نہ نکالا یعنی وہ لوگ جن کی باتوں پر لوگوں نے عمل کیا نیک و پاک بھی تھے اور علم اور فقہ میں کامل تھے پس اُن کے مقلدین کے دل میں یہ خیال سما یا کہ جب ایسے نیک اور پاک اور امام اور عالم ایسا کہہ گئے ہیں اور ایسا کرتے رہے ہیں تو ہم کہ نہ اُن کے سے نیک ہیں نہ ویسا علم رکھتے ہیں کیونکر اُس کے برخلاف چل سکتے ہیں حالانکہ وہ یہ نہ سمجھے کہ وہ گو نیک اور پاک تھے مگر معصوم نہ تھے۔ اور گو وہ عالم اور فقیہہ تھے مگر علم لدنی کے عالم نہ تھے۔ جبرئیل اُن پر نازل نہیں ہوتے تھے۔ خدا بے واسطہ اُن پر وحی نہ کرتا تھا۔ وہ بھی آخر اپنی سمجھ بوجھ ہی سے کام لیتے تھے اور اپنی قدرت و طاقت ہی کے موافق راہ حق پر چلتے تھے۔ اُن سے غلطیوں کا ہونا نہ صرف ممکن تھا بلکہ یقینی اُن سے خطا ہونے کا نہ احتمال ہی احتمال تھا بلکہ ضروری۔ تو پھر باوجود ایسی حالت کے اُن کی سب باتوں کو ماننا اور

اُن کے کلام میں سے حق و باطل کو جُدا نہ کرنا اور اُن کے اقوال و اعمال کے رطب و یابس میں
تمیز نہ دینا اور سب کو تلقی بالقبول کرنا حقیقت میں اُن کو صاحب شریعت اور اپنے آپ کو
اُس پر ایمان لانے والا بنانا ہے اگر غلط خیال لوگوں میں نہ سماتا تو کبھی تقلید کی ایسی جڑ مضبوط
نہ ہوتی اور یہ خرابی پیدا نہ ہوتی اور جس کسی کو خدا نے توفیق دی اور وہ تحقیق پر متوجہ ہوا اُسنے
اوّل اسی غلط خیال کو دل سے نکالا اور تحقیق کے درجہ پر پہنچنے کے لیئے اوّل اسی زینہ
پر قدم رکھا چنانچہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی احیاء کے شروع میں پہلے یہی لکھتے ہیں کہ
میں نے اس کتاب کے لکھنے کا واسطے زندہ کرنے علوم دین کے ارادہ کیا ہے اور تہیّہ
اپنا عزم مصمم کر لیا ہے اور چونکہ وہ جانتے تھے کہ ایسی بات کو سُن کر لوگ تعجب کرینگے اور
مقلدین اور جہلا شور غل مچاویں گے اور ہم پر لعنت ملامت کریں گے اور تحقیق کو بدعت
بتلاویں گے اور اسی تحقیق کو خارق اجماع کہیں گے اِس لیئے وہ اوّل ہی سے اُس متعجب اور
ملامت کرنے والے کی طرف متوجہ ہو کر کہتے ہیں کہ انتدب لقطع تعجبک رابعاً ایہا العاذل
الغالی فی العذل من بین زمرۃ الجاحدین المسرف فی التقریع والانکار من بین
طبقات المنکرین الغافلین فلقد حل عن لسانی عقدۃ الصمت وطوقنی
عہدۃ الکلام وقلادۃ النطق ما انت مثابر علیہ من العمی عن جلیۃ الحق
مع اللجاج فی نصرۃ الباطل وتحسین الجہل والتشغیب علی من آثر النزوع
قلیلاً عن مراسم الخلق ومال میلا یسیراً عن ملازمۃ الرسم الی العمل
بمقتضی العلم طمعاً فی نیل ما تعبدہ اللہ تعالیٰ بہ من تزکیۃ النفس و
اصلاح القلب کہ اے ملامت کرنے والے منکرین تیرے تعجب کے قطع کرنے پر متوجہ
ہوتا ہوں و اپنی زبان سے خاموشی کی گرہ کھولتا ہوں اور جس بات پر تو اپنے اندھے پن سے
جما ہوا ہے اور باطل کی مدد کر رہا ہے اور جہل کو اچھا سمجھ رہا ہے اُسکو رد کرتا ہوں اور
تیرے اُس زور شور اور غل مچانے کو نہیں سنتا جو تو اُس پر کرتا ہے جو کہ ذرا رسم و رواج
کی پابندی سے نکلتا ہو اور بھائی بندوں کی رسمیات کو ترک کر کے خاص خدا کے لیئے عمل کرنا
چاہتا ہے ۔

جب امام غزالی اپنے وقت میں پابندی رسم و رواج پر ایسی رد و کد کرتے ہیں اور اُس سے نکلنے
کو جہاد سمجھتے ہیں تو وائے حال ہمارے زمانہ کے کہ اب تو بات بھی زبان سے نکالنا دشوار ہے اور

بھائیوں کی رسموں میں سے کسی رسم کا چھوڑنا بھی مشکل نہیں۔ وُہی باتیں جو امام غزالیؒ اور بڑے بڑے محققین کہ گئے ہیں اگر ہم اُنہیں کو نقل کریں تو ابھی کافر ہوتے ہیں اور ساری برادری سے نکالے جاتے ہیں۔ خیال کرنے کا مقام ہے کہ دین کی بنا کس چیز پر تھی اور کس چیز پر آگئی اور مذہب کی حقیقت کیا تھی اور اب اُسکی کیا ضرورت ہو گئی۔ جب ہم کسی دوسرے دین پر افسوس کرتے ہیں تو ہمارا سب سے زیادہ افسوس اسی بات پر ہوتا ہے کہ اُس دین کے لوگ اپنے اپنے بانیٔ مذہب کی بات پر عمل نہیں کرتے اور اپنی اصلی کتاب کو نہیں دیکھتے بلکہ اپنی بیچ کی بنائی ہوئی کتابوں پر چلتے ہیں تو کیسے افسوس کی بات ہے کہ جب وُہی خرابی ہم میں بھی موجود ہو اور وُہی نقص ہمارے دین میں بھی پڑ گیا ہو پس اگر ہم اپنے عیب کو نہ دیکھیں اور اپنے دین و مذہب کو اِس نقص سے پاک صاف نہ کریں تو ہمارا دوسروں پر طعنہ کرنا اور غیر دین والوں کو بُرا کہنا عقل اور انصاف کے خلاف ہے۔

اس زمانہ میں جب ہماری زبان سے کوئی بات خلاف کسی مشہور عالم یا نامی محدث کے نکلے تو ہم پر ملامت کے تیروں کی بوچھاڑ ہوتی ہے اور ہمارا نام منکر علماء اور دشمن فقہاء مشہور ہوتا ہے۔ کوئی یہ خیال نہیں کرتا کہ ایک دو عالم کی مخالفت کا کیا ذکر ہے اگر سارے عالم کے علماء سے مخالفت ہو لیکن ہمارا قول یا فعل کتاب و سنت کے موافق ہو تو ہم اُس ثواب کے مستحق ہیں جو کہ کتاب و سُنّت پر عمل کرنے والے کو ہو سکتا ہے۔ پس ہمکو ہمیشہ خدا اور رسول کی مخالفت کا خیال رکھنا لازم ہے نہ علماء فقہاء کی مخالفت کا اور خدا کو قیامت کے دن اُسی کی مخالفت کا جواب دینا پڑے گا نہ زید و عمرو کی مخالفت کا۔

ہاں یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ سارے علماء اور کل فقہاء اُمّت کا کسی ایسے امر پر اجماع کرنا جو بالکل مخالف کتاب و سنت کے ہو غیر ممکن سا معلوم ہوتا ہے چنانچہ ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اوپر بیان کیا وہ صرف فرضی صورت ہے لیکن ہم ایک بات بھی ایسی زبان پر نہ لاویں گے جس کی مخالفت کل علماء اور فقہاء سے ثابت ہو بلکہ وُہی بات کہیں گے جس کی سند اور محققین کے قولوں سے ہوتی ہو مگر اس اصول کا ہمارے پاس کچھ جواب نہیں ہے جسکو فقہا نے راجح اور مرجوح سے تعبیر کیا ہے یعنی جس کو بہت سے مولویوں نے مانا وہ قول تو واجب العمل ہے اور جسکو چند محققین نے مانا وہ واجب الترک ہے گو وہ کیسا ہی عمدہ اور اچھا ہو چنانچہ اس امر کو ہم ایک علیحدہ بحث میں بیان کریں گے۔

اصل یہ ہے کہ جب کسی امر کا دینی ہو یا دنیوی رسماً کامل طور پر رواج ہو جاتا ہے
اور سب یا اکثر آدمی پابند اُس کے ہو جاتے ہیں تو درحقیقت اُس سے مخالفت کرنا
نہایت ہی مشکل ہوتا ہے اور اُس کی تردید پر گو وہ امر نہایت ہی صحیح اور درست ہو
ہر شخص آمادہ ہو جاتا ہے اور اُس مخالفت کی دلایل کو گو وہ کیسی ہی سچی اور اچھی ہوں
نہایت ضعیف سندوں سے ہر شخص باطل کرنے پر مستعد ہوتا ہے -

مثلاً ہم اگر تقلید کے التزام کو بُرا بتلاویں تو اوّل یہی اعتراض ہوگا کہ خلاف اجماع
ہے جب اِس قول کو بھی ہم رد کردیں اور بڑے بڑے صوفیوں و محققوں اور اماموں
کی سند لاویں تو یہ جواب ہوگا کہ فلاں بزرگ تو صوفی تھے اُن کی باتوں کو کون سمجھے
اور فلاں صاحب بڑے محقق تھے اُن کی سی تحقیقات کس کو نصیب ہو اور فلاں
شخص بڑے متورع اور پرہیزگار تھے اُن کا سا زہد کسے حاصل ہو اور سوائے
نامی گرامی لوگوں کے اَور لوگ جو رہ جاویں اُن کی نسبت یہ کہدیا جاوے کہ وہ
بدعتی اور فاسق تھے ہمارے علماء نے اُن کے کلام کو رد کردیا ہے پس صوفی تو تصوف
کی برکت سے اور محققین تحقیق کے سبب سے اور زاہد اور متورع اپنے زہد کے ذریعہ سے محفوظ
رہے اور اُن کے اقوال پر عمل کرنا بسبب بہتوں کی مخالفت کے جائز نہ ٹھہرا پس
اگر ہم ایسی حالت میں کتاب وسنت کو ہاتھ پر نہ اُٹھالیں اور اپنے دل سے اِن سب
باتوں کو نکال کر خدا اور رسول کے کلام پر رجوع نہ کریں تو حقیقت میں ہم دین کو شرم کے
ہاتھ پر بیچنے والے اور خدا کو پابندی رسم ورواج کے سبب سے چھوڑنے والے اور اپنے
دل کو نور ایمان سے خالی کرنے والے ہوں گے - اسی حالت کو دیکھکر امام غزالی رحہ احیاء
میں فرماتے ہیں کہ فلا یغرنک قول من یقول الفتوی عماد الشرع ولا یعرف
علله الا بعلم الخلاف وانما یشتغل به من یشتغل بطلب الصیت والجاه فکن
من شیاطین الجن فی آمان واحترز من شیاطین الانس فانهم اراحوا
شیاطین الجن من الناس فی الاغواء والاضلال یعنی مت مغرور ہو اِس قول کے
فقہاء کے کہ فتویٰ شرع کا ستون ہے اور اُس کی علتوں کا بغیر علم کلام کے جاننا دشوار
ہے یہی باتوں پر وہی متوجہ ہوگا جس کو دنیا کی عزت اور شہرت منظور ہوگی پس ایسے
شیطانوں کے ہوتے ہوئے اصل شیطانوں سے بے خوف ہو جاؤ اور اُن کا خوف نہ رکھو

اس لیے کہ ان شیاطین الانس نے اصل شیطانوں کو سلا دیا ہے اور اُن کی خدمت اپنے ذمہ لیکر لوگوں کو گمراہ کرکے اصل شیطانوں کو چین دیدیا ہے کہ وہ تو سوتے ہیں اور یہ اُن کا کام کرتے ہیں۔ اور مثل اسکے اَور محققین نے بھی فرمایا ہے جیسا کہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حجۃ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ فتنۃ هذا الجدال والخلاف والتعمق قريبة من الفتنة الاولى حين تشاجروا في الملك وانتصر كل رجل لصاحبه فكما عاقبت تلك ملكا عضوضا فكذلك عاقبت هذه جهلا واختلاطا وشكوكا ووهما ما لها من ارجاء منشأت بعدهم قرون على التقليد الصرف لا يميزون الحق من الباطل ولا الجدل عن الاستنباط فالفقيه يومئذ هو الثرثار المتشدق الذي حفظ اقوال الفقهاء قويها وضعيفها عن غير تمييز والمحدث من عد الاحاديث صحيحها وسقيمها وهذها كهذي الاسماء بقوة الحيية ولا اقول ذالك كليا مطردا فان لله طائفة من عباده لا يضرهم من خذلهم وهم حجة الله في ارضه وان قلوا ولم يات قرن بعد ذالك الا وهو اكثر فتنة واوفر تقليدا واشد انتزاعا للامانة من صدور الرجال حتى اطمئنوا بترك الخوض في امر الدين بان يقولوا انا وجدنا آباءنا على اُمة وانا على آثارهم مقتدون ۔ یعنی جو فتنہ علم جدال و کلام کے سبب علماء نے پیدا کیا اور جو فساد ان کے تکلفات سے دین میں پھیلا وہ اس فتنہ سے کم نہیں ہے جو کہ ملک و ریاست میں ہوا تھا جس طرح پر اس جھگڑے کا یہ نتیجہ ہوا کہ بعد اس کے سلطنت ظلم و جبر کی قایم ہوئی اسی طرح پر اس کلام و جدال کا یہ نتیجہ ہوا کہ جہالت اور شکوک اور توہمات کی ایسی زیادتی ہوگئی جس کی کوئی حد نہیں اور پھر تو ایسا زمانہ آگیا جس میں لوگ محض تقلید پر قانع ہوگئے اور حق کو باطل سے جُدا نہ کرسکے فقیہہ وہ کہلانے لگا جو اقوال فقہاء کو یاد کرکے بیہودہ بکے اور تکلف کی باتیں کرے محدث وہ ٹھہرنے لگا جو کہ احادیث صحیح اور غلط کو حفظ کرکے بے سمجھے بوجھے کہانیوں کی طرح نقل کرے اور سوائے چند شاذ آدمیوں کے جو خاص خدا کے بندے تھے اور جو کسی کے ذلیل کرنے سے ذلیل نہیں ہوسکتے تھے بلکہ وہ خدا کی زمین میں اُسکی حجت تھے سب کے سب ایسے ہی ہوگئے اور پھر جو زمانہ آتا گیا اُس میں فتنہ بڑھتا ہی گیا اور

تقلید کو زور شور ہی ہوتا گیا یہاں تک کہ آخرکار معاملات دینی میں تحقیق کرنیکی عادت ہی جاتی رہی اور بزرگوں کی رسموں ہی پر دینداری رہ گئی۔

جو کہ میں اس مقام پر تقلید کے کمال اور تحقیق اور اجتہاد کے ترک ہونے کا حال بیان کر رہا ہوں اِس لیے وہ تنزلات جو علم اور تحقیق نے اس تقلید کے سبب سے پائے اُسکو ایک بڑے فقیہہ کے قول سے ثابت کرتا ہوں۔

محقق ابن کمال باشا نے فقہا کے طبقات کو جس طور پر ذکر کیا ہے اُس میں نقل کرتا ہوں تاکہ ثابت ہو کہ تقلید میں بھی کتنے درجے اُس فقیہہ نے قایم کیے ہیں محقق موصوف نے فقہار کے سات طبقے بیان کیے ہیں۔

پہلے طبقہ کا نام[1] مجتہدین فی الشرع ہے جس کا کام ہے استخراج کرنا مسائل کا کتاب و سُنت سے اور قایم کرنا قواعد اور اصول کا واسطے استخراج مسائل کے۔

اس طبقہ میں امام ابو حنیفہ اور امام شافعی اور امام مالک اور امام احمد حنبل رضی اللہ تعالے عنہم داخل ہیں۔

دوسرے طبقہ کو مجتہدین فی المذہب کہتے ہیں۔ اِس طبقہ میں وہ لوگ داخل ہیں جو مجتہدین فی الشرع کے بنائے ہوئے اصول اور قواعد کی تقلید کرتے ہیں اور بہ تسلیم اُن قواعد اور اصول کے احکام اور مسائل کا استخراج کرتے ہیں اور گو کہ اِس طبقہ کے لوگ مجتہدین فی الشرع سے بعض احکام فروعی میں مخالفت کرتے ہیں مگر وہ جس مجتہد اور امام کے اصول پر چلتے ہیں اُسی کے مذہب میں داخل سمجھے جاتے ہیں اور معارضین فی المذہب سے علیحدہ سمجھے جاتے ہیں مثلاً قاضی ابو یوسف اور امام محمد رحمتہ اللہ علیہما اور دیگر یاران امام ابو حنیفہ رح اِس طبقہ کے لوگ ہیں اِس لیے کہ وہ اُنہیں اصول سے جو امام ابو حنیفہ کے قایم کیے ہوئے ہیں استخراج مسائل کرتے ہیں اور مثل امام شافعی وغیرہ کے اُن سے اصول میں مخالفت نہیں کرتے مگر بلحاظ اصول مقررہ اُن کے احکام میں اُن سے مخالف ہو جاتے ہیں تو

تیسرا طبقہ مجتہدین فی المسائل کہلایا جاتا ہے۔ اِس طبقہ میں وہ لوگ داخل ہیں جو اپنے امام کی کسی شئے میں مخالفت نہیں کرتے نہ اصول میں نہ فروع میں اُن کو استخراج مسائل کی قدرت

---

[1] شامی حاشیہ دُرِ مختار ۱۲

نہیں ہوتی مگر جن مسائل کو صاحب مذہب نے صاف بیان نہیں کیا اُن کو اپنے امام کے مقرر کیئے ہوئے اصول اور قواعد کی پابندی سے استنباط کر سکتے ہیں اِس طبقہ میں داخل ہیں خصاف اور ابو جعفر طحاوی اور ابو الحسن کرخی اور شمس الائمہ حلوائی اور شمس الائمہ سرخسی اور فخر الاسلام بزدوی اور فخر الدین قاضی خاں وغیرہ۔

چوتھا طبقہ اصحاب تخریج کہلایا جاتا ہے۔ اِس طبقہ میں وہ مقلدین داخل ہیں جو کسی قسم کے اجتہاد کی قدرت نہیں رکھتے۔ اصول اور قواعد کا بنانا اور مسائل کا استخراج کرنا اور پچھلے طبقوں سے مخالفت کرنا کیسا وہ کسی طرح پر اجتہاد کا نام ہی نہیں لے سکتے مگر بسبب ضبط رکھنے اصول اور قواعد کے اُن کو یہ قدرت ہوتی ہے کہ وہ کسی قول محمل ذو وجہتین کی تفصیل اور کسی حکم مبہم محتمل امرین کی تشریح کر دیں۔ مگر وہی قول اور وہی حکم جو کہ صاحب مذہب سے یا اُن کے اصحاب سے منقول ہو اور اس میں اُن کو اپنے امام کے اصول پر نظر رکھنا اور اُسی قسم کی دوسری فروع پر قیاس کرنا اور دیگر نظائر اور امثال کا خیال رکھنا ضروریات سے ہے اِس طبقہ میں امام رازی اور مثل اُن کے اور شخص داخل ہیں اور جو ہدایہ میں لکھا ہے کہ کذا في تخریج الکرخي وتخریج الرازي وہ اسی قبیل سے ہے +

پانچواں طبقہ اصحاب ترجیح کہلایا جاتا ہے۔ یہ وہ مقلدین ہیں جو بعض روایات کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں مثل ابو الحسن قدوری اور صاحب ہدایہ وغیرہ کے جن کو اس کہنے کی قدرت ہے کہ ھذا اولی ھذا اصح ھذا اوفق للناس۔

چھٹا طبقہ اُن مقلدین کا ہے جو کہ قوی اور ضعیف کی تمیز میں قدرت رکھتے ہیں اور اقوال مردودہ اور روایات ضعیفہ کی نقل نہیں کرتے مثل صاحب کنز اور صاحب مختار اور صاحب وقایہ اور صاحب مجمع وغیرہ اہل متون کے۔

ساتواں طبقہ اُن مقلدین کا ہے جو اس کی بھی قدرت نہیں رکھتے اور موٹے دبلے میں کچھ تمیز نہیں کر سکتے +

اب جو شخص ان طبقات فقہا پر غور کرے وہ خود سوچ سکتا ہے کہ فقہ کی ابتدا کیا تھی اور انتہا کیا ہوئی زیادہ تشریح کی کچھ حاجت نہیں ہے۔ اِس بات پر خیال کر کے لوگوں نے تقلید کو اختیار کیا اور اجتہاد اور عمل بالحدیث سے ہاتھ اُٹھا لیا کہ جب بڑے بڑے علما کہ جو امام اور شمس الائمہ کہلائے جاتے ہیں اور بڑے بڑے مؤلف جن کی کتابوں کے پڑھنے سے

لوگ عالم اور فقیہہ ہو جاتے ہیں چھٹے طبقہ اور پانچویں طبقہ میں پڑے ہوئے ہیں تو پھر دوسرا کون ہے جو اجتہاد کر سکتا ہے یا کتاب و سنت سے مسائل کا استخراج کر سکتا ہے اور اس امر کو کہ یہ قول اُن کا صحیح ہے یا غلط ہم پیچھے بیان کرتے ہیں۔

جو کہ ہمارے اس بیان سے اجتہاد کے خاتمہ کا زمانہ اور تقلید محض پر عمل کرنے کا حال بخوبی معلوم ہو گیا اس لیئے اب ہم اس امر کو بیان کرتے ہیں کہ باہم آئمہ کے مسائل فقہی میں اختلاف کیوں ہوا۔ اگرچہ جو مختصر کیفیت بناء مذاہب کی ہم نے اوپر بیان کی اُس سے سبب اختلاف کا بھی معلوم ہوتا ہے لیکن چونکہ اس اختلاف کو دیکھکر لوگوں کو بہت سے شبہات پیدا ہوتے ہیں اور ایک دین اور ایک شریعت میں ایسی کثرت سے اختلاف ہونے پر ہر شخص کو حیرت ہوتی ہے۔ کوئی پوچھتا ہے کہ جب قرآن و حدیث پر سب کا عمل ہے تو پھر کیا قرآن و حدیث میں باہم اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ جب تبع تابعین کے مذہب کی بناء تابعین پر اور تابعین کی صحابہ پر ہے تو کیا صحابہ باہم مختلف تھے۔ اگر تھے تو باوجود دیکھنے سب نے ایک ہی نبیؐ کو دیکھا اور ایک ہی پیغمبرؐ سے دین کو لیا تو پھر آپس میں اُن کے اختلاف کیونکر ہوا اور باوجود اس اختلاف کے جب لوگ یہ سُنتے ہیں کہ چاروں مذہب حق ہیں اور جو اختلاف اُن میں ہے وہ رحمت ہے تو اَور بھی زیادہ تعجب ہوتا ہے اور دل میں اَور کچھ خیال کر کے ہر شخص ساکت ہو جاتا ہے اس لیئے ہم اس اختلاف کے اسباب کو ذرا ہی تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں تاکہ لوگوں کے دلوں سے شبہات دور ہوں اور وہ اس اختلاف فروعی کو اصول کا اختلاف سمجھکر دل میں اپنے دین کی حقیت میں شک نکرنے لگیں ؛

یہ بات تو اوپر ہم لکھ چکے ہیں کہ تبع تابعین کے مذہب کی بنا تابعین پر اور اُن کی صحابہ پر ہے تو جو اختلاف باہم صحابہ کے ہوا وُہی اختلاف تبع تابعین میں چلا آیا اور جب تبع تابعین نے مذہب کی بنیاد ڈالی تو اُن کے آپس میں بھی وُہی اختلاف رہا اس لیئے ہم اوّل صحابہ میں باہم اختلاف ہونے کا سبب بیان کرتے ہیں۔

پہلے اس امر کو ذہن نشین کرنا چاہیئے کہ اختلاف جو مسلمانوں میں بعد زمانہ نبوت کے ہوا وہ دو قسم کا ہے۔ ایک اختلاف عقائد اور اصول میں۔ دوسرے اختلاف مسائل اور فروع میں اختلاف عقائد اور اصول کا وہ ہے جو کسی اصول دین میں ہو مثل توحید اور نبوت اور معاد اور فرضیت

روزہ اور نماز اور حج اور زکوٰۃ وغیرہ کے یا کسی عقیدہ میں عقاید دین کے ہو مثل خلافت اور حقیت اجماع صحابہ اور وجوب محبت اہلبیت واصحاب اور عدم تکفیر اہل قبلہ اور مرتکبان کبائر کی اور مثل اُس کے اُور عقاید جن پر اعتقاد کرنا بہ نصوص صریح ضروری ہے پس جو شخص عقاید اور اصول میں مخالف ہے وہ بدعتی اور اہل سنت کے گروہ سے خارج ہے مثل معتزلہ اور قدریہ اور مرجیہ اور شیعہ اور خوارج کے اور نہ صحابہ میں اور نہ تابعین میں اور نہ تبع تابعین میں نہ کسی امام میں آئمہ اربعہ سے ایسا اختلاف ہوا بلکہ سب اصول اور عقاید میں متفق ہیں۔ اور ایک مرہی بھی ضروریات دین سے اور ایک عقیدہ میں بھی اعتقادات اہل سنت سے باہم مختلف نہیں ہیں اس لیئے چاروں مذہب اہل سنت ہی کے کہلائے جاتے ہیں۔

دوسرا اختلاف مسائل ورفروع میں مسائل اور فروع سے فقہ کے مسائل مراد ہیں۔ اوراُن میں چاروں مذہب البتہ باہم مخالف ہیں اور صحابہ بھی باہم مخالف تھے اس لیئے اس اختلاف کے اسباب بیان کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ صحابہ میں بعد زمانہ نبوت کے کیوں اختلاف ہوا+

مدار صحابہ کے اقوال وافعال اور احکام اور مسائل کا قرآن وحدیث پر تھا اور چونکہ قرآن پیغمبر صاحب ہی کے سامنے جمع ہوگیا تھا اس لیئے کسی ایسے مسئلہ میں جو قرآن میں صاف موجود ہے باہم اختلاف نہیں ہوا اور احادیث پیغمبر صاحب کے روبرو جمع نہوئی تھیں۔ اس لیئے جن مسائل کا استخراج حدیث پر موقوف تھا اور ہے اُنہیں میں اختلاف ہوا۔ اور اُس کے کئی سبب ہیں[۱]+

اول اختلاف سماعت یعنی ایک صحابی کا کسی حدیث یا حکم نبوی کو سُننا اور دوسرے کا نہ سُننا۔ مثلاً پیغمبر صاحب نے کوئی حکم دیا یا کچھ فرمایا یا کوئی فتویٰ دیا تو جو موجود تھا اُس نے سُنا اور دیکھا اُس نے تو اُس پر عمل کیا دوسرے صحابی نے اُسے نہ سُنا نہ دیکھا نہ جس صحابی نے سُنا اور دیکھا تھا اُس سے اُس دوسرے صحابی کو روایت پہنچی تو اُس دوسرے صحابی نے جب ویسا ہی معاملہ پیش آیا اجتہاد کیا پس اگر اُس حدیث کے موافق ہوا تو

---

[۱] دیکھو حجۃ اللہ البالغہ ۱۲

تو دونوں صحابی متفق ہوئے اور اگر اجتہاد میں خطا ہوئی تو اُن میں اختلاف ہوا۔

دوسرے ترک اجتہاد ۔ یعنی صحابی کا اپنے اجتہاد سے پھر جانا۔ مثلاً صحابی نے کسی امر میں اجتہاد کیا اس سبب سے کہ کوئی حدیث اُس کو نہ پہونچی تھی اور پھر اسکو کسی سے وہ حدیث پہونچگئی تو اُس نے اپنے اجتہاد کو ترک[۱] کیا اور حدیث پر عمل کیا۔ لیکن جن لوگوں نے پہلے اجتہاد کو صحابی کے سنا اور اُس سے رجوع کرنے کی خبر اُسے نہ ملی اُس نے صحابی کے پہلے ہی قول پر عمل کیا۔

تیسرے اشتباہ فی الحدیث ۔ یعنی حدیث کی صحت میں شک رہنا اور اُسپر کسی صحابی کا عمل نہ کرنا یہ تو کوئی صحابی نہیں کر سکتا تھا کہ باوجود صحت کسی حدیث کے اُس کو ترک کرتا اور اپنے اجتہاد پر عمل کرتا مگر جب راوی کسی حدیث کا ضعیف اور قابل کامل اعتبار کے نہ ہوتا تو صحابی اپنے اجتہاد پر قایم رہتے اور اُس حدیث کو صحیح نہ جان کر اُسپر عمل نہ کرتے اور بعض حدیث کا نام سنتے ہی اُسپر عامل ہو جاتے اور اُس کے ضعف اور قوت کو نہ دیکھتے۔

چوتھے سمجھ میں اختلاف ہونا ۔ یعنی چند صحابیوں نے پیغمبر خدا کو ایک کام کرتا ہوا دیکھا کسی نے اُس کو عبادت پر کسی نے اُس کو عادت پر۔ کسی نے اُس کو قربت پر کسی نے اُس کو اباحت پر محمول کیا اور اس سے باہم اختلاف ہوا۔

پانچویں سہو و نسیان ۔ یعنی کسی صحابی نے گو خود پیغمبر صاحب سے کچھ سُنا یا کچھ کرتے دیکھا مگر اُسے یاد نہ رہا اور بھول گیا۔

چھٹے اختلاف ضبط ۔ یعنی پیغمبر صاحب نے کسی امر میں کچھ فرمایا یا حکم دیا اور کوئی صحابی اُس کا مطلب اَور ہی کچھ سمجھا جیسا کہ حضرت عمرؓ یا حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالے عنہما سے مروی ہے کہ مردہ کو اُس کے گھر والوں کے رونے سے عذاب ہوتا ہے کہ اس حدیث کو سُن کر حضرت عائشہ رضؓ نے کہا کہ یہ صحیح نہیں ہے اور راوی نے غلطی کی ہے بلکہ حقیقت اسکی یہ ہے کہ پیغمبر صاحب ایک یہودیہ کے جنازہ پر گذرے کہ اُس کے گھر والے روتے تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ تو روتے ہیں اور وہ قبر میں عذاب دی جاتی ہے پس

---

[۱] اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود اُس اجتہاد میں کچھ نقص پایا ہو اور اُس کو چھوڑ دیا۔ ۱۲

مطلب یہ تھا کہ یہ تو اُس کے لیئے روتے ہیں اور وہ اپنے عذاب میں مبتلا ہے نہ وہ مطلب ہے جو راوی سمجھا اور جس سے عذاب کو رونے کا معلول سمجھکر ہر مُردہ کی نسبت اس حکم کو عام تصوّر کیا۔

ساتویں علت حکم میں اختلاف ہونا ۔یعنی پیغمبر صاحب نے کوئی حکم دیا یا کوئی کام کیا اور دیکھنے والوں نے اپنے نزدیک اُسکی علت* اور وجہ قایم کی اور اسمیں اختلاف ہوا مثلاً پیغمبر صاحب ایک جنازہ کو دیکھکر کھڑے ہوگئے توکسی نے قیام کی علت تعظیم ملائکہ خیال کی۔کسی نے ہول موت اُس کی علت سمجھی اور اپنی اپنی سمجھ کے موافق اس کی تعمیم اور تخصیص پر رائے قائم کی۔

آٹھویں دو مختلف حدیثوں کے جمع کرنے میں اختلاف ہونا ۔چونکہ عادات اور مباحات اور سنن میں ایک ہی امر کی پابندی حضرت کو نہ تھی اور احکام میں بھی تکمیل اور اصلاح مناسب ہوتی رہتی تھی اس لیئے جو قول یا فعل یا حکم مختلف ہوتا اُس کے توافق میں صحابہ میں اختلاف ہوتا۔کوئی اباحت کو بسبب ضرورت کے اور نہی کو بوجہ انقضاء ضرورت کے خیال کرتا۔کوئی ایک کو ناسخ اور دوسرے کو منسوخ سمجھتا۔اور جو صحابی صاحب فراست اور صاحب علم تھے وہ عادات کو عبادات سے اور سنن کو واجبات سے جُدا کرتے اور ایک کو دوسرے میں ملاتے اور جو اس میں تمیز نہ کرتے وہ سب کو عبادات اور واجبات ہی خیال کر کے اختلاف عادات کو اختلاف فی العبادت جانتے۔

چونکہ ہم اختلاف مذاہب کا سبب بھی بیان کر چکے اس لیئے ہم اُس فرق کو بیان کرتے ہیں جو اجتہاد اور عمل بالحدیث میں ہے۔

عمل بالحدیث اور اجتہاد میں جو فرق ہے اُس کا بیان

بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جن کو عمل بالحدیث اور اجتہاد میں فرق نہیں معلوم ہوتا

* یہ خرابی اس لیئے پڑتی ہے کہ علت کا علت ہونا نص سے قرار نہیں دیا بلکہ اپنی سمجھ سے قرار دیا۔

بلکہ جب وہ سنتے ہیں کہ جو لوگ حدیث پر عمل کرتے ہیں اور اصحاب حدیث کہلائے جاتے ہیں اُن مسائل کو جن کی تصریح حدیث میں نہیں ہے اپنے قیاس سے استخراج کرتے ہیں اور جو لوگ اجتہاد کرتے ہیں اور اصحاب الرائے کہلائے جاتے ہیں وہ بھی اُن مسائل میں جو بہ تصریح کتاب و سنت میں موجود ہیں اجتہاد نہیں کرتے اور اُسی پر عمل کرتے ہیں اور دونوں کا ماخذ کتاب و سنت ہے اور دونوں کو قیاس سے کام لینا پڑتا ہے تو یہ دونوں میں ما بہ الامتیاز کیا ہے اس لیئے دونوں میں جو فرق ہے اُس کو میں بیان کرتا ہوں۔

اگلے زمانہ میں یعنی تابعین اور تبع تابعین کے وقت میں دو قسم کے عالم تھے۔ ایک تو وہ جو رائے اور قیاس سے بہت بچتے تھے اور فتویٰ اور استخراج سے بہت ڈرتے تھے اور سوائے اشد ضرورت کے استنباط کرنے کو پسند نہ کرتے تھے۔ اُن کی ساری ہمت اسطرف مصروف رہتی تھی کہ احادیث نبوی کی روایت کریں اور جہاں تک ہوسکے تمام احکام اور مسائل کو انھیں سے ثابت کریں اور وہ اسی واسطے احادیث کے جمع کرنے میں بہت ہی محنت کرتے تھے چنانچہ جب اُنھوں نے احادیث کو جمع کرلیا اور ضعیف اور قوی کو علیحدہ کرلیا تو اُنہوں نے کتاب و سنت ہی کو اصول استخراج مسائل کا ٹھہرایا اور اُسی کی تصحیح اور تنقیح کے لیئے قواعد مقرر کیئے تاکہ معلوم ہوجاوے کہ کون سی حدیث اصلی ہے اور کون سی بے اصل ہے۔

پس اس طبقہ کے لوگوں کو جب ضرورت کسی مسئلہ کی ہوتی تو وہ قرآن سے رجوع کرتے اگر اُس سے بصراحت نکل آتا تو پھر کسی اَور طرف توجہ نہ کرتے۔ اگر اُس سے معلوم نہ ہوتا یا اُسمیں اَور احتمالات ہوتے تو وہ سُنت پر رجوع کرتے اور جو کچھ حدیث میں پاتے اُس پر عمل کرتے اور حدیث پر عمل کرنے کے لیئے نہ وہ اس کا لحاظ کرتے کہ اَور فقہاء اسپر عمل کرتے ہیں یا نہیں اور سب لوگ اسپر چلتے ہیں یا نہیں اور مجتہدین کا اجتہاد اُسکے مطابق ہے یا نہیں بلکہ وہ اس کی بھی پرواہ نہ کرتے کہ صحابہ اور تابعین نے بھی اسپر عمل کیا ہے یا نہیں بلکہ اگر کوئی حدیث ایسی ہوتی کہ ایک ہی شہر کے لوگ اُس سے واقف ہوتے یا ایک ہی گھر کے لوگ اُسپر عامل ہوتے پس وہ اپنے عمل کی سند کے لیئے اُسے لے لیتے اور سوائے اس کے کہ وہ حدیث کی صحت ثابت کرلیں اَور کسی طرف توجہ نکرتے اور

کسی اصول اور کسی قاعدہ کی پابندی کرتے ۔

اگر حدیث سے اُس کا پتہ نہ چلتا تو وہ صحابہ اور تابعین کے اقوال پر نظر کرتے پس اگر اُس بات پر جمہور صحابہ اور تابعین کو متفق پاتے تو فبہا ورنہ بلا لحاظ کسی قوم اور کسی شہر اور کسی فرقہ کے جس کو وہ اپنے نزدیک زیادہ عالم اور فقیہہ اور متقی جانتے اُس کے قول کو اختیار کرتے ۔

اگر اس سے بھی مطلب نہ نکلتا یعنی اُس مسئلہ کا اقوال صحابہ و تابعین سے حال معلوم ہوتا تو وہ قیاس کرتے مگر اُن کا قیاس منطقی قیاس کی مانند نہ ہوتا تھا اور اُس کے لئے کچھ دقیق اصول اور مشکل قواعد کی پابندی نہ تھی بلکہ اُن کا قیاس یہ تھا کہ وہ عمومات کتاب و سنت اور اسکے اشارات اور مقتضیات پر تامل کرتے اور صرف اپنے یقین اور اطمینان قلبی پر لحاظ کرتے ۔ اسکی علت نکال لیتے اور جس میں وہ علت پاتے اُسپر وُہی حکم لگاتے اور اور مسائل کی نظیریں اور مثالیں دیکھکر اپنا کام چلا لیتے ۔

یہ طریقہ اُن کا ٹھیک اصحاب رسول کا سا تھا اور یہی قاعدہ استخراج مسائل کا صحابہ میں جاری تھا اور اُس کے ثبوت میں ہزارہا اقوال صحابہ کے موجود ہیں جن میں سے کچھ کچھ ہم آیندہ بیان کریں گے ۔

غرضکہ اس طور پر مسائل کے استخراج کرنیوالے اصحاب حدیث کہلائے گئے اور چونکہ وہ کسی اصول اور کسی قاعدہ کے پابند نہ ہوئے اس لیئے اُن کا قیاس بھی قیاس اور رائے میں داخل نہوا ۔ چنانچہ اسی گروہ میں سے ہوئے ہیں عبد الرحمن بن مہدی اور یحیی بن سعید اور یزید بن ہارون اور عبد الرزاق اور مسدد اور ہناد اور امام احمد بن حنبل و اسحاق بن راہویہ اور فضل بن دکین اور علی مدنی وغیرہ کہ یہ سب اصحاب حدیث میں داخل ہیں ۔

اس بات کے سُننے سے بھی لوگوں کو تعجب ہوگا کہ اتنی حدیثیں کہاں سے ملی ہونگی جن سے سب مسائل نکل آئے ہوں اور بغیر اُس قیاس اور رائے کے جسے مجتہدین نے اختیار کیا اُن کا کام چلا ہو لیکن اُن کا تعجب اس سے رفع ہو سکتا ہے کہ وہ اُنکی کتابوں کو دیکھیں اور جو کچھ محنتیں اُنھوں نے احادیث کے جمع کرنے میں اپنے اوپر اٹھائیں اُسپر خیال کریں تاکہ اُن کو معلوم ہو کہ جن لوگوں نے اس قاعدہ پر فقہ کی تدوین کی ہے اُن کو کوئی ایسا مسئلہ جس کو اگلے لوگوں نے نکالا تھا یا اُن کے وقت میں مجتہدین نے قیاس سے

استخراج کیا تھا ایسا نہ ملا جس میں کوئی حدیث مرفوع یا متصل یا مرسل یا موقوف صحیح یا حسن یا لایق اعتبار نہ ملی ہو یا خلفاء راشدین کے آثار اور فقہاء نامی کے اقوال سے اُسکا ثبوت نہ ہوتا ہو یا اُن کے عمومات اور اشارات سے اُس کا استنباط نہ ہو سکتا ہو بے شک اسمیں یہ بڑی دقت تھی کہ بہت سی احادیث جمع کرنی پڑتیں اور اُن کی تصحیح اور تنقیح کی محنت اُٹھانی پڑتی اور اُن کے ناسخ اور منسوخ کا لحاظ رہتا اور جو مختلف حدیثیں ہوتیں اُن کا اختلاف دور کرنا یا اُس کے وجوہات کا دریافت کرنا پڑتا۔

جو کوئی اصحاب حدیث کی فقہ کی تدوین پر غور کرتا ہے اُس کی آنکھوں کے سامنے بہت سی عجیب غریب باتیں پھر جاتی ہیں اور اُس کے دل پر فنون احادیث پر تامل کرنے سے ایک اور ہی قسم کی تاثیر ہوتی ہے۔

افسوس ہے کہ جس مضمون کو ہم نے لکھنا شروع کیا ہے اُس کے لیئے دفتر کے دفتر چاہئیں اور اگر مختصر طور پر بھی کچھ کچھ ہم لکھیں تو بھی ایک بڑی کتاب ہو جائے اور ہم چند صفحوں میں اُسے ختم کیا چاہتے ہیں اس لیئے بہت ہی مختصر طور پر اب ہم اُسکو بھی بیان کرتے ہیں کہ اصحاب حدیث نے تدوین فقہ کے لیئے کیا طریقہ اختیار کیا اور پھر اُسکے کتنے درجے اور طبقے ہو گئے۔ پس پہلا طبقہ اہل حدیث کا وہ ہوا جس نے احادیث کو جمع کیا اور فقہی مسائل کا اُسپر مدار رکھا۔ اس طبقہ کے لوگوں کے نام اوپر ہم لکھ چکے ہیں۔ پھر دوسرا طبقہ وہ ہوا جس نے حدیث کے دوسرے فن پر توجہ کی یعنی اُن حدیثوں کو جن کی صحت پر بڑے بڑے اہل حدیث کا اجماع تھا علیحدہ کیا اور اُن حدیثوں کو جو متعلق فقہ کے تھیں جن پر شہروں کے فقیہہ اور قصبوں کے عالم اپنا مذہب چلاتے تھے جدا کر کے ہر حدیث کو باعتبار اُس کے اقسام کے ترتیب دیا۔ اس طبقہ میں امام محمد اسمٰعیل بخاری اور مسلم اور ابو داؤد اور عبد بن حمید اور دارمی اور ابن ماجہ اور ابو العلی اور ترمذی اور نسائی اور دارقطنی وغیرہ داخل ہیں۔

تیسرے طبقہ میں وہ لوگ داخل ہیں جو بخاری اور مسلم کے پہلے تھے یا اُن کے زمانہ میں یا

ؔ اس کی تفصیل ہم نے ایک علیحدہ مضمون میں جو بہ نسبت کتابوں کے لکھا ہے کی ہے وہ بھی عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ چھپے گا ۱۲

اُن کے بعد ہوئے اور جنہوں نے مسانید اور جوامع اور مصنفات کو تالیف کیا اُنہوں نے جو حدیث پائی اُسے جمع کر دیا۔ نہ اُس کو چھانٹا نہ اُسمیں اقسام حدیث کو بیان کیا نہ اُسکی کچھ ترتیب ایسی کی کہ جسپر عمل آسانی سے ہو سکے اور پھر پیچھے بھی محدثین نے اُسکی صحت اور سقم پر چنداں توجہ نہ کی چنانچہ اسی طبقہ میں ابو علی اور طیالسی اور بیہقی اور عبد الرزاق اور ابی بکر ابن شیبہ اور عبد بن حمید اور طحاوی اور طبرانی ہیں۔

چوتھے طبقہ میں وہ لوگ ہیں جنہوں نے بہت عرصہ کے بعد حدیث کی کتابوں کا لکھنا شروع کیا اور جو حدیثیں پہلے اور دوسرے طبقہ میں جمع نہ ہوئیں اور مسانید اور جوامع میں چھپی ہوئی پڑی تھیں یا اُن واعظوں اور خوش گپ عالموں کو یاد تھیں جو ضعفاء میں داخل تھے اور جن کی حدیث کو محدثین محققین پایہ اعتبار سے ساقط جانتے تھے اُن کو اُنھیں نے جمع کر دیا اور آثار صحابہ اور تابعین کو اور اخبار بنی اسرائیل کو اور کلام حکماء اور وعاظ کو بھی اُسمیں شامل کر دیا چنانچہ عمدہ حدیث اِس طبقہ کی وہ ہے جو کہ ضعیف محتمل ہو اور موضوعات کا تو کچھ ذکر ہی نہیں ہے چنانچہ یہی طبقہ مادہ ابن جوزی کی کتاب موضوعات کا ہے ؛

پانچویں طبقہ میں وہ لوگ داخل ہیں جنہوں نے اُن باتوں کو جو فقیہوں اور صوفیوں اور مورخوں کی زبانوں پر تھیں اور جن کی کچھ اصل چاروں طبقات میں نہ تھی لیکر حدیث میں داخل کر دیا اور انہیں احادیث پر اہل بدعت اور معتزلہ وغیرہ نے سند کر کے اہل سنت پر اعتراضات کرنا شروع کیا اور بہت سے عالموں نے دھوکا کھایا خصوصاً اُن حدیثوں میں جن کو کلام بلیغ اور فصیح کے پیرایہ میں ادا کیا تو ان احادیث سے سوائے بڑے محقق محدث کے ہر شخص نے دھوکا پایا جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں ومنہا مادسہ الماجن فی دینہ العالم بلسانہ فاتی باسناد قوی لا یمکن الجرح فیہ وکلام بلیغ لا یبعد صدورہ عنہ صلی اللہ علیہ وسلم فاثار فی الاسلام مصیبۃ عظیمۃ لکن الجہابذۃ من اھل الاحادیث یوردون مثل ذلک علی المتابعات والشواھد فتھتك الاستار ویظھر العوار

غرضکہ سوائے چوتھے اور پانچویں طبقہ کے باقی طبقات اہل حدیث کے ایسے ہیں کہ ہر وقت اور ہر زمانہ میں اُسپر عمل کرنے سے آدمی اہل حدیث ہو سکتا ہے اور اپنی فقہ اور مسائل کا

مدارطبقہ اولی اور ثانیہ کی کتابوں پر کر سکتا ہے اور جو لوگ اب تک اصحاب حدیث ہوئے اور ہیں اُن کا اسی پر عمل تھا اور ہے۔

یہ کیفیت جو باختصار ہم نے اہل حدیث کی بیان کی سمجھنے والے کے لیئے اصحاب حدیث کے طریق تدوین فقہ کے لیئے کافی ہے اس لیئے اب ہم مجتہدین اور اصحاب الرائے کے طریق اور اُن کے اصول کو بیان کرتے ہیں۔

اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ اگلے زمانہ میں دو قسم کے لوگ تھے۔ایک وہ جو رائے اور قیاس سے بہت بچتے تھے اور فتوی استخراج سے بہت ڈرتے تھے اور حدیثوں ہی کو جمع کر کے اُنہیں سے مسائل نکالتے تھے اور اس فرقہ کو اصحاب حدیث کہتے تھے چنانچہ اس کا حال اوپر مذکور ہو چکا۔

دوسری قسم میں وہ لوگ داخل تھے جو کہ فتوے اور استخراج ہی کو دین سمجھتے تھے اور رائے اور قیاس سے مسائل کا استنباط کرنا ہی اچھا جانتے تھے اور فقہ کو دین کی بنا کہتے تھے اور اُسکے پھیلانے ہی کو دین کا پھیلانا سمجھتے تھے اور احادیث نبوی کا بہت لحاظ کرتے تھے اور اُسمیں کمی بیشی ہو جانے سے بہت ڈرتے تھے۔اُن کا قول تھا کہ ہم پیغمبر صاحب تک اپنے مسائل کا سلسلہ نہیں پہنچاتے بلکہ اُن سے پیچھے ہی پر ختم کر دینے کو پسند کرتے ہیں تاکہ جو کچھ نقصان یا زیادتی ہو وہ اُنہیں لوگوں کی گردن پر رہے ہم مواخذہ سے محفوظ رہیں چنانچہ ابراہیم نخعی کا مقولہ تھا کہ قال عبد اللہ وقال علقمۃ احب الینا کہ یہ کہنا مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے کہ کہا عبد اللہ نے ایسا اور کہا علقمہ نے ویسا۔پس ان لوگوں کو جب ضرورت فقہ کی تدوین کی ہوئی تو اُن کے پاس اتنی حدیثیں پیغمبر کی اور آثار صحابہ کے نہ تھے جس سے وہ اپنے مسائل کو اُن سے نکال سکیں اور صرف اُنہیں چند آسان اصول کی پابندی سے جن سے اہل حدیث احکام نکال لیتے تھے اپنا کام چلا سکیں اُن کے دلوں نے اس بات کو بھی قبول یا پسند نہ کیا کہ وہ اپنے اپنے شہروں کے علماء اور فقہا کے قولوں کے پابند نہ رہیں اور اور شہروں اور مقاموں کے فقہا اور علما کے اقوال کی تحقیق کر کے اُن سب کو ملا دیں اور اُن سے بحث کر کے اپنا کام نکالیں بلکہ اُنھوں نے اپنے آپ کو براہ کسر نفسی اس لایق نہ جانا اور اپنے اماموں اور اُستادوں کو اعلی درجہ پر پہنچا ہوا سمجھکر اوروں کی طرف رجوع کرنا یا اُن کے اقوال کو تحقیق

کرنا فعل عبث تصور کیا اور اپنی ہمت کو اپنے ہی شہروں کے علما اور اپنے ہی اُستادوں اور اماموں کے اقوال پر قناعت کر لینے پر ختم کر دیا چنانچہ کسی نے کہا کہ عبد اللہ سے زیادہ کوئی محقق نہیں ہے۔ کسی نے کہا کہ علقمہ سے اچھا کوئی نہیں ہے۔ غرض کہ ایسے لوگوں کے پاس مادہ احادیث اور آثار کا بہت سا نہ تھا اور اُن کا علم چند شخصوں ہی کے علم پر محدود تھا۔ پس جب ایسے لوگوں کو فقہ کی تدوین کی ضرورت ہوئی اور خدا نے اُن کو ذہن کی تیزی اور عقل کی چالاکی ایسی دی تھی کہ وہ اپنی فطانت اور فراست اور سرعت انتقال سے تخریج مسائل کی قدرت کامل رکھتے تھے اور چند ہی اصول سے وہ بے انتہا جزئیات نکال سکتے تھے تو اُنہوں نے اپنے ہی اصحاب اور یاروں اور اُستادوں کے اقوال اور احادیث کو مدار فقہ کا بنایا اور اُسی تھوڑے سے سرمایہ سے فقہ کی دولت کو بڑھانا چاہا تو اُنھوں نے فقہ کو تخریج کے قاعدہ پر ترتیب دیا اور ہزاروں احادیث کے یاد کرنے اور خیال رکھنے سے اپنے تئیں بچایا۔

تخریج کا قاعدہ کیا تھا۔ یہ تھا کہ اُنہوں نے اپنے اُستاد یا امام جس کو وہ قابل استناد سمجھے اُس کی کتاب اور اقوال کو پیش نظر رکھا اور مسائل کو اُنہیں سے استخراج کرنا شروع کیا۔ اگر کوئی مسئلہ اُس میں بہ تصریح ہوتا تو خیر ورنہ اُن کے کلام کے عمومات پر لحاظ کرتے اور اُسی صورت پر اُس مسئلہ کو نکال لیتے یا اُن کے کلام کے اشارات ضمنی پر خیال کرتے اور اُس سے استنباط کرتے پس اُن کے کلام کے یا اشارات اور مقتضیات ایسے ہوتے کہ اُس سے مطلب نکل آتا یا اُن میں ایسے مسائل بہ تصریح مذکور ہوتے کہ مثل اُس کے اور مسائل اُسی نظیر کے اُسپر محمول کر لیئے جاتے۔ اگر اُن سے بھی کام نہ چلتا تو اُن کے لکھے ہوئے حکموں کی علت دریافت کرتے اور جن مسائل کی اُنہوں نے تصریح نہ کی تھی اُسی علت کے اتحاد سے اُسپر حکم قایم کر لیتے یا اُن کے بعض کلام ایسے ہوتے کہ اگر دو کو ملا دیں تو بموجب قیاس اقترانی یا شرطی کے نتیجہ نکل آتا اور اُس سے مسئلہ معلوم ہو جاتا یا اُن کے کلام ایسے ہوتے کہ جن کا مطلب مثالوں ہی میں مذکور ہوتا اور کوئی حد جامع مانع اُس کی نہ ہوتی تو ایسے کلام کی تحقیق کے لیئے اہل زبان کی طرف رجوع کرنا پڑتا اور تحصیل ذاتیات اور ترتیب مقدمات اور ضبط مبہمات اور تمیز مشکلات کے لیئے تکلفات علمی کرنا پڑتے یا اُن کا کلام دو وجہوں کا متحمل ہوتا تو ایک کی دوسرے پر ترجیح

کرتے یا ایسا ہوتا کہ جس کی دلایل پوشیدہ ہوتیں اُسکو صرف بیان کرتے یہاں تک کہ
ایسی تخریج کرنے والوں میں سے بعضے ایسے ہوئے ہیں کہ جنہوں نے اپنے اماموں ہی
کے فعل اور سکوت سے مسائل میں استدلال کیا ہے اسی واسطے اُن کی کتابیں ایسے
لفظوں سے بھری ہوئی ہیں جن سے ہمارے اس قول کی تصدیق ہوتی ہے۔ مثلاً
القول المخرج لفلان کذا ویقال علی مذہب فلان اوعلی اصل فلان
اوعلی قول فلان جواب لمسئلۃ کذا وکذا۔ پس جس طرح پر اصحاب حدیث اپنے
مسئلوں کو احادیث ہی سے نکالنا پسند کرتے تھے اسی طرح پر اصحاب تخریج اپنے
مسائل کو اپنے ہی آئمہ کے اقوال سے نکالتے تھے اور چونکہ اصحاب حدیث کی نظر
بہت سی حدیثوں پر تھی اور اُن کو اکثر سب مسائل میں احادیث نبوی یا آثار صحابہ سے
کوئی حدیث یا اثر مل جاتے تھے اس لیئے اُن کو استخراج اور استنباط کے اصول اور قواعد
بنانے اور رائے اور عقل سے کام لینے کی نوبت نہ آئی اور اصحاب تخریج چونکہ اپنے ہی آئمہ کے
اقوال پر قناعت کرتے تھے اور اُسی سے سارے مسئلے نکالنا چاہتے تھے اس لیئے
اُن کو اُس استخراج اور استنباط کے دقیق دقیق اصول اور باریک باریک قاعدے بنانے پڑے
اور اُن میں رائے اور عقل سے کام لینا پڑا۔

پس شروع شروع زمانہ میں تو اصحاب تخریج بھی احادیث ہی پر سند کرتے تھے۔ گو وہ
حدیثیں وہی ہوں جو اُن کے اُستادوں اور پیشواؤں سے اُنہیں پہونچی تھیں اور اُسوقت میں
وہ باریکیاں جو پیچھے کرکے نکلیں نہ نکلی تھیں لیکن پیچھے کرکے تو اصحاب تخریج نے قیامت
ہی برپا کردی اور فقہ کو یونانی حکمت اور فلسفہ کا ہمسر بنادیا۔ لفظوں سے معنی کا نکالنا
اور عبارت سے مقصد سمجھنا بغیر اُن کے اصول مقررہ کے غیر ممکن ہوگیا بلکہ الفاظ بلکہ ظرف
حرفوں کی تبدیل سے مطلب میں فرق آنے لگا۔ (ف) اور (و) پر استدلال اور کلمہ کی
تقدیم اور تاخیر سے مطلب اور کا اور ہونے لگا اور پھر جس قدر زمانہ بڑھتا گیا اور نبوت کا
عہد دور اور فلسفہ اور معقولات کا مسلمانوں میں رواج ہوتا گیا اُسی قدر رائے اور قیاس
کو زیادہ دخل ہوا اور منقولات میں معقولات کا ایسا خلط ہوگیا کہ بغیر منطق کے قواعد سیکھنے
اور فلسفہ کے پڑھنے کے فقہ کی کتابوں کا سمجھنا مشکل ہوگیا چنانچہ اب تک ہمارے یہاں یہ
مشہور ہے کہ بغیر منطق میں کامل استعداد رکھنے کے کوئی ہدایہ سمجھ ہی نہیں سکتا اور ہدایہ

واقف ہونے محاورات جدیدہ جدلیہ کے کوئی مبسوط سرخسی اور تبئین کا مطلب دریافت نہیں کرسکتا پس حقیقت میں اصحاب الرائے وہی ہیں جو احادیث اور آثار کا تتبع نہیں کرتے اور متقدمین میں سے کسی کے اصول پر مسائل کی تخریج کرتے ہیں اور نظیر کو نظیر ہی پر محمول کرتے ہیں اور یہ مطلب اہل رائے سے نہیں ہے کہ جو سمجھ اور عقل کو دخل دیتے ہیں اور قیاس اور استنباط سے کام لیتے ہیں اس لیئے کہ اگر رائے سے مراد نفس فہم اور عقل ہو تو کوئی اہل حدیث نہ ہو اور سب کے سب صاحب الرائے کہلائے جاویں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ امام احمد حنبل اور اسحاق بن راہویہ بلکہ امام شافعی بھی اصحاب الرائے سے خارج اور اہل حدیث میں داخل سمجھے جاتے ہیں لیکن آخر وہ بھی استنباط کرتے تھے اور قیاس سے کام لیتے تھے۔

غرض کہ مابہ الامتیاز دونوں میں یہ ہے کہ جو کتاب و سنت کو بلا پابندی کسی شخص کے اصول کے پیش نظر رکھکر اُن سے مسائل کو لے یا استنباط کرے وہ اہل حدیث ہے اور جو کتاب و سنت کے عمل کو پہلوں ہی پر ختم سمجھے اور کسی شخص یا کسی فرقہ کے اصول اور کلام ہی پر مدار فقہ کا رکھے اور اُسی کے مقرر کیئے ہوئے اصول اور بتلائے ہوئے قاعدہ پر استخراج کرے وہ صاحب الرائے ہے ۔

چھٹے تقلید اور عمل بالحدیث پر ایک مقلد اور غیر مقلد کا مباحثہ

مقلد سائل ''حضرت حنفی ہیں کہ شافعی؟''

غیر مقلد مجیب ''میں محمدی ہوں۔ نہ حنفی ہوں نہ شافعی۔ اس لیئے کہ میں جس پیغمبر پر ایمان لایا اور جس کی نبوت کا معتقد ہوا اُسی سے اپنے آپ کو منسوب کرتا ہوں۔''

مقلد ''معلوم ہوا کہ آپ غیر مقلد ہیں اور تقلید کو آپ واجب نہیں جانتے ہیں؟''

غیر مقلد ''بلاشک میں تقلید کو واجب نہیں جانتا۔ اس لیئے کہ نہ خدا کی کتاب سے اُس کا وجوب ثابت ہوتا ہے نہ رسول خدا کی کسی حدیث سے ''

مقلد ''تقلید کا وجوب اجماع سے ثابت ہے اور اجماع کا اتباع واجب ہے اور اُسکا

مسئلہ کا فرض ہے۔"

غیر مقلد: "اجماع کی تعریف کیا ہے؟"

مقلد: "الاجماع هو في اللغة الاتفاق وفي الشريعة اتفاق مجتهدين صالحين من امة محمد عليه الصلوٰة والسلام في عصر واحد على امر قولي او فعلي۔ یعنی لغت میں تو اس کے معنی ہیں اتفاق کے اور شریعت کی اصطلاح میں اتفاق کرنا نیک اور صلاحیت رکھنے والے مجتہدین کا امت محمدیؐ سے کسی ایک زمانہ میں اوپر کسی امر قولی یا فعلی کے۔"

غیر مقلد: "مجتہدین اور صالحین کے قیود کی وجہ بیان کیجئے؟"

مقلد: "المراد بالمجتهدين جميع المجتهدين الكائنين في عصر من الاعصار و احترز به عن اتفاق المقلدين واحترز بقوله صالحين عن اتفاق مجتهدين ذوي هوى او فاسقين (حاشيه نور الانوار) وقيد بالمجتهدين اذ لا عبرة باتفاق العوام وعرف بلام الاستغراق احترازا عن اتفاق ا مجتهدي عصر (توضيح) واهل الاجماع من كان مجتهدا صالحا الا لما يستغني عن الرأي (نور الانوار) اسی سے معلوم ہوا کہ تمام اُن مجتہدین کا اتفاق ضرور ہے جو کہ نیک ہوں اور صلاحیت رائے دینے کی رکھتے ہوں اور فاسق اور بدعتی نہوں۔"

غیر مقلد: "اب آپ ہی انصاف فرمائیے کہ بعد آئمہ ۴ کے کتنے مجتہدین صالحین کا اجماع تقلید کے وجوب پر ہوا ہے۔ اول تو تقلید کی بدولت کسی پر مجتہد کا اطلاق آپ کر ہی نہیں سکتے۔ دوسرے جو مجتہد ہوئے ہیں وہ تقلید کے عدم وجوب کے معتقد رہے ہیں۔ خیر اب یہ فرمائیے کہ اجتہاد کی تعریف کیا ہے اور مجتہد ہونے کے لئے کیا شرط ہے؟"

مقلد: "والاجتهاد هو في اللغة تحمل الجهد الى المشقة وفي الاصطلاح استفراغ الفقيه الوسع لتحصيل ظن بحكم شرعي ومعنى استفراغ الوسع بذل تمام الطاقة بحيث يحس من نفسه العجز عن المزيد عليه وشرط الاجتهاد ان يجمع العلم بامور ثلثة الاول الكتاب والمراد بالكتاب قدر ما يتعلق بمعرفة الاحكام الثاني السنة قدر ما يتعلق بالاحكام ووجوه القياس بشرائطها و

اقسامها واحکامها (تلویح) پس جو شخص کتاب او سنت کو جس قدر کہ متعلق احکام کے ہو اور وجوہ قیاس کو جانے وہ مجتہد ہے۔"

غیر مقلد:- "اگر کسی بات پر ایک زمانہ کے مجتہدین نے اجماع کیا ہو اور دوسرے زمانہ کے مجتہدین کا اجماع برخلاف اُس کے ہو تو دوسرا اجماع بھی واجب الاتباع ہے یا نہیں"؟

مقلد:- قیل یشترط للاجماع اللاحق عدم الاختلاف السابق عند ابی حنیفة رحمة الله علیه ولیس کذلك فی الصحیح بل الصحیح انه ینعقد عنده اجماع متاخر ویرتفع الخلاف السابق من الاجماع اللاحق (نور الانوار) قوله انه ینعقد عنده ای عند الامام الاعظم اجماع متاخرا اذا المعتبر انما هو اتفاق مجتهدی العصر سواء تقدم الخلاف اولا والدلایل الدالة علی حجة الاجماع لیست بعقیدة العدم الاختلاف السابق قوله ویرتفع الخلاف السابق لان دلیل السابقین المخالفین لم یبق دلیلاً یعتد به بعد ما انعقد الاجماع علی خلافه کما اذا نزل نص بعد العمل بالقیاس۔ (حاشیه نور الانوار) یعنی دوسرا اجماع خلاف اجماع سابق کے جائز ہے اور پہلا اجماع مرتفع ہو کر دوسرے اجماع کا اتباع واجب ہے اس لیے کہ دوسرے اجماع نے پہلے اجماع کو ایسا باطل کر دیا جس طرح کہ نص کے ملجانے سے قیاس کا حکم باطل ہو جاتا ہے۔"

غیر مقلد:- "حضرت نسخ میں اور اسمیں کچھ فرق ہے ولا نسخ بعد انقطاع الوحی"۔

مقلد:- اجیب بجوازه فیما یثبت بالاجتهاد علی معنی انه لما انتهی ذالك الحکم فانتهاء المصلحة وفق الله المجتهدین للاتفاق علی القول الآخر ورفع الخلاف وان لم یعرفوا مدة الحکم وتبدل المصلحة (تلویح) کہ ایسا نسخ ان معنی کر کے جائز ہے کہ وہ حکم بسبب رہنے مصلحت کے تمام ہو گیا تب خدا نے دوسرے زمانہ کے مجتہدین کو دوسرے قول پر متفق کر دیا گو وہ مدت حکم کی اور مصلحت کی تبدیل کے سوا سے واقف نہوں لیکن الامة اذا اختلفوا فی مسئلة فی ای عصر کان علی اقوال کان اجماعا منهم علی ان ما عداها باطل ولا یجوز لاحد بعدهم احداث قول آخر وقیل هذا فی الصحابة خاصة وهذا یسمی اجماعا مرکبا (نور الانوار) پس جب کہ مجتہدین کسی زمانہ کے لوگوں میں اختلاف ہو چکا تو اُن قولوں کے سوا تیسرا قول باطل

ہے اور پھر بعد اُن کے آنے والے لوگوں کو نئی بات کا نکالنا جائز نہیں ہے اور بعضوں نے یہ کہا ہے کہ یہ مخصوص ساتھ صحابہ کے ہے "

غیر مقلد " اس اصول کے قایم کرنے سے غرض حضرات فقہار کی یہی ہے کہ انحصار مذاہب کا[1] انہیں چار میں ہو جاوے لیکن اگر اختلاف سے مراد ایک ہی زمانہ کا اختلاف ہے تو وہ ان مذاہب میں بھی موجود ہے کہ امام مالک اور امام ابو حنیفہ دونوں معصر تھے اور باہم مخالف اور اگر ایک زمانہ کے اختلاف کی خصوصیت نہیں ہے پس کیونکر ہمارا اختلاف معتبر نہ ہو گا جس طرح کہ امام شافعی اور احمد حنبل رح کا اختلاف معتبر ہو اٹھا اور موافق اصول ما عداھا باطل کے باطل نہ ٹھہرا "

مقلد " الجواب عند صعب (نور الانوار) بیشک یہ ذرا مشکل بات ہے الا ان یقال الاختلاف المعتبر ھو الذی فی زمان واحد والشافعی وغیرہ اذا قالوا قولاً انما یقولان اذا جری بہ رای ابی یوسف و محمد مع ابی حنیفۃ او کان اختلاف بین الصحابۃ فاخذ ابو حنیفۃ رحمۃ اللہ بقول صحابی ومالک والشافعی بقول صحابی اخر (تفسیر احمدی) پس اختلاف معتبر وہی ہے جو ایک زمانہ میں ہو اور اس سے مذہب شافعی وغیرہ کا باطل نہیں ہوتا اس لیئے کہ جو کچھ اُنہوں نے اختلاف کیا ہے یا تو وہی ہے جس میں پہلے سے امام ابو حنیفہ رح کے شاگرد اُن سے مخالف تھے یا وہ اختلاف صحابہ میں پہلے ہی ہو چکا تھا "

غیر مقلد " خدا کے لیئے انصاف کرو کہ کیسی بار دلیل ہے اور اُس کا بیان کرنا عقلار کی شان سے کیسا بعید ہے کہ ایک زمانہ کا اجماع دوسرے زمانہ کے اجماع کو منسوخ کر دے اور وہ لطف الٰہی سمجھا جاوے اور ایک زمانہ کے دو مختلف قولوں کے بعد دوسرے زمانہ میں تیسرے قول کا نکالنا جائز ہی نہ ہو بلکہ باطل ٹھہرے "

مقلد " کیا آپ اجماع کے منکر ہیں "؟

غیر مقلد " اجماع کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مستند اُس کا کتاب و سنت ہو۔ دوسرے یہ کہ فقط علماء اور فقہا کا اتفاق ہی اتفاق ہو خواہ کسی ضرورت سے خواہ کسی مصلحت سے پہلی صورت کا

---

[1] یہ تقریر نور الانوار کی ہے ۱۲

اجماع واجب الاتباع ہے اور درحقیقت وہ کتاب و سنت کا اتباع ہے اور دوسری قسم کا اتباع نہایت ہی بُرا ہے "

مقلد "ہماری غرض بھی اجماع سے پہلا ہی اجماع ہے لیکن یہ ضرور نہیں ہے کہ ہم ہر اجماع کی نسبت ثابت کرسکیں کہ سند اُس کا کتاب و سنت ہے۔ مگر چونکہ بے ایسے استناد کے علما کا اجماع کرنا محال ہے اس لیے ہر اجماع کو پہلی ہی قسم کا اجماع سمجھنا چاہیئے"

غیر مقلد "یہی آپ کی غلطی ہے"

مقلد "دلیل اِس غلطی کی بیان کیجیئے"

غیر مقلد "سنیئے خدا فرماتا ہے کہ اذا قیل لهم امنوا بما انزل الله قالوا بل نتبع ما الفينا عليه آباءنا - کہ جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ تو وہ یہی کہتے ہیں کہ ہم اُسی کی پیروی کرتے ہیں جو ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا پس وہ بھی اپنے بزرگوں کے اجماع کو ایسے ہی خیال سے واجب الاتباع جانتے تھے۔

دوسری آیت میں خدا فرماتا ہے کہ اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابا من دون الله کہ یہودیوں و عیسائیوں نے اپنے احبار اور رہبانوں کو اپنا رب ٹھہرالیا ہے۔ حالانکہ نہ کوئی یہودی نہ کوئی عیسائی کسی رہبان کو رب کہتا تھا بلکہ اُنکی نسبت ایسا خوش عقیدہ رکھتے تھے کہ جو وہ حلال کہہ دیتے اُس کو حلال جانتے۔ جو وہ حرام کہہ دیتے اُس کو حرام سمجھتے[1]

اگر خدا کی کتاب پر اطمینان نہ ہو تو فقہا اور علما کے اقوال سنیئے۔ قال الشعبي ما حدثوك هؤلاء عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فخذ به وما قالوه برائهم فالقه في الحشيش (ازالۃ الخفا) کہ جو لوگ پیغمبر خدا کی طرف سے کہیں اُسے قبول لو اور جو اپنی رائے سے کہیں اُسے پاخانہ میں ڈال دو۔

عن عبدالله ابن عباس وعطا ومجاهد ومالك بن انس رضي الله عنهم انهم كانوا يقولون ما من احد الا وهو ماخوذ من كلامه ومردود عليه الا رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ عبداللہ ابن عباس اور عطا اور مجاہد اور مالک

---

[1] دیکھو ترمذی شریف

ابن انس ان سب کا یہ قول تھا کہ کوئی شخص نہیں ہے مگر اُس کا کلام لیا جا سکتا ہے اور ترک بھی ہو سکتا ہے سوائے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے -

قال بعض السلف ما جاءنا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبلناہ علی الراس والعین وما جاءنا عن الصحابۃ رضی اللہ عنھم فناخذ منہ و نترک وما جاءنا عن التابعین فھم رجال ونحن رجال - کہ جو کچھ پیغمبر خدا نے فرمایا ہے وہ تو ہمارے سر پر اور ہماری آنکھوں پر ہے اور جو کچھ صحابہؓ نے کہا اور کیا ہے اُس سے ہم لیتے بھی ہیں اور چھوڑتے بھی ہیں اور جو کچھ تابعینؒ نے کہا اور کیا ہے تو وہ بھی آدمی تھے اور ہم بھی آدمی ہیں - ومنھا ان یکون اعتمادہ فی علومہ علی بصیرتہ وادراکہ لصفاء قلبہ لا علی الصحف والکتب ولا علی تقلید ما یسمعہ من غیرہ وانما المقلد صاحب الشرع صلوات اللہ علیہ وسلامہ ومن انکشف عن قلبہ الغطاء واستنار بنور الھدایۃ صار فی نفسہ متبوعا مقلدا فلا ینبغی ان یقلد غیرہ کہ عالم کی صفات میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنے علوم میں اپنی بصیرت اور ادراک پر زیادہ بھروسہ کرے نہ صحیفوں اور کتابوں پر اور نہ دوسرے کی تقلید پر کیونکہ وہ شخص جس کی تقلید ضرور ہے صرف صاحب شریعت ہے پس جو شخص نور ہدایت سے اپنے دل کو روشن کرے گا وہ خود متبوع ہوگا نہ کہ مقلد تو کیونکر دوسروں کی تقلید کرنا زیبا ہوگا -

ومنھا ان یکون شدید التوقی من محدثات الامور وان اتفق علیہ الجمھور فلا یغرنہ اطباق الخلق علی ما احدث بعد الصحابۃ رضی اللہ عنھم (احیاء العلوم) یعنی ہمیشہ محدثات امور سے بچتا رہے گو سب کے سب اُس پر متفق ہوں اور ہرگز اجماع خلائق پر بعد صحابہ کے فریفتہ نہو اس لیے کہ یہ بڑا دھوکا ہے فان الناس لا یزالوا فیما ھم فیہ لمیل طباعھم الیہ ولم تسمح نفوسھم بالاعتراف بان ذلک سبب الحرمان من الجنۃ فادعوا انہ لا سبیل الی الجنۃ سواہ - غرضکہ یہ اقوال اور مثل ان کے ہزار اقوال اور ہیں جن سے بُرائی اُس اجماع کی ثابت ہوتی ہے جس کا مستند کتاب و سُنت نہ ہو"

مقلد :- وجوب تقلید پر جو اجماع ہے وہ پہلی ہی قسم کا ہے کہ اُس کا مستند کتاب و سُنت ہے "

غیر مقلد :۔ یہ آپ کی غلطی ہے ۔ تقلید پر جو اجماع ہے وہ وہ اجماع نہیں ہے جس کا مستند کتاب و سنت ہو ۔

مقلد :۔ اس کو ثابت کیجیئے ۔

غیر مقلد :۔ سنیئے اجماع کو جو اہل اصول نے مثل کتاب و سنت کے شرعی حجت قرار دیا ہے اُسپر غور کرنا ضرور ہے کہ سبب اس کا کیا ہے ۔ پس اگر یہ کہا جاوے کہ فقط اُمت کا جمع ہو جانا اور سب لوگوں کا ایک بات پر اتفاق کر لینا ہی حجت شرعی مثل قرآن و حدیث کے ہے تو عقل سلیم اس کو قبول نہ کرے گی کہ اُن لوگوں کی رائے جو کہ غیر معصوم ہیں صرف اتفاق کے سبب ایک معصوم کے قول یا خدا کے کلام کی نہ صرف برابر ہو وے بلکہ اُس کو منسوخ کر دے جیسا کہ صاحب دراساۃ اللبیب فی الاسوۃ الحسنۃ بالحبیب اپنی کتاب کی دراسات ثامنہ میں لکھتے ہیں ان نفس الاجماع عبارۃ عن اٰراء مجتمعۃ من علماء عصر واحد و اٰراء الرجال لیست من نسخ کلام المعصوم فی شیئ ولیس فی نفس اجماع الامۃ بمجردہ عندی ما یوجب القطع ۔ یعنی اجماع عبارت ہے کسی زمانہ کے علماء کی رایوں کے جمع ہونے سے اور آدمیوں کی رایوں کو ایسی قوت نہیں ہو سکتی کہ وہ کسی بات کو معصوم کی منسوخ کر دے ۔ پس میرے نزدیک فقط اُمت کا اجماع دلایل ناطقہ میں سے نہیں ہے پس جب اس قسم کا اجماع یعنی فقط اتفاق کر لینا ہی لوگوں کا قابل حجت نہ ٹھہرا تو ضرور ہوا کہ اس اجماع کی کوئی سند کتاب و سنت سے ہو وے یعنی کسی آیت یا کسی حدیث کے سبب سے اُس اجماع کا ہونا پایا جاوے پس ایسے حال میں در حقیقت کتاب و سنت حجت شرعی ٹھہرے نہ نفس اجماع بلکہ اجماع صرف اُس کے مطلب اور مراد کا ظاہر کرنے والا ٹھہرا اور چونکہ ثبوت اجماع کے لیئے ضرور ہے کہ تمام حافظان حدیث اور مشایخ اور مجتہدین زمانہ کے اُس میں داخل ہوں اور اُن سب کا اتفاق ہو تو ایسی حالت میں اُمت محمدی کا ضلالت پر اجماع کرنا[له]

[له] اجماع کے معنی اتفاقیہ جمع ہو جانا لوگوں کا کسی بات پر نہیں ہے یعنی اگر کوئی بات ایسی ہو کہ اُسکو سب لوگ بغیر غور و فکر کے کہتے یا کرتے چلے آئے ہوں تو اُسپر اطلاق اجماع کا نہیں ہو سکتا بلکہ اجماع کے لیئے ضرور ہے کہ اُسپر بحث و تکرار ہوئی ہو اور دلایل موافق و مخالف بحث میں آئے ہوں اور بعد تمام مباحثہ کے کسی امر پر اجماع ہو گیا ہو پس اگر بعد اُس اجماع کے کوئی ایسی دلیل مخالف برآمد ہو جو اُس اجماع میں مباحثہ میں نہیں آئی تھی تو وہ اجماع حجت نہیں رہتا ۔ ۱۲

محال ہے اس لیئے کہ قطع نظر نقل کے عقل سلیم بھی قبول نہیں کرتی کہ سارے علما اور فقہا اور محدث ایسی بات پر اجماع کریں جو کہ کتاب سنت کے مخالف ہو لیکن ایسا اجماع جس کا مستند کتاب و سنت ہو اور جس میں تمام محدثین اور فقہا داخل ہوں نسبت تقلید کے نہیں ہے کہ اسکو ہم ثابت کرتے ہیں چند دلیلوں سے ۔

اولاً ۔ خدا کی کتاب سے پہلی آیت اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونه اولیاء ۔

دوسری آیت ۔ فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه اولئک الذین ھدا ھم اللہ واولئک ھم اولوالباب ۔

تیسری آیت ۔ فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ الرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر ۔

ابن حزم جس کے کلام کو شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں نقل کیا ہے یہی آیتیں حرمت تقلید کے ثبوت میں بیان کرتا ہے ۔ حیث قال التقلید حرام ولا یحل لاحد ان یاخذ قول احد غیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلا برھان ۔ کہ تقلید حرام ہے اور کسی کو جائز نہیں ہے کہ کسی کے قول کو سوائے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر دلیل کے قبول کرے اور ابن حزم ان روایتوں کو نقل کر کے یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ فلم یبح اللہ تعالی الرد عند التنازع الی لانہ غیر القرآن والسنتہ یعنی نہیں مباح کیاہے اللہ تعالےٰ نے رجوع کرنا وقت تنازع کے کسی کی طرف سوائے قرآن اور حدیث کے اور حرام کردیا ہے اس سے رجوع کرنا کسی کہنے والے کی بات پر اس لیئے کہ وہ قرآن و سنت نہیں ہے ۔

ثانیاً ۔ احادیث نبوی ۔ باب الاعتصام بالکتاب والسنتہ احادیث صحاح کے ملاحظہ سے ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر خدا علیہ التحیتہ والثنا نے ہمیشہ تاکید اپنی اور اپنے اصحاب کی پیروی کی کی ۔ اور نئی باتوں سے بچنے اور اپنی احادیث پر تمسک کرنے کی کی ہے اور تقلید سے سوائے اپنے اپنے امام کے اقوال کی تبعیت کے کوئی نہ حدیث پر عمل کرنیکا مجاز ہے نہ اقوال و اعمال صحابہ پر تمسک کر سکتا ہے ۔

ثالثاً ۔ اقوال صحابہ و تابعین و تبع تابعین ۔ عن ابن عباس اما تخافون ان

تعذبوا ویخسف بکم ان تقولوا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال فلان کہ حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ کیا تم عذاب نازل ہونے سے نہیں ڈرتے ہو جو یہ کہتے ہو کہ پیغمبر خدا نے فرمایا اور فلاں شخص نے یوں کہا ہے یعنی پیغمبر صاحب کے قول کے بعد دوسرے کے قول کو دیکھتے ہو قال ابن عمر لجابر ابن زید انک من فقہاء البصرۃ فلا تفت الا بقرآن ناطق او سنۃ ماضیۃ فانک ان فعلت غیر ذلک ھلکت واھلکت۔ کہ حضرت ابن عمر نے جابر ابن زید سے کہا کہ تم بصرہ کے فقیہوں میں سے ہو اس لیئے تم فتویٰ نہ دینا بجز قرآن ناطق اور حدیث صحیح کے ورنہ خود ہلاک ہوگے اور اوروں کو ہلاک کروگے۔

اخرج الترمذی عن ابی السائب قال کنا عند وکیع فقال الرجل ممن ینظر فی الرائے اشعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویقول ابو حنیفہ ھو مثلۃ فقال الرجل فانہ قد روی عن ابراھیم النخعی انہ قال الاشعار مثلۃ قال وایت وکیعا غضب غضباً شدیداً وقال اقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتقول قال ابراھیم ما احقک بان تحبس ثم لا تخرج حتی تنزع عن قولک ھذا۔ ترمذیؒ نے ابی سائب سے روایت کی ہے کہ میں وکیع کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ انھوں نے ایک آدمی سے جو کہ صاحب الرائے تھا کہا کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اشعار کیا ہے اور ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ وہ مثلہ ہے تو اس آدمی نے کہا کہ ابراہیم نخعی سے ایسی ہی روایت پہونچی ہے یہ سن کر وکیع کو نہایت غصہ ہوا اور کہنے لگا کہ میں تو کہتا ہوں کہ فرمایا ہے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اور تو کہتا ہے کہ کہا ہے ابراہیم نخعی نے پس تیری یہی سزا ہے کہ تو قید کیا جاوے اور جب تک اپنے اس قول سے نہ پھرے تب تک جیلخانہ میں رہے۔

حدیث عبادۃ بن الصامت الانصاری النقیب صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ غزا مع معاویۃ ارض الروم الی قولہ فقال عبادۃ احدثک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتحدثنی عن رائک ان اخرجنی اللہ سبحانہ لا اساکنک بارض لک علی فیہا امرۃ (دراسات) عبادہ بن الصامت نے امیر معاویہ سے کہا کہ یہ لوگ چاندی کے ٹکڑوں کو درہم سے اور سونے کے ٹکڑوں کو

دینار سے فروخت کرتے ہیں یہ سود ہے اس لیئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ سلم نے فرمایا ہے کہ لا تباعوا الذهب بالذهب الا مثلا بمثل امیر معاویہ نے کہا کہ میں اسکو ربا نہیں جانتا تو وہ غصہ ہوئے اور کہنے لگے کہ میں تو پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثنا کا قول بیان کرتا ہوں اور تم اپنی رائے بیان کرتے ہو اگر خدا نے مجھے اس جگہ سے نکالا تو کبھی میں وہاں نہ رہوں گا جہاں تم امیر ہو۔

قال الهروي ورويناعن محمد الكوفي وكان من اسلام بمكان قال رايت الشافعي رحمه الله تعالى بمسئلة يفتي الناس الى قوله فقال الشافعي رحمة الله عليه ما احوجني يا اسحاق ان يكون غيرك في مرضعك فكنت امره لغيرك اذنيه اقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وانت تقول عطاء و طاؤس وابراهيم والحسن وهل لاحد مع رسول الله صلى الله عليه وسلم حجة کہ ایک جگہ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اور اسحاق بن راہویہ جمع تھے۔ ایک مسئلہ پر امام شافعی نے حدیث نقل کی۔ اسحاق بن راہویہ نے بمقابل اس کے حسن اور ابراہیم اور عطاء اور طاؤس کی رائے اور قول کو مخالف اُس کے نقل کیا امام شافعی غصہ ہوئے اور کہا کہ اے اسحاق افسوس ہے بجائے تیرے دوسرا آدمی نہ ہو ورنہ میں اس کی گوشمالی کرتا کہ میں تو پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث نقل کرتا ہوں اور تم عطاء اور طاؤس اور ابراہیم اور حسن کے قول کو نقل کرتے ہو کسی کو پیغمبر خدا کے ساتھ کچھ حجت نہیں ہے۔

قال محيي السنه وجاء رجل الى مالك فسئله عن مسئلة فقال له قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كذا وكذا فقال الرجل ما رايك فقال مالك فليحذر الذين يخالفون عن امره ان يصيبهم فتنة او يصيبهم عذاب اليم الاقوله ان التعزير الوارد على مثل اسحاق رحمه الله عليه مع جلالة قدره من الشافعي رحمة الله عليه لم يكن في ازهيد من التفوه بقول الفقهاء في مقابلة الحديث۔ کہ ایک شخص نے امام مالکؒ سے آکر ایک مسئلہ پوچھا اُنہوں نے کچھ جواب دیا کہ ایسا ایسا فرمایا ہے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ اُس شخص نے کہا پھر تم کیا کہتے ہو۔ امام مالک خفا ہوئے اور کہا کہ تو نے قدر پیغمبر خدا کی نہ جانی اب تو سوچ کہ اسحاق بن راہویہ سے جلیل القدر امام کو امام شافعی نے صرف اسی سبب قابل تعزیر

جاناکہ اُنہوں نے مقابلہ میں حدیث کے فقیہہ کے قول کو نقل کیا تھا پس اس قول سے امام مالکؒ نے اُس شخص کو ڈرایا جو کہ بمقابلہ حدیث کے دوسری رائے دریافت کرے۔

قیل الشعبی الاتحضر المسجد فقال لقد ابغض الی ھؤلاء ھذا المسجد حتی صار ابغض الی من کناسة داری فقیل له من ھؤلاء یا ابا عمر فقال اصحاب الرای کہ شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے کہا کہ آپ مسجد میں نہیں آیا کرتے اُنہوں نے جواب دیا کہ لوگوں نے مجھے مسجد کا ایسا دشمن کردیا ہے کہ میں اُس کو اپنے گھر کی بُری سے بُری جگہ سے بھی زیادہ بُرا جانتا ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ وہ کون سے لوگ ہیں تب اُنہوں نے کہا کہ اصحاب رائے۔

قالوا لاحمد مرة لم لا تضع للناس فی الفقه شیئاً فقال اولاحد کلام مع الله تعالیٰ ورسوله صلی الله علیه وسلم کہ امام احمد حنبلؒ سے کسی نے کہا کہ آپ فقہ میں کوئی کتاب کیوں نہیں لکھتے۔ جواب دیا کہ خدا اور رسول کے ہوتے ہوئے کسی کو مجال کلام کی نہیں ہے۔

غرض کہ مثل اس کے اور صدہا اقوال صحابہ و تابعین کے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ تقلید کسی کی سوائے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ چاہیئے لیکن ہم قطع نظر ان اقوال کے خاص چاروں امام کے اقوال کو نقل کرتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اُنہوں نے اپنی تقلید کامل کو جائز ہی نہیں رکھا۔

یواقیت وجواہر میں لکھا ہے کہ روی عن ابی حنیفةؒ انه کان یقول لا ینبغی لمن لا یعرف دلیلی ان یفتی بکلامی[۱] وکان رضی الله عنه اذا افتی یقول ھذا رای النعمان ابن ثابت کہ امام ابوحنیفہ فرماتے تھے کہ جو شخص میری دلیلوں کو نہ جانے اُسے سزاوار نہیں ہے کہ میرے کلام پر فتویٰ دے اور خود اُن کا یہ قاعدہ تھا کہ جب وہ کچھ فتویٰ دیتے تو صاف یہ کہہ دیتے کہ یہ رائے نعمان ابن ثابت کی یعنی میری ہے۔

---

[۱] برخلاف اس کے متعلدین فرماتے ہیں کہ بتحقیق علما فرمودہ اند واجب است افتا بقول امام اعظمؒ ہرچند نداند از کجا گفتہ چنانکہ در فتاوی خیریہ وغیرہ گفتہ۔ لوامع الالہام لدفع الاوہام ۔ ۱۲

روى الحاكم والبيهقي عن الشافعي رضي الله عنه انه كان يقول اذا صح الحديث فهو مذهبي وفي رواية اذا رايتم كلامي يخالف الحديث فاعملوا بالحديث واضربوا بكلامي الحائط - کہ حاکم اور بیہقی نے امام شافعی رح سے روایت کی ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر حدیث کی صحت ہو جاوے تو وہی مذہب میرا ہے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ اگر کوئی کلام میرا حدیث کے مخالف ہو تو حدیث پر عمل کرو اور میری بات کو دیوار سے پٹکو۔

وقال يوما للمزني يا ابراهيم لا تقلدني في كل ما اقول وانظر في ذالك لنفسك فانه دين کہ امام شافعی رح اپنے شاگرد مزنی سے کہا کرتے کہ اے ابراہیم میری تقلید نہ کرنا ہر ایک بات میں جو کہتا ہوں بلکہ تو اپنی ذات سے بھی اُسپر نظر کرنا اس لیئے کہ یہ دین ہے اسمیں اعتماد اَور کسی کے قول پر نہیں چاہیئے۔

وكان رضي الله عنه يقول لا حجة في قول احد دون رسول الله صلى الله عليه وسلم وان كثروا ولا في قياس ولا في شئ - کہ امام شافعی رح کہا کرتے کہ کسی کا قول کسی کا قیاس اَور کوئی چیز کسی امر میں کچھ حجت نہیں ہے سوائے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اگرچہ اُس قول اور قیاس پر بہت سے شخص متفق ہوں۔

وكان الامام احمد رضي الله عنه يقول ليس لاحد مع الله ورسوله كلام کہ امام احمد حنبل رح فرماتے تھے کہ خدا اور رسول کے ساتھ کسی کو کلام نہیں ہے۔

وقال ايضا لرجل لا تقلدني ولا تقلدن مالكا ولا الاوزاعي ولا النخعي ولا غيرهم وخذ الاحكام من حيث اخذوا من الكتاب والسنة کہ امام احمد حنبل رح نے ایک شخص سے کہا کہ تو نہ میری تقلید کر اور نہ امام مالک رح کی نہ اوزاعی کی۔ نہ نخعی کی اور نہ کسی اَور کی۔ بلکہ جہاں سے اُنہوں نے احکام نکالے ہیں یعنی کتاب و سنت سے وہیں سے تو بھی نکال۔

عن ابي يوسف وزفر رحمة الله عليهما انهم قالوا لا يحل لاحد ان يفتي بقولنا ما لم يعلم من اين قلنا - کہ امام ابو یوسف اور زفر رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے کہ حلال نہیں ہے کسی کو یہ کہ فتوے دوے ہمارے قول پر جب تک کہ وہ یہ نہ جانے کہ کہاں سے ہمنے کہا ہے۔

پس باوجود ایسی تصریحات کے جو اُن آئمہ اربعہ اور اُن کے خاص شاگردوں نے عدم تقلید پر کی ہیں اگر کوئی تقلید کو واجب اور عمل بالحدیث کو ناجائز کہے وہ حقیقت میں ان اماموں کا مقلد نہیں ہے بلکہ اپنی ہوا و ہوس اور رسم و رواج کی پابندی کا۔

غرضکہ ان چند قولوں کے نقل کرنے سے ثابت ہوا کہ نہ صحابہ[1] کے زمانہ میں نہ تابعین کے زمانہ میں نہ تبع تابعین کے زمانہ میں تقلید جاری ہوئی۔ نہ کسی نے ان قرون ثلاثہ میں اسکو واجب جانا بلکہ جس طرح پر آج کل لوگ عمل کرتے ہیں ایسا ہی عمل کسی کے قول پر بھی نہیں کیا تو باوجود اس کے پھر یہ دعوی کرنا کہ تقلید واجب ہے اور تارک اُس کا گنہگار اور واجب التعزیر حقیقت میں دوسری شریعت قایم کرنا اور نیا دین کھڑا کرنا ہے و نعوذ باللہ منہ۔

اگر ہم ان زمانوں پر بھی خیال نہ کریں اور آیندہ آنیوالے زمانوں پر نظر کریں کہ پھر پیچھے تقلید پر اجماع ہو گیا ہو تو وہ بھی ہم نہیں پاتے اس لیے کہ بعد اُس کے جتنے لوگ ہوئے وہ یا محدث تھے یا اہل تصوف یا فقہا یا عوام۔ پس اصلی محدث تو ہزاروں میں ایک ہی دو ایسے ہوں گے جنہوں نے تقلید کی ہو ورنہ جو لوگ اصل حدیث کے جمع کرنے والے اور اُس کے جاری کرنے والے ہیں وہ تقلید کے نام سے بھاگتے تھے اور اُسکو بدعت جانتے تھے اور جو اہل تصوف تھے اُن کا بھی یہی حال ہے کہ ہمیشہ تقلید سے نفرت کیا کیئے اور اُسکی برائی بیان کرتے رہے۔ رہ گئے فقہا اور علما۔ اُن میں سے بھی جو محقق تھے وہ غیر مقلد رہے اور جو تحقیق اور اجتہاد کے اعلےٰ درجہ پر نہ تھے اُنہوں نے تقلید پر قناعت کی اور عوام تو کالانعام ہیں۔ اُن کا کچھ ذکر نہیں۔ پس حقیقت میں اجماع جس کا نام ہے وہ کسی زمانہ میں نسبت وجوب تقلید کے نہیں ہوا۔ ہاں اسمیں شک نہیں ہے کہ چوتھی صدی سے اتبک اکثر لوگ تقلید کے پابند ہو گئے اور روز بروز اُسکی پابندی بڑھ گئی مگر بمقابلہ محدثین اور محققین کے اور لوگوں کی کثرت کچھ بھی لایق لحاظ کے نہیں ہے ورنہ صرف کثرت پر اگر لحاظ کیا جاوے تو ساری بدعتیں اور

---

[1] صحابہ کے زمانہ میں تقلید جاری نہ ہونے سے یہ غرض ہے کہ کوئی ایک شخص اُن میں سے ایسا نہیں بتایا گیا کہ جس کے سارے اقوال اَوروں نے مانے ہوں یا جس کی سب باتوں کو اَوروں نے واجب التعمیل جانا ہو۔

تعزیہ پرستی اور قبر پرستی وغیرہ سب اسی اجماع کی دلیل سے عبادت میں داخل ہو جاویں۔ اور اُن کا ترک کرنا خرق اجماع کہلاوے۔ ولم یقل بہ احد اور اجماع کی نسبت اہل اصول نے بھی یہی کہا ہے کہ اجماع مجتہدین صالحین کا اجماع ہے نہ اجماع مقلدین کا اور مطابق قول مقلدین کے مجتہد بعد آئمہ اربعہ کے کم ہوئے ہیں اور جو مجتہد ہوا ہے وہ مقلد نہیں ہوا پس جس قدر اور علماء اور فقہا تقلید کے وجوب کے معتقد ہیں اُنکا اجماع حقیقت میں مطابق اصول کے اجماع نہیں ہے"

مقلد "آپ کے روبرو جب ہم نے علماء فقہا کے اقوال کو تقلید کے وجوب پر پیش کیا تب آپ نے اُن کو تسلیم نہ کیا اور پھر آپ اُنہیں کے اقوال کو اپنے دعوی عدم وجوب تقلید پر پیش کرتے ہیں"

غیر مقلد "در حقیقت ہم تو صرف کتاب سنت ہی کو دلیل عدم وجوب تقلید کی جانتے ہیں۔ مگر چونکہ آپ اور اس زمانہ کے اکثر لوگ عادی اس کے ہوگئے ہیں کہ بغیر حوالہ کتاب اور سند علماء کے اقوال کے وہ کسی بات کو نہیں مانتے اس لیئے ہم نے آپ کے اور اس زمانہ کے لوگوں کے سمجھانے کے لیئے اُن کے قولوں کو نقل کیا اور نقل کرنے پر آمادہ ہیں ورنہ ہم اپنی ذات کے لیئے اُسکی کچھ ضرورت نہیں سمجھتے۔ ہمکو تو خدا اور رسول کے کلام پر تمسک ہے اور اسپر ایسا یقین ہے کہ بالفرض اگر ایک مولوی اور ایک عالم کا قول بھی ہمارے موافق نہ ہوتا تب بھی ہمارے عقیدہ میں کچھ خلل نہ آتا اور خدا کی کتاب اور رسول کے اقوال کو چھوڑ کر ہم کسی کی بات پر کان بھی نہ لگاتے۔ علاوہ اس کے ان قولوں کے نقل کرنے سے ہماری غرض یہ ہے کہ جو بار بار آپ کی زبان سے لفظ اجماع کا نکلتا ہے اُس کا بطلان ظاہر ہو جاوے اور ان بڑے بڑے محققین علما اور آئمہ دین کے اقوال سے آپ کے دعوے وجوب تقلید کا غلط ہونا سب پر کھل جاوے۔ ہمکو سخت حیرت ہوتی ہے کہ صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اور محدثین اور مجتہدین اور محققین کا تقلید نہ کرنا اور اُس کو بُرا جاننا تو عدم وجوب تقلید کی دلیل نہ ٹھہری اور اُن کا ایک بات پر اتفاق کرنا اجماع نہ کہلاوے اور بعد قرون ثلثہ کے جو لوگ آویں اور جن کے مراتب ورع و تقوی اور مدارج علم و تحقیق اُن متقدمین کے برابر نہوں اور پھر وہ بھی سب کے سب ایک بات پر متفق نہوں اُنکا تقلید کو جائز کہدینا وجوب تقلید پر ایسی دلیل ہو جاوے کہ اُس کا منکر بدعتی اور فاسق

اور واجب التعزیر ٹھہرے۔ فاعتبروا یا اولی الالباب ان ھذا لشئی عجاب۔"

مقلد:- جو لوگ کہ تقلید کا انکار کرتے ہیں وہ تھوڑے ہیں اُن کا قول مرجوح ہے اور جو لوگ اُس کو واجب اور جائز جانتے ہیں وہ بہت ہیں اور سواد اعظم وہی ہے جس جانب بہت لوگ ہوں اس لیئے آپ کا استناد چند ہی علماء کے اقوال پر ہے اور ہمارا استناد ہزاروں کے قول پر۔"

غیر مقلد:- یہ دونوں دعوی غلط ہیں اول یہ کہنا کہ واجب العمل وہ قول ہے جس پر بہت لوگ متفق ہوں اور اُس کو سواد اعظم جاننا۔ دوسرے یہ سمجھنا کہ وجوب تقلید کیطرف اکثر لوگ ہیں اور جس طرف بہت لوگ ہوں اُسکی مخالفت اجماع کی مخالفت ہے۔ اول دعوی کی غلطی پر چند قول میں نقل کرتا ہوں کہ بعض مفسرین نے آیت ان تطع اکثر من فی الارض یضلوک کی تفسیر میں کہا ہے کہ فی ھذا دلالۃ علی انہ لاعبرۃ فی دین اللہ ومعرفۃ الحق بالقلۃ والکثرۃ بجواز ان یکون الحق مع الاقل کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے اس پر کہ کچھ اعتبار نہیں ہے خدا کے دین میں اور حق کے پہچاننے میں قلت اور کثرت پر اس لیئے کہ جائز ہے کہ حق وہی ہو جس طرف تھوڑے لوگ ہیں۔

ابن جوزی نے تلبیس ابلیس میں لکھا ہے کہ سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے یوسف ابن اسباط سے کہا کہ اذا بلغک عن احد بالمشرق انہ صاحب سنۃ فابعث الیہ بالسلام واذا بلغک عن آخر بالمغرب انہ صاحب سنۃ فابعث الیہ بالسلام فقد قل اھل سنۃ کہ اگر مشرق میں ایک اور مغرب میں دوسرا پابند سنت کا ہو تو اُس کو سلام بھیجو اس لیئے کہ سنت پر چلنے والے بہت ہی کم ہیں۔

امام فخر الدین رازیؒ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ سواد اعظم وہی ہے جو تابع کتاب یعنی قران اور سنت کا ہو وان ماسواھا لا یلتفت الیھم وان امتلاء العالم منھم کہ جو کتاب و سنت کے سوا ہو اُس پر التفات نہ کرنا چاہیئے اگرچہ اُن سے جہان بھرا ہو اور جماعت کے معنی میں ایک بزرگ نے کہا ہے کہ الجماعۃ دالۃ بجماعۃ اھل الحق وان قلوا کہ جماعت نام ہے اہل حق کے جمع ہونے کا ایک حق بات پر اگرچہ وہ بہت ہی کم ہوں۔

سواد اعظم کے معنی میں ملا علی قاری شرح نخبۃ الفکر میں لکھتے ہیں کہ ان فیھم من الصفات الموجبۃ المقبول ما تقوم مقام العدد الکثیر من غیرھم ولذا سمیت مثل ھذا الامام امۃ قال اللہ تعالی ان ابراھیم کان امۃ لانہ یجتمع فیہ من الصفات مالا یوجد متفرقۃ الا فی جماعۃ ولذا قال الشاعر لیس من اللہ بمستنکر۔ ان یجمع العالم فی احد۔ وقد قیل فی حدیث المشھور علیکم بالسواد الاعظم ای الاورع الاسلام۔ پس جبکہ ایک شخص پر اطلاق امت کا خدا کے کلام سے ثابت ہوا اس لیئے کہ وہ ایک اُن باتوں کا جامع تھا جو کہ متفرق گروہوں میں علیحدہ پائی جاتیں اور خدا کا ایک شخص کو بمنزلہ ایک جہان کے بنا دینا عجب نہیں اور سواد اعظم سے مراد زیادہ پرہیزگار سے لی گئی ہو تو پھر کثرت عوام کو کسی مسئلہ کی صحت پر دلیل لانا بچوں کو پھسلانا اور عوام کو خوش کرنا ہے وگرہیچ۔

فاضل روزبہان کتاب ابطال الباطل میں جہاں حدیث لایزال طائفۃ من اُمتی منصورین لا یضرھم من خذلھم حتی تقوم الساعۃ کا ذکر کیا ہے لکھتے ہیں فحاصل الحدیث لایزال طائفۃ قلیلۃ من النبی منصورین بالحجۃ والبرھان۔

پس معلوم ہوا کہ وہ گروہ جو ہمیشہ غالب رہے گا وہ وہی قلیل آدمیوں کا گروہ ہے جو کہ اپنی حجت شرعی سے اوروں پر غالب ہوگا اور کوئی اُس کو مغلوب نہ کر سکیگا اور یہ گروہ وہی ہے جو کہ تابع کتاب و سنت ہے کہ نہ اُس کے سامنے رسم و رواج کی سند پیش جاتی ہے نہ بدعتیوں کی پوچ اور بیہودہ دلیلیں چل سکتی ہیں نہ علماء دنیا طلب کی چکنی چپڑی باتوں کی دھنیت اثر کرتی ہے نہ قوموں کی کثرت اور عوام کی جمعیت اور تبعیت اُسکو رد کر سکتی ہے۔ خدا کی کتاب اور رسولؐ کی حدیث کے سامنے سب کو مغلوبیت ہو جاتی ہے۔ دیکھنا چاہیئے کہ اس کا مصداق کون ہے۔ وہ فرقہ جو تقلید کرتا ہے یا وہ فرقہ جو تقلید کا تارک ہے دونوں کی دلیلوں کو دیکھو اور پھر خدا کی کتاب رسولؐ کی احادیث سے ملاؤ اور تعصب کی آنکھ تھوڑی دیر بند کر کے انصاف کرو۔

صحیح بخاری کی کتاب الاعتصام بالسنۃ میں لکھا ہے کہ لاتزال طائفۃ من امتی ظاھرین علی الحق اور ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ ھم اصحاب الحدیث کہ وہ لوگ

اصحاب حدیث ہیں۔

تفسیر نیشاپوری میں لکھا ہے کہ اگر مراد اس طائفہ سے اہل حدیث نہ ہو تو میں نہیں جانتا کہ پھر کون لوگ اس سے مراد ہوں گے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں احیاء العلوم میں ومنہا ان یکون شدید التوقی من محدثات الامور وان اتفق علیہ الجمہور فلا یغرنہ اطباق الخلق علی ما احدث بعد الصحابۃ

غرض کہ کثرت اقوال پر مغرور ہونا یا کثرت اشخاص پر فریفتہ ہونا نہایت ہی نادانی اور خلاف حکم شریعت ہے۔ ہم مسلمانوں کو بابت اسلام کے امور دین میں صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ کتاب سنت سے کیا ثابت ہوتا ہے نہ اور کچھ اور اسکو چھوڑ کر لوگوں کے اقوال پر نظر کرنا اور خدا کے کلام و رسول کے قول کو اور بندوں کی باتوں سے جانچنا اور اصل کو فرع پر عرض کرنا شان اسلام سے بعید ہے۔

اگر کوئی مشرک یا اہل کتاب سن پاوے کہ مسلمانوں نے اپنے دین میں سوائے کتاب و سنت کے اور لوگوں کی باتوں پر چلنا جائز رکھا ہے تو وہ اسلام کی بربادی کی نہایت عمدہ فال سمجھے اور اگر یہ خبر پاوے کہ انہوں نے اس امر کو واجب سمجھ لیا ہے اور اس کے خلاف سمجھنے والے کو بدعتی یا فاسق یا دشمن اسلام کہتے ہیں تب تو مارے خوشی کے مرہی جاوے اور اسلام کے خاتمہ پر شادیانے خوشی کے بجاوے اس لیئے کہ اگر خوبی اسلام کی اسکی نظروں میں ہوتی تو اسی سے ہوتی کہ اسلام کے بانی نے کامل توحید کو جاری کیا اور ساری قسم کے شرک کو خفی ہو یا جلی باطل کردیا اور تمام رسموں و بنائی ہوئی باتوں کو توڑ دیا اور ادیان سابقہ کی تحریف کرنے والوں کی تحریفات کو واجب الترک والانکار بتلایا۔ پس جبکہ اسی مذہب کے لوگ توحید سے پھر گئے اور مشرک فی صفۃ النبوۃ ہو گئے اور رسموں کی پابندی اور اپنے بھائی بندوں کی باتوں پر نہ قانع بلکہ متمسک ہو گئے اور اپنے خدا کے کلام پر عمل کرنے کے لیئے لوگوں کے فتووں پر نظر کرنے لگے اور اپنے رسول کے قول پر چلنے کے لیئے عالموں کے حکم کے پابند ہو گئے کہ جب تک ان کے مولوی نہ کہدیں وہ نہ خدا کی کتاب پر عمل کرسکتے ہیں نہ رسول کی حدیث پر تو پھر ایسے ہی پر اسلام کی جو کچھ وہ خوشی کریں وہ حق بجانب ہے اور جب وہ اس بات سے واقف ہوں

کہ یہ قول اور عمل صرف عوام ہی کا نہیں ہے کہ وہ بمجبوری اُس کے قایل اور اُسپر عامل ہوئے ہوں بلکہ اچھے اچھے پڑھے لکھوں کا جن کا علامہ اور حضرت اور قبلہ اور کعبہ کے سوا کوئی نام نہیں لیتا یہی عقیدہ ہوگیا ہے اور گروہ کا گروہ اُسپر قایل ہو رہا ہے اور دین اسلام کا مدار ہی اُسپر آگیا ہے تو معلوم نہیں کہ اس شکرانہ میں مشرک اپنے بتوں پر کیا کچھ چڑھاویں اور نصاریٰ اپنے حضرت مسیح کی کیا کچھ اپنے حال پر عنایت سمجھیں ؎

مقلد ؎ خیر یہ زبان درازی چھوڑیے اور دوسرے دعویٰ کو اپنے ثابت کیجئے۔ جو آپنے کہا ہے کہ جس طرف بہت لوگ ہوں اُس سے مخالفت کرنا اجماع کی مخالفت نہیں ہے ؎

غیر مقلد ؎ سنئیے۔ ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم بن غالب اُندلسی اپنی کتاب محلی کی کتاب الاشربہ میں بہ نسبت دعویٰ اجماع کے لکھتا ہے۔ هذا ای دعوی الاجماع قول في غاية الفساد لانه يبطل عليهم جمهور اقوالهم و يلزمهم ان لا يلزموا زكوة الاحيث اوجبها الاجماع ولا فريضة حج او صلوة الاحيث صح الاجماع على وجوبها ولا سوء الزنا الاحيث جمعت الامة انه زناء ومن الزم هذا المذهب خرج عن دين الاسلام بلا شك بوجهين احدهما انه مذهب مفتري لم يامر الله تعالى قط بان لا نتبع الا الاجماع ولا قال تعالى به قط ولا رسوله به وانما امر الله عز وجل باتباع القرآن وسنة النبي واولى الامر باتباع الاجماع ولم يامر الله تعالى قط بان لا نتبع الا الاجماع ولا قال تعالى قط ولا رسوله لا تاخذوا فيما اختلف فيه الاما اجمع عليه ومن ادعى فقد افترى على الله الكذب فاني بدين ممنع مبتدع وبالضلال المبين انما قال تعالى اتبعوا ما انزل اليكم من ربكم وقال تعالى وما اتكم الرسول فخذوه وما نهكم عنه فانتهوا وقال تعالى فان تنازعتم في شيء فردوه الى الاجماع فمن ترد ما نوزع فيه الى الاجماع لا الى نص القرآن والسنة فقد عصى الله تعالى ورسوله تنزع من الذين ما لم ياذن به الله تعالى واما نحن فنتبع الاجماع فيما صح انهم اجمعوا عليه ولا يخالفه اصلا ونرد ما نوزع

فيه الى القرآن والسنة فناخذ ما فيها وان لم يجمع على الاخذ به وبهذا امر الله تعالى ورسوله وعليه اجمع اهل اسلام وما نعلم احدا قط قال لا الزام في شيئ من الدين الا ما اجمع الناس عليه فقد صاروا بهذا الاصل متخالفين الاجماع بلا شك والوجه الثاني انه مذهب يقتضي ان لا يلقب الى القرآن والسنن اذا وجد الاختلاف في شيئ من احكامها وليس من هذا امن دين الاسلام في شيئ مع انه في اكثر الامر كذب على انه قول بلا علم و ايضا فانهم لا يلزمون هذا الاصل الفاسد الا في مسائل قليلة جدا وهو يبطال ساير مذاهبهم بعياد عليهم وبالله التوفيق - کہ اجماع کا دعویٰ کرنا ایک ایسا قول ہے جس کا فساد ظاہر ہے اس لیئے کہ اس سے سارے اقوال باطل ہوتے ہیں اور ایسے دعویٰ کرنے والوں پر لازم آتا ہے کہ وہ نہ زکوٰۃ کو واجب جانیں نہ حج ونماز کی فرضیت کے قایل ہوں اور نہ زنا کی برائی پر اعتقاد رکھیں مگر اسی وجہ سے کہ اُسپر اجماع ہے اور جو ایسا کرے وہ دین اسلام سے خارج ہے دو وجہ سے اوّل یہ کہ یہ بنایا ہوا مذہب ہے نہ خدا نے یہ حکم دیا ہے کہ سوائے اجماع کے اَور کسی کا اتباع نہ کرنا اور نہ رسولؐ نے ایسا فرمایا ہے بلکہ خدا نے تو قرآن و سنت اور اولوالامر کے اتباع کا حکم دیا ہے یہ بھی خدا نے نہیں کہا کہ جب کسی امر میں اختلاف ہو تو وہی بات ماننا جسپر اجماع ہو۔ جو ایسا دعویٰ کرے وہ خدا پر تہمت کرتا ہے اور نیا دین بنانا چاہتا ہے اس لیئے کہ خدا نے صاف صاف کہدیا ہے کہ جو تمہارے رب نے بھیجا اُسکی اتباع کرو۔ اور پھر فرمادیا ہے کہ جو رسولؐ کہے اُسے لو اور جس سے منع کرے چھوڑ دو۔ اور نیز ارشاد فرماتا ہے کہ اگر کسی بات میں جھگڑا ہو تو خدا رسولؐ سے رجوع کرو اس لیئے ہم اُس امر میں اجماع کا اتباع کرتے ہیں جس میں ہمکو ثابت ہو کہ سب اُسپر متفق ہیں اور اُن کا اجماع کتاب و سنت کے مخالف نہیں ہے۔ اور اگر آپس میں اختلاف ہو تو ہم قرآن وحدیث پر رجوع کرتے ہیں جس کو اُس کے مطابق پاتے ہیں اُسپر عمل کرتے ہیں گو اُسپر اجماع نہ ہو۔ اور بس یہی وہ طریقہ ہے جس کا حکم خدا اور رسولؐ نے دیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اجماع کے دعویٰ سے ثابت ہوتا ہے کہ حالت اختلاف میں ہمکو قرآن وحدیث پر رجوع کرنا نہ چاہیئے بلکہ اجماع پر کہ بہتوں کی رائے کیا ہے تو حقیقت میں یہ بات دین

اسلام کی نہیں ہے"

مقلد :- سبحان اللہ آپ بڑے محقق کا کلام اپنے دعویٰ کی دلیل میں لائے ابن حزم تو بدعتی تھا اور اسکو فقہار نے نکال دیا تھا کہ وہ جنگل میں مر گیا"

غیر مقلد :- یہ سچ ہے کہ فقہا نے بدعتی کہکر نکال دیا تھا مگر اسی قصور میں کہ اُسنے فقہا کے اقوال کو بالائے طاق رکھکر خدا کی کتاب اور رسول کی احادیث پر رجوع کی تھی لیکن شکر ہے کہ اُس کے کلام کی تصدیق اور علمائنے بھی کی ہے چنانچہ حجۃ البالغہ میں شاہ ولی اللہ صاحب نے اجماع کی نسبت ایسا ہی کچھ کہا ہے اور ابن حزم کے قول حرمت تقلید کو باطل نہیں گردانا بلکہ اُسکو اور پورا کر دیا ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ یہ قول ابن حزم کا کہ تقلید حرام ہے اور کسی کو حلال نہیں ہے کہ سوائے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر دلیل کے اور کسی کے قول کو لے اس لیے کہ چند آیتوں میں اللہ جلشانہ نے اپنے ہی اور اپنے رسول ہی کی تبعیت کا حکم کیا ہے اور تمام صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کا اول سے آخر تک اسی پر اجماع ہے کہ ایک انسان کو اپنے جیسے دوسرے انسان کے سب قول کا لینا منع ہے۔ پس جو شخص سب اقوال کو امام ابو حنیفہ یا شافعی وغیرہ کے لیتا ہے اور خدا کی کتاب اور رسول کی سنت پر اعتماد نہیں کرتا وہ مخالف تینوں نیک زمانہ کے اجماع کا ہے اور جو ایسا ہو وہ اُس راہ پر چلتا ہے جو مسلمانوں کی نہیں ہے پس یہ قول ابن حزم کا بھی پورا نہیں بلکہ ناقص ہے مگر اُس شخص کے حق میں جو کہ طاقت اجتہاد کی رکھتا ہو اگرچہ ایک ہی مسئلہ میں ہو اور یا اُسکو صاف ثابت ہو جاوے کہ پیغمبر صاحب نے ایسا فرمایا ہے یا اس سے منع کیا ہے اور یہ بھی اُسکو معلوم ہو کہ یہ منسوخ نہیں ہے ایسی حالت میں حدیث سے مخالفت کرنے کا کوئی سبب بجز نفاق خفی یا حماقت جلی کے نہیں ہے"

مقلد :- یہ قول بھی اُس شخص کا ہے جسکو ہم غیر مقلد جانتے ہیں اور جس کے اقوال کو ہم نہیں مانتے وہ بھی تمہاری ہی طرح سے خلاف طریقہ اور علماء کے تقلید کا تارک تھا"

غیر مقلد :- وہ قطع نظر ان کے صدہا اقوال عدم وجوب تقلید پر ہمکو معلوم ہیں کہ بطور نمونہ کے چند اقوال ہم آپ کو سناتے ہیں۔

اوّل - قال الشیخ عزالدین عبدالسلام ومن العجب العجیب (صل قول ازالۃ الخفا میں منقول ہے) یعنی سب سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ فقہاءِ مقلدین اپنے امام کے قول کے ماخذ کے ضعیف ہونے سے واقف ہوجاتے ہیں اور کچھ جواب اُس کے ضعف کا نہیں رکھتے اور باوجود اپنے امام کے قول کی تقلید نہیں چھوڑتے بلکہ بسبب تقلید کے صریح حکم کتاب و سنت کو چھوڑ دیتے ہیں اور ظاہر کتاب و سنت کے ترک کرنے کے حیلے ڈھونڈتے ہیں اور تاویلات بعیدہ اور باطل قرآن و حدیث میں کرتے ہیں حالانکہ اگلے لوگوں کا یہ قاعدہ تھا کہ بغیر پابندی کسی مذہب کے جس عالم سے چاہتے مسئلہ پوچھ لیتے مگر جب سے کہ یہ مذہب ظاہر ہوئے اور مقلدین میں تعصب آیا تب سے یہ حال ہوگیا ہے کہ اپنے ہی امام کی تقلید کرتے ہیں اور کچھ دلیل و برہان کو نہیں دیکھتے اور اُسکو مثل نبی مرسل کے جانتے ہیں اور جو ایسا کرے وہ حق سے دور ہے -

دوسرے - قال الامام ابو شامہ ینبغی لمن اشتغل بالفقہ ان لا یقتصر علی مذھب امام ویعتقد فی کل مسئلۃ صحۃ ما کان اقرب الی دلالۃ الکتاب والسنۃ المحکمۃ یعنی امام ابو شامہ نے کہا ہے کہ اُس شخص کو جو فقہ میں مشغول ہو چاہیے کہ کسی ایک امام کے مذہب پر حصر نہ کرے بلکہ ہر مسئلہ میں اُس چیز کی صحت کا معتقد ہو جو قریب تر ہو کتاب و سنت سے -

تیسرے - عبدالوہاب شعرانی میزان میں لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے حرام علی من لم یعرف دلیلی ان یفتی بکلامی کہ حرام ہے اُس شخص پر جو میری دلیل کو نہ پہچانے یہ کہ فتویٰ دیوے میرے کلام پر اور شیخ تقی الدین نے ابن خزیمہ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ لیس لاحد مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم قول اذا صح الخبر عنہ کہ کسی کے قول کو کچھ اعتبار نہیں ہے بمقابل رسول کے قول کے جبکہ صحت حدیث کی ثابت ہوجاوے -

چوتھے - امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اذا صح الحدیث فھو مذھبی جو حدیث ثابت ہوجاوے وُہی میرا مذہب ہے -

پانچویں - دراسات اللبیب میں لکھا ہے وقد صح منہ ایضا انہ قال اترکوا قولی بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لانہ لم یدع ھو ولا احد غیرہ من المجتہدین

الاحاطة بكل قول صحيح من الرسول صلی اللہ علیہ وسلم في زمانه فضلا عما
بعد زمانہ یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ میرے قول کو چھوڑ دو جبکہ
قول رسول صلعم کا پاؤ اس لیئے کہ امام موصوف یا اور کسی مجتہد نے یہ دعوی نہیں کیا کہ
ساری حدیثیں ان تک پہنچ گئیں۔ اُن کے زمانہ میں چہ جائے کہ وہ حدیثیں جو بعد انکے
زمانے کے معلوم ہوئیں۔

چھٹے۔ امام شعرانی نے منہج میں لکھا ہے کہ امام شافعی رح فرماتے ہیں کل شيئ
خالف امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سقط ولا یقوم معہ حجۃ ولا قیاس
فان اللہ تعالی قد قطع العذر بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم فلیس لاحد معہ
حجۃ وقال ایضا اذا ثبت الخبر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یحل ترکہ
لشیئ ابدا۔ یعنی بمقابل قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کا کلام حجت نہیں ہے
اور بعد ثبوت حدیث کے ترک کرنا حدیث کا جائز نہیں ہے۔

ساتویں۔ امام شعرانی منہج میں امام شافعیؒ کے اقوال میں لکھتے ہیں کہ وہ فرماتے
ہیں انظروا في امر دینکم فان التقلید المحض مذموم وفیہ عمی للبصیرۃ
وکان کثیرا ما یذم التقلید ویقول قبیح علی من اعطی شمعۃ لیستضیئ بہا
ان یطفئہا ویمشی فی الظلام۔ کہ اپنے دین میں ہوشیار رہو تقلید محض پر قانع نہ ہو
اس لیئے کہ وہ بصیرت کو اندھا کر دیتی ہے اور نہایت بری ہے اور امام شافعی رح اکثر
تقلید کی برائی کرتے اور کہتے کہ نہایت قبیح ہے حال اُس شخص کا کہ جسکو خدا شمع روشن عطا
کرے تاکہ اُسکی روشنی پاوے اور وہ اُسے بجھا دے اور تاریکی میں چلے۔

آٹھویں کتاب الانوار القدسیہ میں لکھا ہے کہ ومن شان الفقیہ المحقق
ترک التعصب لامامہ اذا علم ضعف دلیلہ وعلم صحۃ دلیل مذهب الغیر
لان امامہ لم یقل لہ قلدنی في کل ما قلتہ لعلمہ بعدم العصمۃ من الخطأ
کہ شان فقیہ محقق کی یہ ہے کہ وہ تعصب اپنے امام کا چھوڑ دے جبکہ اُسکو اُسکی دلیل کا ضعف
معلوم ہو جاوے اس لیئے کہ اُس کے امام نے یہ نہیں کہا ہے کہ ہر بات میں جو میں کہتا
ہوں میری تقلید کرنا اس لیئے کہ وہ خود جانتے تھے کہ ہم خطا سے محفوظ نہیں ہیں۔

نویں شیخ محی الدین عربی فتوحات مکیہ کے باب ۳۶۸ معرفت نسخ شریعت میں

لکھتے ہیں ان الشیطان قد مکنہ اللہ تعالیٰ علی حضرۃ الخیال وجعل لہ سلطانا فیھا فاذا رای الفقیہ یمیل الی ھوی الخ - یعنی شیطان کو خدا نے خیال پر تسلط دیا ہے پس جب وہ دیکھتا ہے کہ کوئی فقیہہ خواہش کی طرف مائل ہے تو اُسکو بہکاتا ہے اور یہہ وسوسہ دیتا ہے کہ یہ روایت خدا کی طرف سے ہے اور یوں سمجھاتا ہے کہ پچھلے نیک لوگ بھی بسبب رائے کے خدا تک پہونچے ہیں اور احکام میں قیاس سے کام لیا ہے اور ایسی ایسی باتیں اُس فقیہہ کے دل میں ڈال کر اُس کی خواہشات پوری کرنے کے لیے اُسے ایک حیلہ شرعی بتلادیتا ہے پس وہ فقیہہ احادیث نبویہ کو بالائے طاق رکھدیتا ہے اور اُس کے عدم قبول پر یہ عذر کرتا ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی یا اگر صحیح ہے تو کوئی دوسری حدیث معارض اور ناسخ اُس کی نہ ہوتی تو ضرور امام شافعی رح اُسپر عمل کرتے یا امام ابوحنیفہ رح اُسپر عامل ہوتے - غرضکہ جو فقیہہ جس امام کا مقلد ہے وہ ترک حدیث پر ایسے ہی عذر اور حیلے کرتا ہے اور حدیث پر عمل کرنے والے کو گمراہ جانتا ہے اور جو کچھ اُن اماموں نے کہدیا اُس کی تقلید کو واجب جانتا ہے اگرچہ اُن کے اقوال احادیث کے معارض ہوں لیکن وہ کتاب سنت کو چھوڑ کر اپنے ہی اماموں کی طرف رجوع کرتا ہے پس اگر ہم اُس سے کہیں کہ امام شافعی رح صاف کہہ گئے ہیں کہ اگر کوئی حدیث تمکو مخالف میرے قول کے ملے تو میرے قول کو دیوار سے پھینکو اور حدیث پر عمل کرو اس لیئے کہ میرا مذہب وہی ہے جو حدیث سے ثابت ہو اور مثل اسی کے امام ابوحنیفہ رح نے فرمایا ہے اور یہ قول اُنہیں کے مقلدین سے ثابت ہے پس ایسی باتوں کو سُنکر مقلد چُپ ہو جاتے ہیں اور کچھ جواب معقول نہیں دے سکتے اور ایسے مباحثہ کا مجھے اکثر اتفاق ہوا - غرض کہ خواہشات نفسانی کے سبب سے شریعت محمدی کو فقہاء نے منسوخ کردیا کہ باوجودیکہ احادیث صحیح کتب صحاح میں موجود ہیں اور اُن کے راویوں کے نام بھی مذکور ہیں اور اُن کا جرح و تعدیل بھی منقول ہے اور اُن کی سندیں بلا تبدیل و تغیر کے بھی محفوظ ہیں لیکن باوجود ان سب باتوں کے مقلدین میں سے کوئی اُن پر عمل نہیں کرتا اور اپنے اگلوں کے فتووں ہی پر رجوع کرتے ہیں اور باوجود مخالفت اُن صحاح حدیث کے اپنے فقیہوں کے قول کو ترک نہیں کرتے تو کیا فرق ہے اُن احادیث کے ہونے اور نہ ہونے میں اس لیئے کہ جب اُن کا حکم ہی نہ رہا اور مقلدین کے نزدیک اُن پر رجوع کرنا جائز ہی نہ ٹھہرا تو اُن کے نزدیک

اُن احادیث کا وجود و عدم برابر ہے پس اس سے زیادہ نسخ شریعت کا اَور کیا ہوگا۔ انتہی

دسویں نقل عن المضمرات ان الخبر فی کونہ حجۃ فوق الاجتھاد فان خالفت الروایۃ الحدیث الصحیح ترکت فالعمل بالحدیث اولی من الروایۃ پس جو روایت مخالف حدیث کے ہو وہ چھوڑ دی جاوے گی۔

گیارھویں۔ امام شعرانی نے میزان میں لکھا ہے کہ فان قلت ما اصنع بالاحادیث التی صحت بعد موت امامی ولم یاخذ بھا فالجواب ینبغی لک ان تعمل بھا فان امامک لو ظفر بھا وصحت عندہ ربما کان امرک بھا فان الائمۃ اسری کلھم فی ید الشریعۃ ومن فعل ذالک فقد حاز الخیر بکلتی یدیہ یعنی اگر تو پوچھے کہ پھر میں کیا کروں بہ نسبت اُن حدیثوں کے جن کی صحت بعد موت میرے امام کے ثابت ہوئی اور میرے امام نے اُن کو نہیں پایا اس کا جواب یہ ہے کہ تجھے چاہیئے کہ تو اُس حدیث پر عمل کرے اس لیئے کہ اگر تیرے امام کو یہ حدیث مل جاتی تو ضرور وہ اُس پر عمل کرتے اس لیئے کہ سارے امام شریعت کے ہاتھ میں ہیں اور جو ایسا کرے وہ دونوں ہاتھ سے نیکی جمع کرے گا۔

بارھویں۔ شاہ ولی اللہ صاحب اپنی وصایا میں لکھتے ہیں۔ در فروع پیروی علماء محدثین کہ جامع باشند میان فقہ و حدیث کردن و دائما تعریفات فقہیہ بر کتاب و سنت عرض نمودن آنچہ موافق باشد در حیز قبول آوردن والا کالائے بد بریش خاوند دادن امت را ہیچ وقت از عرض مجتہدات بر کتاب و سنت استغنا حاصل نیست وسخن متقشفہ فقہا را کہ قول عالمے را دست آویز ساختہ تتبع سنت را ترک کردہ اند نہ شنیدن و بآں التفات نکردن وقرب خدا جستن بہ دوری ایناں۔

تیرھویں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں تفسیر میں حدیث من لم یعرف امام زمانہ کے کہ فالمراد من لم یعرف امام زمانہ من الکتب و لم یعرف نسخ الکتاب السابقۃ ولم یعرف ان کتب ائمۃ المذاھب لیست واجبۃ الاتباع کما یظنہ جملۃ المقلدین من کل مذھب مات میتۃ جاھلیۃ یعنی جو شخص نہ جانے کہ امام زمانہ کا قرآن مجید ہے اور نہ جانے اس امر کو کہ کتب سابقہ منسوخ ہوگئی

ہیں اور نہ جاننے اس بات کو کہ کتابیں مذہب کے اماموں کی واجب الاتباع نہیں ہیں جیسا کہ سب مقلدین اپنے اپنے مذہب کے اماموں کی کتابوں کی نسبت گمان کرتے ہیں تو اس نہ جاننے والے کی موت جاہلیت کی موت ہے۔

• چودھویں۔ صاحب لوامع الالہام نے مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب کے ایک اور قول کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ بدانکہ امام ابو حنیفہؒ گفتہ است کہ حلال نبود کسے را کہ بقول ما تمسک کنند تا آنکہ نہ داند ماخذ آں را از کتاب و سنت و اجماع امت و قیاس جلی و مجتہد گاہ خطا کند و گاہ بحق رسد چوں خطا او ظاہر گردد تقلید او در خطا حرام بود۔

پندرھویں۔ ابن امیر الحاج نے تحریر شرح تحریر میں لکھا ہے کہ اذا رای القول المخالف لمذھب امامہ دلیلاً صحیحاً من الحدیث ولم یجد فی مذھب امامہ جواباً قویاً عنہ ولا معارضاً راجحاً علیہ اذ المکلف مامور باتباع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما شرعہ فلا حرج لمنعہ من تقلید من قال بذلک من المجتہدین محافظۃ علی مذھب التزم تقلیدہ۔

سولھویں۔ صاحب دراسات اللبیب نے لکھا ہے کہ حنفی لونڑک مذھب امامہ بقول من سھل تتبع الرخصۃ لم یکن ملاماً۔ کہ اگر کوئی شخص اپنے امام کے مذہب کو ترک کر دے اس کے کہنے پر جو کہ سبب مباح ہونے کے کسی امر میں آسانی پاوے از روئے شریعت کے تو اس پر کچھ ملامت نہیں ہو سکتی۔

پس اس سے باطل ہوا وہ قول مقلدین کا کہ تقلید کے چھوڑنے سے آدمی آزاد ہو جاتا ہے اور بہت حرام چیزوں کو مباح سمجھتا ہے ایسے کہنے والوں نے درحقیقت شریعت محمدی کو مشکل کر رکھا ہے اور جو آسانی خدا نے ہمیں رکھی ہے اس پر عمل کرنے کو الحاد تصور کیا ہے لانکہ حضرت ابن عباس سے سنن ابو داؤد میں ایک حدیث منقول ہے کہ عن ابن عباس قال کان اھل الجاھلیۃ یاکلون اشیاء ویترکون اشیاء تقذراً فبعث اللہ تعالی نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم وانزل کتابہ واحل حلالہ وحرم حرامہ فما احل فھو حلال وما حرم فھو حرام وما سکت عنہ فھو عفو۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اہل جاہلیۃ بہت سی چیزیں کھاتے اور بہتوں کو ناپاک

سمجھکر چھوڑ دیتے کہ خدا نے اپنا نبی بھیجا اور اپنی کتاب نازل کی اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام بتلایا پس جس کو اُس نے حلال کر دیا وہ حلال ہے اور جس کو اُس نے حرام کر دیا وہ حرام ہے اور جس سے سکوت فرمایا وہ مباح ہے اور معاف۔

سترھویں۔ ابن امیر الحاج شرح تحریر میں لکھتے ہیں کہ فلو التزم مذھبا معینا کابی حنیفۃ والشافعی فقیل یلزم وقیل لا یلزم قال الشامح وھو الاصح لان التزامہ غیر ملتزم اذ لا واجب الا ما اوجبہ اللہ تعالیٰ و رسولہ ولم یوجب اللہ تعالیٰ و رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم علی احد من الناس ان یتمذھب بمذھب رجل من الامۃ فیقلدہ دینہ فی کل ما یاتی و ھذا غیرہ کہ ایک مذہب معین کا التزام کرنا واجب نہیں ہے اس لیے کہ واجب وہ ہے جس کو خدا اور رسول نے واجب کیا ہو۔ پس خدا نے نہ رسول نے بندوں پر یہ واجب کیا ہے کہ وہ مذہب کسی آدمی کا اُسکی اُمت میں سے اختیار کریں اور خدا کے دین میں کسی کی ایسی تقلید کریں کہ اُسی کی باتوں کو مانے اور دوسروں کو چھوڑ دے۔

اٹھارھویں۔ ابن عز نے حاشیہ ہدایہ میں لکھا ہے کہ من یتعصب لواحد معین غیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویری ان قولہ ھو الصواب الذی یجب اتباعہ دون الائمۃ الاخرین فھو ضال جاھل کہ جو شخص تعصب کرے کہ ایک ہی معین شخص کی تقلید لازم ہے وہ گمراہ جاہل ہے۔

اُنیسویں۔ صاحب دراسات نے لکھا ہے کہ العمل بدلیل مخالف للحدیث الصحیح حرام علی المقلد کالمجتھد۔ کہ عمل کرنا ایسی دلیل پر جو کہ مخالف ہو حدیث صحیح کے حرام ہے مقلد پر بھی مثل مجتہد کے۔

بیسویں۔ روی الخطیب باسنادہ ان الدراکی من الشافعیۃ کان یستفتی وربما یفتی بغیر مذھب الشافعی وابی حنیفۃ فقیل لہ ھذا مخالف قولیھما فیقول ویلکم حدث فلان عن فلان عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھکذا فالاخذ بالحدیث اولی من الاخذ بقولھما اذا خالفاہ۔ کہ دراکی فقہائے شافعی سے کبھی فتویٰ مخالف مذہب امام شافعیؒ اور امام ابی حنیفہؒ کے دیتے تو جب کوئی پوچھتا کہ یہ قول آپ کا مخالف اُن دونوں اماموں کے ہے تو وہ فرماتے کہ جب معلوم ہو گیا کہ

قول پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے تو بس اُس کا لینا چاہیئے نہ امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کے قولوں کا جبکہ اُس سے مخالف ہوں۔

اکیسویں۔ ابن حزم نے لکھا کہ اذا کان العامی یسوغ کیف لا یسوغ مع الاخذ بالحدیث فلو کانت سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یجوز العمل بھا وھذہ من ابطل الباطل وقد اقام اللہ تعالی الحجۃ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دون احاد الامۃ ولا یفرض احتمال خطاء لمن عمل بالحدیث وافتی بہ بعید فھم ان اضعاف مضاعفہ حاصل لمن افتی بتقلیدہ یعنی جبکہ عامی کو مفتی کے قول پر عمل کرنا جائز بلکہ واجب ٹھہرا باوجود احتمال مفتی کی خطا کے تو کیونکر اُسکو جائز نہ ہوگا عمل کرنا حدیث پر۔ پس اگر پیغمبر خدا ہی کی حدیث پر عمل کرنا جائز نہ ہو تو پھر کس پر عمل کرنا جائز ہوگا۔ حالانکہ خدا نے اپنی حجت صرف رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیا ہے نہ اور کسی آدمی کو اور یہ سمجھنا کہ عمل بالحدیث میں غلطی کا احتمال ہے باوجود اقرار اس امر کے کہ اُس سے دو چند چہار چند زیادہ غلطیاں مفتی کے قول میں ہوتی ہیں جن کی تقلید واجب سمجھی جاتی ہے بڑی نادانی ہے۔

بائیسویں۔ مولانا شاہ عبد العزیز صاحبؒ قرأت خلف امام کے استفتا کے جواب میں فرماتے ہیں کہ خواندن سورہ فاتحہ باقتدائے امام مقتدی را نزد ابو حنیفہؒ ممنوع و نزد محمد ہرگاہ کہ امام حنفی نخواند جائز بلکہ اولے و نزد شافعیؒ بدون خواندن فاتحہ عدم جواز صلوٰۃ و نزد فقیر ہم قول شافعی ارجح واولی چراکہ بملاحظہ حدیث صحیح لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب بطلان نماز ثابت میشود و قول ابو حنیفہ نیز جا بجا وارد است کہ جائیکہ مذہب صحیح وارد شود و قول من خلافش افتد قول مارا ترک باید نمود و بر حدیث عمل باید کرد الی قولہ لہذا لازم است کہ ضم فاتحہ مقتدی بہ تبعیت امام نیز کردہ باشد تا داخل تابعان مفسرین و محدثین خواہد شد و دریں معنی از ترک فاتحہ خلاف حدیث صحیح واقع خواہد شد و چہ عجب کہ صحت ایں حدیث بامام ابو حنیفہؒ نرسیدہ باشد ہرگاہ کہ الحال از صدہا و ہزارہا مردم علماء محققین مثل امام بخاری و صاحب مسلم و غیرہم رحمہم اللہ صحت ایں ثابت

شد از ترکش ملام و مطعون خواہد شد۔

تئیسویں۔ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب اپنی حالت رویا میں لکھتے ہیں کہ ناگاہ جناب حضرت امیر از جانب قبلہ نمایاں شدند الیٰ قولہ با فقیر ہمکلام شدند فقیر آں وقت را غنیمت دانستہ در چند چیز کہ در آں وقت در ذہن حاضر شدہ عرض نمود۔ جواب با صواب یافتہ الیٰ قولہ باز عرض نمود کہ از مذاہب فقہا کدام یک مختار و پسند جناب است۔ فرمودند کہ ہیچ پسند ما نیست یا بطور ما نیست افراط و تفریط بہ عمل آوردہ اند۔ یہ اقوال صرف بطور نمونہ کے ہمنے نقل کیئے اور مثل اس کے صدہا ہزارہا اقوال ہیں جن سے حدیث پر عمل کرنا واجب نکلتا ہے۔"

مقلد" آپ کی اس تقریر سے ثابت ہوا کہ حدیث کا ترک کرنا جائز نہیں ہے اور بمقابل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے کا قول لایق سند نہیں پس یہی ہم بھی کہتے ہیں اور ایسا ہی ہمارا عقیدہ ہے۔ ہم بھی امام کو نبی نہیں جانتے۔ اُن کو معصوم نہیں کہتے بلکہ ہمارا اول عقیدہ مجتہدین کی نسبت یہی ہے کہ المجتھد قد یخطی وقد یصیب کہ مجتہد خطا بھی کرتا ہے اور صواب بھی۔ مگر ہم خوب جانتے ہیں کہ ہمارے مجتہدین اور فقہا نے ہر ایک قول کو حدیث سے ثابت کیا ہے اور کسی ہیں مخالفت حدیث کی نہیں کی اور جو قول ظاہر میں مخالف حدیث کے معلوم ہوتے ہیں وہ درحقیقت مخالف نہیں ہیں بلکہ اَور احادیث صحیحہ سے اُن کا ثبوت ہوتا ہے اور امام ابوحنیفہ رح کے پاس صندوق کے صندوق حدیثوں کے تھے۔ پس ہم اسی واسطے انکی تقلید کرتے ہیں اور اُن کے اقوال کتاب وسنت سے ثابت ہیں اور مخالف حدیث کے نہیں ہیں۔"

غیر مقلد" بے شک آپ اپنی زبان سے امام کو نبی نہیں کہتے اور انکی معصومیت کا اقرار نہیں کرتے مگر جو برتاؤ تمہارا اُن کے ساتھ ہے اُس سے بخوبی ثابت ہوا ہے کہ تم اُن کو معصوم جانتے ہو ورنہ خیال کرو کہ یہ تمہارا کہنا کہ اُن کا کوئی قول حدیث سے معارض نہیں اور بعد اُن کے بھی کوئی حدیث صحیح نہیں ملتی اس سے کسی مسئلہ میں اُن کا اجتہاد قابل ترک کے ہو یہ کیا ایسا قول ہے کہ جس کی غلطی ثابت کرنے کے لئے

کسی دلیل کی حاجت ہو اگر چاروں امام کے سب قوال موافق حدیث کے ہوتے تو کیوں آپسمیں اختلاف ہوتا۔ پس یہ اختلاف ہی عمدہ دلیل تمہارے قول کی غلطی کی ہے۔ لہ

مقلد :- تو معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک اماموں نے اپنی اپنی رائے سے کام لیا اور خلاف حدیث کے مسئلے اپنے ذہن سے تراش کر بنا لیئے اور جو ایسا کرے وہ دشمن اسلام کا ہے تو یہ چاروں امام آپکے عقیدے کے موافق دشمن اسلام کے ٹھہرے۔ ونعوذ باللہ منہ۔

غیر مقلد - ہمارا یہ قول اور عقیدہ اُن پاک اماموں کی نسبت نہیں ہے بلکہ ہم تو اُن کو اس درجہ سے بھی بڑھا ہوا جانتے ہیں جس درجہ کا تم اُن کو سمجھتے ہو اور ہم اُن کی پاکی اور نیکی کے معتقد ہیں اور اُن کا ایک بڑا احسان اپنے اوپر جانتے ہیں کہ اُن کی مساعی جمیلہ سے راہ شریعت کی کشادہ ہوئی۔ خدائے تعالیٰ اُن کے نیک کاموں کا نیک بدلا دے مگر یہ سمجھتے ہیں کہ جہاں تک اُن کو احادیث پہنچیں اسپر اُنہوں نے عمل کیا۔ اور جن مسائل میں اُن کو حدیث نہ ملی وہاں اجتہاد کیا اور جہاں تک اُن سے بہ نیک نیتی ہو سکا اپنے آپ کو غلطی سے بچایا۔ مگر وہ معصوم نہ تھے کہ اُن سے غلطی نہ ہوتی علاوہ بریں پیچھے کر کے حدیث مل گئی سو اگر وہ زندہ رہتے تو ضرور اُس مسئلہ میں اپنے اجتہاد کو ترک کر دیتے اور اسی لیئے وہ ہمیشہ کہتے رہے کہ حدیث کے ملنے کے بعد ہمارے قول کو نہ ماننا اگر وہ امام اپنی رائے کو دخل دیتے اور تم لوگوں کی طرح حدیث پاکر اور اُسکی صحت پر مطلع ہو کر چھوڑ دیتے تو بے شک اُن کی پاکی پر اعتراض ہوتا۔ حقیقت میں تم اُن کے مقلد نہیں ہو۔ ہم اُن کے مقلد ہیں کہ اُن کے قول پر چلتے ہیں کہ وہ صاف فرما گئے ہیں کہ حدیث پر عمل کرو اور کسی کے قول کو نہ دیکھو۔ لیکن بعد اُن کے جو اور لوگ ہوئے اور جنہوں نے تقلید میں تعصب کو دخل دیا اُن کو بے شک ہم اچھا نہیں جانتے اور انکی باتوں پر نہیں چلتے گو تمہارے نزدیک وہ محقق ہوں یا علامہ۔ علاوہ اس کے آپ تقلید صرف آئمہ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی کی نہیں کرتے بلکہ اُن کے مقلدین کی تقلید کرتے ہو

لہ یہاں اس جواب کو ہم نے مختصر کر دیا اس لیئے کہ اس مضمون کے تتمہ میں ہم نے نہایت تفصیل کے ساتھ جواب اس امر کا دیا ہے اور بہت سی روایات فقہیہ کی مخالفت حدیث سے ثابت کی ہے۔ ۱۲

اس لیئے کہ جتنے مسئلے اور احکام فقہ کی کتابوں اور فتاووں میں لکھے ہوئے ہیں یہ بھی تو سب انہیں اماموں کے نکالے ہوئے ہیں بلکہ اُن کے بعد اور عالموں اور فقیہوں نے اُن کے اصول پر نکالے ہیں اور تم سب کو مثل مسائل نکالے ہوئے اماموں کے مانتے ہو اس وجہ سے کہ وہ اُن کے اصول کے پابند ہیں پس اگر تم صرف انہیں اماموں کے نکالے ہوئے مسئلوں کی تقلید کرتے تب بھی خیر بلحاظ اُن کی بزرگی اور پاکی کے تم کو نامناسب نہ ہوتا مگر جبکہ سارے مسئلے اُن کے نکالے ہوئے نہیں ہیں تو تعجب ہے کہ اُنکے اصول کی پابندی سے جو مسئلے پچھلے عالموں نے نکالے ہوں اور جن میں اُنھوں نے غلطیاں بھی کی ہوں بلکہ خود اپنے اماموں کے اقوال سے بعضے حالات میں بوجہ نافہمی وغیرہ کے مخالفت کی ہو اور اُن کے بعضے فتوے اور مسئلے اماموں کے اصول کے مطابق ہی نہ رہے ہوں مگر بایں ہمہ اُن کو تم مانو اور جو کتاب و سنت کو اصول سمجھکر اُس کی پابندی سے مسئلے نکالے اور واسطہ در واسطہ کو چھوڑ کر اصل ماخذ سے شرع کے احکام لے اُسکو تم بُرا جانو حقیقت میں یہ ایک نہایت تعجب کی بات ہے۔"

مقلد۔ کیا ہمارے پچھلے علما نے دیدہ و دانستہ حدیث کی مخالفت کی ہے"؟

غیر مقلد۔ میں کیونکر اپنی زبان سے کہوں مگر میں تمہارے ہی فقہا کے اقوال کو تمثیلاً نقل کرتا ہوں سنو اور کان لگا کر سنو اور تقلید کے نتیجوں پر افسوس کرو ملا علی قاری[2] اپنے رسالہ میں جو اشارہ کی نسبت لکھا ہے فرماتے ہیں سفا لجاھل بالاخبار النبویۃ والآثار المصطفویہ الخ[1] - کہ جو شخص اخبار نبوی و آثار مصطفوی کو نہیں جانتا جب اُس نے دیکھا کہ بعض تو بسبب مسنون ہونے کے اشارہ تشہد میں کرتے ہیں اور بعض بجہل یا

---

[1] رسالہ کے حاشیہ پر یہ اصل عبارت لکھی ہوئی ہے جو چاہے دیکھ لے۔ ہم نے بسبب طول کے چھوڑ دی ہے اور فقط ترجمہ پر قناعت کی۔ ۱۲

[2] مولانا شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی نے بھی اشارہ کے جائز ہونے بلکہ مسنون ہونے کی نسبت بہت کچھ فرمایا ہے چنانچہ ملمع الالہام میں اُن کے قول کو اسطرح نقل کیا ہے کہ "مجہل نسبت بعضے راست و نہ قولی آنکہ منع کردند آں را بقیاس بکتاب وسنت و قیاس و اجماع مخالف نص باطل باشد پس خطا کرد و تقلید او درخطا حرام بود الی قولہ فضل اشارت بسیار است مختصر دریں نگنجد وائے بر کسے کہ ازیں فضل محروم باشد"۔ ۱۲

کسل کے سبب نہیں کرتے تو یہ کہنے لگا کہ اس کا ترک کرنا اولی ہے بعد اُس کے دوسرا شخص
ہوا اور اُس نے یہ زیادہ کیا کہ اشارہ کرنا مکروہ ہے مگر کراہت سے مراد اُسکی کراہت تنزیہی
ہے۔ پھر تیسرا شخص ہوا اُس نے کہا کہ جو اگلے لوگ کہہ گئے ہیں کہ مکروہ ہے مراد مکروہ سے
مکروہ تحریمی ہے اس لیئے اُس نے فتویٰ دیا کہ اشارہ کرنا حرام ہے پس خیال کرو کہ بسبب
جہالت اور غفلت کے سنت مشہورہ امور منہیہ میں داخل ہوگئی اور فعل پیغمبر خدا
علیہ التحیۃ والثنا کا حرام ٹھہر گیا اور حرام کی تعریف یہی ہے کہ جس کی حرمت بدلیل قطعی
کتاب حدیث سے ثابت ہو اور یہ قاعدہ مقررہ سے ثابت ہے کہ مباح کا حرام کرنا حرام
ہے نہ کہ ایسی سنت کا جو حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو پس جو علامہ کیدانی نے اُسکی
حرمت کا فتویٰ دیا ہے اُسکی برائی پر یہی دلیل کافی ہے کہ اُس نے سارے اہل حدیث کی
اہانت کی اور بعد اس قول کے ملا علی قاری لکھتے ہیں ولولا حسن الظن بالکیدانی
وتاویل کلامہ بسببہ لکان کفرہ صریحا وارتدادہ صریحا فھل یحل لمومن
باللہ تعالی ان یحرم ما ثبت بفعلہ صلی اللہ علیہ وسلم ما کاد نقلہ ان یکون
متواترا۔ کہ اگر علامہ کیدانی کے ساتھ حسن ظن نہوتا اور اُس کے کلام کی تاویل نہوسکتی
تو اُس کے کفر وارتداد میں کچھ شک نہ تھا کیا جائز ہے خدا پر ایمان لانے والے کو کہ وہ
حرام کرے اُس چیز کو جس کا کرنا ثابت ہوا ہو پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے اور جسکی
نقل قریب متواتر کے ہو؟

پس جبکہ تقلید سے یہ نوبت پہنچ گئی ہو اور احادیث نبوی سے ایسے ایسے بڑے فقہا
کی بیخبری کا یہ حال ہو تو اُسی کو واجب جاننا اور عمل بالحدیث کو بدعت کہنا وہ دین مذہب
ہے جسکو کچھ بھی تعلق اسلام سے نہیں ہے۔

مقلد :- ایک دو شخصوں نے اگر ایسی غلطی کی تو اس سے الزام سب پر عائد نہیں ہوتا تقلید
کے فائدوں کو دیکھو اور جو تمامی مسائل کے معلوم کرنے کی فقہا نے پیدا کی ہے اُس پر

لہ بعضے علماء حنفیہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اشارہ کرنا نماز میں خلاف وقار و سکینہ کے ہے۔ مولانا شاہ
عبدالعزیز صاحب اُس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ہر گاہ فعل رسول کرا ہی خلاف وقار و سکینہ است خصوصا
در نماز باتفاق جمیع مومنین کافر گردد۔ ۱۲

انصاف کرو۔

غیر مقلد - آپ کو شاید اپنے مذہب کے علماء کے قولوں پر بھی اطلاع نہیں ہے حضرت یہی مسئلہ اشارہ کا ایسا ہے کہ جس پر صدہا عالموں نے مخالفت حدیث کی کی ہے اور صرف تقلید کے سبب سے اسکو مکروہ اور حرام کہا ہے اور اس بیچارہ ملا علی قاری کے رسالہ کا جواب لکھا ہے چنانچہ صاحب لوامع الالہام نے رسالہ اس کے رد میں لکھا ہے وہ ملا علی قاری کے اس قول کی نسبت لکھتے ہیں کہ "آنچہ علی قاری در جواز این فعل منہی اصرار نمودہ سخنہا گفتہ کہ کسے کم گفتہ باشد و ارادہ ابطال مسئلہ اجتہاد و تقلید کردہ و سر آئنہ این مخبر از فساد اعتقاد وے است" - پس معلوم ہوا کہ جو شخص ذرا بھی تقلید کو چھوڑے اور حدیث پر عمل کرے وہ فاسد الاعتقاد ہے - سبحان اللہ - عجیب دین و مذہب ہے کہ جس پر آدمی ایمان لایا ہو اُسکے قول کو ماننا اور اُسپر عمل کرنا دلیل فساد اعتقاد پر ہووے۔

چوبیس - تقلید کے فائدوں اور خوبیوں کو ہمارے علما کی کتابوں میں ملاحظہ کرو اور جو کچھ آپ اعتراض کرتے ہیں اُن سب کا جواب دیکھو خصوصاً شرح سفر السعادت و تفسیر احمدی وغیرہ کو مطالعہ کرو تب آپ کے سب شبہات دُور ہو جاویں۔

غیر مقلد - ہم نے سب کو دیکھا اور خوب غور کیا پس بعضوں کی تحریر میں تو اُن کی سادگی طبیعت کا اثر پایا اور بعضوں کی تقریر پر مقولہ الحب یستر العقل کا یاد آیا - اور کثروں کی باتوں کو تو صرف تعصب سے بھرا ہوا پایا مگر یہ ہم نہیں کہتے کہ سب علماء اور فقہا نے دیدہ و دانستہ حدیث کی مخالفت کی ہے یا معاذ اللہ وہ سب کے سب پابند ہوا و ہوس کے تھے بلکہ ہم اکثر علماء کو نیک اور پاک جانتے ہیں اور اُن کی نہایت دل سے تعظیم اور بندگی کرتے ہیں - لیکن اُن کی دو قسمیں ہیں - ایک تو وہ جنہوں نے اپنی نیکی اور پاکی کے ساتھ تحقیق کو بھی دخل دیا اور کتاب و سنت پر تمسک کر کے فقہا سے اختلاف کیا اور اجتہاد کو تقلید سے بہتر جانا - اور دوسرے وہ علما ہیں جنہوں نے باوجود نیکی اور پاکی کے صرف تقلید ہی کو اچھا جانا اور کتاب و سنت کو نہ سمجھ کر کہ واجب الاتباع نہیں ہیں بلکہ یہ خیال کر گئے جو کچھ اگلے لوگ لکھ گئے ہیں اور استخراج کر گئے ہیں وہ کافی ہے اور مطابق کتاب و سنت کے ہی اپنا متمسک نہ بنایا اور نہ تعصب سے بلکہ نیکی اور محبت اور علمیت سے تقلید ہی کو اچھا جانا - پس ان دونوں علماء کی نسبت ہم نہ اپنے دل میں کچھ بُرا خیال کرتے ہیں نہ اُن کی شان میں ہم کچھ کہتے

ہیں بلکہ ہم اُن کو تم سے بھی بڑھکر نیک اور پاک جانتے ہیں ۔ مگر ایسے علماء کو چھوڑ کر بہت سے
علماء ایسے ہوئے ہیں جنہوں نے تعصب ہی کو دخل دیا اور اپنے علم و فضل کے کھلانے
اور اپنی بات کی پیروی کرنے میں دیدہ و دانستہ حق کو چھوڑا ۔ اور نہ صرف نیکی سے
اور نہ فقط محبت سے اور نہ محض مصلحت کے خیال سے بلکہ اپنی نفسانیت سے کھلی ہوئی
حدیثوں کو پس پُشت ڈالا اور تاویلات بعیدہ سے اُن پر خط نسخ کھینچا اور پوچ لیلیوں سے
اپنے اقوال کو ثابت کیا ۔ ایسے علماء کے اگر حالات اور مثالیں اور نام لکھے جاویں تو ایک
دفتر کا دفتر ہو جاوے[۱] لیکن یہ کچھ ضرور نہیں ہے کہ جو آدمی نیک اور اچھا ہو اُسکی سب باتیں
واجب التسلیم ہوں ۔ اس لیئے ہم نے مانا کہ بعضے عالم نیک اور بزرگ "تقلید کو اچھا جانتے تھے
یا فرض کیا کہ وہ اُسے واجب سمجھتے تھے مگر ہمارا اس قول کو اُن کے غلط جاننا اور اُنکی
اس رائے کو نادرست سمجھنا اُن کی بزرگی پر الزام لگانا نہیں ہے ۔ یہی غلطی آپکی سمجھ کی ہے
اور اسی سے سب کچھ مغالطہ ہوتا ہے کہ جو آدمی نیک اور بزرگ ہے اُسکی سب باتیں ماننے
کے لائق ہیں حالانکہ یہ حق کسی کا نہیں ہے سوائے اس کے جو معصوم ہو اور جسکی نسبت اللہ جل شانہٗ
نے فرمایا ہے کہ وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی ۔"

مقلد :۔ نہایت تعجب کی بات ہے کہ آپ علما اور فقہا کے اقوال ماننے کو بُرا سمجھتے ہیں اور
اُن کی باتوں کو خلاف حدیث کے جانتے ہیں آخر علماء کی باتوں کو تو ہم اسی لیئے مانتے ہیں کہ
وہ خدا اور رسول کی باتوں کو سمجھتے ہیں اور اُس سے واقف ہیں اس وجہ سے ہم اُن کی باتوں کو
مانتے ہیں کہ وہ دیدہ و دانستہ خدا و رسول کے مخالف باتیں کرتے ہیں اور خدا کی اور اُس کے
رسول کی باتوں کو سوائے علماء کے کون سمجھ سکتا ہے پس جس پر بہت سے علما فقہا جمع
ہوں اُسی کو ہم خدا اور رسول کے حکم کے موافق سمجھتے ہیں اس لیئے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمادیا ہے کہ لا یجتمع امتی علی الضلالۃ کہ میری اُمت ضلالت پر جمع نہ ہوگی اور
چونکہ آپ علماء فقہا کے دشمن ہیں اس لیئے ہم آپ کی باتوں کو خلاف خدا اور رسول کے سمجھتے
ہیں اور علماء کی دشمنی کو ہم نشانی ضلالت کی سمجھتے ہیں ۔"

غیر مقلد :۔ ہم اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہم تمام اُن لوگوں کو جو کہ علماء اور فقہاء

[۱] دیکھو احیاء العلوم کی کتاب علم اور کتاب غرور کہ ایسے علما کی نسبت کیا لکھا ہے ۔ ۱۲

کہلائے جاتے ہیں اور جن کے علم اور مولویت کے آپ معتقد ہیں اپنا پیر و مرشد نہیں جانتے اور اُن کی سب باتوں کو نہیں مانتے مگر یہ غلط ہے کہ ہم علما فقہا سے عداوت رکھتے ہیں اور اُن میں کچھ تمیز نہیں کرتے اور سب کو بُرا سمجھتے ہیں یا اُن کے سارے قولوں کو غلط جانتے ہیں اس لیئے ہم چند باتیں آپ سے بیان کرتے ہیں جس سے آپ کے یہ سارے شبہات دور ہو جاویں سب سے پہلے اس امر کو سوچنا چاہیئے کہ علمائے سے محبت اور عداوت کی کیا وجہ ہے اور اُن کے قولوں کا ماننا نہ ماننا کس اصول پر مبنی ہے پس اُن کے ساتھ محبت اور عداوت کی وجہ صرف یہی ہے کہ ہم جس معصوم پر ایمان لائے اور جس صاحب شریعت کے دین میں داخل ہوئے اُس سے ہمکو دینی محبت رکھنا فرض اور ایک امر ضروری ہے پس جو شخص ہمکو ہمارے اُس محبوب تک پہنچا دے اور اُسکی باتیں ہمکو سکھلا دے اُس سے لامحالہ ہمکو محبت ہو گی اور رسُول کا رسول سمجھکر ہم اُس کے ساتھ خواہ مخواہ محبت رکھینگے - پس جن عالموں کو ہم جانتے ہیں کہ وہ نیک اور پاک تھے یا ہیں اور سچی راہ ہمارے رسُول کی ہمکو اور ساری اُمت کو بتلاتے تھے اور بتلاتے ہیں اور جن کی ذات سے دین کو بہت سا فائدہ ہوا اُن سے ہم محبت رکھتے ہیں اور اپنی ساری جان اور دل سے اُن کی تعظیم کرتے ہیں اس لیئے کہ علت محبت کی اُن میں موجود ہے - اسطرح پر جن مولویوں کو ہم جانتے ہیں کہ وہ متعصب اور جاہل تھے اور جن کے تعصب اور جہالت سے دین کو نقصان پہنچا اور جنہوں نے اپنی نفسانیت اور دنیا طلبی یا حماقت اور نادانی سے وہ طریقہ جاری کیا جس سے ہم اپنے محبوب تک نہ پہنچ سکیں اور بیچ ہی میں بھٹکتے رہجاویں تو ضرور ہم اُن سے عداوت رکھتے ہیں اس لیئے کہ وجہ محبت کی اُن کی ذات سے مفقود اور علت عداوت کی موجود ہے پس فقط عالم ہونا یا فقیہہ ہو جانا کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ نیک اور پاک اور متقی اور مصداق لایخافون لومة لائم ہونا بھی ضرور ہے پس اگر ہم اُن لوگوں کے ساتھ محبت رکھیں جو کہ رسم و رواج کے پابند تھے یا جن کے دل کو تعصب نے سیاہ کر دیا تھا یا جن کی آنکھوں پر پردہ جہالت کا پڑ گیا تھا اور جنہوں نے دیدہ و دانستہ اُمت کو اُس کے پیغمبر سے چھوڑانا چاہا اور اپنی پوچ و بیہودہ باتوں سے لوگوں کو بہکایا دشمن سمجھتے ہیں یہ دوستی رکھنا اسلام کے ساتھ دشمنی کرنا ہے - اگر ہم علما اور فقہا کے دشمن ہوتے تو ضرور چاروں امام اور اُن کے خاص تلامذہ کے دشمن ہوتے حالانکہ ہم اُن کو وارث انبیا

سمجھتے ہیں اور علماء ربانی جانتے ہیں اور اپنے سارے دل و جان سے اُن کی تعظیم کرتے ہیں اور ان کا شکر ادا کرتے ہیں جیسا کہ اُن کے اُن تقلید کرنے والوں کو جنہوں نے حدیث پر عمل کرنے کو ناجائز کر دیا اور تقلید کو واجب و فرض ٹھہرا دیا برا اور متعصب جانتے ہیں ۔ باقی رہا یہ امر کہ جن علماء کو ہم بھی نیک اور پاک جانتے ہیں اُن کی سب باتوں کو کیوں نہیں مانتے اُس کا یہ سبب ہے کہ ہم اُن کو معصوم جانتے اور اُن کو صاحب الہام سمجھتے اور ہمارا یہ عقیدہ ہوتا کہ جبرئیل اُن پر نازل ہوتے تھے اور وہ فقہ اور احکام مسائل اُن کو بتلا جاتے تھے تو ضرور ہم اُن کے قول اور فعل ہی کو واجب العمل جانتے مگر جبکہ ہم کسی بڑے سے بڑے مجتہد اور نیک سے نیک عالم اور فقیہہ اور امام کے اجتہاد اور امامت پر اعتقاد رکھیں گے تو پہلا کلمہ طیب ہماری زبان سے یہ نکلے گا کہ المجتہد قد یخطی و قد یصیب تو پھر کیونکر ہم اُس کے برخلاف اُن کو معصوم جانیں گے اور معصوم سمجھنے پر اعتقاد رکھنے یا نہ رکھنے کا ثبوت نہ صرف زبانی کے اقرار و انکار سے ہوتا ہے بلکہ اُس برتاؤ سے جو ہم اُن کی باتوں کی نسبت کرتے ہیں پس جس نے اُن کی سب باتوں کو مانا اور باوجود غلطی کے یہ سمجھ کر کہ ضرور کچھ نہ کچھ سبب اُس کا ہوگا اُسی پر عمل کیا بلاشک اُس نے اُن کو معصوم جانا گو ہزار زبان سے انکار کرے اور جس نے اُنکی باتوں میں اُن باتوں کو نہ مانا جو کہ مخالف حدیث کے ہوئیں ۔ اُس نے اپنے دعویٰ کو پایہ ثبوت پر پہنچایا ۔

میں نہایت حیران ہوں کہ باوجودیکہ مقلدین کا دعویٰ تو یہ ہے کہ المجتہد قد یخطی و قد یصیب اور پھر عمل یہ ہے کہ امام کے اجتہاد کے برخلاف کرنا کسی کو جائز ہی نہیں ہے اور اُسی کی تقلید واجب ہے ۔

اب ہم اس امر پر غور کرتے ہیں کہ آئمہ اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے سچے پیرو ہم ہیں بلکہ اُن کے مقلدین ۔ تو ہم بخوبی اپنے سچے دل سے یقین کرتے ہیں کہ سچے پیرو انکے ہم ہیں نہ وہ لوگ جو کہ تقلید کا دعویٰ کرتے ہیں اس لئے کہ پیروی اُن کی وہ جھوٹی محبت نہیں ہے جس سے وہ اُس درجہ پر پہنچے ہوئے سمجھے جاویں جس کے وہ مستحق نہیں ہیں بلکہ اصلی پیروی اُن کی وہ ہے کہ جو کچھ اُنہوں نے کہا ہو اُس پر عمل کیا جاوے پس اگر کوئی شخص مسلمان ہو کر براہ محبت یہ عقیدہ رکھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا تھے ونعوذ باللہ من ذالک

تو اُس نے آنحضرت کو اُس درجہ سے بڑھا دیا جو کہ خدا نے حضرت کو عنایت فرمایا اس لیے کہ حضرت بندہ تھے نہ خدا اسی واسطے آپ نے کلمہ شہادت میں اپنی عبودیت کو داخل کر دیا اور صاف صاف فرما دیا کہ یوں سمجھو اور یوں کہو کہ محمد اً عبدہٗ و رسولہ جس نے اُسکے برخلاف کیا وہ دشمن آنحضرت ؐ کا ہے نہ پیرو۔ اسی طرح اگر کوئی شخص یہ سمجھے کہ ائمہ اربعہ معصوم تھے تو اُس نے اُن کو اُن کے درجہ سے بڑھا دیا اس لیے کہ وہ مجتہد تھے نہ معصوم اسیواسطے اُن اماموں نے صاف فرما دیا کہ ہم مجتہد ہیں نہ معصوم والمجتہد قد یخطی وقد یصیب پس باوجود اُن کے اس کہہ دینے کے جس نے اُس کے برخلاف اُن کے سب قولوں کو خطا اور غلطی سے محفوظ جانا وہ اُن کا دشمن ہے نہ پیرو۔

کوئی خوف آنحضرت کو اس سے زیادہ نہ رہتا تھا کہ لوگ خدا نہ سمجھنے لگیں اسی واسطے باربار فرماتے تھے کہ انا عبدہ و رسولہ وانما انا بشر مثلکم اور جب کوئی ایسی بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتا جس سے شرکت ساتھ خدا کے نکلتی اُسی وقت رنگ چہرہ کا متغیر ہو جاتا اور خفا ہو جاتے اور فرماتے کہ جعلتنی للہ ندا جعلتنی للہ ندا کہ خدا کا مجھے شریک بناتا ہے تاکہ ایسا نہو کہ خدا خفا ہو جاوے کہ تم میری خدائی اور توحید کو پھیلانے گئے تھے یا کہ اپنے آپ کو میرا شریک بنانے کو بعینہ ان چاروں اماموں کو بھی کوئی خوف اس سے زیادہ اپنے اجتہاد میں نہ تھا کہ ایسا نہو کہ لوگ اُن کو معصوم جاننے لگیں اور اُن کے قولوں کو مقابل احادیث کے واجب العمل جان کر حدیث کو چھوڑ دیں اسی واسطے باربار اُنکی پاک زبانوں سے یہی نکلتا رہا کہ المجتہد قد یخطی وقد یصیب چنانچہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ برابر یہی کہتے رہے کہ لاینبغی لمن لایعرف دلیلی ان یفتی بکلامی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا تا دم مرگ یہی قول رہا کہ اذا صح الحدیث فھو مذھبی۔ امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ چلا چلا کر یہ کہتے رہے کہ لا تقلدنی ولا تقلدن مالکا اور یہ خوف ان اماموں کا اسی وجہ سے تھا کہ ایسا نہ ہو کہ پیغمبر صاحب ہم سے خفا ہو جاویں کہ تم مجتہد اور امام میری شریعت کے مسائل بتلانے کے لیے ہوئے تھے یا کہ اُس کے باطل کرنے اور اپنے مذہب کے جاری کرنے کے لیے۔ تم عالم اور فقیہہ میری احادیث کے اوپر عمل کرانے کے لیے ہوئے تھے یا کہ اُسپر عمل کو حرام کرنے کے لیے پس اسی واسطے یہ بزرگ ڈرا کیے اور لوگوں کو سمجھاتے رہے مگر جس طرح پر کہ بعض لوگوں نے پیغمبروں کو باوجود اُن کی فہمایش کے خدا کا

شریک کردیا اسی طرح ان مقلدین متعصبین نے اماموں کو باوجود اُن کی تاکید اور ممانعت کے معصوم بنادیا پس اگر وہ فرقہ اپنے پیغمبر کی ایسی جھوٹی محبت سے قابل تعریف کے ہے تو ضرور مقلدین بھی لایق مدح وصفت کے ہیں ورنہ دشمنی کا نام دوستی اور مخالفت کا نام اطاعت رکھا ہے۔

پس جبکہ خاص چاروں امام رضوان اللہ تعالے علیہم اجمعین کے سب اقوال کو نہ ماننا اور اُس کی جانچ خدا اور رسول کے کلام سے کرنا دلیل ایمان اور توحید فی صفۃ النبوۃ کی ہو تو پھر اَور علمار کا کیا ذکر ہے اس لیئے مسلمان کا کام ہے کہ وہ خدا اور رسول کے کلام کو مقدم رکھے جس کے کلام کو اُسکے مطابق پاوے اُسے صحیح جانے ورنہ کالاے بدبریش خاوند اُس کو قبول نکرے یہ کام مسلمان کا نہیں ہے کہ اندھا بن جاوے اور اپنی آنکھوں کو قرآن وحدیث سے بند کرائے اور اپنے کانوں تک اُن کی آوازیں آنے دے بلکہ اَور لوگوں کے قولوں کو ڈھونڈتا پھرے کہ زید نے کیا کہا ہے۔عمرو نے کیا فرمایا ہے اور بغیر ملانے قرآن و حدیث کے بغیر جانچے اُس کے اُن کی باتوں کو مان لے اور نہ صرف ماننا بلکہ اُنکی سب باتوں پر ایسا یقین کرلے کہ اُسمیں غلطی کا احتمال ہی نہیں ہے اور باوجودیکہ خود بھی صحیح حدیث سے مخالفت اُن کے قول کی سمجھ لی مگر حدیث میں شبہ کرے لیکن اُن کے قول میں شبہ نکرے حدیث کو تو چھوڑ دے مگر اُن کی بات کو نہ چھوڑے پس اگر یہ شرک فی صفۃ النبوت نہیں ہے تو کیا ہے بلکہ میرے نزدیک تو شرک فی صفۃ النبوت سے بھی بڑھکر ہے اس لیئے کہ اگر نبی کو شریک اپنے امام کا رکھتے تو کبھی حدیث پر بھی عمل کرنا جائز سمجھتے حالانکہ منجملہ لاکھ مسئلوں کے ایک مسئلہ میں بھی مخالفت امام کی اور عمل حدیث پر جائز نہیں ہے اور باوجود اس عقیدہ اور ایسے برتاؤ کے کیا بھلا معلوم ہوتا ہے۔ جب مقلدین کی زبان سے یہ بات نکلتی ہے کہ ہم کیا اپنے امام کو معصوم جانتے ہیں معلوم نہیں کہ معصوم کے لفظ سے کیا معنی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مقلدین کا یہ کہنا کہ جو لوگ حدیث پر عمل کرتے ہیں وہ دشمن علمار اور فقہار کے ہیں صرف ایک دعوٰی اور مغالطہ ہے تاکہ عوام کو نفرت پیدا ہو اس لیئے کہ یہ تو وہ جانتے ہیں کہ علمار انبیار کے وارث ہوتے ہیں اور انہیں سے لوگ ہدایت پاتے ہیں تو جو لوگ اُن کے دشمن ہوں گے وہ ضرور دشمن اسلام کے ہونگے حالانکہ ہم تو اُن علمار کے

خاک پا ہیں جو کہ ورثۃ الانبیا ہیں اور اُن کی زیارت کو بھی عبادت جانتے ہیں مگر اُن لوگوں کو جو کہ نام کے مولوی اور عالم ہیں اور حقیقت میں دین کے خراب کرنے والے اُن کے ہم دشمن ہیں اور ہم کیا ہمارے آخری امام مہدی بھی اُن کے دشمن ہوں گے جیسا عارف باللہ شیخ محی الدین ابن عربی نے فتوحات مکیہ میں لکھا ہے کہ اذا خرج الامام المہدی علیہ السلام فلیس لہ عدو مبین الا الفقہاء خاصۃ فانہم لا یبقی لہم ریاسۃ ولا تمیز عن العامۃ بل لا یبقی لہم علم بحکم الا قلیلا ویرتفع الخلاف من العالم بوجود ھذا الامام ولولا ان السیف بیدہ لافتی الفقہاء بقتلہ و یعتقدون فیہ اذا حکم بغیر مذہبہم انہ علی الضلالۃ فی ذالک الحکم لانہم یعتقدون ان اھل الاجتہاد وزمانہ قد انقطع وما بقی مجتہد فی العالم وان اللہ سبحانہ لا یوجد بعد ائمتہم احدا لہ درجۃ الاجتہاد جس وقت امام مہدی علیہ السلام خروج کریں گے کوئی اُن کا ایسا کھلا ہوا دشمن نہ ہوگا جیسا کہ فقیہ اور مولوی ہوں گے اس لیئے کہ اُن کی ریاست جاتی رہیگی اور اُن میں اور عوام میں کچھ فرق و تمیز نہ رہیگی اور اُن کا حکم باقی نہ رہیگا اور اگر اِس امام کے پاس تلوار نہو وے تو ضرور اُس کے قتل کا فتویٰ فقہا دیدیں اور مرواڈالیں اور جب کبھی امام مہدی موافق اِن چاروں اماموں کے مذہب کے فتویٰ نہ دیں گے تو وہ فقہا سمجھیں گے کہ یہ گمراہ ہے اس لیئے کہ اُن کے نزدیک اہل اجتہاد باقی ہی نہیں رہا اور اُس کا زمانہ منقطع ہوگیا اور دنیا میں کوئی مجتہد پایا نہیں جاتا گویا اُن کے نزدیک خدا نے بعد اُن کے اماموں کے ایسے آدمی کا پیدا کرنا بند کردیا جس کو اجتہاد کا درجہ ہو۔

حقیقت میں مقلدین جس طرح پر ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء سمجھتے ہیں اپنے اپنے اماموں کو خاتم الائمہ جانتے ہیں اور جب امام مہدی سے امام کو ترک تقلید سے کافر اور گمراہ جانیں گے اور واجب القتل سمجھیں گے تو پھر ہم ایسے فرقہ سے کیا شکایت کریں اور اپنی نسبت گمراہی اور ضلالت کے فتویٰ سُن کر کیوں رنجیدہ ہوں حضرات کو اختیار ہے جو چاہیں سو کہیں دین کو خود برباد کریں اور کافر اور مستحق قتل ہمکو بتاویں کیا انصاف ہے ــ تو مشق ناز کو خون دو عالم میری گردن پر ؎

اب میں اُن شبہات کو جو علماء کی مخالفت کے سبب سے پیدا ہوتے ہیں صرف ایک محقق کے

قول کو نقل کرکے دور کرتا ہوں یعنی ابن قیم جس نے نہایت خوبی سے اس شبہ کو رفع کیا اور سارے خطرات کو دور کر دیا قال ابن قیم اذا جاءت ھذا الی الخ [1] یعنی جب کہ کسی مسلمان کے نفس مطمئنہ کو اس طرف رجحان ہوتا ہے کہ وہ خاص پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثنا کی خالص متابعت کرے تو نفس امارہ کی مزاحمت لوگوں کے قولوں اور رایوں سے اُس کے ارادہ کے ظہور کے لیئے ہوتی ہے پس نفس امارہ ایسے شبہات ڈالتا ہے جن سے کمال متابعت پیغمبر خدا کی آدمی نہ کر سکے وہ خدا کی قسم دلاتا ہے کہ میری غرض سوائے نیکی اور احسان اور توفیق خیر کے اَور کچھ نہیں ہے حالانکہ خدا خوب جانتا ہے کہ وہ جھوٹا ہے اور اصلی غرض اس کی یہ ہے کہ وہ اپنی خواہشات کو پورا کرے اور متابعت کے جیل خانہ سے نہ نکلنے دے اور نفس امارہ ایسے شخص کو دھوکہ دیتا ہے کہ خالص پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت کا قصد کرنا اور آنحضرت کے قول کو سب علما کی رایوں پر مقدم سمجھنا گویا سارے عالموں اور تمام فقیہوں کی شان میں نقص لگاتا ہے اور اُن کے ساتھ بے ادبی کرتا ہے کہ اُن میں سے کسی نے پیغمبر صاحب کے قول پر عمل نہ کیا اور سبھوں نے خودرائی کی اور یہ کیسی بدظنی ہے کہ سارے مولوی اور فاضل اور بڑے بڑے جو ہوئے وہ تو گنہگار رہے اور غلطی پر اور ہم ثواب ڈھونڈتے ہیں حالانکہ یہ قوت اور طاقت ہمکو کہاں ہے کہ ہم اُن بزرگوں کے قولوں کو رد کریں اور اُن کی غلطی اور خطا نکالیں پس ان باتوں کے خطرات دل میں ڈال کر نفس امارہ قسم کھاتا ہے کہ خدا شاہد ہے کہ میری اَور کچھ غرض سوائے احسان اور توفیق کے نہیں ہے کہ اسی دھوکہ میں بہت سے لوگ آجاتے ہیں پس ایسی باتوں کو نہ ماننا اور ایسے دھوکہ میں نہ آنا چاہیئے اولئک الذین یعلم اللہ ما فی قلوبھم فاعرض عنھم وعظھم وقل لھم فی انفسھم قولا بلیغا ـ اور خالص متابعت کرنا پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ ہے کہ جو کچھ آنحضرت لائے ہیں اُس کے سامنے نہ کسی قول کو دیکھے نہ کسی کی رائے پر لحاظ کرے کوئی کیوں نہو بلکہ اول صرف حدیث کی صحت کی تحقیق کرے پھر اگر اُسے صحت ہو جاوے تو اسکے معنی سمجھے جب معنی سمجھ لئے تو ہرگز اُس سے عدول نہ کرے گو تمام مشرق سے لیکر مغرب تک اُس سے مخالف

[1] ہم نے بسبب طول ہونے کے اصل عبارت کو نقل نہیں کیا صرف ترجمہ پر قناعت کی ہے اور اصل عبارت دراسات کے صفحہ ۲۴۲ میں منقول ہے ۔ ۱۲

ہوں اگرچہ ایسا کبھی ممکن نہیں ہے کہ نعوذ باللہ کوئی حدیث ایسی ہو کہ اُمت محمدی میں کوئی اُس کا قایل اور عامل نہو ہاں یہ ممکن ہے کہ ہر کسی کو معلوم نہ ہو کہ کون شخص اُس حدیث کا عامل ہوا ہے یا ہے پس نہ جاننا ایسے آدمی کا جو کہ اُس حدیث کا قایل ورا سپر عامل ہو خدا کے نزدیک اس شخص کے لیئے حجت نہیں ہو سکتی جو کہ حدیث کی صحت پر اطمینان کرکے اور اُس کے معنی سمجھکر حدیث کو چھوڑ دے اور اسپر عامل نہ ہو پس جب تو کسی نص کو پاسے تو تجھے چاہیئے کہ اُسپر عمل کر اور یہ سمجھ لے کہ ضرور کوئی نہ کوئی اور بھی اسکا قایل اور اُسپر عامل ہو گا تجھ کو اُسکی خبر نہیں ہوئی اور اِس سے تو اور علما کی محبت اور حفظ مراتب میں شبہ نکر اسلیئے کہ مجتہدین اور علما سے خطا بھی ہو جاتی ہے اور اُسمیں بھی اگر وہ بدنیتی ہی نکریں مستحق ایک اجر کے ہوتے ہیں لیکن اِس سے یہ لازم نہیں ہے کہ اُن کے غلط قول کی تبعیت کی جاوے اور صاحب شریعت کے کھلے احکام چھوڑ دیئے جاویں صرف یہ خیال کرکے کہ جن علما اور فقہا نے اس نص پر عمل نہیں کیا وہ ہم سے زیادہ عالم اور بزرگ تھے اور ہمکو اُن کا سا مرتبہ حاصل نہیں اس لیئے کہ جن لوگوں نے اُس نص پر عمل کیا ہے وہ بھی تجھ سے زیادہ عالم تھے تو تو نص پر عمل کرنے میں کیوں اُن سے موافقت نہیں کرتا اور یہ تو ممکن بھی نہیں ہے کہ کوئی نص موجود ہو اور کسی نے اُسپر عمل نہ کیا ہو بلکہ اس نص پر عمل کرنے والا کبھی تنہا نہو گا اور ضرور اُسکے ساتھ اور لوگ ہونگے پس جو آدمی علما اور فقہا کے قولوں کو قرآن و حدیث سے ملاوے اور اُس سے مطابق کرے اور جن کو مخالف نصوص کے پاوے اُس سے مخالفت کرے تو ایسی مخالفت کرنیوالیکی نسبت یہ شبہ کرنا کہ وہ اُن کا دشمن ہے یا کہ اُن کے حفظ مراتب پر خیال نہیں کرتا یا اُن کو بُرا جانتا ہے بڑی غلطی ہے اس لیئے کہ حقیقت میں اُن کے کلام کو خدا اور رسول کے کلام پر عرض کرنا اور جو مخالف اُس کے ہو اُسے نہ ماننا اصل پیروی اور اقتدا اُن عالموں کی ہے کیونکہ اُنہوں نے خود یہی کیا ہے اور ایسا ہی کرنے کو اوروں کو نصیحت کی ہے نکسی نے معصومیت کا دعویٰ کیا نہ اپنے قول کو نصوص پر مقدم سمجھا پس اِس سے ثابت ہوا کہ ان دونوں میں کیا فرق ہے ایک ایسی تقلید کرنا کسی کی کہ اُسکی سب باتیں ماننا اور اُسکے قول کو نہ خدا کے کلام سے جانچنا نہ رسول کی احادیث سے ملانا بلکہ ایک معصوم کے قول کے موافق اُسی کو قبول کر لینا دوسرے اُسکے علم اور فہم اور تفقہ سے استعانت کرنا اور جو چراغ علم کا اُس نے روشن کیا اُس سے نور لینا پس جو مقلد ہے اور اوّل قسم میں داخل وہ اُس

عالم کے قول کو بلا تامل قبول کرتا ہے نہ اُسمیں غور کرتا ہے نہ کتاب و سنت کی سند سے اُسکی صحت کی تحقیق کرتا ہے اور جو محقق ہے اور دوسری قسم میں داخل ہے وہ اُس عالم کے قول کو بمنزلہ دلیل کے سمجھتا ہے پس اگر پہلی دلیل اُسے مل گئی تو دوسرے استدلال کی کچھ حاجت نہیں جس طرح پر کہ ستارہ قبلہ پر دلیل ہے مگر جبکہ آدمی خود قبلہ کو دیکھ لے تو پھر ستارہ کی حاجت نہیں رہتی اسی طرح پر جب ہم نے کسی فقیہہ یا مجتہد کے قول کو سُنا تو ہمکو اُسپر عمل کرنے کی ابتدائی حجت کافی ہے مگر جب ہمکو کوئی حدیث صحیح اُس کے موافق ملجاوے تو اُس عالم یا فقیہہ کے قول پر ہمکو کامل اطمینان ہوگا اور سننے سے مرتبہ دیکھنے کا ہمکو حاصل ہوگا اور اگر اُس کا قول مطابق حدیث کے نہوا یا اس سبب سے کہ وہ حدیث اُسے نہ ملی یا اس وجہ سے کہ اُس نے اجتہاد میں غلطی کی تو ہمکو اُس کے چھوڑ دینے میں کچھ تامل نہوگا پس یہ اعتراض جو مقلدین کیا کرتے ہیں کہ جو لوگ تقلید کو واجب نہیں جانتے آخر وہ بھی فقہا اور علما ہی کے قولوں پر عمل کرتے ہیں باطل ہوا اس لیئے کہ واجب اور جائز میں بڑا فرق ہے پس ہمارا یہ قول نہیں ہے کہ علما فقہار کی باتوں کا ماننا یا اُن کے نکالے ہوئے مسئلوں پر عمل کرنا جائز نہیں۔ ہاں ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ وہ واجب نہیں بلکہ جسکو معلوم ہو جاوے کہ خدا کا فلاں امر میں یہ حکم ہے یا اُس کے رسول نے فلاں معاملہ کی نسبت ایسا فرمایا ہے تو بمقابل اُس کے دوسرے کا اتباع جائز نہیں اس لیئے کہ خدا و رسول کے حکم کے سامنے دوسرے کا کچھ حکم نہیں۔ علاوہ بریں اُن مجتہدین اور ائمہ نے جن کے قول کے اتباع کی نسبت یہ ساری بحث ہے خود بھی تو یہ دعویٰ نہیں کیا کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں وہی حکم خدا اور رسول کا ہے بلکہ وہ صاف کہتے رہے ہیں کہ ہم اجتہاد کرتے ہیں ہمارے اجتہاد اور رائے کو جو چاہے مانے جو چاہے نہ مانے بلکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا خود یہ قول ہے کہ جو شخص میری رائے سے بہتر رائے دیوے میں خود اُس کو قبول کرنے پر آمادہ ہوں اور نیز اگر اُن ائمہ و مجتہدین کا قول وہی ہوتا جو کہ خدا اور رسول کا قول ہے تو اُن کے خاص شاگردوں کو اُن سے مخالفت کرنا جائز نہ ہوتا جس طرح پر کہ اصحاب کو پیغمبرؐ کے قول سے مخالفت جائز نہیں ہے۔ فقط انتہیٰ۔

یہ قول ابن قیم کا جو ہم نے نقل کیا مقلدین کے سارے عذرات اور اعتراضات کا جواب ہے اور اسی سے اُن کے کُل شبہات دفع ہوتے ہیں پس باوجود اس کے بھی اگر کوئی تقلید کو واجب کہے اور اُسکو واجب

کہنے والے کو دشمن اسلام کا اور بدعتی جانے اُس کے حق میں بجز اس کے کہ دعا رخیر کیجاوے کیا کہا جاوے۔

پس بفرض محال اگر عدم وجوب تقلید پر کوئی عالم بھی ہمارے ساتھ متفق نہ ہوتا اور سب اُس کے وجوب ہی کے معتقد ہوتے تب بھی ہمارا اُس سے انکار کرنا خرق اجماع نہ تھا نہ کہ اس کے عدم وجوب پر ہزار ہا علماء کا اتفاق ہے بلکہ سارے صحابہ کل تابعین تمام تبع تابعین کا یہی عقیدہ تھا پس جو مقلدین یہ شبہ کرتے ہیں کہ اگر تقلید کے وجوب سے انکار کیا جاوے تو بہت سے علما فضلاء کے اوپر نقص عاید ہوتا ہے اور اُن کی شان میں غلطی کی نسبت ہوتی ہے اُن کو یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ اگر تقلید کا وجوب تسلیم کیا جاوے اور اُس کا منکر بدعتی اور فاسق اور گنہگار قرار دیا جاوے تو کُل محدثین اکثر اہل تصوف اور اولیاء اللہ اور اکثر مجتہدین اور محققین کا بدعتی اور فاسق ہونا لازم آتا ہے اس لیئے کہ وہ تقلید کے تارک تھے پس تعجب ہے کہ وجوب تقلید کے نہ ماننے پر تو یہ شبہ کیا جاوے کہ اکثر علما کی خطا ثابت ہوتی ہے اور اُس ماننے پر یہ خیال نہ ہووے کہ اکثر محدثین اور اولیاء کرام اور محققین کا گنہگار ہونا لازم آتا ہے پس بالفرض اگر ایک فرق کا چھوڑنا ہی لازم ہوا تو اب اختیار ہے جو چاہے تقلید میں داخل ہو اور محدثین اور اولیا اور اہل تصوف کو چھوڑے اور جسے منظور ہو وہ حدیث پر عمل کرے اور اُس زمانہ کے لوگوں کو چھوڑے جو کہ عہد نبوت سے دور ہوتا گیا اور جس میں بدعت کا رواج بڑھتا گیا۔

مقلد۔ یہ ہم نہیں کہتے کہ اجتہاد اُنہیں اماموں پر ختم ہو گیا مگر آجکل کسکو ایسا علم ہے کہ وہ امام ابوحنیفہ کے قول پر جرح کر سکے اور کس کو اُن کا سا تقوےٰ اور بزرگی اور احتیاط ہے کہ اُن کے کلام کو نہ مانے ہاں جو کوئی اُن کا سا علم اور ویسا تقویٰ رکھتا ہو وہ اجتہاد کرے مگر تب بھی قرب زمانہ نبوت کی فضیلت کہاں سے اب کوئی پاویگا۔

غیر مقلد۔ اس دلیل سے تو آپ ہی کی تقلید باطل ہوتی ہے اس لیئے کہ دوسرا فریق بھی کہہ سکتا ہے کہ ائمہ اربعہ بھی پیغمبر خدا علیہ التحیتہ والثنا کے اصحاب کرام کے ہم رتبہ نہ تھے اور مہاجرین و انصار میں داخل نہ تھے پس چاہیئے تھا کہ وہ بھی اصحاب کرام کے اقوال میں جرح و تعدیل کرتے اور کسی ایک صحابی کے سارے قولوں کو تسلیم کر لیتے پس جبکہ مجتہدین نے اصحاب نبوی کے قولوں میں جرح و تعدیل جائز رکھی اور حضرت ابوبکر صدیق رضہ سے

یار غار اور حضرت عمر فاروق رضہ سے فقیہ اور حضرت علی رضہ سے عالم جن کی فضیلت میں آیتیں بھی نازل ہوئیں جن کی شان میں پیغمبر خدا نے حدیثیں بھی فرمائی ہیں اور جن کی ہجرت اور نصرت کی خدا نے تعریف بھی کی باوجود اس کے تیسرے طبقہ کے لوگ اس امر کے مجاز ہوں کہ وہ ایسے اصحاب جلیل القدر کے قولوں میں سے جس کو مطابق کتاب و سنت کے پاویں اُسے لیں اور جس کو مخالف پاویں اُسے چھوڑ دیں اور ترک کریں اور اس سے اُن کی نسبت یہ شبہ نہ ہو کہ وہ اصحاب کی بزرگی کے معتقد نہ تھے جو اُن کے قولوں سے انکار کرتے تھے اور بعد آئمہ اربعہ کے جو زمانہ آوے اُسمیں کوئی اُن آئمہ کے اقوال میں جرح و تعدیل کرنے کا مجاز نہ ہو اور سب کو کسی ایک امام کی منجملہ چار اماموں کی تقلید واجب ہوئے اور جو واجب جانے اُسپر یہ الزام لگایا جاوے کہ وہ اس امام کی بزرگی کا منکر ہے یہ ایک نہایت حیرت کی بات ہے۔"

مقلد — اگر حدیث پر عمل کیا جاوے تو آجکل کس کو طاقت ہے کہ وہ تمام احادیث کو جمع کر کے ناسخ و منسوخ میں تمیز کرے اور صحیح اور ضعیف کو جدا کرے اور اُس سے مسائل کو استخراج کرے۔

غیر مقلد — کیا آپ کے نزدیک احادیث کی کتابیں فقہ کی کتابوں سے بھی زیادہ مشکل ہیں اور کیا اصول حدیث کے اصول فقہ سے بھی زیادہ دقیق ہیں اور کیا احادیث کو اگلے لوگ جمع نہیں کر گئے اور کیا اُن کے اقسام ضعیف و حسن وغیرہ کو جدا جدا نہیں کر دیا اور کیا موضوعات کو صحاح سے علیحدہ نہیں کر دیا اور کیا جو اختلاف احادیث میں ہے اُسکی تطبیق محدثین نے اب تک نہیں کی ہے حقیقت یہ ہے کہ جس قدر تحقیقات احادیث کی محدثین نے کی ہے اور جس قدر مادہ احادیث پر عمل کرنے کا اس وقت موجود ہے اور جیسی آسانی اُس میں ہے اس کا کچھ بیان نہیں ہو سکتا اگر کوئی شخص فقیہ بننا چاہے تو جس قدر محنت اور دقت اُسکو ہوگی اتنی محنت اور وقت علم حدیث کے سیکھنے پر نہ ہوگی پس تعجب ہے کہ ہدایہ اور مبسوط وغیرہ کا سمجھنا بغیر اصول منطق اور قواعد فلسفہ کے دشوار ہو آپ سمجھ سکیں اور روایات مختلفہ کو جمع کر کے مسائل فقہیہ کو نکال لیں اور پھر باوجود اختلاف مسائل فقہیہ کا رفع نہو۔ بلکہ قطع نظر اُس اختلاف کے جو چاروں مذہب میں ہے ہر مذہب میں صدہا مسائل اختلافی موجود ہوں اور صاف اور کھلی ہوئی حدیثوں کا سمجھنا آپ کے نزدیک مشکل ہو اور اُن کا اختلاف رفع

واجب التعزیر۔ مگر افسوس ہے کہ اس قول کے کہنے والے نے یہ خیال نہ کیا کہ وہ خدا تعالیٰ کو قیامت کے دن کیا جواب دیگا اور اپنی طرف سے فہرست میں گناہوں کی ایک گناہ بڑھا دینے پر کیا دلیل پیش کرے گا سچ یہ ہے کہ اگر ایسی باتیں یہ لوگ نہ لکھ جاتے اور اُن دھمکیوں سے جاہلوں کو نہ ڈراتے تو تقلید کا ایسا زور شور کیونکر ہوتا اور حدیث پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثناء پر عمل کرنا کیونکر چھوٹتا۔ وما سعادۃ الدارین الا بالاعتصام بہ

ان لم یکن فی معادی احدا بیدی ٭ فضلا والا فضل یا زلۃ القدم

میں اب اس مضمون کو ختم کرتا ہوں اور اسی بحث کے متعلق اور کچھ لکھوں گا اور اُن اقوال کو جو مقلدین تقلید کی نسبت بیان کرتے ہیں مفصل لکھکر اُس کا جواب دوں گا اور جو کچھ شرح سفر السعادت اور تفسیر احمدی وغیرہ میں لکھا ہے اُس کو بجنسہ نقل کر کے اُس جواب سے سب کو آگاہ کروں گا جو محدثین اور مجتہدین نے بہ نسبت اُس کے دیا ہے اور علاوہ اُس کے سارے شبہات اور اعتراضات کو مقلدین کے نہایت خوبی سے بیان کر کے اُس کی بُرائی بھلائی کو ظاہر کروں گا افسوس ہے کہ مضمون بڑا اور پرچہ چھوٹا کیونکہ جو کچھ دل میں ہے اُسے لکھوں مگر خیر اب تو اسپر ختم کرتا ہوں اور جو رہ گیا ہے اُسے دوسرے پرچہ میں لکھوں گا۔

مجھے اپنے بھائیوں سے اُمید ہے کہ دیکھتے ہی خفا نہ ہو جاویں اور ہر فقرہ پر گالی دینا اور بُرا کہنا شروع نہ کریں بلکہ اول ذرا دل کو ٹھنڈا کریں اور غور سے دیکھیں اور پھر انصاف کریں اس لیئے کہ یہ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ صرف مجتہدین و محققین کے اقوال کی نقل ہے نہ فقط کاتب کی رائے اور وہ اقوال بھی محدود نہیں اور جو کچھ لکھے گئے اُسی پر ختم نہیں بلکہ صرف بطور نمونہ کے ہیں اور مثل اُس کے صدہا قول بڑے بڑے محققوں کے اُس کی تائید میں ہیں اگر صرف ہماری ہی رائے ہوتی تو ہم مستحق عتاب اور قابل ملامت کے تھے جب کہ ہم نقل کرنے والے اور جمع کر دینے والے اُن کے قولوں کے ہیں تو حضرت جو کچھ ارشاد فرماویں گے اول بزرگوں کی ارواح پر اُس کا اثر ہوگا پیچھے ہمارے اوپر اور ہم تو اپنی عزت اسی میں سمجھتے ہیں کہ خدا اور اُس کے رسول کے پیچھے لوگ ہم سے دشمنی رکھیں اور ہمکو بالحدیث کے سبب سے کافر کہیں اور ہم بھی اپنے سچے خدا اور سچے رسول سے مضمون اس مصرعہ کا۔ عالم تمام دشمن جان شد برائے تو۔ عرض کریں۔ اے بھائیو۔ ان سب باتوں کو غور سے دیکھو اور انصاف کرو۔ تلک ایات اللہ نتلوھا علیک بالحق فبای حدیث بعد اللہ وایاتہ یؤمنون۔

تفسیر بالرائے

مسلمان یہ اعتقاد کرتے ہیں کہ اپنی عقل سے قرآن مجید کی تفسیر کرنی اور معنی بیان کرنے منع ہیں اور اپنے اس اعتقاد کے ثبوت پر اس حدیث کو کہ من فسر القرآن برأیہ فلیتبوأ مقعدہ من النار پیش کرتے ہیں یعنی جس شخص نے قرآن کی تفسیر اپنی عقل سے کی تو وہ اپنی جگہ دوزخ کی آگ میں ٹھہرالے۔

مگر جو معنی کہ انہوں نے تفسیر بالرائے کے سمجھے ہیں وہ غلط محض ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید کی تفسیر میں جو کچھ اگلے مفسروں نے کہا ہے اور جو کچھ اگلی تفسیروں میں لکھا ہے اُس کے سوا اور کچھ مطلب قرآن مجید کے لفظوں سے نکالنا منع ہے پس اُس کے سوا جو کوئی شخص قرآن مجید کے کسی لفظ کے اور معنی کہتا ہے یا کسی آیت کی تفسیر دوسری طرح پر کرتا ہے وہ تفسیر بالرائے کرتا ہے اور دوزخ کی آگ کا مستحق ہوتا ہے۔

یہ سمجھ اُن کی بالکل غلط ہے اور علماء متقدمین کے اقوال اور طریقہ اور مذہب کے بھی خلاف ہے۔ امام حجۃ الاسلام غزالیؒ فرماتے ہیں[1] کہ "تفسیر قرآن برأیہ کے یہ معنی ہیں کہ اُس کی غرض اور سمجھ میں ایک مطلب کا بیان کرنا ہو اور وہ اُس پر قرآن کی گواہی لاوے اور قرآن مجید کو ایسے مطلب پر لیجاوے کہ اُس مطلب میں آیت کے نازل ہونے پر لفظوں کے لغوی معنی دلالت کریں اور نہ کوئی نقلی روایت موجود ہو" پس بلاشبہ اس طرح پر قرآن کی تفسیر منع ہے۔

بعد اس کے امام غزالی صاحبؒ لکھتے ہیں[2] کہ "اس بات سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ قرآن کی

---

[1] من فسر القرآن برأیہ ہو ان یکون غرضہ روایۃ تقریر امر و تحقیقہ فیستجر شہادۃ القرآن الیہ ویحملہ علیہ من غیر ان تشہد لتنزیلہ علیہ دلالۃ لغویۃ او نقلیۃ ۱۲

[2] ولا ینبغی ان یفہم منہ انہ یجب ان لا یفسر القرآن بالاستنباط والفکر فان من الآیات ما نقل فیہا عن الصحابۃ والمفسرین خمسۃ معان وستۃ وسبعۃ ونعلم ان جمیعہا غیر مسموعۃ من النبی صلعم فانہا قد تکون متنافیۃ لا تقبل الجمع فیکون ذالک

تفسیر استنباط سے اور غور وفکر سے بھی کرنی منع ہے کیونکہ بہت سی آیتیں ایسی ہیں کہ اُن کے پانچ پانچ چھ چھ سات سات معنی صحابہ اور مفسرین سے نقل ہوئے ہیں اور اُن میں سے کوئی بھی رسول خدا صلعم سے نہیں سُنا اور وہ معنی آپسمیں ایک دوسرے کے برعکس بھی ہوتے ہیں اور سب کے سب صحیح نہیں ہو سکتے اور اس سے پایا جاتا ہے کہ وہ اپنے غور اور اپنی اپنی سمجھ سے نکالے تھے اسی لئیے رسول خدا صلعم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو دعا دی تھی کہ اللہ اُسکو دین میں سمجھدار کرے اور اُس کو قرآن کے معنی بیان کرنے سکھاوے "

اسی طرح ایک جگہ فرماتے ہیں کہ[لہ] "بہت سے دقیق معنی اور قرآن کے بھید ایسے ہیں کہ غور وفکر کرنے والوں کے دل میں آتے ہیں کہ اُن سے تفسیر کی کتابیں بالکل خالی ہیں اور بڑے بڑے مفسرین کو بھی اُن کی خبر نہیں ہوئی "

غرضکہ اس بیان سے ظاہر ہوگیا کہ خدا کی کتاب پر غور کرنا اور اُس کے الفاظ سے معانی اور مطالب کی تحقیق کرنا اور صرف اگلے مفسرین کی پیروی ہی نہ کرنا بلکہ جو علوم کہ اب حاصل ہوئے ہیں اُن کا قرآن مجید کے الفاظ سے جانچنا منع نہیں ہے اور نہ اس کرنا تفسیر بالرائے ہے اور یہ کیونکر تفسیر بالرائے ہوسکتی ہے اس لیئے کہ تفسیر بالرائے ہونے میں یہ بات ضرور تھی کہ الفاظ کے لغوی معنے یا نقل اُس پر دلالت نہ کرتے ہوں اور اب جو ہم تفسیر قرآن کی کرتے ہیں وہ تو اُس سے بھی زیادہ مستند یعنی حقایق محققہ پر کرتے ہیں اور اپنی عقل یا قیاس کو مطلق دخل نہیں دیتے پس وہ تفسیر بالرائے کیونکر ہوسکتی ہے بلکہ وہ تفسیر تو فی الحقیقت حقیقت قرآن ہے جس کی روشنی خدا سب کو نصیب کرے - امین +

مستنبطاً بحسن الفهم وطول الفكر ولهذا قال صلى الله عليه وسلم لابن عباس رضي الله عنه اللهم فقهه في الدين وعلمه التاويل - ۱۲

لہ فكم من معان دقيقة من اسرار القرآن تخطر على قلب المتجردين للذكر والفكر يخلو عنها كتب التفاسير ولا يطلع عليها افاضل المفسرين ۱۲

وجود آسمان

مسلمان جو یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید کی رو سے ہر ایک مسلمان کو اس بات کا اعتقاد کرنا فرض ہے کہ آسمان ایک مجوف کروی جسم گنبد کی مانند ہے اور انڈے کے چھلکے کی طرح دنیا کو گھیرے ہوئے ہے اور زمین مثل انڈے کی زردی کے اُسمیں ہے اور تمام ستارے اُس میں جڑے ہوئے ہیں۔ یہ سمجھ اور یہ اعتقاد اُن کا غلط ہے۔

حکمائے یونان نے اپنی حکمت اور اپنے علم ہیئت میں آسمان کو جسم کروی محیط زمین کے اور ستاروں کا اُسمیں جڑا ہوا ہونا بیان کیا تھا۔ یہودی بھی آسمانوں کو ایسا ہی سمجھتے تھے۔ مسلمانوں نے بھی قرآن مجید کی آیات متشابہات پر جن میں آسمانوں اور ستاروں کا ذکر ہے بخوبی غور و فکر نہیں کیا اور جیسا کہ اُس زمانہ میں رواج تھا اور جہاں تک اُس زمانہ میں ترقی علوم کی ہوئی تھی اُسی کے مطابق اُن کے معنی کہدیئے ورنہ قرآن مجید سے ایسا اِس اعتقاد کا ثبوت مطلق نہیں ہے۔

قرآن مجید میں آیات متشابہات کا ہونا خصوصاً اُن امور میں جو زمین و آسمان اور ستاروں اور فرشتوں اور بہشت و دوزخ سے علاقہ رکھتے ہیں نہایت حکمت اور ایک عجیب قدرت کی بات ہے اگر حقایق واقعی موجودات کی بذریعہ آیات محکم قرآن مجید میں بیان کی جاتی تو تمام دنیا اُس میں حیران و پریشان ہو جاتی اور تعلیم روحانی جو اصلی مقصود قرآن مجید تھی غیر مفصو جھگڑوں میں برباد ہو جاتی اس لیئے ان حقایق کا بیان بذریعہ آیات متشابہات کے ہوا جن کے الفاظ مستعار مخالف علم و ادراک اُس زمانہ کے لوگوں کے نہ تھے اور اُن کے معانی معقہ حقیقت اشیا کما ہی علیہ پر دلالت کرتے تھے اور یہ طرز بیان ایسا عمدہ ہے کہ اعجاز قرآن میں شمار ہو سکتا ہے۔

پس اب ہم مسلمانوں کو یہ اعتقاد کرنا چاہیئے کہ درحقیقت آسمان کوئی وجود مجسم مثل گنبد یا چوس چھت کے نہیں ہے بلکہ تمام ستارے چاند اور سورج جن میں زمین بھی یہ ستارہ ہے فضائے بسیط میں معلق ہیں اور قدرتی ستونوں کے ذریعہ سے جسکو ہم نہیں دیکھ سکتے اور جس کا نام لسان شرع میں عمد غیر مرئی اور زبان اہل علم میں جذب ہے

اپنی اپنی جگہ پر قایم ہے جو کہ ہمارے سر کے اوپر ہے اُس کا نام آسمان ہے جس طرح کہ ہم اپنے سر پر کی چیزوں کو جو حقیقت میں امریکہ کے رہنے والوں کے تحت قدم ہیں آسمان کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اسی طرح امریکہ کے رہنے والے اپنے سر پر کی چیزوں کو جو درحقیقت ہمارے تحت قدم ہیں آسمان کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

یہ کچھ ہمارا ہی قول نہیں ہے بلکہ اگلے مسلمان عالم بھی اس بات کے قایل ہوئے ہیں امام فخرالدین رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں "السماء عبارۃ عن کل ما ارتفع" یعنی آسمان کا لفظ ہر اوپر کی چیز پر بولا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں بھی سما کا لفظ انہی معنوں میں آیا ہے جہاں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "وانزل من السماء ماءً" یعنی برسایا خدا نے اوپر سے پانی۔ پس اس جگہ سما یعنی آسمان کے لفظ سے اگلے لوگوں کے نزدیک بھی یونانی حکیموں والا آسمان مراد نہیں بلکہ صرف اوپر کی سمت مراد ہے۔

قرآن مجید سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ آسمانوں کا ایک ایسا وجود جیسا کہ یونانی حکیموں نے بیان کیا ہے نہیں ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے ستاروں کی نسبت فرمایا ہے کہ وہ تیرتے پھرتے ہیں پھر اگر وہ آسمان میں جڑے ہوئے ہوتے تو وہ تیرتے کیونکر پھرتے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آسمان کوئی وجود مجسم نہیں ہے اور نہ ستارے کسی میں جڑے ہوئے ہیں بلکہ معلق ہیں اور خود اپنی اپنی جگہ میں تیرتے پھرتے ہیں۔

فلک کے معنی بھی جو مسلمانوں نے مثل آسمان کے جسم مجوف کروی محیط ارض قرار دئیے ہیں یہ بھی غلط ہے بلکہ فلک کے معنی اُس دائرہ کے ہیں جو کسی ستارہ کی گردش سے ذہن میں یا خیال میں پیدا ہو جاتا ہے جیسیکہ بنیٹی پھراتے میں تم نے دیکھا ہوگا کہ گول چکر بن جاتا ہے حقیقت میں وہ چکر نہیں ہے بلکہ صرف بنیٹی کے سروں کی گردش کرنے کا رستہ ہے جو خیال میں مثل فلک یعنی دائرہ کے دکھائی دیتا ہے جب کبھی لڑکے ڈور کے سرے میں پتھر یا گیند باندھ کر زور زور سے پھراتے ہیں تو ایک وہمی حلقہ معلوم ہونے لگتا ہے۔ حقیقت میں وہ حلقہ مجسم نہیں ہے بلکہ اُس پتھر یا گیند کی گردش کی راہ ہے جو وہم میں مثل فلک یعنی دایرہ کے دکھائی دیتی ہے۔

قرآن مجید کی اس آیت سے کہ "کل فی فلک یسبحون" یعنی ہر ستارہ ایک

اپنی اپنی جگہ پر قایم ہے جو کہ ہمارے سر کے اوپر ہے اُس کا نام آسمان ہے جس طرح کہ ہم اپنے سر پر کی چیزوں کو جو حقیقت میں امریکہ کے رہنے والوں کے تحت قدم ہیں آسمان کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اسی طرح امریکہ کے رہنے والے اپنے سر پر کی چیزوں کو جو درحقیقت ہمارے تحت قدم ہیں آسمان کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

یہ کچھ ہمارا ہی قول نہیں ہے بلکہ اگلے مسلمان عالم بھی اِس بات کے قایل ہوئے ہیں امام فخرالدین رازیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں "السماء عبارۃ عن کل ما ارتفع" یعنی آسمان کا لفظ ہر اوپر کی چیز پر بولا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں بھی سماء کا لفظ انہی معنوں میں آیا ہے جہاں خداتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "وانزل من السماء ماء" یعنی برسایا خدا نے اوپر سے پانی۔ پس اس جگہ سماء یعنی آسمان کے لفظ سے اگلے لوگوں کے نزدیک بھی یونانی حکیموں والا آسمان مراد نہیں بلکہ صرف اوپر کی سمت مراد ہے۔

قرآن مجید سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ آسمانوں کا ایک ایسا وجود جیسا کہ یونانی حکیموں نے بیان کیا ہے نہیں ہے کیونکہ خداتعالیٰ نے ستاروں کی نسبت فرمایا ہے کہ وہ تیرتے پھرتے ہیں پھر اگر وہ آسمان میں جڑے ہوئے ہوتے تو وہ تیرتے کیونکر پھرتے اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ آسمان کوئی وجود مجسم نہیں ہے اور نہ ستارے کسی میں جڑے ہوئے ہیں بلکہ معلق ہیں اور خود اپنی جگہ میں تیرتے پھرتے ہیں۔

فلک کے معنی بھی جو مسلمانوں نے مثل آسمان کے جسم مجوف کروی محیط ارض قرار دئیے ہیں یہ بھی غلط ہے بلکہ فلک کے معنی اُس دائرہ کے ہیں جو کسی ستارہ کی گردش سے ذہن میں یا خیال میں پیدا ہو جاتا ہے جیسے کہ بنیٹی پھراتے ہیں تم نے دیکھا ہوگا کہ گول چکر بن جاتا ہے حقیقت میں وہ چکر نہیں ہے بلکہ صرف بنیٹی کے سروں کی گردش کرنے کا رستہ ہے جو خیال میں مثل فلک یعنی دایرہ کے دکھائی دیتا ہے یا جب کبھی لڑکے ڈور کے سرے میں پتھر یا گیند باندھ کر زور زور سے پھراتے ہیں تو ایک وہمی حلقہ معلوم ہونے لگتا ہے۔ حقیقت میں وہ حلقہ مجسم نہیں ہے بلکہ اُس پتھر یا گیند کی گردش کی راہ ہے جو وہم میں مثل فلک یعنی دایرہ کے دکھائی دیتی ہے۔

قرآن مجید کی اِس آیت سے کہ "کل فی فلک یسبحون" یعنی ہر ستارہ ایک

مگر حقیقت میں یہ معنی بھی جو امام فخر الدین رازیؒ نے لیئے ہیں صحیح نہیں ہیں۔ اصل یہ ہے کہ سماء یعنی آسمان کا لفظ عربی زبان کے محاورہ میں ہر اوپر کی چیز پر جو بلا تعلق زمین کے متعلق دکھائی دیتی ہو بولا جاتا ہے۔ مثلاً چاند۔ سورج ستاروں پر بھی سماء کے لفظ کا اطلاق ہوتا ہے اور ان کی حرکت سے جو دایرہ یا گھیرہ متخیل ہوتا ہے اُس پر بھی سماء کے لفظ کا اطلاق ہوتا ہے۔ بادلوں پر بھی سماء کا لفظ بولا جاتا ہے اور یہ نیلی نیلی چھت جو ہمکو دکھائی دیتی ہے اُس پر بھی سماء کا لفظ بولا جاتا ہے اوپر کی سمت پر بھی جو خلاء بسیط ہے سماء کے لفظ اطلاق ہوتا ہے پس خلق سبع سموات طباقا کے یہ معنی ہیں کہ خلق اللہ تعالیٰ ھذہ السمت المرتفعۃ علی سبع ارتفاعات طباقا یعلمھا اھل ذالک الزمان بعد دسبع اجرام عظام یقال لھا الکواکب السبع۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس اونچائی کو سات اونچے طبقوں میں پیدا کیا ہے جس کو اُس زمانہ کے لوگ سات بڑے بڑے جسموں کے سبب جن کو سات ستارے کہتے تھے درجہ بدرجہ جُدا جُدا سمجھتے تھے جیسیکہ ہم ایک سطح پر نقاط مفروضہ مقرر کر کر اُس سطح واحد کو طبقات قرار دیدیں پس اس آیت سے یونانی حکیموں کے آسمان کا وجود ثابت نہیں ہوتا۔

دوسرے یہ کہ ایک جگہ قرآن مجید میں آیا ہے وبنینا فوقکم سبعا شدادا وجعلنا سراجا وھاجا۔ یعنی بنائیں ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط چیزیں اور کیا ہم نے ایک کو چراغ روشن۔ اس آیت میں جن سات مضبوط چیزوں کا ذکر ہے اُن سے یونانی حکیموں کے سات آسمان مراد لینے کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ اُن سات مضبوط چیزوں سے وُہی سات سیارے مراد ہیں جن کو اُس زمانہ کے لوگ بھی جانتے تھے اور جبکہ اُس کے بعد یہہ فرمایا ہے کہ کیا ہم نے ایک کو چراغ روشن جس سے علانیہ سورج مراد ہے جس کو لوگ اُن سات میں سے ایک سمجھتے تھے تو اب کچھ شبہ نہیں رہا کہ اُن سات چیزوں سے یونانی حکیموں والے سات آسمان مراد نہیں ہیں بلکہ وہ سات چیزیں مراد ہیں جن کو اُس زمانہ کے لوگ سبع سیارہ کہتے تھے۔

تیسرے یہ کہ ایک جگہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ اللہ الذی رفع السموات بغیر عمد ترونھا۔ اس آیت سے بھی یونانی حکیموں والا آسمان ثابت نہیں ہوتا بلکہ

یہ آیت بالکل اُس مطلب کو جو ہم نے بیان کیا ہے واضح کر دیتی ہے اس لیے کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ وہ ہے جس نے اُٹھا دیا اوپر والی چیزوں کو بغیر ستون کے جس کو تم دیکھو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو چیزیں ہمکو اوپر دکھائی دیتی ہیں اُن کے لیے ستون تو ہے مگر وہ ایسا ستون ہے کہ ہمکو دکھائی نہیں دیتا۔ اب سمجھو کہ وہ ستون کیا ہے وہی قوت جاذبہ ہے جو خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ہر ایک کرہ معلق میں پیدا کی ہے جس کے سبب تمام اوپر کی چیزیں معلق بغیر ظاہری ستون یا سہارے کے کھڑے ہیں ۔

امام فخر الدین رازی رح نے جو کچھ اس مقام پر لکھا ہے اُس سے پایا جاتا ہے کہ بعض مفسرین کی یہی رائے تھی کہ خلاء غیر محدود میں کرات معلق ہیں چنانچہ وہ اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں وعندی فیہ وجہ آخر احسن من الکل وھو ان العماد ما یعتمد علیہ وقد دللنا علی ان ھذہ الاجسام انما بقیت واقفۃ فی الجو العالی بقدرت اللہ تعالی وحینئذ یکون عمدھا ھو قدرۃ اللہ تعالی فنتج ان یقال انہ رفع السماء بغیر عمد ترونھا ای لھا عمد فی الحقیقۃ الا ان تلک العمد ھی قدرت اللہ تعالی وحفظہ وتدبیرہ وابقاؤہ ایاھا فی الجو العالی وانھم لا یرون ذلک التدبیر ولا یعرفون کیف ذلک الامثال ۔ یعنی امام فخر الدین رازی رح کہتے ہیں کہ میرے نزدیک اس آیت کی تفسیر میں سب سے اچھی ایک اور بات ہے اور وہ یہ ہے کہ ستون اُس چیز کو کہتے ہیں جس کے سہارے سے کوئی چیز ٹھہری رہے اور ہم نے ثابت کیا ہے کہ یہ تمام جسم صرف خدا کی قدرت سے استقدر وسیع جو میں ٹھہرے ہوئے ہیں تو اب وہی خدا کی قدرت اُن کے لیے ستون ہوگی پس نتیجہ یہ نکلا کہ خدا تعالیٰ نے آسمان یعنی اوپر کی چیزوں کو بغیر ایسے ستون کے جس کو تم دیکھو ٹھہرا رکھا ہے وہ خدا کی قدرت اور اُس کی نگہبانی اور تدبیر اور اُس کا ٹھہرائے رکھنا ایسی چیزوں کا اتنے بڑے جو میں ہے اور بے شک بندے اُن تدبیروں کو نہیں دیکھتے اور ان باتوں کو نہیں جانتے ۔

اگر اس زمانہ میں امام فخر الدین رازی رح ہوتے تو اُن کو اتنی بڑی تقریر اور ٹیڑھی سیدھی باتیں نہ بنانی پڑتیں بلکہ وہ نہایت آسانی سے سمجھ لیتے کہ وہ ستون جس کو ہم نہیں

دیکھئے جس سے تمام کرات معلقہ تھمے ہوئے ہیں وہ قوت جذب ہے جو خدا نے ہر ایک میں پیدا کی ہے۔

چوتھے یہ کہ قرآن مجید میں آسمان کی نسبت تین لفظ اور آئے ہیں جن کی تفسیر میں کم غور کرنے والوں کو دقت پڑتی ہے اور وہ لفظ یہ ہیں۔ سقفا محفوظا۔ ما لھا من فروج۔ والسقف المرفوع۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ ان تینوں لفظوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آسمان چھت کی مانند ہے اور جب چھت کی مانند ہوا تو ضرور جسم ہوگا۔ اس خیال پر بعض مفسرین کی اور شامت آئی کہ وہ یہ سمجھے کہ جب چھت کی مانند ہوا تو ضرور چورس ہی ہوگا اور دیواروں پر ہی رکھا ہوا ہوگا۔ اس خیال باطل سے انہوں نے کہہ دیا کہ قرآن سے پایا جاتا ہے کہ آسمان چورس ہے اور بڑے اونچے اونچے پہاڑوں پر لگا ہوا ہے۔ امام فخر الدین رازی نے ایک نحو طور پر جیسا کہ اُس زمانہ کے فیلسوفوں کا دستور تھا اس بیان کو رد کیا ہے مگر اصل یہ ہے کہ یہ الفاظ کچھ بھی منافی یا مخالف حقیقت کے نہیں ہیں۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ آسمان ہر اوپر کی چیز پر بولا جاتا ہے پس یہ نیلی نیلی چیز جو ہمکو دکھائی دیتی ہے اور جو حقیقت میں مثل دخان یا ہوائے محیط کے ایک جسم بھی رکھتی ہے اور ہماری دنیا کے چاروں طرف محیط ہے اور دنیا کے رہنے والوں کو مثل سقف گنبدی کے دکھائی دیتی ہے اسپر بھی آسمان کا اطلاق ہوتا ہے مگر یہ نیلی چیز حکیموں والا آسمان نہیں ہے پس اگر اس نیلی چیز پر سقف مرفوع اور سقف محفوظ کا اطلاق ہوا تو مشکل اور دقت کیا پیش آئی۔

ایک اور مصیبت مفسرین پر پڑی ہے کہ قرآن مجید میں آسمان کی نسبت لفظ دخان بھی آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف دھواں ہے اب تو مفسرین کے ہوش گئے اور سمجھے کہ اب تو یونانی حکیموں والا آسمان بھی نرا اور شیخ چلی کی طرح سونے کا گھر خاک ہوگیا تو اسپر جناب شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ البالغہ میں ارقام فرماتے ہیں کہ دیکھنے والوں کی آنکھ میں دھوئیں کی مانند دکھائی دے مگر اصل میں ایسا نہو اسپر ابن مسعود کا ایک قول بے سند نقل کیا ہے کہ بھوک کے مارے آنکھوں میں آسمان مثل دھوئیں کے دکھائی دیگا پھر فرماتے ہیں کہ میاں قرآن کی باتوں سے انکار کرنا منع ہے اگر سمجھ میں آوے تو ظاہری اُس کے معنوں ہی پر ایمان رکھنا چاہیئے کہ افلاک درجات ایمان اُن کا مان لینا اور

تصدیق کر لینا ہے۔ مگر ہم دست بستہ عرض کرتے ہیں کہ جناب ہم اتل درجات ایمان نہیں چاہتے
ہم تو اعلیٰ درجات ایمان پر پہونچے ہوئے ہیں۔

یہ باتیں ہم نے کچھ گستاخی کی راہ سے نہیں لکھیں بلکہ جتنا کہ ہم امام رازی اور مولانا شاہ
ولی اللہ صاحب کا ادب کرتے ہیں اور اُن کو علماء محققین ربانی سے سمجھتے ہیں اتنا کوئی نہ کرتا
ہوگا نہ سمجھتا ہوگا۔ مگر اس تحریر سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ لوگ یہ بات سمجھیں کہ حقیقت اشیاء
روز بروز زیادہ تر منکشف ہوتی جاتی ہے اور جس قدر کہ ہمارا علم ترقی پاتا ہے اسی قدر
کلام ربانی کی حقیقت زیادہ تر واضح ہوتی ہے پس اقوال مفسرین یا توجیہ پر ہمکو منحصر رہنا
نہیں چاہیئے۔

ہماری دنیا کو ایک مادہ رقیق سیال محیط ہے جس کا نام دخان کہو خواہ ہوائے محیط
کرہ ارض خواہ اَور کچھ اور وُہی مادہ اس بات کا سبب ہے کہ ہمکو یہ نیلی چھت جس کو
آسمان بھی کہتے ہیں دکھائی دیتی ہے۔ پس یہ بات کہنا کہ آسمان دخان ہے بالکل حقیقت
کے مطابق ہے اور کچھ بھی تاویل اور تردد کی حاجت نہیں ہے۔ یہ ساری خرابی اسلیئے
پڑتی ہے کہ ہم نے اپنی غلطی سے ہر جگہ لفظ آسمان کا مصداق یونانی حکیموں کے
آسمان کو سمجھ رکھا ہے۔

پانچویں۔ یہ کہ قرآن مجید میں آسمان کی نسبت فتح ابواب بھی آیا ہے جس سے معلوم
ہوتا ہے کہ آسمان ایک جسم مجسم ہے اور اسمیں چوکھٹ اور کواڑ اور قبضے کڑے کنڈے
لگے ہوئے ہیں جس کے سبب دروازے کھلتے بند ہوتے ہیں اور ضرور سنتری بھی
دروازے کھولنے بند کرنے کو کھڑے ہوں گے۔ پھر آسمان کے وجود مجسم و مستحکم سے
کیونکر انکار کیا جاسکتا ہے مگر اسپر ہمکو بحث کرنی ضرور نہیں کیونکہ خود اگلے مفسرین
اسکو رد کر چکے ہیں۔ قال الامام الغزالی رح وھو علی طریق الاستعارۃ فان
الظاھر ان الماء کان من السحاب وعلی ھذا فھو کما یقول القایل فی المطر
الوابل جرت مزاریب السماء وفتح ابواب القرب۔ یعنی امام غزالی صاحب رح
فرماتے ہیں کہ شدت سے مینہ برسنے میں جو خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ آسمان کے
دروازے کھل گئے تو ایسا کہنا بطور استعارہ کے ہے کیونکہ یہ بات تو ظاہر ہے کہ مینہ
یونانی حکیموں والے آسمان میں سے تو برستا نہیں بلکہ بادلوں میں سے برستا ہے۔ پس

آسمان کے دروازوں کا کھلنا ایسا ہے جیسے کوئی شدت کے مینہ برسنے میں یوں کہے کہ آسمان کے پرنالے بہ نکلے اور پکھالوں کے مونھ کھل گئے۔

چھٹے یہ کہ بعض جگہ قرآن مجید میں آسمانوں کے پیدا کرنے اور بنانے کا ذکر کیا اور چند جگہ اُن کا شق ہونا اور پھٹ جانا فرمایا ہے۔ پھر اگر وہ مثل یونانی حکیموں کے آسمان کے مجسم نہ ہوتا تو خدا تعالیٰ یہ باتیں آسمانوں کی نسبت کیونکر منسوب کرتا۔

مگر سمجھنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ نے بہت سی جگہ قرآن مجید میں غیر مجسم چیزوں پر خلق کے لفظ کا اطلاق فرمایا ہے بلکہ حالات مفروضہ اور اشیاء معدومہ کی نسبت بھی ایسے لفظوں کا اطلاق ہوا ہے۔ مثلاً فرمایا ہے کہ "جعل فی السماء بروجا" یعنی بنائے آسمان میں برج حالانکہ کسی کے نزدیک وہ کوئی جسمانی چیز نہیں ہے۔ موت اور حیات سب کے نزدیک صرف فرضی حالتیں ہیں اُن کی نسبت بھی خلق کا لفظ قرآن مجید میں آیا ہے کما قال اللہ تبارک وتعالیٰ "خلق الموت والحیات" عقل کی نسبت بھی پیدا کرنے کا لفظ آیا ہے معہذا جبکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اوپر کی تمام چیزوں پر آسمان کا لفظ بولا جاتا ہے تو اُن میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ وجود اصلی بھی رکھتی ہیں پس یہ بات کہنی کہ اوپر کی چیزوں کو خدا نے بنایا ہے۔ خدا نے پیدا کیا ہے۔ اوپر کی چیزیں پھٹ جاوینگی شق ہو جاویں گی کچھ بھی حقیقت کے برخلاف نہیں ہے اور نہ کسی قسم کی تاویل کی حاجت ہے غلطی تو جب ہی پڑتی ہے جبکہ قرآن کو چھوڑ کر یونانی حکیموں کی پیروی کر کر سماء کے لفظ سے یونانی حکیموں کا بنایا ہوا آسمان مراد لیا جائے۔

اب سبع سموات کی بحث باقی رہی یعنی اگر طبقات آسمان کے وہ معنی لیے جاویں جو سبع سموات طباقا میں بیان ہوئے تو وہ سات نہیں قرار پا سکتے بلکہ سات سے زیادہ ہیں اور روز بروز نکلتے چلے آتے ہیں چند روز ہوئے کہ ایک ہر شل سیارہ کا طبقہ نکلا تھا اور ابھی نیچوں سیارہ کا ایک طبقہ نکلا ہے۔ اور معلوم نہیں کہ آور کتنے نکلتے اور نکلیں پھر اُن کو سات میں منحصر کرنا کیونکر صحیح ہوگا۔

مگر یہ سمجھ کہ خدا نے اُن طبقوں کو سات میں منحصر کر دیا ہے غلط ہے کوئی تعداد بیان کرنے سے عدد زاید کی نفی لازم نہیں آتی۔ امام رازی صاحب بھی فرماتے ہیں فان قال قائیل هل یدل التنصیص علی سبع سموات علی نفی العدد الزاید قلنا الحق ان

انسان کو خدا نے اُن چیزوں کی حقیقتوں کے دریافت کرنے کی ایک قوت اور استعداد دی ہے اُسی قوت کا نام عقل اور اس حقیقت کے دل میں یا دماغ میں آجانے کو علم کہتے ہیں پس علوم عقلی وہ ہیں جو بذریعہ عقل کے دریافت کیئے جاویں خواہ وہ ضروری اور بدیہی ہوں کہ بغیر دلیل و برہان کے سمجھ میں آسکیں خواہ وہ نظری اور کسبی ہوں جو فکر و استدلال سے حاصل ہو سکتے ہوں ۔ اور علوم دینی وہ ہیں جو کہ خدا نے معرفت کسی سچے پیغمبر کے ظاہر کیئے ہوں خواہ وہ متعلق عقاید کے ہوں جو اصلی اصول دین کے ہیں یا متعلق اعمال کے ہوں جو عقاید کی تائید اور ظاہری تکمیل کے لیئے بتلائے گئے ہوں جو فروع اُن اصول کے ہیں ۔ پس جن چیزوں کو خدا نے پیدا کیا وہ حقیقت میں اُس کا فعل ہے اور جب اسکی حقیقت کو معرفت کسی پیغمبر کے بتلادیا وہ اُس کا قول ہے پس کون احمق اور جاہل ہے جو یہ کہہ سکے کہ خدا کا قول مخالف اُسکے فعل کے ہو سکتا ہے یا قانون قدرت اُس کا تبدل شرایع اور اختلاف ادیان سے تبدیل اور مختلف ہو سکتا ہے یا حقیقت کسی چیز کی کسی دین کے بدلنے سے بدل سکتی ہے جو کوئی ایسا خیال کرے وہ دین سے بے بہرہ ہے اور عقل سے بھی بدنصیب اور جب یہ امر ثابت ہو گیا کہ حقیقت اشیاء کی کبھی بدل نہیں سکتی اور قانون قدرت میں کچھ ترمیم ہو نہیں سکتی پس جو علوم ایسے ہیں کہ جن سے اشیاء کی حقیقت معلوم ہو اُنھیں کو ہم علوم عقلی اور علوم حکمی کہتے ہیں جیسا کہ ہمارے یہاں کے ایک محقق نے لکھا ہے کہ " ان العلم ینقسم الی حکمی و غیر حکمی و وجه الضبط انه اما ان لا یتغیر بتغیر الامکنة والازمان ولا یتبدل بتبدیل الدول والادیان فالاول العلوم الحکمیة ویقال له العلوم الحقیقیة ایضا ای الثابتة علی مر الدهور والاعوام " اور جو علوم ایسے ہیں کہ جن کو خاص خدا نے معرفت کسی رسول کے بتلایا ہو اُن کو ہم علوم دینی کہتے ہیں جیسا کہ امام غزالی فرماتے ہیں " اما العلوم الدینیة فهی ماخوذة بطریق التقلید من الانبیاء صلوات الله علیهم وسلامه وذلک یحصل بالتعلیم لکتاب الله تعالی وسنة رسوله صلی الله علیه وسلم وفهم معانیهما بعد السماع "

اب ہمکو یہ سوچنا چاہیئے کہ آیا ہم علوم دینی کی حقیقت بغیر استعانت عقل کے دریافت کر سکتے ہیں یا نہیں ۔ چنانچہ اسکی نسبت ہمارے محققین کا اقرار ہے کہ لا یمکن فهمه

بعد سماعہ الا بالعقل فلا غنا بالعقل من السماع ولا غنا بالسماع عن العقل فالداعی الی محض التقلید مع عزل العقل بالکلیۃ جاہل والمکتفی بمجرد العقل عن انوار القرآن والسنۃ مغرور فایاک ان تکون من احد الفریقین وکن جامعا بین الاصلین (احیاء جلد ۳ صفحہ ۱۱)" اور جب بغیر استعانت عقل کے علوم دینی کی حقیقت کا سمجھنا ہی مشکل ہے تو کیونکر وہ علوم عقلی مخالف دینی علوم کے ہونگے مگر جو لوگ ظاہر میں دونوں کو مخالف بتاتے ہیں اُس کے دو سبب ہیں۔ ایک یہ کہ جو علوم حقیقت میں عقلی نہیں ہیں بلکہ وہمی اور خیالی ہیں اُن کو غلطی سے عقلی علوم سمجھنا دوسرے جو علوم حقیقت میں دینی نہیں ہیں یعنی جن کو خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بتلایا اُن کو دینی علوم تصور کرنا۔ مثلاً یہ مسئلہ حکمائے یونان کا کہ خدا عالم بالجزئیات نہیں ہے بے شک مخالف ہمارے اس دینی عقیدہ کے ہے کہ خدا سب چیز کو جانتا ہے۔ یا یہ قول جاہل مسلمانوں کا کہ زمین گائے کے سینگ پر ہے بلاشبہ مخالف علوم عقلی کے ہے۔ پس مخالفت اس قول کی کہ خدا عالم بالجزئیات نہیں ہے ہمارے دینی عقیدہ سے اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ قول عقل سے ثابت ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ حقیقت میں اُس کا ثبوت دلایل عقلی سے نہیں ہے بلکہ صرف وہمی و خیالی دلیل سے ہے اور یہ قول جہلا کا کہ زمین گائے کے سینگ پر ہے مخالف علوم عقلی کے نہ اس وجہ سے ہے کہ یہ قول بتلایا ہوا خدا اور رسول کا ہے بلکہ اس سبب سے ہے کہ اُس کی کچھ اصلیت دین میں نہیں ہے مگر جب دونوں باتیں اپنے اپنے اصول کے مطابق ہونگی یعنی علوم عقلی حقیقت میں علوم عقلی ہوں اور بلا آمیزش وہم اور خیال کے عقل سے ثابت ہوں وہ مخالف اُن علوم دینی کے ہو ہی نہیں سکتے جو کہ خاص خدا اور رسول کے بتلائے ہوئے ہوں اور جنمیں کسی نے جھیں کچھ ملا نہ دیا ہو اور کسی نے اپنی غلطی سے اُن میں تحریف معنوی نہ کی ہو اس لیئے جو شخص علوم عقلی اور علوم دینی کی مخالفت کا قایل ہے اُسکو بھی یہی دھوکا اور یہی مغالطہ ہوا ہے ورنہ کوئی انسان ایسا نہیں ہے جو یہ خیال بھی کرے کہ خدا کا قول اُس کے فعل کے مخالف ہوگا کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ خدا نے زمین کو گول بنایا ہو اور معرفت پیغمبر کے اُس کا مسطح ہونا بتلایا ہو۔ نہیں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ جو قول خدا کا ہے وہ ہرگز اُس شئے کی اصلی حقیقت

تخصیص العدد بالذکر لا یدل علی نفی الزاید سے یعنی اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ کیا سات آسمانوں کی صریح تعداد بیان کرنی اسبات پر دلالت کرتی ہے کہ اُس سے زیادہ آسمان نہیں ہیں تو ہم کہیں گے کہ حق یہ ہے کہ کسی عدد کو بیان کرنے میں خاص کر دینا اُس سے زیادہ نہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ پس صاف ظاہر ہوگیا کہ اگلے عالموں کے نزدیک بھی سات ہی میں آسمانوں کا انحصار نہیں پایا جاتا تھا۔

غرضکہ بیان مذکورہ سے ثابت ہے کہ الفاظ اور آیات قرآن مجید سے وہ آسمان جسکو یونانی حکیموں نے بنایا تھا اور جسکی حقیقت ہیئت قدیمہ میں بیان کی گئی ہے ثابت نہیں ہوتی اور اُس کا منکر منکر نص قرآنی نہیں سمجھا جا سکتا اور مسئلہ ہیئت جدیدہ جو اس امر کی نسبت ہے وہ مخالف قرآن مجید نہیں پایا جاتا۔ فتدبر۔

تطبیق منقول با معقول

کوئی خیال اس سے زیادہ غلط نہیں ہے کہ دین کے اصول جو خدا نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت بتلائے وہ مطابق اُن اصول کے نہیں ہیں جو عقل سے ثابت ہوتے ہوں اور کوئی امر اس سے زیادہ تو مذہب پر الزام نہیں دیتا جیسا کہ یہ مسئلہ کہ نقل میں عقل کو دخل دینا شرعاً ناجائز ہے اس غلط خیال کے پیدا ہونے کا کوئی سبب کیوں نہو اور اس مسئلہ کے جاری کرنے والوں نے کیسا ہی کچھ فائدہ کیوں نہ سوچا ہو مگر حقیقت میں دین کے غلط اور بنائے ہوئے پر اس سے زیادہ اور کسی دلیل و برہان کی حاجت نہیں ہے کہ یہ کہا جاوے کہ اُس کے اصول کو عقل سے جانچنا ناجائز ہے یا وہ عقل کے خلاف ہیں کیونکہ جو مذہب فی ذاتہٖ سچا اور صحیح ہے اور خاص خدا کا دیا ہوا ہے نہ انسان کا بنایا ہوا تو اُسمیں کوئی ایک بات بھی ایسی نہ ہوگی جو عقل کے خلاف ہو اس لیئے کہ جو شئے عقلاً محال ہو اُس کا واقع ہونا بھی غیر ممکن ہے پس اگر کسی دین مذہب میں کوئی بات ایسی ہو جو مخالف عقل کے ہو تو حقیقت میں وہ دین و مذہب ہی سچا اور صحیح اور خدا کا دیا ہوا نہوگا بلکہ انسان کا بنایا ہوا ہوگا پس جتنے دین دنیا میں جاری

ہیں ان کی صحت اور غلطی کے جانچنے کے لیئے اگر خدا نے ہمکو کوئی آلہ دیا ہے تو وہ صرف عقل ہے پس اگر اُسی کے استعمال کو کسی دین کے بانی نے ناجایز اور ممنوع اور حرام کر دیا ہو تو گویا اُس نے پہلے ہی سے اہل عقل پر ظاہر کر دیا کہ یہ دین خدا کا دیا ہوا نہیں ہے جس سے غلطی کا ہونا غیر ممکن ہے بلکہ ایک ایسے انسان کا بنایا ہوا ہے جسکی غلطیاں بہ نسبت صحت کے زیادہ ہوتی ہیں اور اُسی غلطی کے چھپانے کے لیئے اُسکے بانی نے عقل سے جانچ اور امتحان کرنے کو منع کر دیا۔ پس جو دین و مذہب ایسا ہو کہ جس کے بانی نے عقل کو بیکار کر دیا ہو اور اُس سے کام لینے سے ممانعت کر دی ہو تو اُس دین کو کوئی قبول نہ کریگا مگر احمق اور جاہل کیونکہ بنا اُسکی جہالت پر ہے۔

لیکن ہم اپنے دین اسلام کی نسبت کبھی یہ خیال نہیں کرتے کہ وہ خدا کا دیا ہوا نہیں ہے اور اُس کے اصول عقل کے مطابق نہیں ہیں بلکہ ہم یقین کرتے ہیں کہ ہمارا دین سچا دین ہے کیونکہ جو کچھ خدا نے ہمکو بتلایا ہے وہ نفس الامر کے مطابق اور اصول عقلی کے موافق ہے اور ہمارے اس یقین کی تکمیل خدا کے کلام اور ہمارے رسولؐ کے اقوال سے ہوتی ہے اس لیئے کہ ہمارے خدا اور ہمارے رسول نے کبھی نہیں کہا کہ تم عقل سے کام نہ لو اور جاہلوں کی طرح کسی بات کو مانو بلکہ دین کا معیار بالکل عقل پر رکھا اور سب کو عقل سے کام لینے کی نہ صرف اجازت دی بلکہ اُس کی تاکید فرمائی ہمارے خدا کا پاک کلام اسی دعوی سے بھرا ہوا ہے کہ جس کسی کو اس دین کی حقیت میں شک ہو وہ سمجھے اور عقل سے جانچ کرے تاکہ ہر بات کو مطابق نفس الامر کے اور موافق عقل کے پاکر اُسکی حقیت پر یقین کرے۔ کما قال اللہ تعالےٰ ما تری فی خلق الرحمن من تفاوت فارجع البصر ھل تریٰ من فطور ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیک البصر خاسئاً وّ ھو حسیر۔

جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ منقول و معقول میں مخالفت ہے وہ حقیقت میں عقل اور دین کی حقیت سے بے خبر ہیں اس لیئے ہم دونوں کی ماہیت بیان کرتے ہیں جس کے جاننے کے بعد کوئی نہیں کہہ سکتا کہ منقول اور معقول میں مخالفت ہے۔

جتنی چیزیں خدا نے اس دنیا میں پیدا کی ہیں اُن کی فی ذاتہ ایک حقیقت ہے اور

کے مخالف نہ ہوگا اس لیے جو شخص اپنے دین کی سچائی پر خود کامل یقین رکھتا اور اسکی سچائی اوروں پر ثابت کرنا چاہے اُسے ضرور ہے کہ وہ اپنے دین کے اصول کی عقلی اصول سے مطابقت دکھلا دے نہ کہ بجائے اس کے اپنے دین کی حفاظت کے لیے یہ حکم جاری کردے کہ اصول دین کو عقل سے جانچنا اور منقول کو معقول سے ملانا ناجائز ہے اور دونوں میں فی ذاتہ تناقض ہے ہمارے مذہب کا ایک محقق لکھتا ہے لہ کہ جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ علوم عقلی علوم شرعی کے مخالف ہیں اور دونوں میں موافقت غیر ممکن ہے یہ خیال چشم بصیرت کے اندھے پن سے پیدا ہوتا ہے۔ خدا ایسے خیال سے بچاوے ایسا خیال کرنے والا جبکہ بعض علوم شرعی کو بعض علوم عقلی سے مخالف پاتا ہے اور دونوں میں توافق نہیں کرسکتا تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ اختلاف اصل دین میں ہے۔ پس وہ دین سے ایسا نکل جاتا ہے جیسا کہ بال آٹے سے اور اس کا سبب یہی ہے کہ اُس کے عجز و قصور نے اسکے دل میں یہ خیال پیدا کردیا کہ درحقیقت دین ہی میں اختلاف ہے۔ افسوس ایسے آدمی کے حال پر۔

تطبیق معقول و منقول میں اکثر چند شبہات لوگوں کے دلوں میں گذرتے ہیں اور علوم و فنون کی تحصیل واسطے تطبیق منقول کے اُن کے نزدیک بے سود و ناجائز یا

لہ وظن من یظن ان العلوم العقلیۃ مناقضۃ العلوم الشرعیۃ وان الجمع بینهما غیر ممکن هو ظن صادر عن عمی فی عین البصیرۃ نعوذ باللہ منہ بل هذا القائل ربما تناقض عندہ بعض العلوم الشرعیۃ لبعض فیعجز عن الجمع بینهما فیظن انہ تناقض فی الدین فیتحیر بہ فینسل من الدین انسلال الشعرۃ من العجین وانما ذلک لان عجزہ فی نفسہ خیل الیہ نقصا فی الدین وهیهات وانما مثالہ مثال الاعمی الذی دخل دار قوم فتعثر فیها باوانی الدار فقال لهم ما بال هذہ الاوانی ترکت علی الطریق لم ترد الی مواضعها فقالوا لہ تلک الاوانی فی مواضعها وانما انت لست تهتدی الطریق لعماک فالعجب منک انک لا تحیل عثرتک علی عماک وانما تحیلها علی تقصیر غیرک فهذہ نسبۃ العلوم الدینیۃ الی العلوم العقلیۃ (احیاء)

ممنوع سمجھی جاتی ہے۔

پہلا شبہ تطبیق معقول و منقول میں یہ ہے

کہ انسان کی عقل کامل نہیں ہوتی اور وہم اور شک کی آمیزش سے کوئی عقلی مسئلہ پاک نہیں ہوتا خلاف منقول کے کہ جو کچھ خدا اور اُس کے رسول نے فرمایا اُس میں کبھی غلطی ہو ہی نہیں سکتی ایسی چیز کو جس میں حق و باطل کی تمیز نہ ہو ایسی چیز سے ملانا جس میں غلطی کا احتمال ہی نہ ہو سوائے پریشانی طبیعت اور تحریک مادہ الحاد اور پیدا کرنے شکوک وشبہات کے عقاید دینی پر کچھ حاصل نہیں۔ ایسے شبہ کرنیوالے یہ نہایت عمدہ اور مضبوط دلیل بیان کرتے ہیں کہ اب تک اس دنیا میں ہزاروں حکیم اور فلسفی اور عاقل گذرے اور صدہا برس تک ہزاروں محقق چند عقلی مسایل کی صحت پر مقرر رہے مگر پھر ایک ایسا زمانہ آیا کہ اُن کے مسلمات عقلیہ کی غلطی کھل گئی اور جو کچھ وہ سوچے سمجھے تھے اُس کی کچھ اصلیت پائی نہ گئی پس اگر انسان کی عقل ادراک حقایق کے لیئے کافی ہوتی اور اُس کے دریافت پر بھروسہ ہوتا تو کیوں ایسی غلطیاں ہوتیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عقل حقیقت اشیاء کے ادراک میں قاصر ہے اور جو کچھ عقلا حکما نے سوچا سمجھا وہ اطمینان کے لایق نہیں ہے تو خدا اور رسول کے کلام کو اُس سے ملانا حق کو باطل سے تطبیق دینا ہے۔

یہ شبہ بے شک غور کرنے کے لایق ہے مگر ایسا قوی و مدلل نہیں ہے کہ اُس سے تطبیق منقول و معقول کی ضرورت اور جواز سے انکار کیا جاوے کیونکہ یہ بات تو یقینی معلوم ہے کہ ہر چیز کی فی نفسہ ایک حقیقت ہے اور خدا نے جو قوت مدرکہ ہمکو دی ہے وہ اُن اشیاء کی حقیقت دریافت کرنے کے لیئے دی ہے[1] اور اُن اشیاء کے

---

[1] امام غزالی رح فرماتے ہیں کہ وہ صفت جس سے انسان انسان ہوا اور جس نے اُس کو حیوان سے جدا کر دیا ہے هو الذي استعد به لقبول العلوم النظرية وتدبير الصناعات الخفية الفكرية۔ وہ ایک استعداد قبول کرنے علوم نظریہ کی اور پیدا کرنے تدبیر صنعتوں پوشیدہ کی ہے اور ایسی استعداد کا نام عقل ہے اور کوئی انسان نہیں ہے جس کو یہ استعداد نہ دی گئی ہو

حقایق دریافت کرنے کی ترغیب اور تحریص بھی اپنے کلام میں جابجا فرمائی ہے اور غور کرنے والوں اور سوچنے والوں کی بزرگی بھی بیان کی ہے پس اگر اُس قوت مدرکہ سے کام لینے اور عقل سے سوچنے کی ہمکو اجازت نہ ہوتی تو نہ ہمکو عقل دی جاتی نہ غور وفکر کی ترغیب ہوتی پس ہمکو عقل کا دینا اور یتفکرون فی خلق السمٰوات والارض کہکر ہمکو اُس کے حقایق دریافت کرنے پر برانگیختہ کرنا اِس بات کی عمدہ دلیل ہے کہ ہم حقایق اشیاء کو دریافت کرسکتے ہیں اور چونکہ ہماری عقل وہم اور خیال کی آمیزش سے پاک نہیں ہے اس لیئے جو کچھ ہم سوچیں اور سمجھیں اور تحقیق کریں اُسمیں غلطی کا احتمال بھی ہوسکتا ہے لیکن ہماری تحقیق دو قسم کی ہوسکتی ہے یا ایسی تحقیق کہ سوائے دینی دلیل کے کوئی ثبوت بین ایسا نہ ہو جس کو ہم مشاہدہ اور معاینہ اور تجربہ سے ایسا صحیح سمجھیں کہ غلطی کا احتمال ہی نہ ہو یا علاوہ اُس دینی دلیل کے اُس کا ثبوت کامل مشاہدہ اور معاینہ اور تجربہ سے بھی ہو پس پہلی قسم کی تحقیق پر بلاشک ہم احتمال غلطی کا کرسکتے ہیں اور دوسری قسم کی تحقیق پر اُس کا

تمام علوم اور جمیع فنون اُسی سے پیدا ہوتے ہیں گویا وہ سب اُسمیں پوشیدہ ہیں اور صرف ایک سبب کی حاجت ہے جو اُن علوم کو اُس سے پیدا کرے کوئی علم اور فن نہیں ہے کہ جو اُس سے خارج ہو اور اُسمیں پوشیدہ نہ ہو عقل کے اور علوم کے اُس میں پوشیدہ ہونے کی مثال بعینہٖ پانی اور مٹی کی ہے کہ کوئی زمین نہیں ہے جس میں پانی نہ ہو مگر اُس کا نکلنا محتاج کھودنے اور نکالنے اوپر کی مٹی کا ہے یا اُس کی تمثیل مثل روغن کے ہے کہ وہ ہر دودھ میں موجود ہے مگر اُس کا پیدا ہونا ایک تدبیر خاص پر موقوف ہے پس جو شخص اُس استعداد کو کام میں لاوے اور عقل کو بیکار کرے وہ درحقیقت اُس استعداد کو ضایع کرتا ہے جو خدا نے اُسکو دی ہے اور وہ انسان ہو کر اپنے آپ کو حیوان بناتا ہے۔ اُس استعداد کا کمال اور ترقی تجربہ اور تحقیقات اور محنت پر موقوف ہے۔ قدرت نے بدو فطرت میں وہ قوت سب کو دی ہے جو اُس کو کام میں لاتے ہیں وہ اُس کی حقیقت سے واقف ہوتے ہیں اور اُس کے ثمرات اور نتایج کا لطف اُٹھاتے ہیں جو اُس کو کام میں نہیں لاتے وہ اُس کی حقیقت ہی کے منکر ہو جاتے ہیں اور اُسکو استعمال میں لانے اور اُس سے فایدہ اُٹھانے سے محروم رہتے ہیں۔ ۱۲

خیال نہیں کر سکتے - اسی سے ثابت ہوا کہ جس طرح پر ہمارے سب معقولات برحق اور صحیح اور مطابق واقع نہیں ہو سکتے اسی طرح ہمارے سب منقول غلط اور پوچ اور باطل نہیں ہو سکتے -

اب ہمکو چاہیے کہ ہم معقولات کا امتحان کریں اور اُس کی صحت اور غلطی کو جانچیں اگر ہمکو امتحان کے بعد اُس کی صحت پر یقین ہو جاوے تو ہمکو اگر ہم سچے مسلمان اور پکے دیندار ہیں اور عقل اور سمجھ بھی رکھتے ہیں اور تعصب اور جہالت سے بھی پاک ہیں تو لازم ہے کہ اُنہیں باتوں کا اگر اُن کا ذکر کچھ ہمارے دین میں ہو اُس معقولات سے متحد اور مطابق ہونا سب پر ظاہر کر دیں اور اگر بظاہر کچھ اختلاف ہو اُس کی وجہ پر غور کریں اور ایک سچے با ایمان آدمی کے موافق اُس اختلاف کو حل کریں اگر ہم ایسا کریں گے تو ضرور ہم کامیاب ہوں گے اور دونوں کو ایک کر دکھادیں گے -

خیال کرو کہ اگلے حکماء یونان جو کچھ سوچتے سمجھتے تھے اور جو مسئلے عقلی وہ بیان کرتے تھے اُن کی دلیلیں صرف ذہنی اور عقلی ہوتی تھیں اور احتمال غلطی کا بلکہ ظن غالب خطا کا ہوتا تھا اس لیئے ہم اُن کو غلط کہہ سکتے تھے مگر جو حکمت کی باتیں اب بیان کی جاتی ہیں اگر وہ ہیں جن کا ثبوت مشاہدہ اور تجربہ اور ایسی تحقیقات پر ہے کہ آنکھ دیکھی چیز سے کم نہیں تو اگر ہم ایسے اصول اور مسلمات کو غلط کہیں اور بلا امتحان اور بغیر جانچ کے غلط اور باطل کہدیں تو صرف مکابرہ اور اپنی نادانی کا ظاہر کرنا ہے -

فرض کرو کہ مسلمانوں کے مذہب میں لکھا ہوا ہے کہ زمین کا قطر پانچسو برس کی راہ ہے اور اب تحقیقات سے ثابت ہوا کہ اُس کا قطر ٧٩٢٦ میل ہے اور زیادہ سے زیادہ دو برس میں یہ راہ طے ہو سکتی ہے تو اب مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیئے - زمین کا قطر پانسو برس کی راہ کا مانیں اور اس تحقیقات کو غلط اور پوچ کہدیں یا اُس کی تحقیقات کریں - اگر اہل اسلام اُس تحقیقات کو غلط کہدیں تو اُس سے اسلام کو کیا فائدہ ہوگا - یہ ہوگا کہ لوگ اسلام کو مجموعہ جہالت جانیں گے اور مسلمانوں کو احمق اور جاہل سمجھیں گے اور ذی علم اور تربیت یافتہ لوگوں کو اسلام کی حقیت سے منکر ہونے کا ذریعہ پیدا کریں گے اور اگر اہل اسلام اس تحقیقات کو ٹھنڈے دل سے سنیں اور اُس کی وجوہ اور دلایل کو سوچیں

اور اُسپر غور کریں تو اُسے کیا حاصل ہوگا - دو باتوں میں سے ایک فائدہ ہوگا یا یہ کہ وہ اُس تحقیقات کے اصول اور دلایل کی غلطی ثابت کردیں گے اور اپنے مذہبی قول کی صحت ظاہر کریں گے یا وہ اُس تحقیقات کی صحت کو قبول کریں گے اور ایسے بین اور ظاہری اختلاف کے دور کرنے پر متوجہ ہوں گے اور اس امر کی تحقیق کریں گے کہ یہ قول جس کو ہم مذہبی قول سمجھتے ہیں - خدا کا فرمایا ہوا ہے رسول ؐ کا بتلایا ہوا ہے اسکی اصل کیا ہے اس تحقیقات سے اُن کو یہ فایدہ ہوگا کہ اُس قول کا کچھ پتہ نہ چلیگا اور خدا کے کلام اور رسول ؐ کی کتاب سے اُسکی اصلیت ہی کچھ ثابت نہ ہوگی بلکہ ایک وضعی اور غلط اور بے بنیاد بات معلوم ہوگی اور جو الزام دین اسلام پر عاید ہوتا تھا وہ رفع ہو جاویگا اور اسلام کی حقیقت پر کسی معترض کا مونھہ نہ کھلیگا - پس خیال کرو کہ یہ محقق دوست شریعت کا اور عاشق اسلام کا ہے یا وہ مقلد - نعوذ باللہ من کتمان الحق وقد کان الحق بالاتباع الحق -

یہ بھی خیال کرنے کی بات ہے کہ جو علوم آج کل جاری ہیں اور جن کی تحقیقات روز بروز ہوتی جاتی ہے اس کا کچھ اثر مذہب اسلام پر پہونچے گا یا نہیں اور اگر پہنچے گا تو اُس کا علاج کیا ہے یہ تو کوئی زبان پر لا نہیں سکتا کہ اس کا اثر مذہب اسلام پر نہیں پہونچ سکتا کیونکہ اکثر علوم وہ ہیں جو ہماری مانی ہوئی مذہبی باتوں کے خلاف ہیں اور جب اُس کا بد اثر مذہب پر پہنچنا یقینی ہے تو اُس کے دفع کرنے کی فکر ضروریات سے ہے بلکہ خود از روئے اصول مذہب کے فرض کفایہ ہے پس اگر ہم اُس کی تدبیر صرف یہ خیال کریں کہ اُن علوم کی تعلیم کو حرام اور منع کہدیں تو وہ تدبیر کافی نہیں ہے دو وجہ سے اوّل یہ کہ اب معتضد باللہ خلیفہ عباسی کا عہد خلافت نہیں ہے کہ کتب فلسفہ اور معقولات کا پڑھانا اور علوم عقلی کا تعلیم کرنا ہمارے علماء کے فتوی سے بند ہو جاوے اور مولویوں کے کہہ دینے سے ان علوم کا پڑھنا پڑھانا موقوف ہو جاوے دوسرے اگر بعض مسلمان یا کل اہل اسلام پر اُن کا فتوی اثر کرے اور مسلمان اُن علوم وفنون سے جاہل بھی رہیں تو معترض کے اعتراضات اور منکرین اسلام کے شبہات کلی دفع کرنے کا کیا علاج ہے اور جو قوت اُن کے انکار کو بسبب حاصل نہونے جواب شافی کے ہوگی اسکا عذاب کس کی گردن پر ہے -

سچ تو یہ ہے کہ جو حالت اس زمانہ کی ہے اُسپر نظر کرکے یہ کہنا کہ معقولات کی تعلیم حرام ہے سراسر نادانی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی مقام کے رہنے والے کسی بلندی پر روشنی کے شعلے دیکھیں اور آگ لگنے کے خوف سے مضطر ہوکر اپنے رئیس سے صلاح پوچھیں اور وہ کہدے کہ سب اپنی آنکھیں بند کرلو اور اس آگ کو جو نمونہ جہنم کا ہے نہ دیکھو۔ رئیس تیمہ اُس کا اُس قوم کے حق میں کیا ہوگا۔ اگر وہ روشنی حقیقت میں جلانے والی آگ ہے تو وہ آکر اُس قوم کے گھربار کو جلاویگی اور نام و نشان اُن کا نہ رکھیگی اور اگر وہ روشنی تاریکی کی دُور کرنیوالی اور گھروں کی روشن کرنیوالی ہے تو اُس سے وہ قوم محروم رہیگی پس اُس قوم کے دوست کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ آنکھ بند کرلینے اور چُپ بیٹھ رہنے کی صلاح دے بلکہ اُس قوم کے سچے اور عاقل دوست کا کام یہ ہے کہ سب کو برانگیختہ کرے اور اُسکی حقیقت دریافت کرنے کا شوق دلاوے تاکہ چھوٹے بڑے سب اُس کو غور سے دیکھیں اور چھت پر چڑھ چڑھ کر اُسکی تحقیق کریں اگر درحقیقت وہ جلانے والی آگ ہو تو قبل اس کے کہ اُن کے گھر تک پہونچے اُسے پانی سے بجھاویں اور اگر وہ گھروں کی روشن کرنے والی قندیل ہو تو اُس سے اپنے گھروں کو بھی روشن کریں۔

ہمارے مذہب کے وہ عالم بھی متعدد تھے جنہوں نے علوم یونانیوں کی ترویج پر کہا تھا کہ "یا معشر الخلان انی انست نارا فی بوادی هذه الفنون اٰتیکم منها بخبر او قبس لعلکم تصطلون" اور ہمارے ہی دین کے وہ بھی پیشوا تھے جنہوں نے ریاضی کے منکرین کی نسبت فرمایا تھا کہ "قد اتخذه القوم ظهریا و ظنوه شیئا فریا" اور اب ہماری ہی قوم کے وہ لوگ ہیں کہ ان علوم و فنون سے ناواقف ہیں اور جاہلوں کی طرح اُس کی حقیقت سے منکر ہیں اور اپنی قوم کو اُس کی تحصیل سے مانع ہیں اس سے ہماری قوم جہالت کے دریا میں غرق ہوتی جاتی ہے اور تعصبات کے تاریک جنگل میں بھٹکی پھرتی ہے اور اگر کوئی شاذ و نادر اُس سے نکلتا ہے تو اُس کا کوئی راہ بتانے والا اور منزل مقصود کو پہنچانے والا نہیں ہے۔ فظالهوه کالحیاری فی الصحاری ولا یهتدون الی منازلہ سبیلا ولا یجدون علی حداوله مرشدا ودلیلا۔

دوسرا شبہ تطبیق معقول و منقول میں

بعض جہلا کہتے ہیں کہ عقلی علوم کا مثل ہیئات و ریاضی اور ہندسہ اور طبعیات وغیرہ کے سیکھنا اور اُس سے مذہبی باتوں کو ملانا جائز نہ ہو تو بے سود اور عبث ہے خدا کے کلام کی تصدیق بندوں کی باتوں سے کرنا اور رسول کے اقوال کو لوگوں کی تحقیقاتوں سے جانچنا اگر بددینی اور الحاد بھی نہ ہو تو بے سود اور لاحاصل ضرور ہے مگر یہ غلطی ہے کیونکہ خدا نے صرف اصول اور کھلی ہوئی باتیں بیان کی ہیں اور عجایب و غرایب قدرت کی باریک باتیں ظاہر نہیں کی ہیں مگر سوچنے والوں اور غور کرنے والوں کو اُسکی تحقیق کی اجازت دی ہے پس جس قدر کہ ہم اُس کی مخلوق کی حقایق سے واقف ہوں اور اُس کے ملکوت سموات و ارض کی ماہیت کی تحقیق کریں تو وہ اُس یقین کو جو اُسکی قدرت و عظمت پر ہمارے دل میں ہے اور قوت بخشے گا اور ہمارے ایمان کو مضبوط کریگا جیسا کہ امام رازی رح تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ فمن دعا الی النظر والاستدلال کان علی وفق القران ودین الانبیاء ومن دعا الی التقلید کان علی خلاف القران وعلی وفاق دین الکفار۔ ماورائے اس کے جو دقایق حقایق قرآن مجید میں مذکور ہیں اُن کی تشریح و تفصیل سے اُس کے اعجاز اور کلام کی تصدیق زیادہ ہوگی جیسا کہ قال ابراہیم الخلیل علیہ الصلوات والسلام۔ بلی و لکن لیطمئن قلبی ؛

امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ اعتراض جہلاء کا سراسر لغو اور غلط ہے کیونکہ اگر ہم کسی عالم کی کتاب پر ایمان لاویں صرف یہ سمجھکر کہ وہ عالم درحقیقت عالم ہے تو کیا ہمارا ایمان اُس شخص کی برابر ہوگا جو کہ اُس کتاب کو پڑھے اور اُس کے دقایق اور نکات اور باریکیوں سے واقف ہو جائے بلاشک جو آدمی اُس کے حقایق و دقایق سے زیادہ واقف ہوگا اُسی قدر اُس کا ایمان کامل اور مضبوط ہوگا اور اُس مصنف کے جلال و عظمت پر اُسکو زیادہ یقین ہوگا۔

تیسرا شبہ تطبیق معقول و منقول میں

بعض لوگوں کا یہ قول ہے کہ جو کچھ ہمارے خدا اور رسول نے کہدیا ہے وہ سب سچ

پھر اُس کی تحقیق اور تصدیق کی کیا حاجت ہے مگر یہ غلطی سمجھ کی ہے اور دو وجہ سے تطبیق کی نہایت ضرورت ہے۔ اول وہ باتیں جو اَور لوگوں نے خدا اور رسُول کی طرف منسوب کر دی ہیں اور حقیقت میں خدا و رسُول کی نہیں ہیں دین سے حرف غلط کی طرح نکل جاویں اور مذہب کی سیدھی اور عمدہ راہ میں جو کانٹے اور کنکر پتھر لوگوں نے ڈال دیئے ہیں جس کے سبب سے چلنے والے ٹھوکریں کھاتے ہیں اور مُنہ کے بل گرتے ہیں وہ صاف کر دیئے جاویں دوسرے جو لوگ مذہب کی حقیت پر صرف مخالفت معقول کی وجہ سے طعنہ کرتے ہیں اُن کی زبان بند ہو جاوے اور جو شبہات ناواقفیت اور غلطی کے سبب اُنکو پیدا ہوتے ہیں وہ رفع ہو جاویں۔

جو لوگ تطبیق معقول و منقول پر ایسے شبہات کرتے ہیں اور جن کے دماغ میں ایسے ہیچ اور غلط خیالات سماتے ہیں وہ تطبیق معقول و منقول کی اصلی غرض سے واقف نہیں ہیں وہ یہی سوچتے ہیں کہ اَب تک بڑے بڑے علما نے کیوں اس طرف نہ توجہ کی اور اَب لوگ کس خیال سے اسکی آرزو کرتے ہیں۔ شاید اُن کو یہ خیال ہے کہ خدا اور رسُول کے کلام کی تصدیق کے لیئے اُن کے کلام کا معقولات سے ملانا ضروری شرط سمجھا گیا ہے حالانکہ یہ غلطی ہے بلکہ جب علوم معقولات کے سبب سے دینیات میں شبہات پیدا ہو گئے اور مسائل حکمیہ کے جاری ہونے سے اقوال مذہبیہ پر طعنے شروع ہوئے اور فلسفہ اور حکمت کے جاننے والوں نے مذہب پر زبان طعن درازکی تو ضرور اور لازم ہوا کہ مذہبی مسایل کی اصلی حقیقت بیان کی جاوے اور جو خارجی بے اصل باتیں مذہب میں داخل ہو گئی ہیں نکال ڈالی جاویں اور منقول کا جسے اہل معقول غلط کہتے ہیں مطابق واقع کے ہونا ثابت کر دیا جاوے پس اِس زمانہ میں حقیقت میں نہ یہ بیہودہ ہے اور نہ ناجائز ہے بلکہ ضرور اور لازم اور فرض کفایہ ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں "ونشاء التمسك بالمعقول في كثير من المباحث الدينية وظهرت تشكيكات في الاصول الاعتقادية العلمية فال الامر الي ان صار الانتهاض لاقامة الدلائل العقلية حسب النصوص النقلية وتطبيق المنقول بالمعقول والمسموع بالمفهوم نصرا موزرا للدين وسعيا جميلا في جمع شمل المسلمين ومعدودا من اعظم القربات وراس الرؤس الطاعات"۔

چوتھا شبہ تطبیق معقول و منقول میں

بعض فقہا یہ بھی خیال کرتے ہیں کہ اگر علوم عقلی کی تعلیم جائز کی جاوے اور اقوال مذہبی کی معقولات سے ملانے کی اجازت دی جاوے تو ظواہر آیات و احادیث کی رعایت نہ رہے گی اور تاویل اور استعارہ اور تشبیہ سے آیات و احادیث کے ظاہری معنی سے اعتقاد اُٹھ جاویگا اس واسطے علماء ظاہری نے الفاظ و عبارت کی نہایت رعایت کی اور استعارات اور تشبیہات سے احتیاط رکھے ۔

یہ شبہ زیادہ اس سبب سے پیدا ہوا کہ کسی زمانہ میں باطنیہ فرقہ نے تمام آیات کو ماول کر دیا اور اُس کے ظاہری معنوں سے انکار کیا مگر ہماری یہ غرض نہیں کیونکہ اگر ایسا ہو تو بغیر مناسبت اور رعایت الفاظ کے فرضی معنی بنائے جاویں اور نعم سے مراد لا اور لیس سے مراد آرے لیجاوے تو تطبیق سے کیا حاصل ہوگا ۔ تطبیق تو اُس حالت میں مفید ہوگی کہ بناوٹ اور تکلف نہ پایا جاوے اور عقل سلیم اُس تاویل کو تسلیم کرے لیکن جتنی پابندی ظاہری الفاظ کی بعض علماء نے کی ہے وہ بھی شارع کے مقصود کے برخلاف ہے ۔ کیونکہ جب خدا نے بندوں سے خطاب کیا اور اُن کو ترغیب اور تہدید کی تو اُن کی سمجھ اور فہم اور علم کے مناسب اُن سے گفتگو کرنا اُس حکیم کی مقتضائے حکمت تھا اور جن باتوں کو وہ خوشی اور رنج کی سمجھتے تھے اُسی پیرایہ میں اُن کا سمجھانا مناسب تھا پس اگر خدا نے اپنی قدرت کے اظہار میں فرمایا کہ سب آسمان اور زمین میرے ہی تہ کے بنائے ہوئے ہیں اور سب آسمانوں سے اوپر عرش پر میرا مقام ہے اور میرے تخت کو بڑے بڑے فرشتے اُٹھائے ہوئے ہیں اور میں آسمانوں کو کپڑے کی طرح جب چاہوں گا تہ کر ڈالوں گا تو خود عقل شہادت دیتی ہے کہ مراد اس سے اظہار قدرت ہے نہ بیان حقیقت پس اگر کوئی ظاہری لفظوں کی ایسی رعایت کرے کہ خدا کے ہاتھ سے مراد ہمارے سے ہاتھ ہیں اور عرش سے مراد تخت طاؤسی ساخت زرنگار ہے اور حاملان عرش سے سلطانی بانات کی وردی پہنے ہوئے کہار مراد ہیں تو یہ اُس کی نادانی ہے اور اس سے جو کچھ اعتراض شریعت پر وارد ہووے اُس کا الزام اُس نادان پر ہے نہ شریعت پر ۔

پس ظاہری الفاظ کی حد سے زیادہ رعایت کرنے سے بڑا نقصان ہوا۔ لوگ حقیقت سے دین ومذہب کی بے خبر ہو گئے۔ دلوں سے اصلی نور ایمان کا جاتا رہا۔ اسلام پر جو کہ روحانی لذتوں کا پہنچانے والا اور انسان کا اعلیٰ درجہ کی تہذیب وشائستگی بخشنے والا ہے ظاہری صفائی اور جسمانی لذتوں کی رہنمائی کا غلط الزام لوگوں نے لگایا۔ تناقض اور اختلاف دینیات میں بڑھ گیا۔ تاویلات رکیکہ کرنے کی ضرورت ہوئی جرأت بار دہ دینے سے ضعف دین اسلام کا ظاہر ہوا کہ علماء کاملین مذہب اسلام کو قایم نہ رکھتے تو ان ظاہری عالموں کی بدولت مذہب اسلام میں سوائے نام کے کچھ نہ رہتا۔ اور بجز پوست اور چھلکے کے کچھ باقی نہ رہتا مگر رحمت ہو خدا کی اُن علماء پر جنہوں نے دین کو قایم رکھا اور اصول اور احکام شریعت کے حقایق کو ظاہر کیا۔ ولنعم ما قال الامام الغزالي رحمۃ اللہ علیہ ان من یاخذ العلوم من الالفاظ المنصوصۃ المأولۃ والعمومات المحققۃ کان الضلال علیہ اغلب ما لم یهتد بنور اللہ تعالیٰ الی ادراک العلوم علی ما هي علیہ

ظاہری الفاظ کی پابندی پر ایک اور غلطی یہ ہوئی کہ علاوہ قرآن وحدیث کے لوگوں کے اقوال بھی قابل استناد ٹھہرائے گئے اور وہ الفاظ جو کسی نامی آدمی کی زبان سے نکلے اور وہ حرف جو کسی مشہور شخص کے قلم سے نکلے وہ بھی اسلام میں داخل کیے گئے اور اُن لفظوں اور حرفوں کی بھی رعایت ضروری سمجھی گئی اُس پر حکایات کاذبہ اور قصص باطلہ اور روایات ضعیفہ نے اسلام کی یہ کیفیت کردی کہ مذہب اسلام اضحوکہ طفلان ہو گیا اور دین کو لوگ کہانیوں اور قصوں کا مجموعہ سمجھنے لگے۔

اگر چشم انصاف سے دیکھا جاوے اور تعصب ولجاج کو دخل نہ دیا جاوے تو کیا فرق ہے ہندوؤں کے اس قول میں کہ میرو پہاڑ دنیا کا مرکز ہے اور اُس کے پہلو جواہرات کے ہیں اور اُس کی چوٹی پر زمین کی بیکنٹھ ہے اور سات سمندر دودھ اور شراب اور گنے کے رس کے اُس کے گرد ہیں اور ہمارے اس قول میں کہ زمین چپٹی ہے اور گائے کے سینگ پر رکھی ہے اور سات آسمان سونے۔ چاندی۔ یاقوت موتی کے ہیں اور کوہ قاف زمرد کا پہاڑ ہے اُس پر ستون آسمان کے کھڑے ہوئے ہیں۔ پس اگر ہم ہندوؤں کی کتابوں پر ہنسیں اور اپنے اس خرافات پر غور نہ کریں

تو افسوس ہے ہماری سمجھ اور شرم پر اذا القیت جلباب الحیاء فقل ما شئت من لاحیاء له لا ایمان له +

اگر ایمان اور عقل کو دخل دیا جاوے تو آج اس سے زیادہ کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے کہ جو کچھ اگلے فلاسفہ اسلام نے کیا وہ ہم کریں اور علوم و فنون جدیدہ صرف واسطے تقویت دین کے حاصل کریں اور اسرار کتوم کو کھولیں اور حکایات اور اباطیل کو دین کی کتاب سے حک کریں اور جو جھوٹے قصوں اور بے اصل باتوں نے خوبصورت اور روشن چہرہ کو اسلام کے داغدار کر دیا ہے اُن داغوں کو مٹا دیں اور اُن سیاہ بادلوں کو جو اسلام کے روشن آفتاب کے گرد جمع ہو گئے ہیں ہوا میں اُڑا دیں تاکہ سب اُس کے نور سے ہدایت پاویں نہ کہ اُس ملصلی سیاہی کے سبب سے ٹھوکریں کھاویں اگر اہل ایمان کے نزدیک یہ کام اسلام کا نہیں ہے تو معلوم نہیں کہ اسلام کا کام کیا ہے -

اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ جاہلوں بلکہ اکثر عالموں کو یہ خیال ہوتا ہے کہ جو بات دین سے منسوب ہو گئی ہو گو وہ واقع میں دین کی ہو یا نہو مگر اُس کی حمایت ہی کرنی چاہیئے مگر یہ غلطی ہے - خیال کرو کہ اگر چرک اور میل اور کثافت بدن پر جمع ہو جاوے اور ہتدا مدت اور بے احتیاطی کے سبب سے وہ ایک تہ جسم کی ہو جاوے تو کیا اُس کا دور کرنا جسم کے اصلی اجزاء کا جدا کرنا اور اُس کی ہیئات اور شکل کا بدلنا ہے - ہرگز نہیں بلکہ اُس جسم کی طہارت کو ظاہر کرنا اور اُسکو اصلی ہیئات پر لانا اور اُس کی کثافت اور میل کو چھوڑانا ہے پس گو کوئی جاہل غلطی سے ایسی کثافت دور کرنے والے کو دشمن جانے مگر حقیقت میں وہ سچا دوست اور پکا خیر خواہ اُس جسم کا ہے -

علم معقول و منقول

گو اگلے زمانہ میں ایسے لوگ گذرے ہوں جو منقول موجودہ اور معقول قدیم یونانیہ کے جامع ہوئے ہوں اور جامع معقول و منقول کہلائے ہوں - مگر اس زمانہ میں منقول موجودہ اور معقول جدیدہ کا جامع ہونا غیر ممکن ہے اور اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ اب نئے معقولات

پر لحاظ کرکے کسی آدمی کا جامع معقول و منقول ہونا غیر ممکن ہے ۔
ہماری اِس بات پر یقینی لوگ تعجب کریں گے اور اِس امر کو نہ مانیں گے لیکن ہم ثابت کرتے ہیں کہ ہمارا قول نہایت صحیح اور درست ہے کیونکہ ہماری مذہبی تعلیم آج کل کے علوم و فنون کی تعلیم کے بالکل خلاف ہے اور دونوں میں تناقض کی نسبت ہے جو ہمارے مذہبی عقاید ہیں اُنھیں آج کل کے تربیت یافتہ اوہام اور خیالات کہتے ہیں اور جو مسایل علوم و فنون جدیدہ کے ہیں اُنھیں ہمارے عالم ذریعہ الحاد جانتے ہیں پس جب دونوں میں باہم ایسی نقیض اور اختلاف ہے تو ایک دل میں دونوں قسموں کے خیالات کا آنا حقیقت میں نقیضین کا جمع ہو جانا ہے ۔ فرض کرو کہ ایک طالب علم نے دونوں قسم کی تعلیم شروع کی ۔ جب وہ مدرسہ میں گیا اور اُس نے جغرافیہ میں پڑھا کہ زمین چلتی ہے اور آفتاب کے گرد گھومتی ہے ۔ پھر جب وہ اپنے ملاجی کے پاس آیا اُنھوں نے پڑھایا کہ زمین گائے کے سینگ پر رکھی ہوئی ہے اور گائے مچھلی پر ہے اور سورج زمین کے گرد پھر رہا ہے اور یہ بھی مولوی جی نے کہہ دیا ہے کہ یہ سچا عقیدہ دین کا ہے ۔ اس کا نہ ماننا کفر ہے پس سوچو کہ وہ طالب علم کیا کرے گا ۔ ایسی تعلیم سے کچھ فایدہ پاوے گا ۔ یقیناً وہ ایک مصیبت میں مبتلا ہو جاوے گا ۔ اور اُسکی عقل جاتی رہے گی اور ضرور دونوں تعلیموں سے ایک کو چھوڑ بیٹھے گا ۔
اگر کوئی خیال کرے کہ یہی امر پُرانے معقولات کی تعلیم میں بھی پیش آیا تھا پھر کیونکر ایک ہزار برس تک منقولات کے ساتھ اُس کا سلسلہ جاری رہا ۔ اُس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ حال کے معقولات کا قیاس پچھلے معقولات پر کرنا حقیقت میں قیاس مع الفارق ہے اور بڑی غلطی اور دھوکہ کی بات ہے ۔ دو سبب ۔ اوّل یونانیوں کے معقولات کا مدار فرضی اور وہمی دلیلوں پر تھا اور خود پڑھنے والے کا دل اُسکی حقیت پر کامل یقین نہ کرتا تھا اکثر دلیلیں اُن کی مخدوش اور مجروح تھیں اور اُن پر یہ مقولہ بنا ر فاسد علی الفاسد کا صادق تھا اس لیئے اُن مسایل عقلی سے جن کی دلایل و براہین مخدوش و مجروح تھیں مسایل شرعی پر کوئی نقصان صریح نہیں پہونچتا تھا اور اُن معقولی مسایل کے جاننے والوں کا دل اپنے مذہبی مسایل سے پھر نہیں سکتا تھا بخلاف اُن تحقیقاتوں کے جو آج کل ہوئی ہیں اور اُن مسایل حکمیہ کے جن کی تعلیم اِن دنوں میں ہوتی ہے کہ اُس کے جاننے کے بعد

اُن مسائل کی حقیقت سے وہی شخص انکار کرسکتا ہے جو اپنی آنکھ سے دیکھی ہوئی کسی چیز سے انکار کرے۔ یونانیوں کی حکمت کے عمدہ مسائل مثل ابطال جزء لایتجزی اور اثبات ہیولیٰ و صورت اور استحالہ خلاء اور حرکت فلک علی الاستدارہ اور ابطال خرق و التیام الواحد لایصدر عنہ الا الواحد اور کرویۃ اجسام بسیط کیا ایسے ہیں جن کے دلایل ایک فرضی وہمی دلیل سے کچھ زیادہ رتبہ رکھتے ہوں یا عناصر بسیط اور اسطقسات اربعہ اور کائنات الجو کی تحقیقاتیں اُن کی اس قابل ہیں کہ عقلی دلیل یا تجربہ اور مشاہدہ سے اُس کا مل ثبوت ہوتا ہو حقیقت میں ایک دلیل بھی اُن کی ایسی قوی اور مضبوط نہیں بخلاف اس زمانہ کی تحقیقاتوں کے کہ کوئی دلیل فرضی اور وہمی نہیں ہے۔ سب چیزوں کا ثبوت مشاہدہ اور تجربہ پر ہے جس کے سمجھنے کے بعد کسی شخص کو اُس کی حقیقت میں شبہ پیدا ہو ہی نہیں سکتا۔ پس پُرانی معقولات کی تعلیم منقولات کے ساتھ کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی تھی اور پڑھنے والے کی طبیعت کو کامل پریشانی نہیں ہوتی بخلاف حال کی معقولات کے کہ اُس کے سمجھنے کے بعد جو تعلیم اُس کے مخالف ہوگی اُس کو کوئی قبول ہی نہ کرے گا۔

علاوہ اس کے پُرانی معقولات کی تعلیم کا منقولات کے ساتھ جاری رہنے کا ایک دوسرا سبب تھا کہ ہمارے قدیم عالموں نے خوب تحقیقات کر کے دونوں میں تطبیق دی اور جہاں تک ہو سکا ایک کو دوسرے سے ملا دیا یا ایک کی غلطی کو ظاہر کر دیا اسی واسطے علم کلام کی کتابیں یونانی مسئلوں سے بھری ہوئی ہیں اور اُن کی تطبیق یا تردید کی دلیلیں لکھی ہوئی ہیں بخلاف اس زمانہ کے کہ اب تک یہ کام کسی نے شروع ہی نہیں کیا اور حال کی معقولات کے کسی مسئلہ کو اپنے دینی کسی عقیدہ سے نہ تطبیق دیا نہ اُس کی تردید کی پس وہ پُرانا معقولات جس کے مسائل کو ہزار برس تک مختلف عالم اپنے دینی مسئلوں سے مقابل کرتے آئے اور تطبیق یا تردید کرتے رہے کیونکہ اُس معقولات سے مقابل ہو سکتا ہے جس کے ایک مسئلہ کو بھی اب تک کسی نے اپنے دینی مسئلہ سے نہیں ملایا۔ غرض کہ اب نئے علوم کی تعلیم کے ساتھ مذہب قایم رکھنے کے لیئے ضرور ہے کہ مذہبی عقاید اور مذہبی امور میں تفریق کی جاوے اور تخیلات و توہمات مذہب کے سچے صحیح عقیدوں سے جدی کر دیئے جاویں اور لوگوں کی فرضی اور وہمی باتیں جو دین میں داخل ہو گئی ہیں اور اصلی خدا کی بتلائی ہوئی باتوں سے خلط ملط ہو گئی ہیں دین سے نکال دی جاویں تب جو اصلی اور اچھی باتیں ہیں

وہ حال کے علوم سے مطابق کی جاویں اور نئی نئی تالیفات علم کلام میں کی جاویں اور یہ بات گو بظاہر نہایت ہی مشکل معلوم ہوتی ہے مگر حقیقت میں کچھ مشکل نہیں ہے اگر مسلمانوں کو مذہبی عقاید اور عقلی علوم دونوں کی تعلیم اپنی قوم میں جاری کرنی منظور ہے تو اُن کو ایسا کرنا ضروریات سے ہے۔ ورنہ دونوں میں سے ایک چھوڑنا پڑے گا۔ ہم اُن دقتوں اور مشکلات سے بے خبر نہیں ہیں جو اس کام میں پیش آویں گی اور نہ اُس انقلاب عظیم سے غافل ہیں جو ہمارے قدیمی سلسلہ تعلیم میں علوم جدیدہ کی تطبیق سے واقع ہوگا۔ مگر ہم سوائے اس کے دوسرا علاج نہیں پاتے اور چار و ناچار ہمکو یہی کرنا چاہیے ✤

تحریف الفاظ علوم

اس زمانہ میں جو علوم شرعی علوم سمجھے جاتے ہیں اور جو باتیں بڑی دینداری اور ایمان کی خیال کی جاتی ہیں جب اُس کی حقیقت پر غور کیا جاتا ہے اور خدا و رسول کے کلام سے اُس کی تطبیق دی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ نہ وہ علوم حقیقت میں شرعی علوم ہیں اور نہ وہ باتیں فی نفسہ دینداری اور ایمان کی ہیں بلکہ دنیا طلبی اور نفس پروری اور غرور و حب جاہ کے سبب سے لوگوں نے تحریف کر کے شارع کے مقصود کے برخلاف اُن علموں کی حقیقت کو چھپا کر اور اپنی بنائی ہوئی باتوں پر اطلاق دینداری اور ایمان کا کر کے لفظوں کے التباس سے لوگوں کو دھوکہ اور مغالطہ میں ڈال دیا تاکہ اس سبب سے وہ لوگ علماء ربانی سمجھے جاویں اور نایب رسول اور جانشین نبی ٹھہریں۔

بلاشبہ وہ علوم اور وہ باتیں فی نفسہ سلف صالح اور قرن صحابہ میں شرعی علوم اور دین کی باتیں تھیں اور اُن کے جاننے والے بڑے دیندار بلکہ نایب رسول تھے مگر اب اُنمیں ایسی تحریف اور تبدیل و تغیر ہوگئی ہے کہ سوائے لفظوں کے اُن کے معنی ہی باقی نہیں ہے اور جو مراد اُن علموں سے اُس وقت لی جاتی تھی وہ بالکل فوت ہوگئی پس اب اُن علوم کے جاننے والوں کا اپنے آپ کو محقق اور مدقق سمجھنا اور جو شخص اُنکی اصطلاحات اور محاورات کے لفظوں کو زبان پر نہ لاتا ہو اور اُن کی بنائی ہوئی بولیاں نہ جانتا ہو اُسکو

جاہل اور دین کی باتوں سے بے خبر کہنا اور جو کوئی اُن علوم کی مذمت کرے یا انکو شرعی علوم نہ جانے اُسے مرتد اور بددین بتلانا حقیقت میں اُسی تحریف کا نتیجہ ہے پس جب تک کہ اُن لفظوں کی اصلی حقیقت بیان نہ کیجاوے اور جو معنی اُس کے سلف صالح اور صحابہ سمجھے تھے ظاہر نہ کیئے جاویں اور جو کچھ تحریف اُسمیں کی گئی ہے وہ ثابت نہ کی جاوے تب تک یہ مغالطہ اور دھوکہ رفع ہو ہی نہیں سکتا۔

منجملہ اُن لفظوں کے چند لفظوں کا ہم بیان کرتے ہیں۔ اول لفظ علم دوسرے لفظ فقہ تیسرے لفظ حکمت چوتھے لفظ وعظ و تذکیر۔

اوّل لفظ علم

لفظ علم کا اطلاق خدا اور اُس کے رسول کے کلام میں اُن چیزوں کے جاننے پر ہے جو تعلق ذات اور صفات اور آیات اور افعال خدائے عزّ و جل کے ہوں اور جس سے اُس کی قدرت و عظمت اور جلال کی تاثیر دل پر ہووے مگر اس لفظ کی تحریف اس طرح کی گئی ہے کہ لوگوں نے اُسے مخصوص اپنے مصطلحات اور محاورات پر کر دیا ہے اور جن باتوں کا کچھ ذکر بھی قرن اوّل میں نہ تھا۔ اُن کو اصل علم قرار دیا ہے اسی واسطے جو شخص علم کلام خوب جانتا ہو اور مسایل فقہیہ میں خوب مناظرہ اور مباحثہ کرتا ہو اور لوگوں کے گھڑے ہوئے اصول سے بخوبی واقف ہو اور کتابی لفظوں کو اچھی طرح یاد رکھتا ہو وہی بڑا عالم اور علامہ سمجھا جاتا ہے اور جو فضایل علماء کے شارع نے بیان کیئے ہیں اُن کا مستحق ٹھہرایا جاتا ہے لیکن حقیقت میں وہ فضیلتیں اُن علماء کی نسبت بیان کی گئی ہیں جو کہ اللہ جل شانہ کی ذات و صفات اور قدرت اور جلال کے جاننے والے ہیں۔

دوسرا لفظ فقہ [1]

اس لفظ میں تحریف اس طرح کی گئی ہے کہ اُسے مخصوص کر دیا ہے فروعات کے جاننے

[1] الفقہ فقد تصرفوا بالتخصیص لا بالنقل و التحویل اذ خصصوہ بمعرفۃ الفروع الغریبۃ فی الفتاوی والوقوف علی دقایق عللھا و استکثار الکلام فیھا وحفظ [illegible]

احیاء جلد ۱

چوتھا لفظ وعظ و تذکیر[1]

وعظ و تذکیر کی بڑی صفت اللہ جل شانہ نے کی ہے اور اُس کی فضیلت میں خدا نے فرمایا ہے وذکر فان الذکری تنفع المؤمنین اور حضرت سرورکائنات علیہ الصلوات والتحیات نے بھی مجالس ذکر کی بڑی بزرگی بیان فرمائی ہے۔ لیکن اب اس زمانہ میں جس بات پر اطلاق وعظ و تذکیر کا ہوتا ہے وہ حقیقت میں تحریف ہے یعنی اس زمانہ کے

---

[1] فنقل ذالک الی ما تری اکثر الوعاظ فی ھذا الزمان یواظبون علیہ وھو القصص والاشعار والشطح والطامات اما القصص فھی بدعۃ وقد ورد فھی السلف عن الجلوس الی القصاص وقالوا لم یکن ذلک فی زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا فی زمن ابی بکر ولا عمر رضی اللہ عنہما حتی ظھرت الفتنۃ وظھر القصاص وروی ان ابن عمر رضی اللہ عنہما خرج من المسجد فقال ما اخرجنی الا القصاص ولولاہ لما خرجت (احیاء)

ومن الناس من یستجیز وضع الحکایات المرغبۃ فی الطاعات ویزعم ان قصدہ فیھا دعوۃ الخلق الی الحق وھذا من نزغات الشیطان فان فی الصدق مندوحۃ عن الکذب وفیما ذکر اللہ تعالی ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم غنیۃ عن الاختراع فی الوعظ کیف وقد کرہ تکلف السجع وعد ذلک من التصنع۔ (احیاء)

واما الاشعار فتکثیرھا فی المواعظ مذموم قال اللہ تعالی والشعراء یتبعھم الغاوون الم تر انھم فی کل واد یھیمون وقال تعالی وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ واکثر ما اعتادہ الوعاظ من الاشعار ما یتعلق بالتواصف فی العشق وجمال المعشوق وروح الوصال والم الفراق والمجلس لا یحوی الا اجلاف العوام وبواطنھم مشحونۃ بالشہوات وقلوبھم غیر منفکۃ عن الالتفات الی الصور الملیحۃ فلا تحرک الاشعار من قلوبھم الا ما ھو مستکن فیھا فتشتعل فیھا نیران الشہوات فیزعقون ویتواجدون واکثر ذلک اوکلہ یرجع الی نوع فساد۔

واعظ اپنے وعظ میں قصے کہتے ہیں جھوٹی کہانیاں بیان کرتے ہیں۔ شہوت انگیز شعر پڑھتے ہیں۔ جھوٹا مذہبی جوش دلانیوالی رعایتیں جن کی کچھ بھی اصلیت نہیں نہایت خوش تقریری سے ایک عمدہ قصہ خوان کی طرح نقل کرتے ہیں۔ اور انبیا اور بزرگان دین کی نسبت بے اصل باتیں منسوب کرکے اُسے بڑی دینداری بلکہ ذریعہ نجات سمجھتے ہیں۔ اور لوگوں کے دلوں میں اُن بے اصل باتوں کا ایسا یقین لاتے ہیں کہ سننے والے اُسے خدا اور رسول کے قول کی برابر جانتے ہیں حالانکہ قصص اور حکایات کا وعظ میں بیان کرنا بدعت ہے اور اُس کا سننا سلف صالح نے نہایت بُرا جانا ہے اور قصہ گویوں کے پاس بیٹھنے سے منع کیا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مسجد سے نکل گئے اور کہنے لگے کہ ان قصہ گویوں نے مجھے مسجد چھوڑائی۔ اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے سوائے حضرت حسن بصری رح کے سب واعظوں کو مسجد سے نکال دیا۔

جو شخص اس زمانہ کے واعظوں کی باتیں سُنے وہ خود اس امر پر یقین کرسکتا ہے کہ اُن کا وعظ قصوں کہانیوں سے بھرا ہوا ہوتا ہے اور جھوٹی روایتوں اور بے اصل حکایتوں اور لغو اور خرافات باتوں سے مملو ہوتا ہے اور حضرات واعظین اُسے ہدایت کا ذریعہ سمجھتے ہیں بلکہ غیر صحیح روایتوں کا بیان کرنا وعظ و تذکیر کے لیئے جائز جانتے ہیں اور اُسکو راہ حق پر پہنچنے اور دل میں سوز و گداز پیدا کرنے کا وسیلہ کہتے ہیں حالانکہ یہ وسوسہ شیطان کا ہے کیونکہ کبھی حق جھوٹھ سے حاصل نہیں ہوتا۔ اور بیراہ چلنے سے کوئی دین کی منزل پر نہیں پہونچسکتا۔ اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تکلف اور سجع اور تصنع سے اپنی اُمت کو منع فرمایا ہے حالانکہ اب مدار وعظ کی خوبی کا اُسی پر ہے۔ سب سے زیادہ خرابی اور بربادی دین کی اُن واعظوں کے وعظ سے ہے جو شعریں پڑھتے ہیں اور شہوت انگیز اشعار پڑھ پڑھ کر لوگوں کو وجد میں لاتے ہیں اور وصال و فراق کے مضمون بیان کرکے اس شہوت کو تیز کرتے ہیں اور اُسے عشق حقیقی کا ذریعہ کہتے ہیں۔

اور اُس سے بھی زیادہ بُرائی اُن لوگوں کے بیان سے پیدا ہوتی ہے جو کہ بڑے لمبے چوڑے دعوےٰ خدا کے عشق و محبت کے کرتے ہیں اور وصال و اتحاد کی حقیقت بیان کرکے اپنے نزدیک لوگوں کو خدا سے ملا دینے کی راہ دکھاتے ہیں اور اُس کی خوبی بعض بزرگوں کے حالات اور حکایات کی نقل کرنے سے لوگوں کے دلوں میں کالنقش فی الحجر

بٹھا دیتے ہیں۔ اسی واسطے اکثر جاہل احمق ناداں آدمی اِن باتوں سے گمراہ ہو جاتے ہیں اور منصور کی طرح انا الحق کہنے لگتے ہیں اور آخر کار دنیا اور دین دونوں سے بے نصیب ہو جاتے ہیں۔

علاوہ اِس کے اکثر حضرات واعظین خدا کے کلام میں تحریف کرتے ہیں اور جو مراد خدا کی اور اُس کے رسُول کی ہے اُسکو چھوڑ کر اپنے علم و فضل ظاہر کرنے اور لوگوں کے دلوں کو خوش کرنے کے لیئے غلط معنی بیان کرتے ہیں اور اُس کو نکتہ اور باریکی کہتے ہیں اور الفاظ ظاہری کو اپنے ظاہر معنی سے پھیر کر اُس کی بیجا تاویلیں کرتے ہیں اور غلط تفسیریں کر کے اپنے تئیں فصیح و بلیغ اور علامہ مشہور کراتے ہیں جیسا کہ بعضوں نے بیان کیا ہے بلکہ تفسیروں میں بھی لکھ دیا ہے کہ والضحیٰ سے مراد رخسارے اور واللیل سے مراد زلفیں ہیں یا آیہ اذھب الیٰ فرعون انہ طغیٰ میں مراد فرعون سے دل ہے۔ یا صم بکم عمی فھم لا یرجعون سے اہل تصوف اور عاشقان خدا ہیں کہ ایسے معنی بیان کرنے والے اپنی بڑی قابلیت اور علمیت ان معنوں سے ظاہر کرتے ہیں اور سُننے والے بھی اُسے سُن کر وجد میں آجاتے ہیں۔ مگر حقیقت میں ایسا وعظ بالکل حرام ہے اور کہنے والا اُس کا دشمن اسلام کا ہے بلکہ تہمت کرنے والا پیغمبر کا ہے۔ صلے اللہ علیہ وسلم فقد عرفت کیف صرف الشیطان دواعی الخلق من العلوم المحمودۃ الی المذمومۃ فکل ذالک من تلبیس علماء السوء بتبدیل الاسامی ؏

علم تفسیر

چند روز ہوئے کہ ہم نے ایک مختصر مضمون تفسیر بالرائے کی تعریف میں لکھا تھا اُسپر لوگوں نے بہت کچھ اعتراض کیا اور ہمکو منکر تفاسیر اور مخالف علماء ٹھہرایا اس لیئے اب ہم تفسیر کی حقیقت اور مفسرین کے طبقات اور تفاسیر کی کیفیت اور نئی تحقیقات کی ضرورت بیان کرتے ہیں تاکہ سمجھدار لوگ انصاف کریں کہ ہمارا قول اگلے عالموں کے موافق ہے یا اُن کے مخالف اور جس ضرورت سے ہم تحقیق کی آرزو کرتے ہیں وہ ہے یا نہیں۔

ہمارے بھائیوں کا یہ حال ہے کہ جہاں اُن کے کان تک وہ آواز پہنچی جسے اُنہوں نے پہلے نہ سُنا ہو چونک اُٹھتے ہیں اور ما سمعنا بھذا فی اٰبآئنا الاولین کہکر کہنے والے کو مرتد اور کافر بتاتے ہیں۔ نہ یہ سوچتے ہیں کہ یہہ کہنے والا اُسی بات کو کہہ رہا ہے جسے ہزار برس پہلے ہمارے دین کے پیشوا اور امام کہتے تھے نہ اسپر غور کرتے ہیں کہ یہ باتیں وُہی ہیں جس کو ہمارے مذہب کے محقق اور عالم لکھ گئے ہیں نہ اُس کی حقیقت اور اصلیت کو دیکھتے ہیں نہ اُس کے ماخذ اور مبدا پر نظر فرماتے ہیں بلکہ عامیانہ طور سے کہنے والے کی طرف الحاد و ارتداد کی نسبت کرنے لگتے ہیں اور قد کفر قد کفر کا شور آسمان تک پہنچاتے ہیں حالانکہ یہ بات بڑی نادانی کی ہے۔ عاقل کا کام ہے کہ وہ کہنے والے کی بات کو غور سے سُنے اور گو بوجہ اس کے کہ اُس نے پہلے اسے نہ سُنا ہو اُس کو تعجب ہو وے مگر تحقیق سے تساہل نہ کرے اُس کی حقیقت کو سوچے اگر کہنے والے کا قول حق اور صحیح ہو مانے ورنہ کالائے بد بریش خاوند اسکو کہنے والے کے سر پر مارے۔

اب میں اصل مطلب کو لکھتا ہوں اور اس مضمون کو چند بحثوں پر تقسیم کرتا ہوں پہلی بحث علم تفسیر کی تعریف میں۔ دوسری بحث مفسرین کے طبقات کے بیان میں تیسری بحث کتب تفاسیر کی حقیقت میں۔

پہلی بحث علم تفسیر کی تعریف میں

ہمارے متقدمین علماء علم تفسیر کی تعریف میں مختلف ہیں بعضے کہتے ہیں[1] کہ علم تفسیر وہ علم ہے جس میں بحث کی جاتی ہے نظم قرآن سے بقدر طاقت بشری کے موافق قواعد عربی کے واسطے استنباط کرنے احکام شرعی کے اور بعضے یہ لکھتے ہیں[2] کہ علم تفسیر وہ علم

---

[1] وھو علم باحث عن معنی نظم القرآن بحسب الطاقۃ البشریۃ وبحسب ما تقتضیہ القواعد العربیۃ وفائدہ حصول القدرۃ علی استنباط الاحکام الشرعیۃ علی وجہ الصحۃ۔ ھذا ما ذکرہ ابو الخیر وابن صدر الدین۔

[2] ھو ما یبحث فیہ عن مراد اللہ سبحانہ وتعالیٰ من قرآن المجید۔ مولانا قطب الدین الرازی فی شرحہ للکشاف ۱۲

ہے جس میں بحث کی جاتی ہے اللہ جل شانہ کی مراد و مقصود سے جو قرآن مجید میں ہے اور بعضے یہ فرماتے ہیں[2] کہ وہ وہ علم ہے جسمیں بحث کی جاتی ہے الفاظ کلام اللہ سے تاکہ دلالت کرے مراد پر اللہ جل شانہٗ کی۔ ہمارے مذہب کے ایک بڑے محقق نے[1] ان تعریفوں کو جامع مانع نہیں جانا اور یہ لکھا کہ اللہ جل شانہٗ کی مراد سے بحث کرنا علم تفسیر نہیں ہے کیونکہ تفسیر دو ہی طرح پر ہوتی ہے۔ یا روایتاً یا درایتاً۔ چونکہ اکثر روایتیں تفسیر کی احاد ہیں اس لیئے وہ مفید یقین نہیں ہوسکتیں۔ پس از روئے روایت کے مراد خدا کی یقیناً معلوم نہیں ہوسکتی۔ باقی رہا از روئے درایت کے یعنی موافق اپنی سمجھ کے معنی سمجھنا یہ امر بھی ظنی ہے۔ اسی واسطے تفسیروں میں ایک دوسری سے اختلاف ہے۔ پس کیونکر اُسپر یقین کیا جاوے کہ یہی مراد و مقصود خدا ہے۔ پس اصل تعریف جامع مانع علم تفسیر کی یہ ہے[2] کہ تفسیر وہ علم ہے جس سے کیفیت خدا کے کلام کی من حیث القرانیۃ اس طرح دریافت کیجاوے کہ جس سے علم یا ظن اللہ جل شانہٗ کی مراد اور مقصود کا بقدر طاقت بشری کے حاصل ہو۔

پس علم تفسیر کی تعریف میں جو باہم علماء کے اختلاف ہے اور جو تعریف جامع مانع اُس علم کی بعض محققین نے بیان کی ہے یہ اختلاف اور یہ تعریف ہی اس بات پر اشارہ کرتی ہے کہ تفسیر جو کچھ اگلے لوگوں نے کی ہے وہ نہ سب واجب الیقین ہے اور نہ وہ معانی جو بیان کیئے گئے ہیں سب منقول مخبر صادق علیہ السلام سے ہیں بلکہ جو کچھ مفسرین نے معانی اور مطالب بیان کیئے ہیں اُن سب کا منقول ہونا صحابہ یا تابعین سے بھی نہیں پایا جاتا۔ پس وہ معانی جو باخبار مشہورہ یا بروایات صحیحہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہیں صرف ظنی ہیں اور اگر اُن میں سے کسی کی غلطی ظاہر ہو جاوے تو اُس کا ماننا کچھ لازم نہیں۔

---

[1] شارح تفتازانی

[2] فالاولی ان یقال علم التفسیر معرفۃ احوال کلام اللہ سبحانہ وتعالیٰ من حیث القرانیۃ ومن حیث دلالتہ علی ما یعلم او یظن انہ مراد اللہ سبحانہ تعالیٰ بقدر الطاقۃ الانسانیۃ۔ (کشف الظنون)

البتہ تفسیر میں ایک قسم خاص ہے جس میں سوائے بطریق سمع اور نقل کے تفسیر کرنا ناجائز ہے یعنی بیان کرنا اسباب نزول اور ناسخ و منسوخ کا (جن کے نزدیک سمع جائز ہے) اور قرأت اور لغات اور قصص اور اخبار کا مگر سوائے اس کے استنباط کرنا احکام اصلی اور فرعی کا آیات سے اور مطابقت دینا الفاظ کلام الہی کا حقایق موجودہ محققہ سے اور تفصیل کرنا اُن نکات و اسرار کا جو اُن لفظوں سے اجمالاً ظاہر ہوتے ہوں اور رفع کرنا اُن شکوک و شبہات کا جو آیات متشابہات سے پیدا ہوتے ہوں اور جن سے ملحدین و منکرین کو اُس کلام کی حقیت پر طعنہ کرنے کا موقع ملتا ہو نہ صرف جائز ہے بلکہ بعض صورتوں میں ضروری اور واجب ہے۔

دوسری بحث طبقات مفسرین کے بیان میں

پہلا طبقہ۔ مفسرین کا طبقہ صحابہ ہے جس میں خلفا اربعہ اور حضرت ابن مسعود اور ابن عباس اور ابی بن کعب اور زید بن ثابت اور ابو موسیٰ اشعری اور عبد اللہ بن زبیر اور انس بن مالک اور ابو ہریرہ اور جابر اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں مگر منجملہ اُن کے بڑے مفسر حضرت عبد اللہ بن عباس ہیں[1] جن کو ترجمان قرآن کہتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس سے جو تفسیر منقول ہے اُس کے بہت سے سلسلے ہیں جن میں سے بعض صحیح بعض مشتبہ اور بعض بالکل غلط اور جھوٹھ ہیں صحیح سلسلہ اُنکا وہ ہے جو علی بن ابی طلحہ ہاشمی سے (جنہوں نے ۱۴۳ھ ہجری میں وفات پائی) منقول[2]

---

[1] یاد رکھنا چاہیے کہ عبد اللہ ابن عباس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے صرف چار حدیثیں سُنی ہیں کیونکہ وہ بہت چھوٹے تھے سن میں مگر اُن کی مرسل روایتوں کو قبول کرنے پر سبھی اجماع ہے۔ (شرح اصول بزدوی)

[2] قال قوم لم یسمع ابن ابی طلحہ من ابن عباس التفسیر وانما اخذہ عن مجاھد او سعید بن جبیر۔ (اتقان)

قال یعقوب بن سفیان ضعیف الحدیث یعنی علی ابن ابی طلحہ (میزان ذہبی)

ہے اور جن پر بخاری نے اعتبار کیا ہے اور سلسلہ قیس بن مسلم کوفی کا (جس نے سنہ ۱۲۰ ہجری میں وفات پائی) عطار بن سائب کی روایت سے بھی صحیح ہے لیکن واہی سلسلوں میں سے اُن کی تفسیر کا وہ سلسلہ ہے جو ابو نصر محمد بن سائب کلبی (جس نے سنہ ۱۴۶ ہجری میں وفات پائی) نے ابو صالح کی روایت سے بیان کیا ہے اور اگر اسمیں روایت محمد بن مروان سدی صغیر کی (جس نے سنہ ۱۸۶ ہجری میں وفات پائی) ملی ہے وہ سلسلہ بالکل ہی غلط اور جھوٹا ہے۔ اور اسی طرح پر مقاتل[۱] بن سلیمان بن بشیر ازدی کا (جس نے سنہ ۱۵۰ ہجری میں وفات پائی) موضوع اور جھوٹا ہے۔ اور سلسلہ ضحاک بن مزاحم کوفی کا (جس نے سنہ ۱۰۲ ہجری میں وفات پائی) منقطع ہے کیونکہ ضحاک حضرت عبد اللہ بن عباس سے نہیں ملا اور اگر اس میں روایت بشیر بن عمارہ کی ملائی جاوے تو اور بھی زیادہ ضعیف ہے۔ اور اگر روایت جریر کی ضحاک سے ہے تو بہت ہی زیادہ غیر قابل اعتبار کے ہے۔

دوسرا طبقہ۔ مفسرین کا طبقہ تابعین ہے جس میں مجاہد بن جبر مکی[۲] اور سعید بن جبیر اور عکرمہ اور طاؤس بن کیسان یمانی اور عطاء بن ابی رباح مکی ہے جو اصحاب عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہلائے جاتے ہیں۔ اور علقمہ بن قیس اور اسود بن یزید اور ابراہیم نخعی اور شعبی ہیں جو کہ یاران ابن مسعود ہیں اور عبد الرحمان بن زید اور مالک بن انس اور حسن بصری اور عطاء بن ابی سلمہ اور محمد بن کعب اور ابو العالیہ اور ضحاک ابن مزاحم[۳] اور عطیہ

---

[۱] قال وکیع ان مقاتل ابن سلیمان کان کذابا و قال ابن حبان انہ کان یکذب بالحدیث۔ (میزان ذہبی)

[۲] قال ابو بکر ابن العیاش قلت الاعمش ما بال تفسیر مجاھد قال اخذھا من اھل الکتاب۔ (میزان الاعتدال ذہبی)

[۳] قال یحیی بن سعید الضحاک ضعیف عندنا و اما روایاتہ عن ابن عباس و ابی ھریرۃ و جمیع من روی عنہ ففی ذلک کلہ نظر (میزان ذہبی) الضحاک ضعیف و لم یسمع من ابن عباس۔ لآلی مصنوعہ فی الاحادیث الموضوعۃ السیوطی۔

بن عبید اور قتادہ[1] بن دعامہ اور ربیع بن انس ہیں مگر ان میں سے کسی نے کوئی کتاب تفسیر کی تالیف نہیں کی۔

تیسرا طبقہ۔ مفسرین کا وہ ہے جنہوں نے کتابیں تفسیر کی تالیف کیں اور اقوال صحابہ و تابعین کو جمع کیا۔ اُن کے نام یہ ہیں۔ سفیان بن عیینہ۔ وکیع بن جراح۔ شعبہ بن حجاج۔ یزید بن ہارون۔ عبد الرزاق۔ علی بن ابی طلحہ۔ ابن جریر۔ ابن ابی حاتم۔ ابن ماجہ۔ حاکم ابن مردویہ۔ ابن حبان۔ ابن منذر۔

چوتھا طبقہ۔ اُن مفسرین کا ہے جنہوں نے تفسیریں تالیف کیں مگر سلسلہ سند کو اُڑا دیا مثل ابو اسحاق زجاج اور ابو علی فارسی اور ابو بکر نقاش[2] اور ابو جعفر نحاس اور مکی بن ابی طالب اور ابو العباس مہدوی۔

پانچواں طبقہ[3] اُن لوگوں کا ہے جنہوں نے بے سند قولوں کو نقل کیا اور ہر

---

[1] قال جریر ابن عبد الحمید عن مغیرۃ عن الشعبی قیل لہ هل رأیت قتادہ قال نعم رأیتہ کحاطب لیل وقال سفیان بن عیینہ قال الشعبی لقتادۃ حاطب لیل۔ (مختصر تهذیب الکمال ذہبی)

[2] کان یکذب فی الحدیث والغالب علیہ القصص وسئل ابو بکر البرقانی عن النقاش فقال کل حدیثہ منکر وقال البرقانی وذکر تفسیر النقاش فقال لیس فیہ حدیث صحیح (انساب سمعانی)

کان النقاش یکذب فی الحدیث والغالب علیہ القصص۔ (میزان ذہبی)

النقاش صاحب التفسیر انہ کذاب وہو احد من الدجاجیل۔ (لسان المیزان عسقلانی)

فی حدیثہ مناکیر باسانید مشهورۃ وذکر النقاش عند طلحۃ ابن محمد ابن جعفر فقال کان یکذب فی الحدیث والغالب علیہ القصص وقال البرقانی لیس فی تفسیرہ حدیث صحیح (وفیات الاعیان یافعی)

[3] علامہ سیوطی ابن تیمیہ کی نسبت لکھتے ہیں کہ ثم الف فی التفسیر طائفۃ من المتاخرین فاختصروا الاسانید ونقلوا الاقوال تبرا فدخل من ههنا الدخیل والتبس الصحیح بالعلیل ثم صار کل من سنح لہ قول یوردہ ومن خطر ببالہ شئ یعتمدہ ثم ینقل عن ذلک خلف عن سلف ظانا ان لہ اصلا غیر ملتفت الی تحریر ما ورد عن السلف الصالح۔

کی روایات صحیح اور غلط اور ضعیف اور موضوع کو بیان کیا اور بلا تصحیح و تمیز کے ہر قسم کی روایتوں سے اپنی تفسیروں کو بھر دیا یا جن علموں سے وہ واقف ہوئے یا جن باتوں پر اُن کا میلان طبع ہوا اُسی پر آیات قرآنی کو ماول کیا اور اُنہیں علموں اور اُنہیں باتوں سے ورق کے ورق تفسیروں سے سیاہ کئے مثل ثعلبی اور کلبی[له] اور واقدی اور امام رازی اور محمود بن حمزہ کرمانی وغیرہ کے۔

تیسری بحث کتب تفاسیر کی حقیقت میں

جتنی تفسیریں آجکل مشہور ہیں اُن میں کوئی ایک بھی تفسیر کی کتاب ایسی نہیں ہے جس پر بصحیح الوجوہ صحت کا یقین کیا جاوے اور جس کی ساری روایتیں اور سارے اقوال مانے جاویں اور جس میں غلطی کا احتمال نہ ہو کیونکہ کوئی تفسیر نہیں ہے جو صرف احادیث صحیحہ اور اقوال مخبر صادق علیہ السلام ہی کی جامع ہو اور لوگوں کی رائیں و اُن کے قول ملے ہوں۔ اور کوئی تفسیر ایسی بھی نہیں ہے جو صرف اقوال صحابہ کی جامع ہو ہاں ایک تفسیر ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ مگر ہم اوپر طبقات کی بحث میں لکھ آئے ہیں

[له] حموی ذکر میں تفسیر طبری کے لکھتے ہیں کہ ولم یتعرض ای الطبری لتفسیر غیر موثوق بہ فانہ لم یدخل فی کتابہ شیئا عن کتاب محمد بن السائب الکلبی ولا مقاتل بن سلیمان ولا محمد ابن عمر الواقدی لانھم عندہ اظنتا۔

الکلبی فھو معروف بالتفسیر ولا لاحد تفسیر اطول منہ ولا اشبع وبعدہ مقاتل ابن سلیمان الا ان الکلبی یفضل لما فی مقاتل من المذاهب الردیئۃ۔ (اتقان)

قال احمد بن زہیر لاحمد بن حنبل یحل النظر فی تفسیر الکلبی قال لا وقال الجوزجانی وغیرہ انہ کذاب وقال الدار قطنی متروک وقال ابن حبان مذھبہ فی الدین ووضوح الکذب فیہ اظھر من ان یحتاج الی الاغراق فی وصفہ۔ (میزان ذہبی)

فقد قال احمد فی تفسیر الکلبی من اولہ الی اخرہ کذب لا یحل النظر فیہ۔

کہ وہ تفسیر جو منسوب بہ حضرت عبداللہ بن عباس ہے اس کے کئی سلسلے ہیں اور اکثر جھوٹے اور وضعی ہیں۔ سچا سلسلہ اُن کی تفسیر کا جو ہے وہ بہت ہی تھوڑا ہے اور اُسے شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب فوز الکبیر کے آخری حصہ میں لکھدیا ہے جو چاہے وہ دیکھ لے اُس میں یا الفاظ غریب قرآن مجید کے معنی ہیں یا مختصر تفسیر بعض آیات کی ہے مگر وہ لمبے چوڑے قصے اور کہانیاں جو اُن کی طرف منسوب کی گئی ہیں اُن کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔

غرض کہ جب ان طولانی تفسیروں میں کوئی ایک بھی ایسی نہیں ہے کہ جو صرف جامع احادیث نبوی اور اقوال صحابہ کبار ہو تو اب ہر تفسیر کے اوپر اعتبار کر لینا اور بغیر تحقیق کے جو کچھ کسی عالم کے قلم سے نکل گیا اُس کا مان لینا اور مثل آیات قرآن مجید کے اُس کے انکار کو کفر جاننا حقیقت میں اسلام کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ تقلید کا ثمرہ۔

اگرچہ ہم اُن مفسرین کی نہایت تعظیم کرتے ہیں اور گذشتہ گروہ میں سے اپنا پیشوا اور امام اور مقتدا جانتے ہیں اور جو کچھ انہوں نے اپنی نیک نیتی اور صفاء طینت سے نیک کوششیں کیں اُس کا شکر کرتے ہیں اور اپنے اوپر اُن کے علم اور تحقیقات و تالیفات کا بڑا احسان سمجھتے ہیں اور اُن کی کتابوں اور تفاسیر سے بہت بڑی مدد پاتے ہیں اور ہمکو بہت عمدہ اور اچھے مباحث میں اُن سے فائدہ پہونچتا ہے مگر باایں ہمہ ہم اُن کو معصوم اور محفوظ نہیں جانتے اور اُن کی رائے اور سمجھ اور بیان اور تالیف کو غلطی سے مبرا نہیں سمجھتے اور مثل اپنے پیغمبر صلعم کے اُن کی ہر بات پر آمنا و صدقنا نہیں کہتے کیونکہ ہم یہ حق صرف اُسی ایک کا جانتے ہیں جس کی شان میں ہمارے خدا نے فرمایا ہے وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی۔ پس اگر دوسرے کی نسبت بھی ہم ایسا ہی اعتقاد رکھیں تو حقیقت میں ہم مشرک فی صفۃ النبوۃ ہیں۔

یہ عقیدہ یا یہ قول ہمارا ہی نہیں ہے۔ تمام متقدمین اور سارے اگلے محدثین اور مجتہدین کا یہی عقیدہ اور یہی قول تھا بلکہ وہ اصحاب نبوی کی نسبت یہی کہتے تھے کہ اُن کی روایت معصوم ہے مگر اُن کی رائے معصوم نہیں ہے اور سوائے اُن کے اوروں کی نسبت تو صاف کہتے تھے کہ کانوا رجالاً ونحن رجال ولا مر بیننا وبینہم جدال۔

پس جب کسی کی رائے اور کسی کا قول ہر طرح پر تسلیم کرنا اور اُسکو ویسا ہی بے کسی غلطی پاک جانا

مان لینا ضروری نہ ہوتو ہر شخص کو تحقیق کرنے اور اُس کے ما لہ ما علیہ کے سوچنے کی عقلاً اور نقلاً اجازت ہوئی۔ پس کسی مسلمان پر بحیثیت اسلام کے کسی تفسیر کی کتاب کا بجمیع الوجوہ ماننا ضروری ہے نہ جائز بلکہ ہر مسلمان پر خصوصاً اُس پر جو اپنی ہر بات اور اپنے ہر عقیدہ کا جواب دینا خدا کے روبرو یقینی جانتا ہو ضرور ہے کہ وہ تحقیق کرے اور اُن کتابوں کے اندر جو کچھ لکھا ہوا ہے اُسکی جانچ کرے جب صحیح پاوے اُسے سر آنکھوں پر رکھے جسے غلط پاوے اُس پر خط نسخ کھینچ دے ۱؎

تفسیروں میں جہاں تک غور کرنے سے پایا جاتا ہے سوائے اُن باتوں کے جو نقل و سمع پر موقوف ہیں مثل اسباب نزول وغیرہ کے چند چیزیں ہیں یا احادیث رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی یا اقوال صحابہ کبار اور تابعین کے یا قصص اور اخبار یا واقعات زمانہ آیندہ کے یا استنباط مسائل اصول و فروعی کا یا تشریح حقائق موجودات کی مطابق علوم عقلی کے

ذکر احادیث نبوی کا جو تفسیروں میں ہیں

احادیث نبوی[۲] جو کتب تفاسیر میں منقول ہیں اکثر بلا سلسلہ رواۃ اور بغیر ذکر اسناد کے

۱؎ کتب التفسیر التي ینقل فیہا الصحیح والضعیف مثل تفسیر الثعلبي والواحدي والبغوی وابن جریر وابن ابی حاتم لم یکن مجرد روایۃ واحد من ھولاء دلیلا علی صحتہ باتفاق اھل العلم فانہ اذا عرف ان تلک المنقولات فیہا صحیح و ضعیف فلا بد من بیان ان ھذا المنقول من قسم الصحیح دون الضعیف (ابن تیمیہ)

۲؎ ومن تلبیس ابلیس علی علماء المحدثین روایۃ الحدیث الموضوع من غیر ان یبینوا انہ موضوع وھذا خیانۃ منہم علی الشرع ومقصودھم تنفیق احادیثھم وکثرت روایاتھم الی قولہ ومن ھذا الفن تدلیسھم فی الروایۃ فتارۃ یقول احدھم فلان عن فلان او قال فلان عن فلان یوھم انہ سمع منہ ولم یسمع وھذا قبیح لانہ یجعل المنقطع فی مرتبۃ المتصل۔ (تلبیس ابلیس علامہ ابن جوزی)

وکان الاعمش والثوری وابن عیینۃ وابن اسحاق وغیرھم یفعلون ھذا النوع ای تدلیس الاسناد۔ (مرقاۃ شرح نخبۃ الفکر لملا علی قاری)

مذکور ہیں مگر بعض تفسیروں میں اُس کی رعایت ہے پس جو حدیث بے سند ہے یعنی جسمیں نہ راویوں کے نام نہ بیان کرنے والے کا ذکر مفسر نے کیا ہے اُس کی تنقیح کرنا اور جو حدیث بسلسلہ رواۃ مذکور ہے اُس کے رواۃ کی تحقیق کرنا محقق کا کام ہے کیونکہ جب ہمارے پہلے عالموں نے اُن حدیثوں کی تحقیق کی جو تفسیروں میں بھری ہوئی ہیں تو انہوں نے اقرار کیا کہ تفسیر کی کتابیں نہ صرف ضعیف اور منکر حدیثوں سے بھری ہوئی ہیں بلکہ موضوع حدیثوں کا مجموعہ ہے۔ جیسا کہ علامہ عبدالرؤف فتاوی فیض القدیر شرح جامع صغیر میں لکھتے ہیں کہ قال ابن الکمال کتب التفسیر مشحونۃ بالاحادیث الموضوعۃ۔

علاوہ موضوع حدیثوں کے ضعیف اور منکر حدیثوں کا ہونا تو تفاسیر میں بعض کے نزدیک موجب قدح نہیں ہے کیونکہ بڑے بڑے اماموں اور محدثین نے فرمایا ہے کہ سوائے اُن احادیث کے جن سے استخراج احکام ہوتا ہے اور حدیثوں کی تنقیح میں ہم نے خود تساہل کیا ہے[1] اور بعض فرقوں نے تو حدیث کا وضع کر لینا ترغیب و ترہیب کے لیے جائز تصور کیا ہے[2]

---

[1] واتما عجبت من ابی بکر ابن ابی داؤد کیف فرقہ یعنی ھذا الحدیث علی کتابہ الذی صنفہ فی فضائل القرآن وھو یعلم انہ حدیث محال ولکن شرح بذلک جمھور المحدثین فان من عادتھم تنفیق حدیثھم ولو بالبواطیل وھذا قبیح منھم۔ (علامہ ابن جوزی)

[2] الرابع انھم قد یروون عنھم احادیث فی الترغیب والترھیب وفضائل الاعمال والقصص واحادیث الزھد ومکارم الاخلاق ونحو ذلک مما لا یتعلق بالحلال والحرام وسائر الاحکام وھذا الضرب من الحدیث یجوز عند اھل الحدیث وغیرھم التساھل فیہ وروایۃ ما سوی الموضوع فیہ والعمل بہ لان اصول ذلک صحیحۃ مقررۃ فی الشرع معروفۃ عند اھلہ وعلی کل حال فان الائمۃ لا یروون عن الضعفاء شیئا یحتجون بہ علی انفرادہ فی الاحکام ھذا شیء لا یفعلہ امام من ائمۃ المحدثین ولا محقق من غیرھم من العلماء واما فعل کثیر من الفقہاء واکثرھم ذلک واعتمادہ فلیس بصواب بل قبیح جدا۔ (خلاصۃ الخلاصہ)

خلاصۃ الخلاصہ میں لکھا ہے فذهب الکرامیۃ والطائفۃ المبتدعۃ کبعض المتصوفۃ
الی جواز وضع الحدیث فی الترغیب والترهیب۔

اور تفاسیر وغیرہ میں غیر صحیح حدیثوں کو عاموں نے کچھ جان بوجھکر ہی نہیں لکھا
بلکہ اُنھوں نے کچھ تحقیق کرنے پر زیادہ توجہ نہیں کی اور سوائے احکام کے اور احادیث
کی صحت کو کچھ بہت ضروری نہیں جانا اور دوسروں کے لکھے ہوئے اور کہے ہوئے پر
اعتبار کرلیا اور یہ غلطی کچھ کم علم آدمیوں سے نہیں ہوئی بلکہ بڑے بڑے نامی مشہور محققین
سے بھی یہ سہو ہو گیا جیسا کہ[1] فیض القدیر شرح جامع صغیر میں لکھا ہے کہ وہ اسد ابن اسد کرار

[1] عبد الرؤف مناوی فیض القدیر شرح جامع صغیر میں لکھتے ہیں اجتهدت
فی تهذیب الاحادیث الی مخرجیها من ائمة الحدیث من الجوامع والسنن
والمسانید فلا اعزو الی شیء منها الا بعد التفتیش عن حاله وحال مخرجه ولا
اکتفی بعزوه الی من لیس من اهله کعظماء المفسرین قال ابن الکمال کتب التفسیر
مشحونة بالاحادیث الموضوعة وکاکابر الفقهاء فان الصدر الاول من اشیاخ
المجتهدین لم یعتنوا الی ضبط التخریج وتمییز الصحیح من غیره فوقعوا فی
الجزم بنسبة احادیث کثیرة الی النبی صلی الله علیه وسلم وفرعوا علیها کثیرا
من الاحکام مع ضعفها بل ربما دخل علیهم الموضوع وممن عدت علیه فی
هذا الباب هفوات وحفظت علیه غلطات الاسد بن الاسد الکرار الغیر
الفرار الذی رجع علی جلالته الموافق والمؤالف والمعادی والمخالف وطار صیته
فی المشرقین والمغربین الاستاذ الاعظم امام الحرمین وتبعه علیها معمار القواعد
دهقان المعاقد المعاقل والمعاقد الذی اعترف بامامته الخاص والعام مولانا
حجة الاسلام فی کثیر من عظماء المذاهب الاربعة وهذا لا یقدح فی جلالتهم
بل ولا فی اجتهاد المجتهدین اذ لیس فی شرط المجتهد الاحاطة بکل حدیث فی الدنیا قال الحافظ الزین
الدین العراقی فی خطبة تخریجه الکبیر للاحیاء عادة المتقدمین السکوت عما اوردوا من الاحادیث
فی تصانیفهم وعدم بیان جرحه وبیان الصحیح من الضعیف الا نادرا وان کانوا من ائمة الحدیث
حتی جاء النووی وقصد الاولین ان لا یغفل الناس النظر فی کل علم فی مظنته انتهی بلفظه

غیر فرا جس کے علم اور فضیلت پر سب متفق ہیں اور جس کا شہرہ مشرق و مغرب میں ہے یعنی امام الحرمین اور مولانا حجۃ الاسلام بھی اس غلطی میں مبتلا ہیں اور اُن کی کتابوں میں بھی موضوع حدیثیں منقول ہیں اور سبب اس کا یہ ہے کہ صدر اول مجتہدین نے کچھ اعتنا ضبط تخریج اور تمیز صحیح پر نہیں فرمایا اور باوجود ضعف بعض احادیث کے احکام کی تفریع اُن پر کردی بلکہ موضوع حدیثیں بھی اُنہوں نے غلطی سے قبول کرلیں اور حافظ زین الدین عراقی نے لکھا ہے کہ اگلے لوگوں کی یہ عادت تھی کہ جو حدیثیں اپنی کتاب میں وہ نقل کرتے اُس سے سکوت کرجاتے یعنی اُس کے جرح کو بیان نہ کرتے اور اُس کی صحت وضعف کو ظاہر نہ کرتے یہاں تک کہ بڑے بڑے آئمہ حدیث نے ایسا ہی کیا ہے یہاں تک کہ آخر امام نووی پیدا ہوئے اور اُنہوں نے لوگوں کو اِس غفلت سے نکالنا چاہا۔

پس سوائے موضوع حدیثوں کے ضعیف حدیثوں کا بجز احکام کے اَور باتوں میں قبول کرلینا تو مسلمات سے ٹھہر چکا اب موضوع حدیثوں پر غور کرنا چاہیئے کہ ان کتابوں میں اُن کو کس طرح عالموں نے لکھدیا اسکی تحقیق ہمارے اگلے محققین نے کی ہے اور اُس کے اسباب بیان کیئے ہیں۔ چنانچہ ملا علی قاری شرح الشرح نخبۃ الفکر[له] میں لکھتے ہیں کہ "حدیثوں کے وضع کرنے کا سبب یا بددینی ہے مثل زندیقوں کے یا غلبہ جہل ہے مثل بعض اُن لوگوں کے جو اپنے آپ کو بڑا عابد زاہد جانتے ہیں کہ اُنہوں نے حدیثیں فضائل میں اور رغبت دلانے کے لیئے بنالیں جس طرح نصف شعبان اور لیلۃ الرغائب کی نماز کی فضیلت میں حدیثیں بنالیں

[له] والحامل للواضع علی الوضع اما عدم الدین کالزنادقۃ او غلبۃ الجہل کبعض المتعبدین المنتسبین الی العبادۃ والزہادۃ وضعوا الاحادیث فی الفضائل والرغائب کصلوۃ لیلۃ نصف شعبان ولیلۃ الرغائب ونحوہما ویتدینون بذالک فی زعمہم وجہلہم وہم اعظم الاصناف ضررا علی انفسہم وغیرہم لانہم یرونہ قربۃ ویرجون علیہ المثوبۃ فلا یمکن ترکہم لذالک والناس یعتمدون علیہم ویرکنون الیہم لما نسبوا الیہ من الزہد والصلاح ویقتدون بافعالہم ویعتنون بنقل اقوالہم حتی قد یخفی علی بعض علماء الامۃ واکابرہم ثقۃ واعتمادا علی ما نقلوہ فیقعون فیما وقعوہ۔

منقارہ من ذھب وایشہ من مرجان یعنی جس نے لا الہ الا اللہ کہا پیدا کرتا ہے خدا ہر کلمہ سے اُس کے ایک جانور جس کی چونچ سونے کی اور جس کے پر مونگے کے ہوتے ہیں اور اُسی طرح یہ وہ قصہ گو بکنے لگا اور قریب بیس ورق کے بک گیا۔ یہ سُنکر احمد بن حنبل یحییٰ بن معین کو اور یحییٰ بن معین احمد بن حنبل کو دیکھنے لگے اور ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ کیا تم نے یہ حدیث روایت کی ہے دونوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ ہمنے تو اس کو اسی وقت سنا ہے۔ پس دونوں چُپ ہو رہے۔ جبکہ وہ شخص فارغ ہوا تو یحییٰ نے پوچھا کہ تجھ سے اس حدیث کو کس نے روایت کیا ہے۔ اُس نے کہا کہ احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے۔ یحییٰ نے کہا کہ میں یحییٰ بن معین ہوں اور یہ احمد بن حنبل ہیں۔ ہم نے تو کبھی اس حدیث کو سنا بھی نہیں۔ تب وہ کہنے لگا کہ میں سنتا تھا کہ یحییٰ بن معین بڑا احمق ہے اور اب مجھے اُس کا یقین ہو گیا۔ یحییٰ نے پوچھا۔ کیوں۔ تب اُس نے جواب دیا کہ کیا دنیا میں سوائے تمہارے یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل دوسرا کوئی نہیں ہے۔ میں نے تو سترہ احمد بن حنبل سے سوائے اس احمد بن حنبل کے روایت پائی ہے اور یہ کہکر اپنے منھ پر آستین رکھکر ٹھٹھا کرنے والے کی طرح مسجد سے چل دیا۔ انتھی ترجمتہ بلفظہ

اور منجملہ اُن لوگوں کے جو وضع کرنے اور جھوٹھ بولنے میں مشہور ہیں ابن ابی یحییٰ مدینہ میں اور واقدی بغداد میں اور مقاتل بن سلیمان خراسان میں اور محمد بن سعید شام میں تھا حالانکہ مقاتل بن سلیمان کو لوگوں نے تفسیر کا امام اور باقی لوگوں کو تفسیر میں اُسکا مقتدی جانا ہے اور واقدی سے باوجود اُس کے ضعف کے سندلی ہے جیسا کہ مجمع البحار میں لکھا ہے محمد بن الواقدی قاضی العراق اخذ واعنہ العلم علی ضعفہ بل اجمعوا علیہ اخرج لہ ابن ماجہ اور جویباری اور ابن عکاشہ اور محمد بن تمیم فاریابی کی روایتیں بھی داخل کتابوں کے ہو گئی ہیں حالانکہ زیادہ دس ہزار حدیث سے انہوں نے وضع کی ہیں اور نعیم بن حماد سے بھی بعض محققین نے روایت کی ہے حالانکہ ابن عدی نے اُسکی شان میں کہا ہے

۵؎ ملا علی قاری کتاب جال میں لکھتے ہیں وما یقولہ الناس ان من روی لہ الشیخان فقد جاز القنطرۃ ھذا ایضا من التجاھل فقد روی مسلم فی کتابہ عن اللیث عن ابی مسلم وغیرہ من الضعفاء فیقولون انما روی عنھم فی کتابہ للاعتبار

۱۲۱ ضمیمہ

کان نعیم یضع الحدیث فی تقویۃ السنۃ کہ وہ سنت کی تقویت میں حدیثیں بنایا کرتا
تھا اور منجملہ واضعین کے اسحاق بن بشر ہے جس سے بیہقی اور دارقطنی نے روایت لی
ہے حالانکہ ابن جوزی موضوعات میں لکھتے ہیں کہ اسحٰق بن بشر حدیثیں بناتا تھا اور
بہت سے ایسے ہی جھوٹی حدیث کے بنانے والے گذرے ہیں جن کی تنقیح محققین نے
نہایت تحقیق سے کی ہے میزان الاعتدال ذہبی اور تقریب ابن حجر عسقلانی اور موضوعات
ابن جوزی اور اور کتابوں سے جو تحقیق رجال میں ہیں تنقیح اس کی ہوتی ہے غرض کہ جس
بات پر اطلاق حدیث کا کیا گیا ہے اُسے حدیث نبوی جاننا بڑی غلطی ہے بلکہ مذہب
میں رخنہ پیدا کرنے اور عقاید حقہ میں شبہ ڈالنے اور غیر مذہب والوں کی زبان طعن کھولنے
اور دین اسلام کو مطاعن کے تیروں کا نشانہ بنانے کا ذریعہ ہے چنانچہ میں اس مقام پر دو
قول اپنے مذہب کے بڑے اماموں کے نقل کرتا ہوں۔
امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ بعضوں نے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کو

والشواھد التابعات وھذا لایقوی لان الحفاظ قالوا الاعتبار امور یتعرفون بھا
حال الحدیث وکتاب مسلم التزم فیہ الصحۃ فکیف یتعرف حال الحدیث الذی فیہ
بطرق ضعیفۃ الی قولہ وروی مسلم ایضا حدیث الاسراء فیہ وذلک قبل ان یوحی
الیہ وقد تکلم الحفاظ فی ھذہ القصۃ وبینوا ضعفھا الی قولہ وقد قال الحافظ ان
مسلما لما وضع کتابہ الصحیح عرضہ علی ابی زرعۃ فانکر علیہ وتغیظ وقال سمیتہ الصحیح و
جعلتہ سلما لاھل البدع وغیرھم انتہی والحاصل انہ صحیح علی ظن مصنفہ وغلبۃ
ظنہ واما السھو والنسیان فمن لوازم طبع الانسان وقد ابی اللہ الا ان یصح کتابہ
لقولہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔ ۱۲

لہ واعلم ان بعض الحشویۃ روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ما کذب
ابراھیم الا ثلث کذبات فقلت الاولی ان لا یقبل مثل ھذہ الاخبار فقال علی
طریق الاستنکار ان لم نقبلہ لزمنا تکذیب الرواۃ فقلت لہ یا مسکین ان قبلناہ لزمنا
الحکم بتکذیب ابراھیم علیہ السلام وان رددناہ لزمنا الحکم بتکذیب الرواۃ ولا
شک ان صون ابراھیم عن الکذب اولی من صون طائفۃ من المجاھیل عن الکذب

تفسیر کبیر صفحہ ۱۰۱

روایت کیا کہ حضرت ابراہیم نہیں جھوٹھ بولے مگر تین مرتبہ تو میں نے جواب دیا کہ ایسی حدیثوں کو نہ ماننا چاہیے تو کہنے والے نے براہ انکار کہا کہ اگر ہم نہ مانیں تو راویوں کی تکذیب لازم آتی ہے اسپر میں نے جواب دیا کہ اگر ہم مانیں تو حضرت ابراہیم کی تکذیب نبی پڑتی ہے حالانکہ حضرت ابراہیم کو کذب کی نسبت سے بچانا بہتر ہے چند نامعتبر آدمیوں کی طرف جھوٹھ کے منسوب ہونے سے ۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے[1] ابو مطیع بلخی نے پوچھا کہ آپ کیا فرماتے ہیں اُس حدیث

---

[1] کتاب العالم والمتعلم میں لکھا ہے کہ قال ای ابو مطیع البلخی ما قولک فی اناس رووا ان المؤمن اذا زنی خلع الایمان من راسہ کما یخلع القمیص ثم اذا تاب عید الیہ ایمانہ اتشک فی قولہم او تصدقہم فان صدقتہم دخلت فی قول الخوارج وان شککت فی قولہم شککت فی قول الخوارج ورجعت عن العدل الذی وصفت وان کذبت قولہم الذی قالوا کذبت بقول النبی علیہ السلام فانہم رووا عن رجال عن شئ حتی ینتہی بہ الی رسول اللہ علیہ السلام قال الامام ای ابو حنیفۃ اکذب ہؤلاء ولا یکون تکذیبی لہؤلاء وردی علیہم تکذیبا للنبی علیہ السلام انما یکون التکذیب لقول النبی علیہ السلام ان یقول الرجل انا مکذب للنبی علیہ السلام واما اذا قال انا مومن بکل شئ تکلم بہ النبی علیہ السلام غیر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یتکلم بالجور ولم یخالف القرآن فہذا من التصدیق بالنبی و بالقرآن وتنزیہ لہ من الخلاف علی القرآن ولو خالف النبی علیہ السلام والقرآن تقول علی اللہ لم یدعہ تبارک وتعالیٰ حتی یاخذہ بالیمین ویقطع منہ الوتین کما قال اللہ تعالیٰ فی القرآن ونبی اللہ لا یخالف کتاب اللہ ومخالف کتاب اللہ لا یکون نبی اللہ وہذا الذی رووہ خلاف القرآن الا تری الی قولہ تعالیٰ الزانیۃ والزانی ثم قال واللذان یاتیانہا منکم ولم یعن بہ من الیہود ولا من النصاری ولکن عنی بہ المسلمین فرد علی کل رجل یحدث عن النبی علیہ السلام بخلاف القرآن لیس ردا علی النبی ولا تکذیبا لہ ولکن ردا علی من یحدث عن النبی علیہ السلام بالباطل والتہمۃ دخلت علیہ لا علی نبی اللہ وکل شئ تکلم بہ النبی علیہ السلام سمعناہ او لم

کی نسبت جو لوگوں نے روایت کی ہے کہ جب مومن زنا کرتا ہے تو ایمان اُس کے سر سے ایسا نکل جاتا ہے جیسا کہ قمیص بدن سے۔ آیا اس حدیث کے راویوں کی آپ تصدیق کرتے ہیں یا شک یا تکذیب فرماتے ہیں۔ اگر تصدیق کرتے ہیں تو آپ کا اعتقاد خوارج کیسا ہوا جاتا ہے اور اگر آپ شک کرتے ہیں تو خوارج کے قول میں شک رہتا ہے اور اگر آپ تکذیب کرتے ہیں تو اُن بہت سے آدمیوں کی تکذیب لازم آتی ہے جنہوں نے بسند اس حدیث کو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے تو امام نے جواب دیا کہ میں اُن سب راویوں کی تکذیب کرتا ہوں اور میرا جھوٹا ماننا اُن لوگوں کو اور رد کرنا اُن کے قولوں کا کچھ تکذیب پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثناء کی نہیں ہے اس لیے کہ تکذیب قول پیغمبر کی یہ ہے کہ کوئی شخص کہے کہ میں پیغمبر خدا کے قول کو نہیں مانتا لیکن جبکہ وہ یہ کہے کہ میں ہر بات پر جو آں حضرت نے فرمائی ہے ایمان رکھتا ہوں اور اسکی تصدیق کرتا ہوں لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ کوئی بات پیغمبر خدا نے خلاف قرآن شریف کے نہیں فرمائی تو یہ حقیقت میں تصدیق پیغمبر کی اور تصدیق قرآن کی ہے اور اس سے تنزیہ اور پاکی آں حضرت کی مخالفت قرآن سے ثابت ہوتی ہے اور اگر پیغمبر خدا خلاف قرآن کے کچھ کہتے تو خدا کب چھوڑتا اور کیونکر ہو سکتا ہے کہ خدا کا نبی ایسی بات کہے جو مخالف خدا کی کتاب کے ہو اور جو مخالف خدا کی کتاب کا ہو وہ کیونکر خدا کا نبی ہو سکتا ہے پس یہ حدیث خلع ایمان کی زنا سے جو لوگوں نے روایت کی ہے خلاف ہے قرآن کے پس ایسے آدمیوں کے قول کو رد کرنا جو پیغمبر خدا کی طرف ایسی بات منسوب کرتے ہیں جو مخالف ہو قرآن کے پیغمبر کی بات کا رد کرنا نہیں ہے اور نہ اُن کی تکذیب ہے بلکہ حقیقت میں

فنمحو فعل الراس والعین قد امنا به نشهد انه کما قال النبی علیه السلام ونشهد ایضا علی النبی علیه السلام انه لم یا مر بشیء نهی الله عنه یخالف امر الله تعالی ولم یقطع شیا وصله الله تعالی ولا وصف امروصف الله تعالی ذالک الامر بخلاف ما وصفه النبی علیه السلام ونشهد انه کان موافقا الله عز وجل فی جمیع الامور لم یبدع ولم یتقول غیر ما قال الله تعالی ولا کان من المتکلفین ولذالک قال الله تعالی من یطیع الرسول فقد اطاع الله۔

نقل از صفحہ ۱۶۲

وہ رد ہے اُس کے قول کا جو کچھ پیغمبر خدا کی طرف سے ایک باطل بات کو نقل کرتا ہے
اور آنحضرت پر تہمت لگاتا ہے اور ہم ہر بات کو پیغمبر خدا کی خواہ ہم نے سُنی ہو یا نہ سُنی ہو
بسر و چشم قبول کرتے ہیں اور اُسپر ایمان رکھتے ہیں اور شہادت دیتے ہیں کہ وہ بات
ایسی ہی ہوگی جیسا کہ آں حضرت نے فرمایا ہو لیکن اسی طرح پر ہم یہ شہادت دیتے ہیں
کہ کوئی بات آنحضرت صلعم نے خلاف قرآن کے نہیں فرمائی نہ کسی ایسی چیز کا حکم دیا جسے
خدا نے منع کردیا ہو نہ کسی ایسی چیز کو جدا کیا جس کے ملانے کا اللہ نے حکم کیا ہو اور نہ کسی
چیز کی ایسی صفت بیان کی جو مخالف بیان خدا کے ہو اور ہم شہادت دیتے ہیں آنحضرت
صلعم کا ہر قول موافق تھا خدائے عزوجل کے اور اسی لیئے خدا نے فرمایا ہے کہ جس نے اطاعت
کی رسُول کی اُس نے اطاعت کی خدا کی۔

پس اب ہم مسلمانوں کو ان دونوں قولوں پر ذرا غور کرنا اور انصاف سے دیکھنا چاہیئے
کہ ان اماموں نے اُن حدیثوں کو جن کا سلسلہ سند آنحضرت تک پہنچتا ہے صرف اصول
صحیحہ عقلی پر تمسک کرنے سے غلط ٹھہرایا اور راویوں کی روایتوں کو غلط کہکر اصول
دین کو بچایا ورنہ ایک حدیث سے ایک پیغمبر کا جھوٹا ہونا ثابت ہوتا ہے اور دوسری حدیث
سے پیغمبر کا قول مخالف قرآن کے ہونا لازم آتا ہے۔ پس کیا حال بیان کیا جاوے اُن غلط
قولوں کا جسے جاہلوں نے اپنی جہالت سے یا متعصبین نے اپنے تعصب سے یا ملحدوں نے اپنی لامذہبی کے سبب سے یا نادان
دینداروں نے اپنی نادانی کی وجہ سے یا بے سمجھ واعظین نے لوگوں کے ڈرانے اور خوش کرنے کے لیئے
آنحضرت سے منسوب کیا اور اُن اباطیل کو احادیث نبوی ٹھہرایا اور پھر کیا بیان کیجاوے
تقلید کی وہ مصیبت جس نے اُن قولوں سے کتابوں کو بھر دیا اور ایک نے دوسرے سے
اور دوسرے نے تیسرے سے نقل کرکے اُن کو تواتر کے درجہ پر پہنچا دیا ہو۔

الحاصل یہ خیال کرنا کہ جس کتاب میں قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھا ہو
اُسے سچی حدیث رسول خدا کی سمجھ لینا اور اُس پر دین کی عمارت کھڑی کرنا نادانی ہے کیونکہ
دین ایک بڑا نازک معاملہ ہے اور کسی قول کو بلا تحقیق یقین کرلینا کہ ہمارے پیغمبر صلعم صاحب
کا قول ہے نہایت خطرہ کی بات ہے اس واسطے کہ پیغمبر صلعم کا قول ایک عام آدمی کا قول
نہیں ہے جس کا ماننا نہ ماننا کچھ نقصان کا سبب نہ ہو۔ آنحضرت م کا قول ہمارے دین و
مذہب کی بنیاد ہے اُسکو بعد صحت کے نہ ماننا یا اُسپر یقین نہ کرنا یا اُس کے مطابق عمل نہ کرنا

ہمارے دین کی بربادی کا سبب ہے پس اُس شخص کا قول جو ہماری ہدایت کا ذریعہ ہو جس کے اوپر ہمارے اعتقاد اور اعمال کی بنا ہو ایسا ہے کہ ہمکو نہایت غور اور فکر سے اُس کی تحقیق کرنا اور نہایت محنت اور دقت سے اُس کی صحت ثابت کرنا واجب ہے پس جبکہ ہمکو اس کی صحت ثابت ہو جاوے اُس وقت ہمکو اُس پر یقین کرنا اور اسکو ہر وقت اپنے پیش نظر رکھنا ضرور ہے۔ پھر اگر ساری خدائی اُس قول کے مخالف ہو ہمکو کچھ اعتنا نہ چاہیئے پس ہمارا عقیدہ تو اپنے پیغمبر کے اقوال کی نسبت یہ ہے مگر جو لوگ اُسے سعدیؒ و نظامیؒ کا قول سمجھتے ہوں یا زید و عمر کی باتوں کی طرح اُسے آسان جانتے ہوں وہ مختار ہیں کہ ہر بات کو حدیث سمجھیں یا ہر شخص کے قول کو قول رسول جانیں۔

باقی رہا یہ امر کہ اب تحقیق اور تنقیح احادیث کی کیونکر کیجاوے اُسکی نسبت کچھ بہت زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہمارے اگلے محققین یہ کام کر گئے ہیں اور احادیث کے ضعف اور صحت کی تنقیح کر چکے ہیں اور کتاب الرجال میں راویوں کے حالات لکھ گئے ہیں ہمارے واسطے اب کوئی زیادہ دقت نہیں ہے بجز اس کے کہ ہم اُن کی تحقیقاتوں کو دیکھیں اور اُن محققین اور محدثین کی اُن تحقیقاتوں سے فائدہ اُٹھاویں جو اُنہوں نے تنقیح احادیث میں کی ہیں پس جو حدیث ایسی ہو کہ جس کا تواتر یا شہرت یا صحت درجہ یقین پر پہونچے اُسے مثل آیات قرآن کے واجب الیقین اور واجب العمل جانیں جسے موضوع اور غلط اور غیر صحیح پاویں اُس کی طرف حدیث کے لفظ کی نسبت کرنے سے بھی تامل کریں۔

غرض کہ اب انصاف پسند مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ غور کریں کہ ہم مسلمانوں کا کمال اسلام یہ ہے کہ جو بات جس تفسیر میں بنام حدیث لکھی ہو ہم اُسے بلا تامل بلا تردد حدیث سمجھیں یا کمال اسلام یہ ہے کہ اُس کی صحت کی تحقیق کریں اُس کے ماخذ و مبدا پر غور کریں جب امام الحرمین اور امام حجۃ الاسلام سے مولفین اور ہدایہ سے معتبر کتاب کے تالیف کرنیوالوں کو احادیث غیر صحیح میں دھوکا ہو گیا ہو تو پھر کس کی کتاب بلا تحقیق اعتبار کیا جاوے پس اگر ہم کافر یا مرتد نہیں تو صرف اس گناہ میں کہ ہماری خواہش یہ ہے کہ ہمارے پیغمبر کا قول اوروں کی باتوں سے جدا ہو جاوے اور ہمارے محبوب رسول کی طرف کوئی جھوٹی بات کو منسوب نہ کرے اور وہ اعتراضات اور مطاعن جو دین اسلام پر وضعی اور غیر صحیح

حدیثوں کے سبب سے ہوتے ہیں مرتفع ہوجاویں اور وہ باتیں جن سے مخالفت قول رسول کی حقایق محقوقہ سے سمجھی جاتی ہے باطل ٹھہریں اور مذہب اسلام کو ایک مجموعہ بیان اور نیکی اور سچائی اور عقل اور حقیقت کا جانیں سوائے اس کے نہ کچھ دوسری خواہش ہے نہ اور کوئی تمنا ہے۔ یہی ہماری خطا ہے اور یہی ہمارا گناہ ہے۔ ع

نیست یاران طریقت غیر ازیں تقصیر ما

ذکر اقوال صحابہ کبار و تابعین کا جو تفسیروں میں ہیں

اقوال صحابہ کبار کے دو قسم ہیں۔ ایک وہ جسے انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا پس وہ تو حدیث میں داخل ہیں۔ دوسرے وہ جو کچھ انہوں نے اپنی رائے اور اپنی سمجھ سے کہا پس عقیدہ محققین کا ہے کہ روایت اُن کی معصوم ہے رائے اُن کی معصوم نہیں۔ مگر قطع نظر اس کے اُن اقوال کا ثبوت بھی بہ سند صحیح چاہیے حالانکہ بعد تحقیقات کے بہت ہی کم ثابت ہوگا کہ جو اقوال اُن بزرگوں سے منسوب ہیں وہ سب کے سب صحیح ہوں۔ چنانچہ صرف حضرت عبداللہ ابن عباس سے ہزار ہا روایت تفسیروں میں بھری ہوئی ہیں اور اکثر اُن میں سے جھوٹی اور وضعی ہیں اور حضرت عبداللہ ابن عباس پر تہمت ہے جیسا کہ اوپر ہم بیان کر چکے اور خود حضرت عبداللہ ابن عباس نے صرف چار حدیثیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہیں مگر ہمارے علمائے اُن کی روایت کو اور احادیث کی نسبت بھی قبول کیا ہے لیکن وہ اقوال جو حضرت عبداللہ ابن عباس سے تفسیروں میں منقول ہیں خواہ وہ اُن کی روایت ہو یا درایت اُسکی نسبت تحقیق کرنا کہ اس کا ثبوت ہوتا ہے یا نہیں ضرور ہے۔ باقی رہے اقوال تابعین کے اگر اُن کی صحت بھی ثابت ہوجاوے تو کانوا رجالاً و نحن رجال ولا مر بیننا و بینھم رجال۔

ذکر قصص و اخبار کا جو تفسیروں میں ہیں

خدا اُن قصوں اور کہانیوں کو کسی مسلمان کو نہ دکھا دے نہ سُنا دے جو لوگوں نے
تفسیروں میں بھر دیئے ہیں اکثر جھوٹے اور بے بنیاد ہیں اور یہودیوں سے سنے سُنائے
ہوئے ہیں احادیث صحیحہ سے قصص و اخبار کا ہونا بہت ہی کم پایا جاتا ہے آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی حدیثوں میں اخبار امم سابقہ کو بہت ہی تھوڑا بیان کیا ہے
ہمارے پچھلے عالموں نے اکثر قصّے یہودیوں سے سُنکر اپنی کتابوں میں نقل کر دیئے اور

ف۱ جو قصص و اخبار اور غیب کی باتیں مفسرین نے لکھی ہیں اُن کا لینا اہل کتاب سے بہ تحقیق
ہمارے محققین کے ثابت ہے اور صرف پچھلے علماء کی نسبت ابوالامداد ابراہیم حاشیہ نخبۃ الفکر
میں جس کا نام قضاء الوطر ہے لکھتے ہیں کہ عبد اللہ ابن سلام اور عبد اللہ عمرو بن عاص نے اہل کتاب
سے نقلیں کی ہیں اور جب شام کا ملک فتح ہوا تب ایک بار شتر کتابوں کا اہل کتاب سے عبد اللہ
عمرو بن عاص نے پایا اور اُسکو روایت کیا اسی واسطے اُن کی حدیثیں کم ہیں مگر وہ باتیں جو کثرت
سے اُن سے منقول ہیں وہ صرف اخبار و قصّے بنی اسرائیل کے اور روایات اہل کتاب کی ہیں
کہ اس میں اُن کی حدیثیں ابوہریرہ رضی اللہ تعالے عنہ سے بھی زیادہ ہیں **وھذہ عبارتہ**۔
ومثال الصحابي الذي لم ياخذ عن الاسرائيليات ابوبكر وعمر وعثمان وعلي ومثال
من اخذ عنها عبد الله بن سلام وقيل عبد الله عمرو بن عاص فانه لما فتح
الشام اخذ حمل بعير من كتب اهل الكتاب وكان يحدث منها فلذا اتقاه الناس
فقل حديثه وان كان اكثر حديثا من ابي هريرة باعترافه والمراد بها قصص بني
اسرائيل وما جاء في كتبهم۔ اور ملا علی قاری شرح الشرح نخبۃ الفکر میں لکھتے ہیں۔ ای
الحديث الذي يقوله الصحابي الذي عرف بالنظر في الاسرائيليات كعبد الله بن سلام
وكعبد الله عمرو بن عاص فانه كان حصل له من وقعة اليرموك كتب كثيرة من
اهل الكتاب وكان يخبر بما فيها من الامور الغيبية حتى كان بعض اصحابه ربما
قال حدثنا عن النبي صلى الله عليه وسلم ولا تحدثنا من الصحيفة۔ اور علامہ سیوطی عبد اللہ
عمرو بن عاص کی تفسیر کی نسبت لکھتے ہیں۔ وما اشبهها ان تكون مما يحمله عن اهل الكتاب
اور دوسرے طبقہ کے بڑے مفسر مجاہد رحمۃ اللہ علیہ ہیں اُن کی نسبت میزان الاعتدال ذہبی میں
لکھا ہے کہ۔ قال ابوبكر بن العياش قلت للاعمش ما بال تفسير مجاهد قال اخذها

جنہوں نے اپنی تالیف کو زیادہ طول دینا چاہا اُنہوں نے اور اسمیں دخل دِمعقولات فرمایا۔ ہمارے نزدیک اکثر قصّے اولخبار امیر حمزہ کی ہی داستان ہے۔ نہ اعتبار کے لائق نہ اعتماد کے قابل من شاء فیقبل ومن شاء فلینکر۔

ذکرِ واقعات آیندہ کا جو تفسیروں میں ہیں

واقعات زمانہ آیندہ کے جو کچھ بیان کیئے گئے ہیں اُن کی نسبت تحقیق کرناچاہیے کہ اُس کا سلسلہ روایت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تک پہونچتا ہے یا نہیں اور اُسمیں بھی وہ روایت بدرجہ شہرت یا صحت پہونچی ہے یا نہیں اور اُسمیں محدثین نے وہ قابل جو ایسی حدیثوں میں جائز سمجھا گیا ہے کیا ہے یا نہیں۔ اگر بعد تحقیقات کے اُسکی صحت ثابت ہو (حالانکہ یہ بہت کم ہوگا) تو اُسے ماننا چاہیئے ورنہ اُسکو ایک دل خوش کن کہانی سمجھنا چاہیئے اور اس بات پر نازاں ہونا چاہیئے کہ بڑے بڑے بزرگوں نے اُن واقعات کو بیان کیا ہے اور اچھے اچھے عالموں نے اُسے قبول کیا ہے کیونکہ بعض بلکہ اکثر باتیں ایسی ہیں کہ جن سے کذب کی نسبت آنحضرتؐ کی طرف ہوتی ہے۔ ونعوذ باللہ من ذالک۔ مَیں ایک حدیث کو بیان کرتا ہوں[۱] جو کہ اگلے زمانہ میں بہت مشہور تھی اور لوگوں

من اہل الکتب۔" اور تیسرے طبقہ کے بڑے مفسر مقاتل بن سلیمان ہیں جو امام المفسرین کہلائے جاتے ہیں۔ اُن کی نسبت میزان الاعتدال ذہبی میں لکھا ہے کہ قال ابن حبان کان یاخذ عن الیہود والنصاری من علم القرآن ما یوافق کتبھم وکان یکذب بالحدیث وقال البخاری قال سفیان بن عیینہ سمعت مقاتلاً یقول ان لم یخرج الدجال فی سنۃ خمسین ومائۃ فاعلموا انی کذاب۔

[۱] شیخ جلال الدین سیوطی کتاب الکشف عن مجاوزۃ ہذہ الامۃ الالف میں فرماتے ہیں۔ وبعد فقد کثر السوال عن الحدیث المشہور علی السنۃ الناس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یمکث فی قبرہ الف سنۃ وانا اجیب بانہ باطل لا اصل لہ ثم جاءنی رجل فی شہر ربیع من سنۃ ۸۹۸ معہ ورقۃ بخطہ ذکر انہ نقلہا من فتیا افتی لہا بعض اکابر العلماء ممن ادرکتہ فیہا انہ عنہ مقتضی ہذا الحدیث وانہ یقع فی المائۃ

کی زبان پر تھی کہ پیغمبر خدا ہزار برس سے زیادہ قبر میں نہ رہیں گے گویا ہزار برس کے اندر قیامت
آجائیگی۔ اس حدیث کو اُن لوگوں نے جو آٹھ سو برس تک ہوئے مانا اور دسویں صدی میں
منتظر قیامت کے رہے مگر بعد جبکہ دسویں صدی ہوئی اور کچھ بھی آثار قیامت کے نظر
نہ آئے تو اُس سے سبھوں نے انکار کیا اور اُس کو غلط جانا۔ پس اگر وہ لوگ زندہ رہتے جو
اُس حدیث کی صحت کے معتقد تھے تو دسویں صدی میں اُن کو اسلام چھوڑنا پڑتا کیونکہ وہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۸

العاشرة خروج المهدي والدجال ونزول عيسىٰ وسائر الاشراط والنفخ
في الصور ويمضي الاربعون سنة التي بين النفختين وتنفخ نفخة البعث قبل
تمام الالف فاستبعدت حدوث هذا الكلام من هذا العالم المشار اليه و
كرهت ان اصرح برده تادبا منه فقلت هذا شئ لا اعرفه فحاولني السائل
تحرير المقال في ذلك فلم ابلغه مقصوده الى ان قال فاجبت الى ما سالوا و
شرحت لهم منهلا فان شاؤا اعاجلوا وان شاؤا امهلوا وسميته الكشف عن
مجاوزة الامة الالف فاقول اولا الذي دلت عليه الاثار ان هذه الامة تزيد
علي الف سنة ولا يبلغ الزيادة عليها خمسمائة سنة الى آخر ما قال في تلك الرسالة
رايت في اخر بعض النسخ ما صورته وحكى بعض اهل التاريخ ان تاريخ الدنيا
من لدن آدم عليه السلام حين هبط من الجنة الى طوفان نوح عليه السلام
الفي عام ومائتي عام ومن طوفان نوح الى زمن ابراهيم عليه الف عام ومائتا
عام ومن زمن ابراهيم الى زمن موسى عليه السلام الف عام ومن زمن
موسى عليه السلام الى زمن عيسىٰ السلام الف عام ومن زمن عيسىٰ عليه السلام
الى زمن نبينا محمد صلى الله عليه وسلم خمسمائة عام ومن الهجرة الى الان
تسعمائة عام واربعة وعشرون سنة مجموع ذلك ستة آلاف وسبعمائة سنة
واربعة وعشرون سنة وعلى هذا يقال الباقي لقيام الساعة من يومنا هذا وهو
ستة اربعة وعشرين وتسعمائة مائتا سنة وستة وسبعون سنة بدليل قوله
صلعم عمر الدنيا سبعة ايام من ايام الآخرة وبعثت في اخر يوم السادس وقال الله تعالى
وان يوما عند ربك كالف سنة مما تعدون۔

تکذیب رسول کی کرتے اور اگر وہ بزرگ پہلے ہی سے اُس حدیث کی تحقیقات کرتے اور اُسے بے اصل سمجھکر اُسپر اعتقاد نہ رکھتے تو دس صدی کیا اگر لاکھ صدیاں گذر جاتیں تب بھی اُن کے اعتقاد اور یقین میں کچھ شبہ نہ ہوتا شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانہ میں یعنی ۹۲۴ھ ہجری میں اُس حدیث کو غلط بتایا کیونکہ وہ دسویں صدی میں تھے مگر افسوس ہے کہ اُنھوں نے بھی ایک دوسری حدیث سے کہ عمر الدنیا سبعة ایام من ایام الآخرۃ وبعثت فی اخر الیوم السادس اپنی کتاب میں لکھدیا کہ اب عمر دنیا ۷۶م باقی ہے اب ہم اپنے پاک و نیک سچے مسلمانوں سے پوچھتے ہیں کہ وہ ۷۶م برس بھی گذر گئے اور عمر دُنیا کی ابھی تمام نہیں ہوئی۔ تو اب مسلمان کیا کریں۔ نبی کی سچائی میں شُبہ کرکے اسلام کو چھوڑ بیٹھیں یا اُس حدیث کی صحت میں شبہ کریں۔ ہمارے نزدیک ہمارے مسلمانوں کو پہلی بات تو منظور ہوگی مگر دوسری بات پسند نہ کریں گے کیونکہ اُس تحقیقات کی غلطی ثابت ہوتی ہے جو بڑے نامی مشہور مفسرین نے کی ہے اور علامہ سیوطی سے محقق محدث مفسر نے لکھی ہے۔ پس کیا ہمارے بھائی مسلمان ملحد اور مرتد ہیں جو ایسے محدثین کی باتوں کو غلط جانیں اور اُن کے قول سے انکار کریں۔

غرض کہ یہ افسانہ درد کہاں تک بیان کیا جاوے اور کتابوں کی کثرت اور اقوال غیر معتمد کے بھرنے سے جو کچھ خرابیاں ہوئی ہیں اُس کا کیا بیان کیا جاوے۔ بڑے مرد اور کامل کا کام ہے کہ وہ اب صحیح کو غلط سے تمیز کرے اور بے اصل باتوں کو دینی کتابوں سے خارج کرے ورنہ ایسی ایسی روایتوں اور کہانیوں سے دین اسلام کی صحت سے اعتقاد آج نہیں کل کل نہیں پرسوں اُٹھ جاوے گا۔

ذکر استنباط مسائل اصولی و فروعی کا جو تفسیروں میں ہیں

جو مسائل اصولی و فروعی صاف صاف قرآن مجید میں مذکور ہیں اُس سے قطع نظر کرکے جو کچھ استنباط اُن آیات کے اشارات و کنایات سے کیا ہے اس میں اختلاف کا ہونا بھی دلیل اسپر ہے کہ وہ سب منقول صاحب الشریعت سے بلکہ سلف صالح سے نہیں ہیں اور

اس لیئے جہاں تک موافق قواعد عربیہ کے استنباط اُس کا ہے وہ واجب القبول ہے اور جو بعض فقہانے بعض مسائل کے اثبات میں ایسی آیتوں سے استدلال کیا ہے جن کو حقیقت میں اُن آیتوں سے کچھ تعلق نہیں ہے وہ واجب القبول نہیں۔

بعض متکلمین نے بھی دائرہ احتیاط سے پاٗوں باہر نکالا ہے اور اُنھوں نے فریق مخالف کے الزام اور اپنے عقاید کے اثبات کے واسطے آیتوں کی ایسی ایسی تفسیر کی ہیں کہ جس سے کچھ تعلق اُس عقیدہ کو نہیں ہے اور اُس کا ثبوت اُن کتابوں کے دیکھنے سے ہوتا ہے جو معتزلی اور دیگر فرق مبتدعہ کے عقاید کی تردید میں تالیف ہوئی ہیں۔

بعض متصوفین نے بھی اپنے عقاید کے اثبات میں تفسیر میں بہت بے احتیاطی کی ہے بلکہ نوبت بہ تحریف پہنچادی ہے کہ اپنے فاسد عقیدوں کے مطابق ایسے معانی قرآن کے بیان کیئے ہیں کہ جن کو کچھ تعلق الفاظ سے نہیں ہے اور بلا رعایت اصول شرع کے اور بلا لحاظ قواعد عربیہ کے نئے معنی پیدا کیئے ہیں جیسے کہ تفسیر محمود ابن حمزہ کرمانی کی ہے جس کا نام عجایب غرائب ہے۔ اُسمیں ایسے عجیب اقوال لکھے ہیں کہ سُننے والے کو تعجب آتا ہے اور بسبب غرابت کے عوام کو اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ مگر حقیقت میں وہ اقوال ایسے ہیں کہ اُن پر اعتقاد کرنا کیسا نقل بھی اُن کلمات کی جایز نہیں۔

باطنیہ فرقہ نے بھی اپنے عقیدوں کے اثبات میں ایسی تفسیریں کی ہیں کہ اُنھوں نے دین ہی کو بدل ڈالا اور تمام ظواہر آیات کو پھیر کر اُدہی کچھ معنی بنائے مگر جو لوگ محققین ہیں اور اہل باطن۔ اُنہوں نے نصوص کو اُن کے ظاہر معانی پر رکھا۔ مگر اُس کے اصلی مطالب اور حقایق و دقایق کو ظاہر کیا کہ یہ امر عین ایمان اور کمال عرفان ہے کیونکہ خود حدیث میں آیا ہے لکل آیۃ ظہر و بطن۔

غرض کہ ہر فریق نے موافق اپنے اپنے عقیدہ اور خواہش کے تفسیر کی اور اُس سے استنباط مسایل اصولی و فروعی کا کیا لیکن حقیقت میں اصل تفسیر وہ ہے جو مخالف قواعد عربی اور اعجاز قرآن کے نہو اور جس سے نصوص و اقعہ کی تحریف لازم نہ آدے اور نظم قرآنی اپنی فصاحت و بلاغت پر باقی رہے۔

غرض کہ جو مسایل اصولی و فروعی آیات قرآنی سے استنباط کیئے گئے ہیں اُسکی صحت پر

صرف تفسیروں میں لکھا ہونا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اُس استنباط کو دیکھنا اور آیات قرآنی سے اُس استخراج کو جانچنا محقق کا کام ہے کیونکہ جو تفسیریں لوگوں نے بعد طبقہ تبع تابعین کے کی ہیں[1] اُن کا یہ حال ہے کہ جو مفسر جس علم اور جس فن کا شایق ہوا اُس نے اُسی علم اور اُسی فن کو اپنی تفسیر میں بھر دیا اور یہاں تک مبالغہ کیا کہ اُس کے نزدیک گویا خدا کو قرآن کے نازل کرنے سے انہیں علموں کا بیان کرنا مقصود تھا اور اپنے کلام کو خدا نے اسی لیے نازل کیا تھا مثلاً جو لوگ بڑے نحوی تھے اُنہوں نے اپنی تفسیروں میں اعراب ورقواعد کو بھر دیا اور سارے مسئلے نحو کے قرآن سے نکالے اور تفسیر کو اُنہوں نے کافیہ کی شرح بنا دیا۔ جو لوگ تاریخ میں خوب ماہر تھے اُنہوں نے اپنی تفسیروں کو قصوں سے بھر دیا اور اگلی پچھلی خبریں جھوٹی سچی تفسیروں میں بھر دیں اور اُنھوں نے تفسیر کو الف لیلہ بنا دیا جیسا کہ ثعلبی نے کیا (جسے لوگ بڑا مفسر جانتے ہیں) جو لوگ فقہ کو خوب جانتے تھے اُنھوں نے تفسیر سے سوائے فقہ اور مسائل فروعی کے دوسری غرض ہی نہیں

---

[1] ثم صنف بعد ذلك قوم برعوا في شيئ من العلوم ومنهم من ملاء كتابه بما غلب على طبعه من الفن واقتصر فيه على ما تمهر هو فيه كان القران انزل لاجل هذا العلم لا غير مع ان فيه تبيان كل شيئ فالنحوي تراه ليس له الا الاعراب وتكثير الاوجه المحتملة فيه وان كانت بعيدة وينقل قواعد النحو ومسائله وفروعه وخلافياته كالزجاج والواحدي في البسيط وابي حيان في البحر والنهر والاخباري ليس له شغل الا القصص واستيفاؤها والاخبار عمن سلف سواء كانت صحيحة او باطلة ومنهم الثعلبي والفقيه يكاد يورد فيه الفقه جميعا وربما استطرد الى اقامة ادلة الفروع الفقهية التي لا تعلق لها بالاية اصلا والجواب عن الادلة للمخالفين كالقرطبي وصاحب العلوم العقلية خصوصا الامام فخر الدين الرازي قد ملاء تفسيره باقوال الحكماء والفلاسفة وخرج من شيئ الى شيئ حتى يقضي الناظر العجب قال ابو حيان في البحر جمع الامام الرازي في تفسيره اشياء كثيرة طويلة لا حاجة بها في علم التفسير ولذلك قال بعض العلماء فيه كل شيئ الا التفسير۔

جانی اور اُن مسائل کا استنباط آیات سے کیا جو کسی طرح اُن لفظوں سے نہیں نکلتی مثل علامہ قرطبی کے اور جو لوگ علم کلام کے شایق تھے اور عقلی مسائل سے اپنے عقیدوں کو ملاتے تھے اُنھوں نے تو تفسیر کو فلاسفہ یونان کے قولوں کا مجموعہ کر دیا اور اُن مباحثات کو ایسا طول دیا کہ دیکھنے والے کو حیرت ہوتی ہے جیسے کہ تفسیر امام فخرالدین رازی کی ہے جس کی نسبت ابو حیان وغیرہ محققین نے کہا ہے کہ فیہ کل شئ الا التفسیر کہ اُس میں سوائے تفسیر کے سب کچھ ہے۔

پس اب ہم نہایت ادب سے اپنے پاک نیک بھائیوں سے عرض کرتے ہیں کہ جب کتب تفاسیر کی نسبت ہمارے محققین یہ فرما گئے ہوں اور اُس کی ایسی حقیقت لکھ گئے ہوں تو اگر ہم اُن کتابوں پر اجمالی ایمان رکھیں اور سب کو مثل قرآن کے واجب الیقین نہ جانیں بلکہ اُن مختلف کتابوں اور غیر محدود روایتوں اور بے شمار قولوں اور لا انتہا قصوں کی تحقیق پر مستعد ہوں اور اُسکی اصلیت دریافت کرنے پر توجہ کریں تو یہ ہمارے ایمان کی نشانی ہے یا الحاد ارتداد کی۔ اگر یہی الحاد اور ارتداد ہے تو وہ ہزار اسلام سے بہتر ہے ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ۔

ذکر تشریح حقایق موجودات کا مطابق علوم عقلی کے جو تفسیروں میں ہے

یہ بات ظاہر ہے کہ قرون ثلثہ میں علوم عقلی کا کچھ چرچا نہ تھا اور حکمت اور فلسفہ یونان سے کوئی واقف نہ تھا۔ مگر بعد اُس کے وہ زمانہ آیا جسمیں مسائل فلسفہ کا جاری ہونا شروع ہوا آخر اُس کی یہاں تک ترقی ہوئی کہ وہ مسائل دین میں داخل ہو گئے اور مذہبی کتابوں میں اُن پر بحثیں ہونے لگیں اور رفتہ رفتہ یہ نوبت پہونچی کہ اُن سے تفسیریں بھری گئیں اور جس طرح تفسیر میں اقوال پیغمبر اور صحابہ کے نقل کئے جاتے تھے اُسی طرح افلاطون اور ارسطو وغیرہ حکماء یونان کے قول نقل ہونے لگے اور جب یہ سلسلہ جاری ہوا تو پھر ایک مفسر نے دوسرے مفسر سے اور دوسرے نے تیسرے سے اُس کا نقل کرنا یا انتخاب کرنا شروع کیا اور اُن قولوں کے قائلین کا نام بھی لکھنا چھوڑ دیا یہاں تک کہ آخر وہ اقوال

تفسیروں میں ایسے مل گئے کہ لوگوں کو تمیز کرنا مشکل ہو گیا کہ یہ قول ارسطو کا ہے یا صاحب شریعت کا یا کسی صحابی کا یا کسی امام کا اور اسی واسطے اُن اقوال پر دین کا مدار ٹھہر گیا اور اُن سے انکار کرنا بھی انکار آیات کے برابر سمجھا گیا چنانچہ ہم نے مختصراً وجود آسمان کی بحث میں اسے بیان کیا ہے کہ اب لوگوں کے نزدیک اس امر سے انکار کرنا کہ آسمان مثل گنبد کے وجود مجسم محیط ارض ہے اور ستارے اُسمیں جڑے ہوئے ہیں کفر ہے حالانکہ سبب اس کا یہ ہے کہ تفسیروں میں ہیئات یونانیوں کے مسائل مفسرین نے بھر دیئے ہیں۔ اُسے لوگ دیکھتے سُنتے رہے ہیں اور اسی واسطے وہ اُن اقوال کو بھی دینی مسائل جانتے ہیں گو وہ کیسے ہی غلط اور پوچ اور بے اصل ہوں۔

اُن عقلی مسائل کے تفسیروں میں داخل کر دینے سے ایک بڑا نقص یہ ہوا کہ وہ باتیں جن کی واقع میں کچھ حقیقت نہ تھی اور جن کی اب غلطی کھل گئی لیکن اب اُن سے انکار کرنا اور اُن مسائل ہی کو غلط کہنا تمسخر اور الحاد سمجھا جاتا ہے۔ بہت ہی کم لوگ ایسے ہوں گے جو یہ سمجھیں کہ اُن مسائل کا تفسیروں میں داخل کرنا ہی بیجا تھا اور اب اُس سے انکار کرنا اور جو حقایق موجودات اب ثابت ہوئیں اور ہوتی جاتی ہیں اُس کا ماننا کچھ قادح اسلام نہیں۔

بہت سی باتیں بہ نسبت اخبار اور واقعات اور کیفیت موجودات کے تفسیر کبیر وغیرہ میں ایسی بھری ہوئی ہیں کہ جن کو دیکھنے سے ہنسی آتی ہے اور جن کے ذکر کرنے سے کسی پڑھے لکھے ہوئے تربیت یافتہ آدمی کے سامنے شرم معلوم ہوتی ہے اور گو وہ باتیں ویسی ہیں جو نہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائیں نہ کسی صحابی و تابعین نے نہ اُن کی کچھ صحت ہے مگر اب اُس سے بھی انکار کرنا اور اُس کو غلط سمجھنا ارتداد کی نشانی سمجھی جاتی ہے۔ پس سوائے اُن پاک مسلمانوں کے جو خانقاہ سے باہر نہیں نکلتے اور جو سوائے اپنے پیروں کے مکتوبات و ملفوظات کے کچھ نہیں دیکھتے اور جو کچھ کسی شخص نے عربی زبان میں عربی خط سے لکھدیا ہو اُسپر ایمان رکھتے ہیں اور جو بڑی بڑی موٹی موٹی کتابوں سے روایتوں اور حکایتوں کے نقل کرنے ہی کو اُس کی صحت کی سند جانتے ہیں اور حقایق موجودات سے سوائے اس کے کہ کوہ قاف زمرد کا ہے اُسکی چوٹی پر ستون آسمان کے رکھے ہوئے ہیں اور زمین گائے کے سینگ پر ہے اور گائے مچھلی کے پیٹ پر

گھڑی ہے کچھ نہیں سمجھتے اور اُسی کو خدا کی قدرت سمجھکر وجد و حال میں مصروف رہتے ہیں وہ شخص جو اب معقولات سے کسی قدر واقف ہو اور تحقیقات جدیدہ سے جس سے موجودات کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے آگاہ ہو کیونکر اپنے عقیدہ میں اُن روایتوں اور حکایتوں کو اصل دین سمجھیگا اور کس طرح اس کا دل اُن قولوں کی صحت پر یقین کریگا اور وہ اپنے ایمان اور اسلام کی تقریت میں کس لیئے کفر کے فتووں سے ڈریگا۔

ضرورت نئی تحقیقات کی بلکہ نئی تفسیر لکھنے کی

ہمارے نزدیک اس زمانہ میں ایک بڑی ضرورت نئی تفسیر لکھنے کی ہے جو حشو و زواید سے خالی ہو اور جو غلط روایتوں سے اور جھوٹی حکایتوں سے پاک ہو اور جسمیں کچھ یونانی باتوں کا ذکر نہو اور جسمیں حقایق موجودات کی تشریح کماہی ہی ہو جس میں وہ احادیث صحاح جن کی صحت بلکہ جن کی شہرت درجہ یقین پر پہنچی ہو اپنے موقع پر مذکور ہوں اور جس میں وہ اقوال صحابہ کبار کے جس سے مسائل اصولی و فروعی کا اُنہوں نے استنباط کیا ہو منقول ہوں اور جسمیں اُن شبہات کا جو اہل عقل اس زمانہ کے کرتے ہیں ایسا جواب ہو کہ مخالف قواعد عربی اور مغایر شریعت محمدی کے نہو اور جس میں ان اخبار کی صداقت ظاہر کیجاوے جو الفاظ قرآن سے ثابت ہیں اور جس کی تصدیق میں بعض منکرین بسبب مخالفت تاریخ اور تحقیقات زمانہ حال کے شبہ کرتے ہیں اور جس میں اُن اقوال اور روایات کی تکذیب بسند صحیح بیان کیجاوے جو غفلت سے یا سہو سے یا تساہل سے تفسیروں میں داخل ہو گئے ہیں اور جس سے گو اگلے زمانہ میں کچھ نقصان نہ تھا مگر اب وہی روایتیں اور وہی اقوال مادہ الزام کا قرآن اور صاحب الوحی پر ٹھہرائے گئے ہیں تاکہ اب جو زمانہ آیا ہے اور جو لوگ علوم عقلی کی تعلیم پاتے جاتے ہیں وہ اسلام پر ثابت قدم رہیں اور اُن کا دل کسی طرح پر کسی ایک نقطہ سے بھی قرآن کے نہ پھرے اور وہ اپنے دین کو نہایت سچا اور خدا کا دیا ہوا جانیں اور نہ صرف ہماری ہی اولاد اُس سے فائیدہ پاوے بلکہ ساری دنیا کے دانشمند اور حکیم اور عاقل اور محقق اُس کی تصدیق کریں اور وہ خدا

کے قول کو مطابق اُس کے فعل کے جان کر لقد صدق اللہ ورسولہ صدق دل سے کہنے لگیں گرچہ اِس خواہش کا پورا ہونا نہایت دشوار ہے مگر سب مسلمانوں پر اِس طرف توجہ کرنا فرض کفایہ ہے۔ اور گو کچھ اُمید نہیں لیکن خدا سے اُمید ہے کہ ضرور ایسا کریگا اور ہم مسلمانوں کو ایسی توفیق دیگا۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

اجماع

منجملہ اُن مذہبی الفاظ اور فقہی مصطلحات کے جن کی حقیقت نہ جاننے سے لوگوں کے خیالات غلط ہوئے اور ہوتے ہیں اور جن پر استدلال کرنے سے بے اصل باتیں صحیح مسائل کی صورت پر ہوگئیں اور ہوتی جاتی ہیں لفظ اجماع ہے۔ علماء نے کتاب و سنت کی طرح اُسے ایک شرعی حجت مانا ہے۔ فقہا نے اُس کے منکر کو کافر سمجھا ہے پابندی ہر رسم عادت کی جو مسلمانوں میں جاری ہے اُسی پر استدلال کرنے سے ایمان کی نشانی سمجھی جاتی ہے۔ اُن کے حسن و قبح سے بحث کرنے والے پر خرق اجماع کا الزام لگا کر تکفیر کی نسبت ہوتی ہے اس لیئے اُس کی حقیقت کا بیان کرنا اور اُن نتایج سے جو اُس پر مترتب کیئے جاتے ہیں کچھ بحث کرنا مناسب ہے۔

یہ بات مسلمات سے ہے کہ ایمان نام ہے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کا اُن سب باتوں میں جو وہ خدا کی طرف سے لائے پس حاضرین کے واسطے خود اُنکا زبان مبارک سے سُننا حجت تھا اور اُسکی تصدیق کے لیئے دوسرے ذریعہ کی اُنکو حاجت نہ تھی لیکن ہم لوگوں کے لیئے اُن باتوں کی تصحیح اُن کی تصدیق پر مقدم ہے اس لیئے کسی ذریعہ کی ضرورت ہے وہ ذریعہ کیا ہے نقل اور روایت۔ لیکن چونکہ اسمیں صدق و کذب دونوں کا احتمال ہوتا ہے اس لیئے کذب کے احتمال دور کرنے کے لیئے کوئی قطعی دلیل چاہیئے۔ وہ کیا ہے تواتر و اجماع پس اگر کسی خبر کی نسبت مخبر صادق کے وقت سے لیکر اسے یوں سُننا ہوا سب کا اتفاق ہوا ہو اُس کی صحت پر سب کا اجماع ہو تو وہ خبر ہمارے حق میں بھی رویت کے برابر ہے اور ایسی متواتر اور مجمع علیہ خبر حقیقت میں

فی نفسہ شرعی حجت ہے لیکن اگر کسی خبر کی نسبت یہ درجہ ثابت نہ ہو یعنی مخبر صادق کے وقت سے اُس کا تواتر اور اُس کی صحت پر اجماع نہ ہو عام اس سے کہ وہ خبر پھر کسی اَور زمانہ میں شہرت اور تواتر کے درجہ پر پہونچ جاوے یا آیندہ زمانوں میں بھی وہ اس تبہ پر نہ پہونچے تو وہ خبر اپنی اصلی حالت پر رہے گی یعنی مایحتمل الصدق والکذب پس پہلے زمانہ سے لیکر ہمارے وقت تک جتنے واسطے اُس کی نقل کے ہوئے ہوں اُن کی صداقت اور اعتبار ثابت ہو اور وہ شمار میں بھی اِسی لحاظ کے ہوں تو اُس کا جانب صدق غالب ہوگا۔ اور اگر اُن میں سے کسی کی صداقت بخوبی ثابت نہ ہو یا اُن کا تسلسل و اتصال معلوم نہ ہو یا اُسکے بیان کرنے والے ابتدا میں ایک دو سے زیادہ نہ ہوں تو اُس کی دونوں جانب صدق وکذب کی برابر ہوں گی اور ایک کے رجحان کو دوسرے پر کسی اَور دلیل کی حاجت ہوگی اور اگر اُس کے بیان کرنے والوں کی بے اعتباری پائی جاوے تو اُس کا جانب کذب راجح ہوگا بلکہ اگر اُن کا کذب بمرتبہ یقین ثابت ہو تو اُسمیں احتمال صدق کا باقی نہ رہیگا۔

پس منجملہ اخبار مخبر صادق کے وہ خبر جس کا تواتر اُس کے وقت سے لیکر اب تک ثابت ہے اور جس کی صحت پر اجماع ہے قرآن مجید ہے اور جو اُس مرتبہ پر نہیں ہے وہ حدیث ہے پھر بعض اُسمیں یعنی حدیث میں سے وہ ہیں جن کا جانب صدق غالب ہے اور بعض وہ ہیں جن کے دونوں پلے برابر ہیں اور بعض وہ ہیں جن کا جانب کذب غالب ہے اور بعض وہ ہیں جو نرے غلط اور بالکل جھوٹی ہیں۔ غرضکہ یہ دونوں چیزیں ہم پر حجت ہیں پہلی چیز یعنی کتاب قطعی حجت ہے کیونکہ اُس کی صحت قطعاً ثابت ہے اور دوسری چیز یعنی سنت ظنی حجت ہے کیونکہ اُسکی صحت ظنی ہے اور باعتبار اپنے مرتبہ صحت کے وہ ہم پر حجت ہے۔ رہا اجماع پس اگر اُس سے مراد ہے اجماع سب کا اوپر صحت اُس خبر کے تو اسناداً و صدقاً کہ ایسا اجماع حجت شرعی ہے لکن لا فی ذاتہ بل بغیرہ کیونکہ حقیقت میں وہ اجماع ایک کامل شہادت اور قطعی دلیل اُس خبر کی صحت کی ہے اور وہ خبر فی نفسہ ہم پر حجت ہے اور اُسی اجماع کا منکر بھی یقینی کافر ہے کیونکہ وہ منکر اُس خبر کا ہے جسکی صحت ثابت ہو چکی اور جس کا انکار فی ذاتہ کفر ہے۔ پس اگر کوئی کسی آیت کا قرآن مجید کی منکر ہو تو وہ ویسا ہی کافر ہے جیسا کہ صاحب الوحی کی زبان سے سُن کر اُس کا منکر ہونا کیونکہ تواتر اور اجماع نے اُس کی صحت کو ایسے یقین کے درجہ پر پہنچا دیا ہے کہ اُس

قطعی کا باقی نہیں رہتا لیکن اگر اُس سے مراد ہے اتفاق کر لینا لوگوں کا اوپر کسی معنی و مقصد کے جو مخبر صادق کے لفظوں سے صراحتاً ثابت نہ ہوا یا اوپر حقیقت کسی چیز کے جس کا بیان تصریح خود مخبر صادق نے نہ کیا ہو یا اوپر تفصیل کسی اجمال کے جسے اُس نے مجمل ہی رہنے دیا ہو یا اوپر توضیح کسی شئے کے جس میں اُس نے اشارہ استعارہ پر ہی کفایت کی ہو یا اوپر اُن باتوں کے جو شارع کی باتوں کی علت دریافت کرکے قیاساً اُسپر نکالی گئی ہوں جبکہ اُس علت کو خود شارع نے بیان نہ کیا ہو یا اوپر کسی ایسے مذہبی اعتقاد یا قول یا فعل کے جو اُس کے اخبار متواترہ سے ثابت نہ ہوا سکے منصوصات کے مخالف اور اُس کے اصلی اصول کے معارض ہو تو ایسا اتفاق کچھ قطعی حجت نہیں اور نہ ایسے اجماع کا منکر کافر ہے اور نہ اُن باتوں کا جو ایسے اتفاق پر مبنی ہوں نہ ماننا یا اُن سے مخالفت کرنا تکذیب رسول ہے کیونکہ یہ اجماع ایک قیاس یا قول یا فعل ایسی جماعت کا ہے جس میں سے نہ کوئی مخبر صادق ہے نہ جس میں سے کسی کی رائے معصوم ہے نہ جس میں سے کوئی صاحب الوحی والکتاب ہے نہ اُن کی تصدیق و تکذیب پر ایمان و کفر کا مدار ہے پس جبکہ بانفرادہ کوئی ایک اُن میں سے ایسا نہیں جس کی رائے یا قول یا فعل ہم پر حجت ہو تو مجموعہ اُن کی رائے یا قول یا فعل کی حجت ہونے کی کیا وجہ ہے ہاں اُن کی بات کو ایسی وقعت ہے کہ اُسکی صحت کا پلہ بہ نسبت اُسکی غلطی کے عالی سمجھا جاویگا اور جب تک کہ اُس کی غلطی ثابت نہ ہو تب تک وہ ماننے کے لائق ہوگی مگر احتمال غلطی کا موجود رہے گا اور ممکن ہے کہ کبھی اُس کی غلطی ثابت ہو جاوے اور کسی زمانہ میں اُس کی غلطی پر دوسرا اتفاق ہو جاوے اور یہ بھی اُس حالت میں ہے جبکہ اتفاق سب لوگوں کا ہوا ہو اور کوئی اُس رائے یا قول یا فعل سے کسی زمانہ میں منکر نہ ہوا ہو یا کم سے کم جو لوگ صلاحیت رائے دینے کی رکھتے ہوں اُنہوں نے مخالفت نہ کی ہو لیکن اگر کسی جماعت یا کسی گروہ میں کوئی بات بغیر بحث و مباحثہ کے جاری ہو گئی ہو یا کسی عارضی وجہ سے مثل خوف یا شرم یا لحاظ یا جہالت کے لوگوں نے مان لیا ہو اور امتداد زمانہ نے اُسے قوی کر دیا ہو یا اُس کی صحت میں اہل رائے نے اختلاف کیا ہو اور بعض مجتہدین نے اُسے صحیح نہ جانا ہو گو کسی خارجی سبب سے اُس انکار کو شہرت یا قوت نہ ہوئی ہو تو ایسے اتفاق کو وہ وقعت بھی نہیں ہے بلکہ اُسپر اتفاق یا اجماع کا اطلاق کرنا ہی غلطی ہے[1] پس یہ مختصر حقیقت اجماع اور انکار اجماع کے

[1] میں اپنے علما کے اقوال بھی بابت اس مسئلہ کے بیان کرنا مناسب سمجھتا ہوں تاکہ اُن کی

کفر ہونے کی ہے اسپر غور کرنے کے بعد اب ہمکو کوئی بتادے کہ جو عوام وخواص ہو جزئیہ

رائے بہی لوگوں کو معلوم ہوجاوے - امام غزالی رح نے کتاب التفرقہ میں لکھا ہے وشرطہ
(ای الاجماع) ان یجتمع اہل الحل والعقد علی صعید واحد فیتفقون علی امر واحد
اتفاقاً بلفظ صریح ثم یستمرون علیہ مدۃ عند قوم والی تمام انقراض العصر
عند قوم - اور مسلم میں لکھا ہے کہ قیل اجماع الاکثر مع ندرۃ المخالف اجماع والمختار انہ
لیس باجماع لانتفاء الکل فقیل لیس بحجۃ اصلاً وقیل ہو حجۃ ظنیۃ اور مرقات الاصول میں
لکھا ہے کہ الاجماع اما بالتواتر او الشہرۃ او الاحاد والاول المتواتر اجماع الصحابۃ اذا انقرضوا
حتی اذا لم ینقرضوا لم یکن الاجماع اتفاقیاً کما مر فہو کالآیۃ القطعیۃ الدلالۃ والخبر
المتواتر فیکفر جاحدہ وان لم یکن سکوتیاً حتی اذا کان سکوتیاً لم یکن متفقاً علیہ
ایضا فلا یکفر لمخالفتہ ثم اجماع من بعدہم بالشرط السابق فیما لم یروفیہ خلافہم
فہو کالمشہور من الخبر یضلل جاحدہ ولا یکفر اجماعاً ثم الاجماع المختلف فیہ فہو
کالصحیح من اخبار الاحاد لا یضلل جاحدہ ایضا کما لا یکفر - اور امام حجۃ الاسلام نے منخول
میں لکھا ہے انہ قد یثبت الخلاف فی کون الاجماع حجۃ ولا یکفر منکرہ ثم منکر المجمع
علیہ اذا لم یکن من ضروریات الدین لم یکفر - اور امام الحرمین ابو المعالی نے فرمایا ہے کیف نکفر
من خالف الاجماع ونحن لا نکفر من رد اصل الاجماع وانما نبدعہ ونضللہ والمعتمد عند
الشافعیۃ عدم الاطلاق تکفیر المجمع علیہ اور امام نووی نے روضہ میں لکھا ہے کہ لیس تکفیر
جاحد المجمع علیہ علی الاطلاق بل من جحد مجمعاً علیہ فیہ نص فہو من الامور الظاہرۃ التی
یشترک فی معرفتہا الخواص والعوام کالصلوۃ وتحریم الخمر ونحوہما کافر ومن جحد
مجمعاً علیہ لا یعرفہ الا الخواص کاستحقاق بنت الابن السدس مع بنت الصلب ونحوہ
فلیس بکافر - اور ابن دقیق العید نے شرح عمدہ میں لکھا ہے اطلق بعضہم ان مخالف الاجماع
یکفر والحق ان المسائل الاجماعیۃ تارۃ یصحبہا التواتر عن صاحب الشرع کوجوب الخمس
وقد لا یصحبہا فالاول یکفر جاحدہ لمخالفۃ التواتر لا لمخالفۃ الاجماع - اور تلویح میں لکھا ہے
کہ اما الحکم الشرعی المجمع علیہ فان کان اجماعہ ظنیاً فلا یکفر جاحدہ اتفاقاً وان کان
قطعیاً فقیل یکفر وقیل لا یکفر والحق ان نحو العبادات الخمس مما علم بالضرورۃ کونہ

فقہیہ و ہر مسئلہ کلامیہ کی نسبت اجماع کا لفظ زبان پر لاتے ہیں اور اس کے انکار کو بوجہ انکار اجماع کے کفر بتاتے ہیں وہ کس قدر صحیح ہے اور کس قدر غلط سوائے قرآن مجید کی نصوص صریحہ کے اور عقاید و مسائل جو تخراج و استنباط کیے گئے ہیں اور جو کتابوں میں بڑی شد و مد سے لکھے گئے ہیں اُن میں سے کتنے عقیدوں اور کتنے مسئلوں پر اجماع کا اطلاق ہو سکتا ہے اور کتنے پر نہیں - اگر اجماع کا نام ہی چند کتابوں میں لکھا ہوتا - اور اُس کو ایک مخصوص طائفہ سیکھتا اور تقلیداً اُسے تلقی بالقبول کرتا تو بلاشبہ وہ اجماع اجماع ہے مگر اُسے ہم لا یعبأ بہ کہتے ہیں اور خود ہمارے ہی علماء کے بیان سے اُس پر اجماع کا اطلاق نہیں ہو سکتا نہ کہ معاذ اللہ اُس کے انکار پر اطلاق کفر کا ہو پھر اکثر مسائل اعتقادی یا عملی ایسے ہیں جن کی بنا حقیقت میں ایک خبر احاد پر اور بعض حالات میں ایک خبر ضعیف پر یا فقط قیاس اور رائے پر ہے مگر تقلید کی برکت سے اُسے عوام و خواص میں ایسی شہرت ہو گئی ہے کہ وہ خبر متواتر اور نص قطعی سمجھی جاتی ہے - وحد المتواتر ما لا یمکن الشک فیہ کالعلم بوجود الانبیاء و وجود البلاد المشہورة وغیرها وانہ متواتر فی الاعصار کلما عصر ابعد عصر الی زمان النبوة ولم ینقص عدد التواتر فی عصر من الاعصا فالقول بالتواتر فی غیر القرآن من اغمض الاشیاء +

ضمیمہ نمبر ۱۸۹

من الدین یکفر جاحدہ اتفاقا وانما الخلاف فی غیرہ اور ان سب سے عمدہ وہ ہے جو در مختار کے حاشیہ شامی میں لکھا ہے کہ اذا لم تکن الآیة او الخبر المتواتر قطعی الدلالة او لم یکن الخبر متواترا او کان قطعیا لکن فیہ شبہة او لم یکن الاجماع اجماع الجمیع لو کان ولم یکن اجماع الصحابة او کان ولم یکن اجماع جمیع الصحابة او کان اجماع جمیع الصحابة ولم یکن قطعیا فان لم یثبت بطریق التواتر او کان قطعیا لکن کان اجماعا سکوتیا ففی کل هذه الصور لا یکون الجحد کفراً - کہ اگر آیت یا خبر متواتر قطعی الدلالت نہ ہو یا خبر ہی متواتر نہ ہو یا متواتر تو ہو مگر قطعی نہ ہو اور اُس میں شبہ ہو یا اجماع سب کا اجماع نہ ہو یا سب کا اجماع ہو مگر صحابہ کا اجماع نہ ہو یا وہ بھی ہو مگر سب صحابہ کا اتفاق نہ ہو یا سب صحابہ کا اتفاق بھی ہو مگر قطعی نہ ہو یعنی بطریق تواتر ثابت نہ ہو یا قطعی بھی ہو مگر اجماع سکوتی ہو - پس ان سب حالتوں میں انکار اجماع کا کفر نہیں ہے - ۱۲

پس ہمارا اپنے مسائل اعتقادی وعملی کی نسبت جس کا ثبوت بنص صریح قرآن مجید یا بحدیث متواتر نہو اجماع کا دعویٰ کرنا ہی غلط ہے اور اسی غلطی کی وجہ سے بہت دھوکے ہوئے اور کثرت مغالطہ میں پڑ گئے ہر گروہ نے اپنے اپنے خیالات کے موافق ایک مذہب کھڑا کر لیا ہر طائفہ نے اپنی رسمیات اور عادات کو اجماع کی دلیل سے فرایض و واجبات سمجھ لیا اور اپنے چال چلن کو ایک مبدل شریعت بنا لیا یہاں تک کہ جب اُن بڑی بڑی عالی شان عمارتوں کی جن کے کنگرے آسمان سے ملے ہوئے ہیں بنیاد دیکھی جاتی ہے تو ایک ریت کے ذرہ کے سوائے کچھ نظر ہی نہیں آتا اور کوئی بنیادی پتھر دکھلائی نہیں دیتا معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف لوگوں کے ہاتھوں پر رکھی ہوئی ہے نہ فی نفسہ اُسکی اصل مضبوط ہے نہ درحقیقت اُسکی بنا مستحکم ہے اگر لوگ اپنے ہاتھ اُٹھا لیں اور بنیاد کے سہارے پر اُسے چھوڑ دیں تو نہ اُس کی خوبصورت دیواروں کا نشان ملے نہ اُس کی خوش نما محرابیں نظر آویں نہ اُس کی ملمع کاری کی چھت باقی رہے بلکہ دکت الارض دکا کی کیفیت ہو جاوے اور تبدل الارض غیر الارض کی صورت نظر آوے یہ حقیقت ہے اجماع کی جو میرے نزدیک از روئے اصول شریعت کے ثابت ہے ۔ فمن اعتقد غیر ذالک فلیجدد عقیدتہ و لیتبع عن تعصبہ ثم مرادھم بطلان ھذا البنیان فعلیہ ان یظہر فی میدان البرھان اما بتقریر اللسان واما بتحریر البنیان والحق یعلو علی البطلان ۔

دوسرا حصّہ

پہلا ریویو

مقدمہ تاریخ ابن خلدون پر

ابن خلدون ایک نامور مورخ مسلمانوں میں گذرا ہے ۔ اُس کی تاریخ مشہور ترین کتابوں سے ہے ۔ بالفعل یہ کتاب عربی زبان اور عربی خط میں نہایت عمدہ اور خوشخط دارالسلطنت فرانس میں چھاپی گئی ہے ۔ اس نامور مورخ نے ایک نہایت عمدہ

مقدمہ اپنی کتاب کا لکھا ہے - جس میں علم تاریخ کی فضیلت بیان کی ہے - اور تاریخی واقعات کی تنقیح کے اصول لکھے ہیں - اور قوموں کی ترقی و تنزل کے اسباب اور اقالیم سبعہ کے حالات - اور اہل عرب کی حکومت کے نتایج - اچھی طرح بیان کیئے ہیں - یہ کتاب اس لایق ہے کہ اُس کا ترجمہ اُردو میں کیا جائے - اور اس زمانہ کے مسلمانوں کو دکھلایا جائے - کہ اُن کی قوم میں کیسے دل و دماغ کے آدمی گذرے ہیں اور کیا کیا وہ لکھ گئے ہیں - تاکہ اُن کو عبرت ہو اور حیرت - عبرت تو اس خیال سے - کہ ہمارے بزرگ کیسے تھے اور ہم کیسے ہیں - اور حیرت اس نظر سے - کہ جن باتوں کو اس زمانہ میں وہ کفر و الحاد سمجھتے ہیں - صدہا برس ہم سے پہلے بڑے بڑے محقق مسلمان کہہ گئے ہیں -

اگرچہ اس میں شبہ نہیں ہے کہ متقدمین اہل اسلام نے تنقیح روایات - و تصحیح منقولات میں بہت توجہ کی اور اُس کے لیئے نہایت عمدہ اصول اور قاعدے قرار دیئے - اور اس پر عمل کیا - لیکن اکثر لحاظ اس کا دینیات اور احکام شرعی میں کیا گیا - اور گو کہ سوائے چند نامی محققوں کے اَور عالموں نے دینیات میں بھی اُن اصول کی پوری پوری رعایت نہ رکھی اور آخر دینی روایتیں بھی ایسی مخلط اور مشتبہ ہو گئیں کہ جن کی تنقیح نہایت مشکل ہے - مگر سوائے دینیات کے اَور واقعات تاریخی میں تو کچھ بھی رعایت اُن اصول کی نہ کی گئی - اس لیئے پچھلے زمانوں - اور پچھلی قوموں اور غیر ملکوں کے حالات جو مسلمانوں نے اپنی کتابوں میں لکھے - وہ ہرگز اس قابل نہیں ہیں کہ اُن کو تاریخی واقعات کہا جاوے - یا قصہ اور کہانی سے زیادہ کچھ بھی اُن کا اعتبار کیا جاوے - ایک عام عادت ہمارے مورخوں کی ہے - کہ پچھلے زمانہ کی ابتدا جنات سے کرتے ہیں - اور اُن کے واقعات کے بیان کرنے میں صفحے کے صفحے رنگتے چلے جاتے ہیں - جن کے دیکھنے اور پڑھنے سے افسوس آتا ہے - کہ کیونکر مسلمان مورخوں نے ایسی لغو اور بیہودہ باتوں کا لکھنا جائز سمجھا - اور یہ بھی ایک عادت اُن کی ہے - کہ انبیاء اور اولیاء کی عظمت و شان ظاہر کرنے کے لیئے محال اور غیر ممکن باتوں کو اس خوبی سے لکھتے ہیں کہ گویا فی الواقع وہ واقع ہوئی ہیں لیکن درحقیقت ایسی باتوں سے دین اسلام پر سخت الزام آتا ہے - اور مسلمانی مذہب بدنام ہوا اور

ہوتا ہے۔ غرض کہ عموماً مسلمانوں میں جو فن تاریخ کا ہے۔ وہ اس قابل نہیں ہے کہ اُسے فن تاریخ کہا جاوے اور جو واقعات اُن میں مذکور ہیں اکثر اس قابل نہیں کہ اُن پر تاریخی واقعات کا اطلاق کیا جاوے۔ اور اسی سبب سے کہ یہ فن ایسی ذلیل اور ابتر حالت پر ہمارے یہاں پہونچ گیا ہے۔ کوئی اُس طرف توجہ نہیں کرتا اور اُسے علم نہیں سمجھتا۔ چنانچہ منجملہ اُن سببوں کے جو مسلمانوں کے تنزلات کے باعث ہوئے فن تاریخ سے ناواقفیت بھی ایک بڑا سبب ہے۔

میرا ارادہ ہے کہ اس کتاب کے مفید مضامین منتخب کر کے تہذیب الاخلاق میں چھپواؤں چنانچہ بالفعل تاریخ کی حقیقت۔ اور اخبار کی تنقیح کے اصول جو اس کتاب میں تفصیل سے بیان کیئے گئے ہیں منتخب کر کے لکھتا ہوں۔

اس نامور عالم نے اول فن تاریخ کی فضیلت اور فواید کو بیان کیا ہے۔ پھر اُن سببوں کو لکھا ہے جو اس فن کو واہی اور غلط اور غیر مفید کر دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے۔ کہ " فن تاریخ بظاہر تو نہایت آسان ہے۔ اور اُس کا سمجھنا ہر خاص و عام اور عالم و جاہل کو یکساں۔ کیونکہ پچھلے زمانہ کی باتیں اور گذشتہ واقعات کی خبریں اُس سے معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن درحقیقت اُس کے لیئے نہایت غور اور فکر درکار ہے تاکہ اُن واقعات کے اسباب دریافت ہوں۔ مثلاً فلاں واقعہ کیوں ہوا۔ اور اُس کے شروع ہونے کے اسباب کیونکر ظاہر اور پیدا ہوئے۔ اور انجام اس کا کیا ہوا۔ اور کیوں۔ پس درحقیقت فن تاریخ کو ایک عمدہ فن فنون حکمت سے سمجھنا چاہیئے"

" اگرچہ بڑے لایق مسلمان مورخوں نے تاریخ اور اخبار کو اچھی طرح جمع کیا۔ مگر بعد اُن کے جو مورخ ہوئے اُنھوں نے تاریخ کو لغو اور باطل اور وہمیات سے خلط ملط کر دیا۔ اور بہت سی باتیں بیہودہ اُسمیں ملا دیں اور اکثر ضعیف اور بنائی ہوئی روایتیں داخل کر دیں اور بہت لوگوں نے جو بعد اُن کے ہوئے اُنھیں نادانوں کی پیروی کی۔ اور اُنھیں پوچ بیہودہ روایتوں اور واہی تباہی کہانیوں کو جیسا سُنا تھا ہم تک پہنچا دیا۔ نہ واقعات کے اسباب پر غور کیا۔ نہ اُن حالات کی تصدیق اور تنقیح پر توجہ کی۔ نہ بیہودہ باتوں کو سچے واقعات سے جدا کیا۔ اور نہ لغو روایتوں سے تاریخ کو پاک۔ اس لیئے تاریخ ایسا فن رہ گیا جس میں تحقیق تو کم ہے اور تنقیح تھوڑی سی۔ اور غلطیاں اور اوہام بہت۔ اور گو کہ تقلید انسان کے رگ و پے میں

سمائی ہوئی ہے - اور ایک دوسرے کی پیروی کا عادی ہو رہا ہے - اور جہالت آدمیوں کو گھیرے ہوئے ہے - مگر حق ہمیشہ حق ہے جس پہ کوئی غالب نہیں ہو سکتا - اور باطل ہمیشہ باطل ہے کہ ذرا سی غور و فکر سے اُس کا بطلان ظاہر ہو سکتا ہے - اور ناقل فی نفسہ ناقل ہے جو بلا تمیز صحت و غلطی کے نقل کر سکتا ہے - اور غور و تامل اور سمجھ بوجھ وہ چیز ہے جو صحت غلطی کو - اور خطا اور صواب کو جدا کر سکتی ہے - اور علم وہ شئے ہے جس سے ہر بات کی اصلیت اور ہر چیز کی حقیقت کھل جاتی ہے "

اس کے بعد ایک جداگانہ فصل میں ایک محقق نے اُن باتوں کا بیان کیا ہے جو مؤرخ کے لیئے صحیح تاریخ لکھنے کے واسطے ضروری ہیں - اور اُن غلطیوں - اور اوہام کا بطور مثال کے تذکرہ کیا ہے - جن کو بڑے بڑے مورخین اور مفسرین نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے - اور پھر اُن سببوں کی تشریح کی ہے - جو باعث ایسی غلطیوں اور اوہام کے ہوئے ہیں - چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ " جو شخص دینی و دنیاوی باتوں کی تحقیق چاہتا ہو اُسے فن تاریخ سے واقف ہونا ضرور ہے - لیکن اس فن میں چند باتوں کا لحاظ رکھنا واجبات سے ہے - اوّل ماخذ کا دریافت کرنا - دوسرے اُس پر غور و تدقیق کرنا اور اُسکی تصدیق و تنقیح میں ثابت قدم رہنا کیونکہ یہی دو باتیں حق پر پہونچاتی اور لغزشوں اور غلطیوں سے انسان کو بچاتی ہیں - اگر ایسا نہ کیا جائے - اور فقط نقل و روایت پر اعتبار کرلیا جائے - اور عادت اور سیاست اور دنیا کی طبیعت (نیچر) اور انسان کی سوسئیٹی کے مستحکم اصول پیش نظر نہ رکھے جاویں - اور غایب کو حاضر پر - اور گذشتہ کو حال پر قیاس نہ کیا جاوے - تو کچھ شک نہیں ہے کہ انسان لغزش سے کبھی نہ بچے گا - اور قدم اُس کا راہ راست سے ضرور رک جائے گا - اور اکثر مورخین اور مفسرین اور آئمہ نقل سے واقعات روایات کے بیان کرنے میں بھی غلطی ہوئی کہ اُنھوں نے محض نقل پر بھروسہ کرلیا - اور اُس کے عیب و صواب پر نظر نہ کی - نہ اُن کو اصول اور قواعد سے جانچا - نہ اُن نظایر و شواہد پر قیاس کیا - نہ حکمت و عقل کی کسوٹی پر کسا - نہ خود موجودات کے طبایع (نیچرات) سے واقف ہوئے - نہ غور و تامل اور سمجھ بوجھ کو اُن باتوں کی تحقیق میں دخل دیا - اس لیئے وہ حق سے بہک گئے - اور وہم اور غلطی کے جنگل میں جا پڑے - خصوصاً اعداد کے بیان اور مال اور لشکر کی شمار میں تو اُنھوں نے ایسا مبالغہ کیا ہے کہ بادی النظر میں جھوٹ

اور غلط معلوم ہوتا ہے۔ لیکھکر محقق موصوف نے چند مثالیں اس قسم کے مبالغوں کی لکھی ہیں۔ اور محض ہیچ اور عقل کی مخالفت سے اُن کو باطل ٹھہرایا ہے۔

اسی تذکرہ میں ایک مقام پر اس محقق نے توریت کی تحریف لفظی کا ذکر کر کے مثل اور محققین کے اُس سے انکار کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے "وانما ورد فی التوراة والیھود قد بدلوھا علی ما ھو معروف فالقول بھذا التبدیل مرجوح عند المحققین ولیس علی ظاھرہ لان العادة مانعة من اعتماد اھل الادیان ذالک فی صحفھم الالھیة کما ذکرہ البخاری فی صحیحہ"

منجملہ اُن واہی تباہی خبروں کے جن کو محقق موصوف نے بطور مثال کے لکھا ہے۔ ایک وہ خبر ہے۔ جو بہ نسبت تبابعہ بادشاہان یمن اور جزیرہ عرب کے مورخین تسلیم کرتے چلے آتے ہیں کہ وہ یمن سے براہ مغرب افریقہ اور بربر تک اور مشرق کی طرف سے ترک اور تبت کے شہروں پر حملہ کرتے تھے۔ اور افریقس بن قیس اُن کا بڑا اور پہلا بادشاہ تھا جس نے حضرت موسےٰ علیہ السلام کے زمانہ میں یا کچھ دنوں اُن سے پہلے افریقہ پر حملہ کیا۔ اور اسی طرح چند اور بادشاہوں کا احوال اور انکی چڑھائیاں اور حملوں اور لڑائیوں کے حالات مسعودی وغیرہ نے لکھے ہیں۔ اُن سب کی نسبت اس محقق نے بڑی ہنسی اُڑائی ہے۔ اور اُن لکھنے والوں کو بڑا احمق بنایا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "یہ سب خبریں قصہ گویوں کی بنائی ہوئی کہانیوں کی طرح ہیں۔ اور صحت اور سچائی سے بہت دور ہیں۔ مثلاً جو ذکر بادشاہان تبابعہ کے حملوں کا اور اُن کی چڑھائیوں کی بابت کیا گیا ہے۔ وہ محض غلط ہے۔ اس لیئے کہ وہ لوگ عرب کے جزیرہ میں بستے تھے۔ اور دارالقرار اُن کا صنعاء یمن تھا۔ اور عرب کے جزیرہ کے تین طرف سمندر ہے۔ جنوب کی طرف بحر ہند اور مشرق سے بصرہ تک بحر فارس اور مغرب کی طرف سے بحر سوئیس کہ یہ امر جغرافیہ کے نقشہ سے ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔ پس جو کوئی یمن سے مغرب کو جائے گا وہ سوائے سوئیس کے کوئی دوسری راہ نہیں پا سکتا۔ اور فاصلہ بحر سوئیس اور بحر شام کا دو روزہ راہ سے زیادہ نہیں ہے۔ پس

۱؎ یہ بھی کافر معلوم ہوتا ہے۔ ۱۲

عادتاً غیر ممکن ہے کہ اس راہ سے کوئی بادشاہ اتنا بڑا لشکر لیکر نکلے اور سوئیس پر جو مصر کے علاقہ میں ہے قابض نہ ہو۔ اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ ان صوبوں پر عمالقہ۔ اور شام پر کنعانی۔ اور مصر میں قبطی بادشاہ تھے۔ پھر مصر کی حکومت عمالقہ کے ہاتھ میں اور شام کی بنی اسرائیل کے قبضہ میں آئی۔ اور کبھی ان بادشاہوں کی تاریخ سے پتہ اس بات کا نہیں چلتا کہ تبابعہ ان میں سے کسی سے لڑے یا اُن کے کسی صوبہ پر قابض ہوئے ہوں۔ بہرحال بہت سی اَور معقول دلیلیں ہیں۔ جن سے ان واقعات کا جو مؤرخین نے بیان کیا ہے غلط ہونا ثابت ہوتا ہے۔

ان پرانی کہانیوں کی غلطی اور بناوٹ بیان کر کے محقق موصوف مفسرین پر متوجہ ہوتا ہے۔ اور ان بزرگواروں نے جن کہانیوں کو قرآن کی تفسیر میں بھر دیا ہے اور جس کا بد اثر دین اسلام پر پہونچتا ہے۔ اُن کہانیوں کا واہی تباہی ہونا بیان کرتا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ ان سب بیہودہ روایتوں سے بڑھکر وہ ہے جسے مفسرین نے سورہ فجر کی آیہ الم ترکیف فعل ربک بعاد ارم ذات العماد کی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ کہ ارم نام شہر کا تھا جس کے ستون بڑے بڑے تھے۔ اور عاد ابن عوص ابن ارم کے دو بیٹے تھے۔ شدید و شداد۔ جو اُس کے بعد بادشاہ ہوئے۔ شداد نے جنت کی صفت سن کر اُس کے مثل ایک جنت بنانی چاہی۔ چنانچہ عدن کے جنگلوں میں تین سو برسوں میں اُس نے ایک شہر بنایا۔ اور خود اُس کی عمر نوسو برس کی تھی۔ اور جو شہر کہ اُس نے بنوایا وہ بہت بڑا تھا۔ دیواریں اُس کی چاندی سونے کی اینٹ سے تھیں اور ستون اُس کے زبرجد و یاقوت کے۔ اور جبکہ وہ بن کر طیار ہوا۔ شداد اپنی سب فوج ولشکر کے ساتھ چلا۔ جب وہ شہر ایک منزل رہ گیا۔ تب خدا نے ایک ایسی ہولناک آواز آسمان سے بھیجی کہ وہ سب مرگئے۔ اس روایت کو طبری اور ثعلبی اور زمخشری وغیرہ مفسرین نے لکھا ہے۔ اور عبداللہ ابن قلابہ صحابی سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ وہ اپنے اونٹ کو ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے اُس شہر میں پہونچے۔ اور جو کچھ کہ اُٹھا سکے وہاں سے جواہرات اُٹھا لائے۔ اور جب یہ خبر معاویہ کو پہونچی تو انہوں نے عبداللہ ابن قلابہ کو طلب کر کے سارا حال پوچھا پھر کعب احبار سے اُس کی تصدیق کی۔ کعب احبار نے کہا کہ یہ شہر ارم ذات العماد ہے اور اُس میں ایک شخص مسلمانوں میں سے آپ کے زمانہ میں

داخل ہوگا سرخ رنگ پست قد جس کی ابرو اور گردن پر تل ہوگا - اور وہ اونٹ کی تلاش میں وہاں پہنچے گا - پھر جب اُنہوں نے ابن قلابہ کو دیکھا - تو کہا کہ قسم ہے خدا کی یہ وہی آدمی ہے انتہی" اِس نقل کو لکھکر محقق موصوف لکھتا ہے - کہ "اس شہر کی خبر آج تک کبھی سُنی نہیں گئی - نہ یہ بات پایۂ تحقیق کو پہونچی - کہ زمین کے کسی ٹکڑے پر ایسا شہر آباد ہے - اور عدن کا میدان جہاں ایسے شہر کا بننا گمان کیا جاتا ہے - وسط یمن میں واقع ہے - اور برابر اُس کی آبادی چلی آتی ہے - اور مسافر اور سیاح تمام مُلکوں سے وہاں آتے جاتے رہتے ہیں - لیکن کسی نے ایسے شہر کی خبر نقل نہیں کی - نہ کسی مورخ نے اُس کا حال بیان کیا - پس اگر یہ کہا جاتا کہ یہ شہر ویران ہو گیا - اور اُس کے آثار باقی نہیں رہے - تو زیبا تھا - مگر اُن کے کلام سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اب تک موجود ہے - اور بعضوں کا ہذیان یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ وہ شہر نظر سے غائب ہے - اور صرف ساحر اور اہل ریاضت اُسکو دیکھ سکتے ہیں - یہ سب باتیں از قبیل خرافات و مضحکات ہیں - اور یہ دھوکا صرف لفظ ذات عماد کے سبب سے ہوا ہے جس کی وجہ سے ان نادانوں کو ایسی حکایتوں کے بنانے کی ضرورت ہوئی جو مثل بنائے ہوئے قصوں کے ہے - ورنہ اگر عماد سے ستون ہی مراد لیئے جائیں تو وہ صفت قوم کی ہے - کہ بوجہ اُن کی قوت کے اس صفت سے اُن کو موصوف کیا - نہ یہ کہ مراد اُس سے کوئی خاص عمارت ہو - پس کچھ ضرورت نہیں ہے کہ ایسی واہی کہانیاں بنائی جاویں - اور خدا کی کتاب کی آیتوں کی توجیہہ کے لیئے ایسے محامل بعیدہ تلاش کیئے جاویں جن سے وہ ہر طرح سے پاک اور منزہ ہے - اور اسی قسم سے دیوار قہقہہ اور صحرا سجلماسہ کے مدینۃ النحاس کی روائتیں ہیں جن کو قصہ گویوں نے بنا لیا - اور طبایع عالم کے نہ جاننے سے عالموں نے ایسی لغو روائتوں کو قبول کر لیا - اور اسی قسم سے وہ روایت ہے جو حبشیوں کے سیاہ رنگ ہونے کی نسبت بیان کی جاتی ہے کہ وہ حام ابن نوح کی اولاد ہیں - اور نوح کی بد دعا سے حام کی اولاد کا رنگ کالا ہو گیا - حالانکہ توریت میں تو اتنا ہی لکھا ہے - کہ نوح نے دُعا کی کہ اُس کی اولاد اپنے بھائیوں کی غلام ہو - لیکن پھر لوگوں نے رنگ کی سیاہی بھی اُس میں بڑھا دی ہے لیکن یہ بھی طبایع کائنات کی ناواقفیت کا سبب ہے - اگر وہ ہوا کے مزاج اور حرارت

کی تاثیرات پر واقف ہوتے تو ایسا غلط خیال نہ کرتے ۔ پھر یہ محقق مسعودی پر ہنستا ہے
اور کہتا ہے کہ آپ باوجود بے علمی کے عقلی تحقیق پر بھی متوجہ ہوئے ہیں ۔ اور حبشیوں کی
خفت عقل ۔ اور طیش و غضب کے سبب لکھنے پر آمادہ ۔ مگر وہ باتیں لکھی ہیں کہ نہ جن کی کوئی
دلیل ہے نہ برہان نہ جس سے کچھ حاصل ۔ محقق موصوف نے ایک فصل میں جہاں حکومت
اور دولت کے ضعف و قوت کے اسباب بیان کیئے ہیں وہاں بڑی بڑی عمارتوں ۔
اور دنیا کی عجیب چیزوں کو جو اس وقت موجود ہیں مثل شہر شال مغرب ۔ اور اہرام مصر
کے بیان کر کے لکھا ہے ۔ کہ یہ بڑی بڑی ہیکلیں اور عجیب و غریب عمارتیں صرف قوم کے
دولتمند اور صاحب قوت ہونے سے بنیں ۔ مگر مورخوں نے طبایع عالم کی ناواقفیت
سے ان عظیم الشان عمارتوں کے بنانیوالوں کے جسم اور قد و قامت کو بھی ایسا ہی بڑا اور
عجیب سمجھکر اُن کے لیئے ایک روایت گھڑلی اور عاد اور ثمود اور عمالقہ اور کنعانیوں کے
جسموں کو ایسا بیان کیا کہ جن کے سُننے سے حیرت ہوتی ہے ۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ عوج
بن عناق ایک شخص قبیلہ عمالقہ سے تھا جس سے بنی اسرائیل لڑے تھے ۔ وہ ایسا
طویل القامت تھا کہ سمندر کی تہ سے مچھلی پکڑ لاتا اور آفتاب پر رکھکر بھون لیتا ۔ ان بزرگوار وں
نے اپنے اُس جہل پر جو انسان کی حقیقت کی نسبت تھا اُس جہل کو اور مستزاد کیا جو وہ
کواکب کے حالات سے رکھتے تھے ۔ آفتاب کی گرمی کو اُس کے قریب و بعد پر منحصر جانا اور
یہ نہ سمجھے ۔ کہ آفتاب فی نفسہ نہ سرد ہے نہ گرم ۔ اُس کے خطوط شعاعی جب سیدھے پڑتے
ہیں تو صرف اُس ہوا کو گرم کرتے ہیں جو سطح ارض سے ملی ہوئی ہے ۔ اور جتنا بعد زمین سے
ہوتا جاتا ہے اتنی ہی گرمی کم ہوتی ہے ۔ اور اسی طرح عوج بن عناق کو ہم عہد بنی اسرائیل
کا لکھا ہے اور بنی اسرائیل کا جسم اور اُن کا قد و قامت ویسا ہی تھا جیسا کہ ہمارا ہے ۔
اور بیت المقدس کے دروازے اگرچہ وہ بعد خراب ہو جانے کے پھر بنے ہیں ۔ مگر اُنکی
شکل اور اُن کا طول و عرض قریب قریب سابق کے ہے ۔ اُس زمانہ کے لوگوں کے قد و قامت
پر شاہد ہے ۔ اور اُس سے معلوم ہوتا ہے ۔ کہ کچھ بہت تفاوت اور بڑا فرق پہلو گوں کے
قد و قامت سے نہ تھا ۔ تو کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایک شخص بنی اسرائیل کا ہم عہد ایسا
طویل القامت ہو ۔ یہ بات طبیعت اور فطرت کے برخلاف ہے ۔ مگر سبب اس غلطی کا
یہ ہوا ۔ کہ جب مورخوں نے اُن عمارتوں کو بہت لمبا چوڑا پایا تو وہ اُس کے اسباب کے

دریافت پر تو متوجہ نہ ہوئے - اور قومی دولت اور قوت پر خیال نہ کیا - بلکہ بنانے والوں کے جسم اور اُن کے قد و قامت کو ایسا بیان کیا - جن سے ایسی عمارتوں کا بنانا ممکن ہو - اور مسعودی نے ایک اَور غلطی کی ہے - اور فلاسفہ کی طرف منسوب کیا ہے - حالانکہ سوائے تحکم کے کوئی اُس کا مستند نہیں ہے - یعنی ازروئے قانون فطرت کے اُن کے جسموں اور عمروں کا بڑا ہونا ثابت کیا ہے - وہ لکھتا ہے کہ اُن کی قوت ازروئے مقتضائے طبیعت کے کامل اور زیادہ تھی - اس لیئے عمر اور جسم بڑے ہوتے تھے - جیسے جیسے زمانہ بڑھتا گیا وہ قوت گھٹتی گئی - اور اُس کا مادہ کم ہوتا گیا - اور اسی طرح آئندہ روز بروز کمی ہوتی جاوے گی - حالانکہ یہ محض ایک غلط اور پوچ رائے ہے - کبھی کوئی فلسفی ایسی حماقت کی بات نہ کہیگا - نہ اُسپر کوئی دلیل ہے - نہ یہ مسئلہ قانون فطرت کا ہے - بلکہ بالکل مشاہدہ کے برخلاف ہے - کیونکہ ہم اگلوں کے گھروں - اور اُن کے دروازوں - اور اُن کی راہوں کو اُن کی بنائی ہوئی عمارتوں میں جو اب تک یادگار اور موجود ہیں - دیکھتے ہیں اُس کو قریب قریب اپنے زمانہ کے پاتے ہیں - اور باوجودیکہ زمانہ بہت گذرا ہمارے جسموں اور عمروں میں کچھ زیادہ کمی نہیں ہوئی - جس سے ہم خیال کریں کہ زمانہ کے گذرنے سے عمر و جسم میں کمی ہوتی ہے - بہرحال یہ سب غلط خیال اور بیہودہ اقوال علم فطرت کی ناواقفیت کے نتیجے ہیں اس لیئے ایسے اخبار کے جانچنے میں سب سے اول علم فطرت کی موافقت اور مخالفت کے اصول کو پیش نظر رکھنا چاہیئے -

اسی قسم کی بہت سی باتیں لکھکر آخر محقق موصوف لکھتا ہے کہ "کہاں تک میں اسے طول دوں - کیونکہ ایسی باتوں اور ایسی رایوں میں بڑے بڑے مورخین اور علماء مشہورین کے پانوں ڈگمگا گئے ہیں - اور وے بے تحقیق و تنقیح اس قسم کی باتوں کو مانتے چلے آئے ہیں اور سب لوگ غور و فکر نہ کرنے اور عقل و قیاس کو دخل نہ دینے سے بے بحث و تکرار اُن کو تسلیم کرتے رہے ہیں - چنانچہ اکثر کتابیں ایسی ہی باتوں سے بھری ہوئی ہیں - یہاں تک کہ اس خرابی نے فن تاریخ کو بالکل واہی اور پوچ کر دیا - اور غلط اور صحیح باتوں کی اُس میں اس درجہ آمیزش ہوگئی کہ اُس کا دیکھنے والا دلدل اور کیچڑ میں پھنس جاتا ہے - یعنی صحت و غلطی کی تمیز نہیں کر سکتا - اور اسی واسطے اس علم کی کچھ وقعت نہ رہی - پس اب مورخ کو ضرورت اسکی ہے کہ وہ حکومت کے قاعدوں - اور موجودات کی طبیعتوں - اور قوموں اور ملکوں کی مختلف حالتوں

اور اگلوں کے اخلاق اور عادتوں - اور رسموں - اور مذہبوں - اور ایسی ہی تمام باتوں کا اصلی علم حاصل کرے - پھر اپنے زمانہ کی موجودہ حالتوں کو اُن سے ملا دے - اور اُس پر پچھلی باتوں کا قیاس کرے - اور جو اختلاف اُسمیں پایا جاوے اُس کی وجوہ و اسباب پر غور کرے - اور سلطنتوں - اور حکومتوں - اور مذہبوں کے پیدا ہونے - اور اُن کی ترقی و قوت پانے کی علتوں کو بنظر تامل دیکھے - اور اُن کے بانیوں - اور پھیلانے والوں کے حالات تحقیق کرے تاکہ ہر واقعہ اور ہر حادثہ کا اصلی سبب معلوم ہو جاوے - مگر ہمیشہ لحاظ اس کا رکھنا چاہیئے کہ جو خبر سُنے یا جس بات کا علم حاصل کرے - اُسے سُنتے ہی سچ نہ جانے بلکہ قواعد اور اصول سے اُن کا امتحان کرے - اگر اُن کے موافق پاوے - قبول کرے - ورنہ اُس پر خط رد کھینچے " اس کے بعد محقق موصوف تاریخ کی حقیقت بیان کر کے جھوٹھ اور غلطی کے اسباب بتاتا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے - کہ " اُن سببوں میں سے ایک سبب رائے اور مذہب ہے - کیونکہ جب انسان کا نفس اعتدال کی حالت پر ہوتا ہے تو خبر کی تحقیق کر کے سچ کو جھوٹھ سے جُدا کر سکتا ہے - لیکن اگر پہلے سے کسی رائے - یا کسی مذہب کا معتقد - اور اُس طرف مایل ہو تو مقتضائے طبیعت یہ ہے کہ وہ اُن خبروں کو سُنتے ہی قبول کر لیتا ہے - جو اُس کی رائے اور مذہب کے موافق اور مؤید ہوں - پس وہ اعتقاد اور میلان اُس کی بصیرت کی آنکھ کا پردہ ہو جاتا ہے اور تحقیق اور تنقید سے باز رکھتا ہے اس لیے جھوٹی بات کے قبول کرنے اور پھر اُس کے نقل کرنے کی مصیبت میں پڑ جاتا ہے - اور دوسرا سبب راویوں کا اعتماد ہے - یعنی نقل و روایت کرنے والوں کو سچا سمجھ کر اُن پر بھروسہ کرنا - اور اُن کی خبر کو لایق تنقیح نہ سمجھنا - اور تیسرا سبب مقصود و مراد سے غفلت کرنا ہے - چنانچہ اکثر نقل کرنے والے اور راوی ایسے ہیں کہ جو مقصود اور مراد پر غور نہیں کرتے - بلکہ جو کچھ اُنھوں نے دیکھا یا سُنا - اور جیسا وہ اپنے گمان میں غلط سلط سمجھے اُسے نقل کر دیا - اور مقصود پر خیال رکھنے سے سچ کا جھوٹھ ہو گیا - یعنی بات تو کچھ تھی اور راوی کچھ سمجھے - اور اپنی ہی سمجھ کے موافق روایت کرنے لگے - اور چوتھا سبب خوش اعتقادی اور حسن ظن ہے - اور اس کا اصلی باعث نقل و روایت کرنے والوں پر اعتماد اور بھروسہ کر لینا ہے - اور پانچواں سبب حقیقت و اصلیت کی تحقیق نہ کرنی - اور فریب اور دغا اور تصنع کی باتوں کو نادانی سے مان لینا ہے - چنانچہ اکثر نقل و روایت کرنے والوں نے جیسا دیکھا ویسا نقل کر دیا - مگر انھوں نے اصلیت پر نظر نہ کی - کہ وہ بات حقیقت میں ویسی تھی

بلکہ نفس اُس کی اصلیت اور کیفیت بھی - اور چھٹواں سبب خوشامد اور چاپلوسی ہے - اور ان سب سببوں سے بڑھ کر تاریخی واقعات میں جھوٹھ کے رواج پانے کا بڑا سبب طبائع موجودات (نیچر) کی ناواقفیت ہے - کیونکہ دنیا میں جو چیز موجود ہے - اور آیندہ ہوتی جاتی ہے - اُسکی کوئی خاص طبیعت ضرور ہے - جو اُس کی ذات اور اُس کی حالتوں سے مخصوص ہے جس میں کسی طرح فرق نہیں ہوسکتا - (اس لیے کہ نیچر کا بدلنا یا قانون قدرت کے خلاف کچھ ہونا غیر ممکن ہے) پس اگر سُننے والا موجودات کی طبیعتوں اور اُن کے خواص اور مقتضیات سے واقف ہوگا - تو ضرور اخبار کی تنقیح میں اُس کا لحاظ رکھیگا - اور جب وہ کسی خبر کو مخالف اُس کے پائیگا فوراً غلط سمجھ لیگا - اور جب سُننے والے کو ان باتوں کا علم ہی نہوگا وہ غیر ممکن اور محال خبروں کو قبول کرلیگا - اور اُن خبروں کی نقل و روایت میں اُسے کچھ پس و پیش نہوگا - جیسا کہ مسعودی نے سکندر کی خبر لکھی ہے - کہ جب دریائی جانور اسکندریہ کے بنانے سے اُسکو مانع ہوئے - تو اُس نے ایک لکڑی کا تابوت بنایا - اُس کے اندر شیشہ کا صندوق رکھا - اُسمیں خود بیٹھا اور سمندر کی تہ تک غوطہ لگایا - وہاں اُن شیطانی جانوروں کی تصویریں بنائیں - اور اُن کی صورتیں تانبے پیتل سے بنا کر بنیاد کے محاذی رکھ دیں پس اُن تصویروں کو دیکھکر وہ دریائی جانور بھاگ گئے - غرض کہ مسعودی نے ایک لغو اور بیہودہ خرافات کہانی کو صرف اپنی بے علمی کے سبب سے مان لیا - اگر قطع نظر اور باتوں کے جو بادی النظر میں اِس حکایت کے پوچ اور بیہودہ ہونے پر شاہد ہیں - اگر صرف اس بات کا علم ہوتا کہ جو ذی حیات صندوق میں بند ہو کر غوطہ لگائیگا - اور دیر تک پانی کے نیچے رہے گا - تو بے تنفس طبعی کے اُس کا جینا محال ہے - تو کبھی اس حکایت کو نقل نہ کرتا ۔ اس حکایت کے بعد اور چند کہانیاں مسعودی وغیرہ کی اس محقق نے نقل کر کے اُسپر افسوس کیا ہے اور کسی کو عقل کے برخلاف - اور کسی کو نیچر کے مخالف - اور کسی کو واقع کے برعکس پاکر غلط اور باطل اور خرافات بتایا ہے - اور آخر پر اُس نے صاف یہ لکھا ہے کہ اگر موجودات اور مخلوقات اور دنیا کی آبادی وغیرہ باتوں کا علم ان مورخوں کو ہوتا تو کبھی ایسی کہانیاں کتابوں میں لکھی نہ جاتیں -

ایک نہایت حکیمانہ اور محققانہ اصول اس نامور مورخ نے اخبارات کی تحقیق میں لکھا ہے کہ "عالم کی طبیعت یعنی نیچر کا جاننا اخبارات کی تنقیح کے لیے سب سے زیادہ ضرور ہے

اور راویوں کی تعدیل پر مقدم ہے۔ پس ہم جس خبر کو سنیں پہلا کام ہمارا یہ ہے کہ ہم سوچیں کہ یہ خبر فی نفسہ ممکن ہے یا ممتنع۔ اگر معلوم ہو کہ اس کا ہونا محال ہے۔ یعنی ہو ہی نہیں سکتی۔ تو کچھ فائدہ نہیں۔ کہ ہم راویوں کی تعدیل و تجریح کریں کیونکہ اہل دانش نے یہ اصول ٹھہرا لیا ہے۔ کہ وہ خبر ماننے ہی کے لائق نہیں ہے جو فی نفسہ محال ہو۔ کہ اس میں ایسی تاویل کرنی مناسب ہے جسے عقل قبول نہ کرے۔ پس راویوں کی جرح و تعدیل کی کیا ضرورت ہے ہاں راویوں کی تعدیل و تجریح شرعی خبروں کی صحت کے لئے ضرور ہے۔ کیونکہ بڑی خبریں شریعت کی وہ ہیں جو احکام اور عملیات سے متعلق ہیں۔ اور جن میں اوامر اور نواہی کا اور شارع کے احکام کا بیان ہے۔ ایسی خبروں کی تصدیق کے لئے ظن کافی ہے۔ اور صحت ظن کے لئے راویوں کی عدالت اور ضبط بس ہے۔ لیکن وہ خبریں جو واقعات سے متعلق ہیں ان کی تصدیق کے لئے مطابقت بہت ضرور ہے۔ اور اس لئے ہم پر واجب ہے۔ کہ اول سب سے یہ دیکھیں۔ کہ اس کا واقع ہونا فی نفسہ ممکن ہے یا نہیں۔ اور یہ دیکھنا راویوں کی تعدیل سے زیادہ ضروری اور مقدم ہے۔ کیونکہ احکام کے لئے فقط خبر کافی ہے۔ اور واقعات کے لئے مطابقت واقع سے بھی ضرور ہے۔ پس اخبار اور واقعات کے جھوٹ و سچ میں تمیز کرنے کا اصلی اصول امکان۔ اور استحالہ ہے۔ پس اگر ہم انسان کے مجمع اور دنیا کی آبادی۔ اور موجودات کی طبیعت۔ اور اس کے عوارض ذاتی پر نظر کر کے کسی خبر کو محال سمجھیں۔ اسے جھوٹا جانیں۔ ورنہ اس کی تصدیق کے لئے راویوں کے حالات دریافت کریں۔ اگر ہم اس اصلی اصول پر جس کی صحت میں ذرا شک نہیں ہے خبروں کی جانچ کریں۔ تو ضرور ہم غلط خبروں کے قبول کرنے سے محفوظ رہیں گے۔ اور جو حکایتیں یا روایتیں مورخین لکھ گئے ہیں۔ ان کی صحت و غلطی اس اصول پر لحاظ رکھنے سے سمجھ سکیں گے۔

جو کیفیت اخبار کی اس محقق نے بیان کی۔ اور جو اصول اس کی تنقید کے قرار دیئے کون ہے کہ اس سے انکار کرے گا۔ اگرچہ ہر زمانہ میں محققین اہل اسلام نے اس طرف توجہ کی۔ اور اخبار اور تاریخ کی درستی میں کوشش۔ اور اب تک ان کی نیک کوششوں کے آثار بھی باقی ہے۔ مگر ایسا زمانہ اسلام کی تاریخ میں نہیں ملتا۔ جس میں پوری کامیابی ہوئی ہو۔ اور عموماً صحیح تاریخ نے رواج پایا ہو۔ بلکہ بدنصیبی سے اور علوم حکمیہ کی ترقی نہ

پانے سے محققین کی کوششوں کا پورا اثر نہ ہوا۔ اور متقشفین فقہا نے جہاں تک ہو سکا۔ اُن کی کتابوں اور تحریروں کو شایع نہ ہونے دیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ فقہ اور سیر کی صدہا کتابیں مسلمانوں کے پاس موجود ہیں۔ مگر محققین اہل اسلام کی عمدہ اور مفید تحقیقات کا کچھ نشان نہیں۔ اور بغیر یورپ کے محققین کی اعانت کے ہم اُن کی کتابوں اور تحریروں سے واقف نہیں ہو سکتے۔ لیکن یہ بات تعجب کی نہیں ہے۔ کیونکہ اگر گرفتاران زنجیر تقلید ایسی محققانہ تحریروں کو بآزادی شایع اور مشتہر ہونے دیتے۔ تو ان کا عنکبوتی کارخانہ قایم نہ رہتا۔ اور تقلید کی غلامی سے مسلمان کبھی کے آزاد ہو جاتے۔ مگر جو زمانہ گذر گیا۔ اُس میں اخبار اور تاریخ کی غلطی یا غیر معتبر ہونے نے بہت نقصان اسلام کو نہیں پہونچایا۔ اور سوائے اس کے کہ اَور قوموں کے نامور مورخوں کی طرح انہوں نے قدیم زمانہ کی تاریخ لکھنے اور واقعات تاریخی کی تنقیح میں نام نہیں پایا۔ دین و مذہب پر بد اثر اس کا نہیں پہونچا۔ اس لیے کہ اُس وقت عموماً مذہب اور خیال اور علم اور مذاق سب کا ایک تھا۔ اور ایک ہی طریقہ سے مذہب کی حمایت اور اسلام کی اشاعت جاری تھی۔ پس ہر ایک غلط اور غیر صحیح خبر جس میں کوئی حیرت۔ اور بوالعجبی پائی جاتی۔ یا جس سے کوئی بات عزت اور شان کی پیدا ہوتی بے عذر مان لی جاتی۔ اور عوام الناس تو اوسے معجزہ یا کرامت یا خرق عادت سمجھکر فوراً ایمان لے آتے۔ اور گو وہ خبر از روئے اصول عقل اور فطرت کے کیسی ہی محال اور غیر ممکن ہوتی۔ لیکن اُس کی تنقیح اور تنقید نہ کی جاتی۔ کیونکہ جاہل فقیہوں کے پاس ہر محال اور غیر ممکن الوقوع واقعہ کے امکان کے لیے اُن کے غلط خیال میں خدا کا کلام موجود تھا۔ جو بات عقل میں نہ آتی۔ سادگی سے اُس پر ایمان لے آتے۔ اور کہدیتے کہ ان اللہ علی کل شئ قدیر یا لیس ذالک من اللہ ببعید۔ مگر یہ زمانہ جو چل رہا ہے۔ اُس میں اخبار اور تاریخ سے غفلت کرنا۔ اور بے تحقیق و تنقیح کے اُن کا مان لینا۔ نہ مسلمانوں کے لیئے مضر ہے۔ بلکہ اثر اُس کا مذہب اسلام پر پہونچتا ہے۔ کیونکہ اس وقت مختلف مذہب۔ اور مختلف خیال۔ اور مختلف مذاق والوں سے اس کا مقابلہ ہے۔ اور ہر مذہب اور خیال اور ہر مذاق کو علم اور عقل اور حکمت سے مدد اور اعانت پہونچتی ہے پس ایسے نازک زمانہ میں اگر ہم مسلمان غلط اور غیر صحیح اخبار سے جو علم اور عقل اور حکمت کے مخالف ہوں۔ اپنے مذہب کی حمایت اور دوسرے کا مقابلہ کریں۔ تو ظاہر ہے کہ اُس کا نتیجہ

کیا ہوگا۔ اگرچہ ہمکو اپنے تمام اخبار اور تاریخی واقعات کی تنقید کی حاجت ہے لیکن جو اخبار اور تاریخی واقعات مذہب سے علاقہ رکھتے ہیں اُن کی تنقیح تو اُسپر فرض عین ہے جو اسلام کا حامی اور مسلمانوں کا خیرخواہ ہو۔ کیونکہ دنیا کی تاریخ اور قدیم زمانہ کے واقعات کی تنقیح کے مشکل کام سے مورخین یورپ نے ہمکو مستغنی کر دیا ہے۔

اخبار جن کو مذہب سے تعلق ہے۔ وہ دو قسم کے ہیں۔ ایک متعلق احکام شریعت کے۔ دوسرے غیر متعلق اُس سے۔ پہلی قسم کے اخبار کے تسلیم کے لیئے ظنی ثبوت کافی ہے۔ اور محدثین اور فقہا محققین نے ایسے اخبار کی تنقیح بھی بدرجہ غایت کی ہے۔ مگر دوسری قسم کے اخبار کی تصدیق کے واسطے ثبوت یقینی درکار ہے۔ اور محدثین اور فقہا نے بھی اُن کی طرف زیادہ اعتبار نہیں کیا۔ بلکہ بڑے بڑے اماموں نے صاف کہدیا ہے۔

"اذا روینا فی الحلال والحرام وغیرھما شددنا واذا روینا فی الفضائل ونحوھما تساھلنا"

وہ اخبار اور اقوال جن میں طبایع موجودات۔ اور حقایق اشیاء کی تعریف یا تشریح ہے اکثر تفسیروں میں پائے جاتے ہیں۔ مگر اُن میں سے ایسے کم ہوں گے جن کے غلط سمجھنے اور باطل کہدینے میں کچھ بھی تامل کیا جائے کیونکہ حقایق اشیاء۔ اور طبایع کائنات سے بحث کرنا شارع کے منصب سے بعید ہے جیسا کہ روح اور اہلہ کے سوال کے جواب میں کہا گیا اور نیز ایسی بات کہنی جو عقل اور فطرت کے برخلاف ہو شان سے انبیاء کے بعید ہے۔ اور آئمہ کرام اور محققین اہل اسلام اسے تسلیم کر چکے ہیں۔

"کما قال الامام الاشعری ان الرسل صلوات اللہ علیھم لم یخبروا بما تحیلہ العقول وتقطع باستحالتہ الی قولہ وکل خبر یظن ان العقل یحیلہ محملا فلا یخلوا ما ان یکون الخبر کذبا علیھم او یکون ذالک العقل فاسدا" اس قسم کے اخبار گو اُن کی سند بادی النظر میں کسی صحابی یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تک پہونچتی ہو۔ مگر محققین نے تصفیہ کر دیا ہے کہ وہ پایہ اعتبار سے ساقط ہیں۔ مثلاً اکثر مفسرین نے آسمانوں کی حقیقت میں لکھا ہے کہ "پہلا آسمان ایک رکی ہوئی موج ہے اور دوسرا تیغہ کا ہے اور تیسرا لوہے کا وغیرہ وغیرہ" اور اسی طرح کہا ہے کہ موٹائی ہر ایک کی اور فاصلہ ایک کا دوسرے سے پانسو برس کی راہ کا ہے۔ یہ سب غیر معتبر اور ہنسنے کی باتیں ہیں۔ جیسا کہ

امام رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ " وما عداها من الوجوه المنقولة من اهل التفسير فذالك من جملة ما يأباها العقل مثل ما يقال السموات السبع اولها موج مكفوف وثانيها صخر وثالثها حديد ورابعها نحاس وخامسها فضة وسادسها ذهب وسابعها ياقوت وقول من قال بين كل واحد منها مسيرة خمسمائة سنة وغلظ كل واحدة منها كذالك غير معتبر عند اهل التحقيق " یہ ایک قول ہے جو تمثیلاً بیان کیا گیا۔ ورنہ صدہا اخبار اور روایتیں آسمان اور زمین اور چاند اور سورج اور ستاروں اور دریاؤں اور پہاڑوں کی حقیقت کی نسبت ایسی بیان کی گئی ہیں۔ کہ اگر وہ سب جمع کی جاویں۔ تو نہایت عمدہ رسالہ فلکیات اور طبعیات اور جغرافیہ کا ایسا تیار ہو کہ اہل یورپ بھی محو حیرت ہو جاویں۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ ابتدا میں علم حقائق اشیاء کا شایع نہ تھا۔ اور فلسفہ یونانیوں کا جو کسی قدر مسلمانوں نے سیکھا۔ وہ قیاسی اور ذہنی تھا۔ اور بسبب دقت دراشکال کے عوام اُس فلسفہ سے بھی ناواقف تھے۔ اس لیئے مفسرین کو موقع تحقیقات حقائق اشیاء کا نہ ملا اور جو نام آسمان اور زمین وغیرہ کے قرآن مجید میں مذکور تھے۔ اُن کی حقیقت دریافت کرنے پر متوجہ ہوئے۔ مگر بوجہ ناواقفیت کے علوم عقلی سے وہم اور خیال میں پڑ گئے اور اُن کہانیوں اور روایتوں کو جو یہودیوں کی تفسیروں۔ اور نا موضوع حدیثوں میں بھری ہوئی تھیں یا اُن کے عالموں کی زبانوں پر تھیں سچ جانا۔ اور اپنی تفسیروں اور مذہبی کتابوں میں لکھ لیا۔ اور آخر کار وہ غلط خبر اور جھوٹی روایت ایک غلط خیال اور باطل مذہبی عقیدہ ہو گیا اُس پر یہ آفت اور ہوئی کہ وہ روایت اور خبر بعض بزرگواروں نے امام یا صحابی یا پیغمبر کیطرف مستند کر دی۔ اور آئندہ آنیوالی نسلوں کو دھوکہ میں ڈال دیا۔ مگر محققین اہل اسلام نے ان دھوکوں کو کھول دیا۔ اور ایسی ہیچ بیچ روایتوں پر خط نسخ کھینچ دیا۔ لیکن گرفتاران بلائے تقلید اب تک اُس دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور خوش اعتقادی اور حسن ظن اُن کی جہالت کے پانوں کی زنجیر ہے۔

ایک یوروپین عالم نے اپنے ایک لکچر میں ہندؤں کی نسبت بیان کیا تھا کہ " ہندو جو علم حقائق اشیاء کی تحصیل پر اعتراض کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اُس علم کے باعث اُن کا مذہب لوٹ پوٹ ہو جاتا ہے۔ اس لیئے ایک ہندو یہ بات پسند نہیں کرتا کہ اُس کے بیٹے علم جغرافیہ

کی تحصیل کریں۔ کیونکہ کسی تربیت یافتہ ہندو کا اُس وقت اپنے مذہب پر اعتقاد نہیں رہ سکتا جبکہ علمی تحقیقاتوں کے ایسے ثبوت سے جو اُس کے مذہب کے برخلاف ہوا اور حواس ظاہری اُس کو تسلیم کرتے ہوں واقف ہو جائے ۔ اگر غور کیا جائے تو مسلمانوں پر بھی یہ مضمون ویسا ہی صادق ہے جیسا کہ ہندوؤں پر۔ کیونکہ وہ بھی غلط اخبار اور بیچ پوچ روایات سے ایسے غلط خیال و باطل عقیدہ میں پھنسے ہوئے ہیں۔ کہ علم و حکمت کی روشنی دیکھ نہیں سکتے ۔ اور علوم حکمیہ کے سچے مسائل کے شائع ہونے سے اپنے وہمی و فرضی مذہب پر قائم نہیں رہ سکتے ۔ مگر مسلمانوں کے ان باطل خیالات سے اصل اسلام کی سچائی اور حقیت میں کچھ داغ نہیں لگ سکتا۔ کیونکہ جب ایسی غلط اور بے اصل روایتوں اور حکایتوں سے مذہب فی نفسہ پاک ہے تو اُن کی غلطی کا اثر اصل مذہب پر نہیں پہونچ سکتا۔ ہاں مسلمانوں پر جو اُن اخبار و اقوال کو کالوحی المنزل من السماء سمجھتے ہیں اُس کا بد اثر پہونچتا ہے ۔ چنانچہ کون ہے دنیا میں جو ایسے مسلمانوں کو ہندو نہیں کہتا ۔ اور اُن کو تعصب اور اوہام کا پُتلا نہیں سمجھتا ۔

یہ خیال کہ گو غیر معتبر اور غیر مستند کتابیں ایسی لغویات سے مملو ہیں مگر معتبر اور مستند کتابیں تفسیر و سیر کی اس الزام سے پاک ہیں صحیح نہیں ہے ۔ اس لیئے کہ جو کتابیں تفسیر وغیرہ کی معتبر اور مستند سمجھی جاتی ہیں ۔ اُن میں بھی بہت سے اخبار اور اقوال تاریخ اور جغرافیہ اور طبائع کائنات کے مخالف موجود ہیں۔ چنانچہ بیضاوی اور معالم التنزیل و نیشاپوری وغیرہ معتبر تفسیریں بھی اس سے مستثنا نہیں ہیں نے معالم التنزیل اور نیشاپوری وغیرہ تفسیروں کو غور سے دیکھا مگر اس الزام سے اُن کو بھی پاک نہ پایا ۔ اور لطف یہ ہے کہ بعض روایتوں کی تصدیق اور تائید کے لیئے توریت سے بھی سند پیش کی گئی ہے ۔ مثلاً معالم التنزیل میں وجدھا تغرب فی عین حمئۃ کی تفسیر میں اس امر کے ثابت کرنے کے لیئے کہ سچ مچ آفتاب دلدل میں ڈوبتا ہے کعب حبار سے یہ خبر نقل کی گئی ۔ کہ توریت میں بھی ایسا ہی لکھا ہے کما قال نجد فی التورۃ انہا تغرب فی ماء وطین ۔ اگر کوئی اہل کتاب پوچھے کہ کہاں ہے یہ روایت توریت میں ۔ تو کیا جواب ہو سکتا ہے بجز اس کے کہ حرفتموھا و بدلتموھا انتہی بیل سے اور بہت سی لغو روایتیں ہیں ۔ مثلاً وجد عندھا قوما کی تفسیر میں مفسر موصوف فرماتے ہیں کہ ایک شہر تھا جس کے بارہ ہزار دروازے تھے اگر اُس کے

باشندوں کا شور و غل مانع نہ ہوتا تو آفتاب کی آواز سنائی پڑتی !! سبحان اللہ وبحمدہ
سبحان اللہ وبحمدہ -

اس سے بڑھکر یاجوج و ماجوج کی روایت ہے کہ جو حضرت حذیفہ سے مرفوعاً نقل کی گئی ہے - کہ یاجوج و ماجوج دو قومیں ہیں - ہر ایک قوم میں چار لاکھ گروہ ہیں - اور جبتک ہر ایک شخص اپنی اولاد ذکور سے ایک ہزار جوان ہتیار بند نہیں دیکھ لیتا نہیں مرتا !! ہاں کیا عجب ہے - ان اللہ علی کل شئی قدیر -

اس سے بڑھکر وہ روایت ہے - جو اُن کے قد و قامت کی نسبت کی گئی ہے جسکے آگے گل بکاولی کے دیوؤں کی بھی حقیقت نہیں - یاجوج و ماجوج تین قسم کے ہیں - ایک وہ جن کا طول ایک سو بیس گز ہے - دوسرے وہ جن کا طول و عرض برابر ہے - یعنی ایک سو بیس گز لمبے ایک سو بیس گز چوڑے - اور کسی پہاڑ کی اُن آگے حقیقت نہیں تیسرے وہ جو ایک کان اپنا بچھاتے ہیں اور ایک اوڑھتے ہیں - اور ہاتھی اور سور اور کتا وغیرہ کوئی وحشی جانور اُن کے سامنے آوے اُسے چٹ کر لیتے ہیں !!! شکر خدا کا اس اخبار کے نقل کرنے والوں اور لکھنے والوں کو اس قوم نے نہ دیکھا - بڑائی اس قوم کی تو سن لی - اب اُن کی چھوٹائی بھی سن لیجئے - کہ حضرت علی اُس کے راوی ٹھہرائے گئے ہیں - کہ بعض اُن میں سے ایسے چھوٹے ہیں کہ اُن کا طول بالشت بھر سے زیادہ نہیں - اب اس عجیب و غریب قوم کی پیدائش کی تاریخ بھی سن رکھیے کہ حضرت کعب احبار اُس کے مورخ قرار دیئے گئے ہیں - ایک روز حضرت آدمؑ کو احتلام ہوا - اور نطفہ اُن کا مٹی میں مل گیا - اُس سے خدا نے یاجوج و ماجوج کو پیدا کیا پس یہ قوم بے ماں کے پیدا ہوئی ہے !!! - افسوس افسوس ہائے افسوس - کہ ہمارے یہاں کی مشہور اور معتبر تفسیروں میں یہ خرافات اور مضحکات بھرا ہو - اور ہم اب تک اُن کی تصدیق کو ایمان اور تکذیب کو کفر سمجھیں فاعتبروا یا اولی الالباب ان ھذا لشیٔ عجاب - علاوہ اُن اخبار کے جو حقایق اشیاء اور طبایع موجودات سے علاقہ رکھتے ہیں ایک قسم کے اور اخبار اور روایات ہیں جن کی تحقیق اور تنقیح ضرور ہے - یعنی وہ جو سیر کی کتابوں میں منقول ہیں اور جن میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات اور اقوال اور افعال اور اخلاق اور عادات اور غزوات کا بیان ہے - کیونکہ ہر مذہب کی حقیقت و بطلان کے لیئے بانی مذہب

حدیث سے زیادہ روایت اُن کی نہیں ہے - یہ اعتراض اُن کا صحیح نہیں ہے - حدیث کا کم روایت کرنا اُن کی احتیاط کا مقتضا تھا - اُنھوں نے بسبب اُن مطاعن اور وجوہ کے جن سے حدیث کی صحت میں شک ہوتا ہے - کثرت سے حدیثوں کو روایت نہیں کیا اور اُن کے اجتہاد نے جرح کو مقدم سمجھکر ضعیف روایتوں کے قبول کرنے سے باز رکھا چنانچہ امام ابو حنیفہؒ نے حدیث کے قبول کرنے میں بہت احتیاط کی - اور رعایت کی شرطوں میں بہت سختی کی - چنانچہ اُنھوں نے یہ اصول ٹھیرایا کہ جو حدیث یقیناً عقل کے برخلاف ہو وہ ضعیف ہے اسی احتیاط اور سختی سے اُن سے کم حدیثیں منقول ہیں - کما قال ولی الامام ابو حنیفۃ انما قلت روایتہ ماشدد فی شروط الروایۃ والتحمل فاستصعب وضعف الحدیث اذا عارض العقل القطعی فاستصعب روایتہ فقل حدیثہ الا انہ ترک روایۃ الحدیث متعمداً فحاشاہ من ذلک -

غرض کہ اس بیان سے بخوبی معلوم ہوگیا - کہ اخبار اور روایات اور تاریخ میں اوّل اوّل غلطی نے کیونکر دخل پایا - اور مذہبی کتابوں میں یہ غلط روایتیں کیسے درج ہوگئیں - اس موقع پر میں مناسب سمجھتا ہوں - کہ اُن اخبار اور روایات کا کچھ بیان کروں جو درجہ تواتر پر پہونچی ہوئی معلوم ہوتی ہیں جن میں آیندہ کا بیان ہے - چنانچہ منجملہ اُن کے بڑی مشہور خبر وہ ہے جو بہ نسبت امام مہدی کے بیان کی گئی ہے - اُس کی نسبت یہ محقق یوں لکھتا ہے - کہ "تمام اہل اسلام میں یہ بات مشہور ہے کہ اخیر زمانہ میں ایک شخص اہلبیت میں سے ظاہر ہوگا دین اور عدل اور حکومت کو ترقی دینے والا اُس کا نام ہوگا مہدی اور اُسی کے پیچھے دجال خروج کریگا - اور حضرت عیسےٰ آسمان سے اُتریں گے - اس قول کی صحت دو طرح سے تسلیم کیگئی ہے - ایک بسند اُن اخبار کے جو اسباب میں آئمہ حدیث نے نقل کیے ہیں - دوسرے بدلیل اُن اقوال کے جو اہل تصوف نے اپنے کشف سے بیان کی ہیں - اس محقق نے دونوں سندوں سے بخوبی بحث کی ہے - چنانچہ تمام اُن حدیثوں کو جو اس باب میں ترمذی اور ابو داؤد اور بزار اور ابن ماجہ اور حاکم اور طبرانی اور ابو یعلی موصلی وغیرہ نے بیان کیا ہے نقل کر کے ایک ایک پر جرح کی ہے اور اُن میں سے اکثر حدیثوں کو واہی اور ضعیف اور غیر صحیح یا غیر قابل الیقین ٹھیرایا ہے - اور قبل اس کے کہ وہ ایک ایک حدیث کے راویوں پر جرح کرے یہ اصولی مسئلہ اچھی طرح سے بیان کیا ہے - کہ جرح تعدیل پر مقدم ہے جیسا کہ وہ لکھتا ہے کہ

ثم ان المعروف عند اهل الحدیث ان الجرح مقدم علی التعدیل فاذا وجدنا طعنا فی بعض رجال الاسناد لغفلة او سوء حفظ او قلة ضبط او ضعف او سوء راے تطرق ذلك الی صحة الحدیث واوهن منه "

یہ محقق لکھتا ہے کہ "جو احادیث امام مہدی کی شان میں نقل کی گئی ہیں اُن میں یہاں تک مبالغہ اور غلو کیا گیا ہے کہ اُن کے ظہور کا منکر کافر ٹھہرا دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ابوبکر اسکافی نے فوائد الاخبار میں بروایت جابر یہ حدیث لکھی ہے کہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من کذب بالمہدی فقد کفر ومن کذب بالدجال فقد کذب " اسکو نقل کرکے یہ محقق لکھتا ہے کہ " وحسبك بهذا غلوا " تمام حدیثوں کو جو اس باب میں وارد ہیں نقل کرکے اور ہر ایک پر جرح کرنے کے بعد اخیر پر یہ محقق لکھتا ہے کہ " هذه جملة الاحادیث التی خرجها الائمة فی شان المهدی وخروجه آخر الزمان وهی کما رأیت ولم یخلص منها علی النقد الا القلیل او الاقل منه "

دوسری سند یعنی اُن اقوال کی نسبت جو اہل تصوف نے اپنے کشف سے بیان کیے ہیں یہ محقق لکھتا ہے کہ " اگلے اہل تصوف اس باب میں کچھ خوض نہ کرتے تھے۔ اُن کا کلام مجاہدہ نفس اور تہذیب اعمال اور تزکیہ قلب پر منحصر تھا۔ ہاں امامیہ اور شیعہ امامت کے بارہ میں بہت غلو رکھتے تھے۔ چنانچہ اُن میں ایک فرقہ اسماعیلیہ پیدا ہوا جس میں سے بعض تو بطور حلول کے ائمہ کی الوہیت کے معتقد ہوئے اور بعض از قسم تناسخ رجعت کے قائل اور بعض ایک امام کے ظہور کے منتظر ہوئے۔ ان مختلف خیالات کے ظاہر ہونے کے بعد متاخرین اہل تصوف نے کشف میں کلام کرنا شروع کیا اور جو چیزیں حواس سے دریافت نہیں ہو سکتیں اُس کے ادراک کا دعویٰ کیا۔ چنانچہ بعض حلول اور وحدت کے قائل ہوئے اور یہ قول اُن کا مشابہ شیعوں کے اُس قول کے تھا جو وہ الوہیت ائمہ اور حلول کی نسبت بیان کرتے تھے۔ اور بعضے قطب و ابدال کے۔ یہ قول اُن کا درحقیقت نقل امامیہ کے اُس قول کی تھی جو وہ ائمہ اور نقبا کی نسبت کہتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ ان متصوفین نے شیعوں کے قولوں کو لیا۔ اور اپنے طور پر اپنے مذہب میں داخل کر لیا۔ یہاں تک کہ اپنے طریقوں کی سند بھی پہنچا دی۔ جیسا کہ خرقہ کی نسبت کہا ہے۔ کہ حضرت علیؓ نے حسن بصریؒ کو پہنایا۔ اور اُن سے اس طریقہ کی پابندی کا عہد لیا۔ اور اس طرح سلسلہ بسلسلہ حضرت جنید بغدادی

تک پہنچا۔ لیکن یہ امر ہرگز صحیح نہیں ہے۔ اور کوئی ایسا طریقہ منصوص حضرت علیؓ نے جاری نہیں کیا۔ بہرحال اُدھر تو فرقہ اسماعیلیہ نے۔ اور ادھر صوفیوں نے اُس منتظر فاطمی امام کی نسبت بہت سی روایتیں اپنی اپنی کتابوں میں اپنے طور پر بھر دیں۔ اور ایک نے دوسرے سے اخذ کیں وکلہ مبنی علی اصول واھیۃ من الفریقین۔"

ان دونوں سندوں یعنی اخبار اور کشف کی غلطیاں ظاہر کر کے یہ مورخ ایک اَور تیسری دلیل نقل کرتا ہے۔ کہ بعض لوگ نجومیوں کی باتوں پر ایسے امام کے ظہور کا اعتقاد رکھتے ہیں اور ایسے اعتقاد رکھنے والے اکثر متصوفہ متاخرین ہیں۔ چنانچہ ابن عربی حاتمی نے کتاب عنقاء مغرب میں۔ اور ابن قسی نے کتاب خلع نعلین اور عبدالحق ابن سبعین اور ابن ابی واطیل نے شرح خلع نعلین میں اس قسم کی باتیں لکھی ہیں مگر اُن کو از قسم پہیلیوں اور کہاوتوں کے سمجھنا چاہیئے۔ اور ان میں بعض نے زمانہ بھی امام کے ظہور کا ٹھہرایا ہے۔ جیساکہ ابن عربی کہتا ہے کہ ظہورہ یکون بعد مضی خ ف ج من الھجرۃ۔ اس حساب سے ظہور اس امام کا ساتویں صدی کے اخیر میں ہونا چاہیئے تھا۔ جب یہ زمانہ گذر گیا۔ اور امام ظاہر نہ ہوئے تو بعض مقلدین نے تاویل شروع کی اور کہا کہ مراد اُس زمانہ سے زمانہ پیدائش ہے نہ زمانہ ظہور۔ اور بعضوں نے یہ بھی گمان کیا ہے کہ دجال ۷۴۳ھ محمدی میں خروج کرے گا۔ اور محمدی سنہ کا حساب روز وفات آنحضرت صلعم سے کرتے ہیں۔ غرضکہ اسی طرح مشائخ امام کے ظہور کا زمانہ بڑھاتے آتے ہیں۔ اور بشارتیں اور خوشخبریاں سُناتے رہتے ہیں۔"

اس قسم کی روایتوں اور قولوں اور کہانیوں اور پہیلیوں کو تفصیلاً بیان کرتے کرتے آخر کو یہ محقق عاجز ہو کر لکھتا ہے ومن امثال ھذا کثیر یعینون فیہ الوقت والرجل والمکان فینقضی الزمان ولا اصل لشی من ذالک فیرجعون الی تجدید رای آخر منتحل کما تراہ من مفھومات لغویۃ واشیاء تخئیلیۃ واحکام نجومیۃ فی ھذا القضت اعمار الاول منھم والآخر۔

آخر کار اس مشہور قول کی نسبت ایک عمدہ مورخانہ رائے اس محقق نے دی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ حدیثیں اور خبریں اور بشارتیں جو کچھ امام آخر الزمان کی نسبت تھیں۔ وہ سب بقدر اپنی طاقت کے میں بیان کر چکا۔ مگر تصفیہ اس کا میرے نزدیک یوں ہے کہ کوئی دعوت دین کی ہو یا سلطنت و حکومت کی پوری نہیں ہو سکتی جب تک کہ شوکت اور عصبیت نہو

کیونکہ شوکت اور عصبیت ہی مزاحمت کو دفع کرتی ہے۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ اب فاطمئین بلکہ قریش کی شوکت وعصبیت دنیا میں باقی نہیں ہے۔ اور تمام جہان سے اُن کا غلبہ ورعب جاتا رہا ہے۔ اور سوائے حجاز کے وہ لوگ شہروں میں منتشر اور پریشان ہو رہے ہیں ہر ایک اُن میں سے اپنی جدی رائے اور جُدا خیال رکھتا ہے۔ پس اگر کوئی اُن میں سے دعوت کرنے والا ظاہر ہو تو ضرور ہے کہ فاطمئین کی شوکت اور عصبیت پھر قایم ہو۔ اور خدا اُن متفرق قوم کے دلوں کو اُس کی اطاعت پر متفق کرے۔ اس کے سوائے اور کوئی صورت ظہور کی معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ کسی بنی فاطمہ کا زمین کے کسی ٹکڑے پر ظاہر ہونا بغیر عصبیت اور شوکت کے بیکار محض ہے۔ اور فقط نسب اُس کا اُس کے کام پورا کرنے کے لیئے کافی نہیں ہے۔ کیونکہ ہم مضبوط دلیلوں سے ثابت کر چکے ہیں کہ کوئی دولت بے شوکت و عصبیت اور قوم کے اتفاق کے قایم نہیں ہو سکتی۔ اور جو لوگ بغیر اُن اصول پر نظر کرنے کے انتظار ظہور کا کرتے ہیں اور حقیقت پر نظر نہیں رکھتے وہ نادان ہیں۔ چنانچہ بعض کو یہاں تک خبط ہے کہ وہ اُس کی زیارت کو غاروں تک جاتے ہیں اور اپنی نادانی سے تباہ اور ہلاک ہوتے ہیں کما قال ولقد یقصد ذلک الموضع کثیر من ضعفاء العقول للتلبیس بدعوۃ تمنیۃ النفس تمامہا وسواساً وحمقاً وقتل کثیر منہم۔

دُوسرا ریویو

مُقدمہ

تاریخ ابن خلدون پر

اس مورخ نے تاریخ کی حقیقت اور اخبار کی تنقیح کے اصول بیان کر کے باقی کتاب کو چھ فصلوں پر تقسیم کیا ہے۔ پہلی فصل جغرافیہ عالم کے بیان میں۔ دوسری فصل وحشی قوموں کے حالات۔ تیسری فصل خلافت اور سلطنت اور اُس کے مراتب در لوازم کی تشریح میں چوتھی فصل تمدن کی حقیقت میں۔ پانچویں فصل صنعتوں اور پیشوں اور حرفوں کے بیان میں

چھٹویں فصل علوم اور اُن کے تحصیل کے طریقوں کی تفصیل میں ہے

پہلی فصل میں کئی مقدمے ہیں۔ پہلے مقدمہ میں نہایت خوبی سے انسان کا مدنی الطبع ہونا اور اُس کی زندگی اور بقا کے لیئے بہت سے بنی نوع انسان کی مختلف قوتوں کے یکجا جمع ہونے کی ضرورت ثابت کی۔ دُوسرے مقدمہ میں زمین کی آبادی اور دریاؤں اور نہروں وغیرہ کا اجمالاً اور ساتوں ولایت کے جغرافیہ کا تفصیلاً بیان ہے۔ ہم اس فصل کے اُن دونوں مقدمہ کا انتخاب لکھنا اور اُسپر رائے دینا ضرور نہیں سمجھتے۔ کیونکہ اس تمام فصل کے مضامین کا مدار بطلیموس کے جغرافیہ پر ہے۔ اور خاص اس مورخ نے کتاب نزہتہ المشتاق سے جو کہ علوی۔ ادریسی۔ حمودی نے روجار ابن روجر بادشاہ صقلیہ کے لیئے تالیف کی تھی کل مضمون اخذ کیا ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ زمانہ حال کی تحقیقات سے اُس کا ناقص و یا غلط یا غیر کامل ہونا بخوبی ثابت ہو چکا ہے اور یہ بات اس فصل کے تیسرے مقدمہ میں اس مورخ نے نہایت عمدہ بیان ہوا کی تاثیرات کا جو انسان کے رنگوں اور اُس کی حالتوں پر ہوتا ہے کیا ہے۔ اور اگرچہ بمقابلہ اس زمانہ کی تحقیقات کے وہ بیان ناقص ہے مگر بلحاظ اُس زمانہ کے نہایت تعریف کے لایق ہے۔

وہ لکھتا ہے کہ "جو ولایتیں قطب شمالی و جنوبی کے بیچا بیچ ہیں۔ اُن کی ہوا معتدل ہے اس لیئے چوتھی اقلیم سب سے زیادہ معتدل ہے۔ اور تیسری اور پانچویں قریب اعتدال ہے اور دوسری اور چھٹویں غیر معتدل۔ اور پہلی اور ساتویں اعتدال سے بالکل دور ہے اسواسطے چوتھی اور تیسری اور پانچویں ولایتوں میں علوم اور صنایع اور حیوانات اور مکانات اور لباس اور جو کچھ اُن میں ہے نہایت خوب اور عُمدہ ہے۔ اُن کے رہنے والوں کے قد و قامت سڈول۔ رنگ و پ اچھے۔ اخلاق و عادات پسندیدہ ہوتے ہیں۔ اور تمام چیزوں میں اُن کی شائستگی پائی جاتی ہے۔ کیا عمارت و مکانات میں۔ اور کیا لباس و پوشاک میں۔ اور کیا کھانے پینے اور غذا میں۔ اور کیا کاریگری اور صنعت میں۔ و سنگ تراشی خوب جانتے ہیں۔ تعمیر کے فن میں بڑی دستگاہ رکھتے ہیں۔ نئے نئے آلات اور کلوں کا بنانا خوب آتا ہے۔ سونا چاندی لوہا رانگہ تانبا وغیرہ قدرتی معدنیات کو کام میں لانا بخوبی جانتے ہیں۔ اپنے معاملات میں چاندی سونے کے سکہ استعمال کرتے ہیں۔

چنانچہ اہل مغرب اور شام اور عراقین اور سندھ اور چین اور اندلس اور جو اُس کے قریب فرنگستان کا ملک ہے اُن سب میں یہ خوبیاں پائی جاتی ہیں - برخلاف اُن ولایتوں کے پہلی اور دوسری اور چھٹویں اور ساتویں ولایت کا حال ہے کہ تمام باتیں اُن کی غیر معتدل اور ناموزوں ہیں اُن کے گھر مٹی اور سرکنڈے کے - اُن کی غذا جوار اور ساگ پات اُن کی پوشاک درخت کے پتے یا جانوروں کی کھال - اور اکثر بالکل برہنہ اور ننگے اور اُن کی داد و ستد اور معاملات میں چاندی سونے کے سکہ کا نام نہیں - اخلاق اور عادتیں اُن کی بے زبان حیوانوں کی سی - یہاں تک کہ اکثر حبشی اقلیم اول کے رہنے والے پہاڑوں اور کھوؤں میں رہتے ہیں اور خودرو گھاس کے سہارے جیتے ہیں - بلکہ بعض اُن میں سے ایسے وحشی ہیں کہ ایک دوسرے کو کھاتے ہیں - وہ دین اور علم سے بے خبر ہیں - ہاں ان ولایتوں میں سے بعض ملک مثل یمن اور بلاد حجاز اور یمامہ اور جو اُس کے متصل جزیرہ عرب سے ہے اس سے مستثنیٰ ہے - کیونکہ بوجہ اس کے کہ تین طرف سے سمندر اُسکو گھیرے ہوئے ہے آب و ہوا اُس کی کسی قدر معتدل ہوگئی ہے "

ابن محقق نے اس مقدمہ میں اور نیز چوتھے اور پانچویں مقدمہ میں دو نازک اور دقیق مسئلوں سے بحث کی ہے - ایک یہ کہ آدمیوں میں اختلاف رنگ کا کیا باعث ہے - دوسرے ہوا اور غذا کا انسان کے بدن اور اُس کے اخلاق پر کیا اثر پہنچتا ہے چنانچہ یہ دونوں مسئلے اُس نے اپنے وقت کے موافق نہایت خوبی سے بیان کئے ہیں مگر ہمارے زمانہ کی ترقی یافتہ حالت کے لحاظ سے کامل نہیں ہیں - چنانچہ ہم دونوں مسئلوں کا کچھ کچھ ذکر کرتے ہیں -

پہلے مسئلہ کی نسبت یہ محقق کہتا ہے کہ اختلاف رنگ کا باعث صرف سورج کی شعاعیں ہیں چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "جن ملکوں کے باشندوں کے سروں کو آفتاب سال میں دو دفعہ گرم کرتا رہتا ہے - اُن ملکوں کے رہنے والے کالے ہوتے ہیں - اور جو ملک سرد ہیں - اور جہاں آفتاب کی شعاعیں ترچھی پڑا کرتی ہیں وہاں کے رہنے والے سفید رنگ ہوتے ہیں اس زمانہ کے حکمائے بھی اسے تسلیم کیا ہے - اور لکھا ہے کہ جس ملک میں آفتاب کی شعاعیں زیادہ سیدھی پڑتی ہیں وہیں کے آدمی کالے ہوتے ہیں - اور ان میں بھی اُن کا رنگ بہت زیادہ سیاہ ہوتا ہے جو کہ کھلے ہوئے میدان میں دھوپ میں کام

کرتے ہیں۔ لیکن فقط یہی ایک سبب اختلاف رنگ کا نہیں ہے۔ بلکہ اور اسباب بھی اُس کے ہیں۔ چنانچہ اسی دلیل پر اعتراض کیا گیا ہے۔ کہ اگر آفتاب کی شعاعیں رنگ کے سیاہ کرنے کی اصلی وجہ ہیں۔ تو کیا سبب ہے کہ اسکیمو جو سال بھر میں کئی مہینوں تک سورج نہیں دیکھتے۔ رنگ اُن کے سانولے ہوتے ہیں۔ جواب اسکے یہ بیان کیا گیا کہ اُن لوگوں کے ملک کی خاصیت اور اُن کا طریق زندگی بھی اُن کے رنگ پر موثر ہے۔ اسکیمو کے ملک والے اگرچہ کئی مہینوں تک سورج نہیں دیکھتے مگر کئی مہینے تک اُن پر سورج ہر وقت چمکتا رہتا ہے۔ اور سورج کے چھپنے کے بعد وہ لوگ زمین کے اندر گرم تہ خانوں میں جہاں خالص ہوا کا نام نہیں ہوتا رہتے ہیں۔ اور غذا بھی نہایت ناقص ناقص کھاتے ہیں پس درحقیقت اُن کی ناقص غذا اور خراب طریقہ زندگی کا اُن کے خون کو سُرخ نہیں ہونے دیتا۔ جس کے اثر سے اُن کا بدن بھی سرخ سفید ہو۔ غذا کو بھی رنگ پر بڑا اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ چین اور جاپان والے ایسی غذا کھاتے ہیں۔ اور ایسے طور سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ کہ صفرا زیادہ پیدا ہوتا ہے۔ اور اس وجہ سے کہ وہ مادہ خون کی طرف رجوع اور اخراج اُس کا جگر کی راہ سے نہیں ہوتا کھال کا رنگ زرد پڑ جاتا ہے۔ اور اسی لیئے چینی اور جاپانی زرد رنگ ہوتے ہیں علاوہ اس کے رنگوں کا اختلاف موروثی بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ تحقیقات سے ثابت ہو چکا ہے کہ صدہا نسلوں میں اختلاف رنگ کا موروثی ہے۔ مگر اس میں یہ امر تحقیق طلب ہے کہ اختلاف رنگ میں آیا خون زیادہ مُوثر ہے یا ہوا۔ مگر آب و ہوا کا مُوثر ہونا زیادہ ماننے کے لایق ہے چنانچہ جزیرہ لنکا میں کسی زمانہ میں قوم ڈچ کے اور پرتگال کے آدمی رہتے تھے۔ اور اب تک اُن کی بہت سی نسلیں وہاں موجود ہیں۔ مگر مثل اپنے آباؤ اجداد کے گورے نہیں ہیں۔ اسی طرح امریکہ کی ریاست متفقہ میں اینگلوسکسن کی نسل کے جو لوگ آباد ہیں اُن کے رنگوں میں بھی فرق آگیا ہے۔

ہوا کی صفائی اور لطافت اور انسان کی محنت بھی رنگ پر مُوثر ہے۔ چنانچہ پہاڑ کے اوپر رہنے والوں کا رنگ بمقابلہ گھاٹیوں اور میدانوں میں رہنے والوں کے زیادہ صاف ہوتا ہے مقام پیرو میں آدمی جس قدر سمندر کی سطح سے اونچے رہتے ہیں اُتنا ہی اُن کا رنگ صاف ہوتا ہے۔ شیراز کے پہاڑی ضلعوں کے رہنے والے بالکل انگریز دکھا

کی طرح گورے ہوتے ہیں۔ اور جو نیچے میدانوں میں بود و باش کرتے ہیں وہ اکثر گندمی رنگ ہوتے ہیں۔ ایشیا کی بھی یہی کیفیت ہے۔ کہ جو لوگ ہمالیہ پہاڑ کے دامن کے مُلکوں میں رہتے ہیں اُن کا رنگ بمقابلہ اُن کے جو میدان میں رہتے ہیں بہت صاف ہوتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ زیادہ ٹھنڈی خالص ہوا میں سانس لیتے ہیں اور خوب محنت کرتے ہیں جس سے خون اُن کا جلد پھرتا اور صاف ہوتا ہے۔ دوسرے مسئلہ کی نسبت کہ انسان کے بدن اور اخلاق پر ہوا اور غذا کا کیا اثر ہے۔ یہ محقق کہتا ہے کہ جو ولایتیں وسط میں قطبین کے واقع ہیں۔ اُن کی ہوا کا اثر انسان کی تمام اندرونی و بیرونی حالتوں پر اچھا۔ اور جو اُن سے دُور ہیں اُن پر بُرا ہوتا ہے۔ اور جن مُلکوں میں غذا کے ذریعے اچھے اور آسانی سے بہم نہیں پہونچتے۔ اور جہاں کے رہنے والے دودھ اور گوشت پر قناعت کرتے ہیں اور جن کو گیہوں اور میوے میسر نہیں۔ اکثر وہ بہ نسبت اُن مُلکوں کے باشندوں کے جن کو غذا ہر قسم کی میسر ہے اور جو بفراغ بال ہر قسم کی غذائیں استعمال کرتے ہیں۔ زیادہ تر خوش رنگ اور خوش صورت اور خوش اخلاق ہوتے ہیں۔ اور فاسد خلطیں بڑھتی ہیں۔ اس بیان میں اس محقق نے کوئی ایسی بات نہیں لکھی جو زیادہ توجہ کے لائق ہو۔ یا اس زمانہ کی حکیمانہ تحقیق کے سامنے کچھ مفید معلوم ہو۔ آب و ہوا کا اثر بلاشبہ قوموں کی اندرونی و بیرونی حالتوں پر بہت موثر ہے۔ اور غذا کی تاثیر سے بھی کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ مگر صرف یہی دو سبب انسان کی اندرونی و بیرونی حالتوں پر موثر نہیں ہیں۔ بلکہ اُن کے علاوہ اور بھی سبب ہیں۔ چنانچہ اس زمانہ کے فلسفیوں نے چار چیزوں کو سب سے زیادہ موثر قرار دیا ہے۔ اول زمین۔ دوسرے آب و ہوا۔ تیسرے غذا۔ چوتھے قدرت کے عام ظہور[1]۔

ایک یوروپین فلسفی لکھتا ہے کہ ملک کی اراضی کا بارآور اور زرخیز ہونا انسان کی حالتوں پر بہت اثر کرتا ہے چنانچہ جن ملکوں کو بہت جلد اور اول ہی اول ترقی نصیب ہوئی وہ سب بارآور تھے۔ مصر اور ہندوستان اور ایشیائے کوچک کے رہنے والوں کی حالتیں ابتدا ہی سے ترقی پر ہیں۔ اور غیر آباد اور ویران مُلک شل تاتار اور تبت اور عرب وغیرہ

[1] قدرت کے عام ظہوروں سے وہ تمام مخلوق اور قدرتی پیداوار مراد ہے جو ہر ایک ملک میں موجود ہوتی ہے۔

کی حالتیں اچھی نہ رہیں - اور اگر ان قوموں میں سے کسی نے ترقی کی - تو اُسی حالت میں جبکہ وہ اوسبار آور زرخیز ملکوں پر قابض ہوئی -

زمین کی نسبت آب وہوا کو انسان کی حالتوں پر بہت زیادہ دخل ہے - جن ملکوں کی آب وہوا اچھی ہے - وہاں کے لوگ قوی اور توانا اور تندرست اور محنتی اور صاحب استقلال ہوتے ہیں - اور اگر زمین کم بار آور ہو تو اُسے اپنی عقل اور محنت سے بہت درست کر لیتے ہیں - بلکہ زمین کی تاثیر یہ ہے کہ انسان کو ایک درجہ پر پہنچا کر آگے بڑھنے نہیں دیتی - اور آب وہوا ہمیشہ انسان کو ترقی دیتی رہتی ہے - چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان اور اور بار آور گرم ملکوں کی ترقی ایک درجہ پر پہونچکر آگے نہ بڑھی - اور جن ملکوں کی آب وہوا نہایت عمدہ ہے جیسے یورپ - اُن کی ترقی کسی حد پر پہنچکر نہ رکی -

ایک دوسرا فرانسیسی عالم لکھتا ہے - کہ "مصر اور ہندوستان میں اصول ترقی کے ایک ہی طرح اور ایک ہی قسم کے پائے جاتے ہیں - اور اسی لیئے وہاں کے لوگوں کی مجموعی حالت ایک درجہ خاص پر ٹھہر گئی - اور اُس سے آگے نہ بڑھی - اُن کے تمام حالات اور معاملات میں ایسا یکساں طریقہ پایا جاتا ہے جس سے طبیعت پژمردہ ہوتی ہے - ملک ویران اور برباد تو نہیں ہوا - مگر لوگوں کی مجموعی حالت کے وجود کا یہ حال ہو گیا - کہ اسمیں حس وحرکت نہ رہی - اور برف کی مانند جم گیا" ہندوستان کے قدیم باشندے ہندوؤں پر تو یہاں کی آب وہوا اپنا پورا پورا اثر کر چکی تھی مگر اُس کے نو وارد مسلمانوں کی علمی اور عقلی اور اخلاقی حالتوں پر بھی اُس کا ویسا ہی اثر ہوا - چنانچہ اب اُن کی شایستگی کے اصول اس پرانے ملک کے باشندوں کے اصول سے ایسے مشابہ ہو گئے ہیں کہ دونوں میں تمیز کرنی نہایت مشکل ہے - اُن کے علمی اور عقلی اور اخلاقی اصول میں جو اصلی قوت تھی وہ باقی نہ رہی - اور نہ اُن کے دلوں کی تحریک دینے والی کوئی دوسری قوت بجائے اُسکے قایم ہوئی - اُن کا انتظام - اُن کا تمدن - اُن کا علم ایسا بے حس وحرکت ہو گیا کہ کچھ بھی جان اُس میں باقی نہ رہی - ایک عالم ہندوستان کے علوم واخلاق کی نسبت لکھتا ہے کہ "اُن سب میں ایجاد کا طرز وطریقہ ایک ہی پایا جاتا ہے - اور وہ سب واقعہ واحد کے نتیجے اور خیال واحد کے مظہر معلوم ہوتے ہیں - اُن کی مذہبی کتابوں اخلاقی تصنیفوں تاریخانہ روایتوں میں جو بات پائی جاتی ہے وہی اُن کی عقل کے کاموں اور

علمی کتابوں اور رسم و رواج اور قاعدوں میں اپنا جلوہ دکھاتی ہے "۔ یہ مضمون ہندوستان کے مسلمانوں پر بھی ویسا ہی صادق ہے جیسا کہ ہندوؤں پر۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی تمام حالتوں میں وحدت اور یک رنگی موجود ہے۔ اُن کے علوم۔ اُن کے خیالات اُن کے جلسے۔ اُن کے دستور۔ اُن کے قاعدے۔ اُسی ایک ناقص اور ترقیوں کے مزاحم اصول کے پابند ہیں جو ہندوستان کی زمین کا پھل ہے۔ یعنی رسم کی پیروی اور باطل وہام۔

آب و ہوا کے علاوہ غذا بھی انسان کی حالتوں پر بہت موثر ہے۔ جن ملکوں میں غذا آسانی سے حاصل ہوتی ہے۔ جیسے ہندوستان۔ وہاں ترقی بھی اوّل اوّل ہوتی ہے۔ مگر اُس کے ساتھ ہی یہ نقصان ہوتا ہے کہ آیندہ وہ بڑھنے نہیں پاتی۔ اس لیئے کہ حاجت سے زیادہ آدمی موجود ہوتے ہیں۔ اور اُن کی آمدنی اور کمائی بہت تھوڑی۔ اور دولت نہایت غیر مساوی تقسیم ہوتی ہے۔ بخلاف اُن ملکوں کے جہاں غذا کم ملتی ہے۔ ہر شخص اپنے واسطے کماتا ہے اور آدمیوں کے کم ہونے سے صنعتوں اور کاریگریوں کی طرف ہر شخص رجوع کرتا ہے۔ اور بیجان قوتوں سے جاندار کی قوت کو مدد پہنچاتا ہے۔

قدرت کے عام ظہوروں کی نسبت اس مورخ نے کچھ نہیں لکھا اور اس میں وہ معذور تھا کیونکہ اُس کے زمانہ میں خیالات ایسے وسیع اور روشن نہ تھے۔ کہ ایسے سببوں کی طرف ذہن منتقل ہوتا۔ مگر اس زمانہ میں انسان کی حالتوں پر تینوں سببوں مذکورہ بالا سے بڑھ کر یہ سبب موثر قرار دیا گیا ہے۔ اور حقیقت میں بھی ایسا ہی ہے۔ چنانچہ ایک یوروپین عالم لکھتا ہے۔ کہ "قدرت کے عام ظہوروں کا اثر لوگوں کی ترقی پر تینوں چیزوں مذکورہ بالا سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ تمام قوم کی عادت اور خصلت انہیں سے قایم اور مقرر ہوتی ہے۔ جس کا پھر بدلنا سخت مشکل بلکہ غیر ممکن ہے۔ اس کا ثبوت یونان قدیم اور ہندوستان کے حالات کے مقابلہ کرنے سے بخوبی حاصل ہوتا ہے۔ یعنی ہندوستان میں بہت بڑے بڑے پہاڑوں اور جنگلوں اور دریاؤں اور بیابانوں کے ہونے۔ اور زلزلوں اور طوفانوں کے آنے۔ اور اور ایسی عجائبات قدرت کے واقع ہونے سے۔ جن سے آدمی کی عقل حیران اور ششدر

رہجاد ے ہندوستان کے باشندوں یعنی ہندوؤں کی عقل ابتدا ہی سے دنگ رہگئی وہ اُن کے اسباب اور قوانین دریافت نہ کر سکے۔ اس لیئے اُن کو اپنے ناچیز اور حقیر ہونے کا خیال بندھ گیا اور شروع ہی سے ہمت ہار گئے۔ جس کا بہت بڑا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ان عجائبات سے حیران ہوکر وہم و خیال میں پڑے۔ اور اُن کی قوت خیالیہ کو ازبس تحریک اور برانگیختگی ہوئی۔ ہر شئے کے سبب اور اثر کو دریافت کرنے میں عقل نہ دوڑائی۔ بلکہ وہم و خیال سے کام لینا شروع کیا۔ غرض کہ عقل کو کمال افسردگی ہوئی۔ اور خیال کو عقل پر بدرجہ غایت غلبہ ہوا۔ اور اُن کی طبیعتوں میں معقول اور سنجیدہ باتوں سے اجتناب اور عجیب و غریب اور مہیب چیزوں سے رغبت اور شوق پیدا ہوا۔ یہ قوت خیالیہ ہی کے غلبہ کا باعث ہے کہ تمام بڑی بڑی کتابیں مثل راماین اور گیتا اور مہابھارت اور جبر مقابلہ اور حساب اور صرف و نحو کے رسالہ سنسکرت تے سبکے سب نظم میں تصنیف ہوئے۔ اور عجیب عجیب شکلیں دیوتوں کی قایم اور ایجاد ہوئیں۔ اور بہت سے خیالی رسم و رواج جن کو عقل تسلیم نہیں کرتی جاری ہوئے۔ اور یونان کا یہ حال تھا کہ وہاں قدرت کے ظہور نہایت نرم اور ملایم طور سے ہوئے۔ جن کے دیکھنے بھالنے سے یونانیوں کو کچھ افسردگی اور حیرت نہ ہوئی۔ اور اُن کے دلوں میں آدمی کے حقیر اور ناچیز ہونے کا خیال پیدا نہ ہوا۔ بلکہ قدرتی اشیاء کو پیچیدہ اور پریشانی انگیز نہ پاکر اُن کی عقل کو جرأت اور مستعدی ہوئی۔ چنانچہ قدرتی ظہوروں کے سبب اور اثر معلوم کرنیمیں کوششیں کیں۔ غرض کہ اُن میں خیال کو پستی اور عقل کو فروغ اور فوقیت رہی جس کا یہ عمدہ نتیجہ ہوا کہ اُن کے ہاں بڑے بڑے حکیم اور عالم اور فاضل اور مدبر ہوئے۔ اور وہ عمدہ عمدہ تصنیفات اور کتابیں چھوڑ گئے۔ دولت اور تجارت کو بڑی ترقی ہوئی۔ ان کی قوم عقل و حکمت کی پابند ہوئی جس کو روز بروز ترقی ہوتی چلی گئی۔ اسی طرح سے قدرت کے ظہوروں کا عجیب و غریب نہ ہونا اہل یورپ کی ترقی کے حق میں بڑا مفید کارآمد ہوا۔ یعنی وہم و خیال کو اُن میں رونق نہ ہوئی جس سے انسان نا اُمید ہوکر اپنی ترقی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ اور عقل آزمائی اور سعی اور کوشش سے باز آتا ہے جیسا کہ ہندوستان میں ہوا۔ یورپ میں ہندوستان کے برخلاف ہوا۔ جس کا عمدہ اثر روز بروز ظہور پذیر ہوتا جاتا ہے۔

قومی عزّت

ہم اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ کسی اگلے زمانہ میں مسلمان علوم کے عالم اور فنون کے ماہر تھے اور تہذیب اور شائستگی اور انسانیت کو بذریعہ تعلیم و تعلم کے انہوں نے بخوبی حاصل کیا تھا۔ لیکن اب اُن کو غور کرنا چاہیئے کہ آیا فقط اس بات کا ثابت کر دینا ہماری عزت کے لیئے کافی ہے یا ہمکو اسپر فخر و ناز کرنا زیبا ہے یا دوسری قومی ہوں کی نظروں میں یہی امر ہماری عزت کے لیئے بس ہے یا تہذیب و شائستگی پر ہمارے یہی ثبوت کافی ہے اگر ایسا ہو تو ہم اپنی عزت کے ثبوت میں موٹی موٹی کتابیں لکھدیں اور تمام دنیا کی قوموں کے اچھے اچھے نامی آدمیوں کی سند سے اپنے اس دعوے کو ثابت کر دیں لیکن حقیقت میں یہ کافی نہیں ہے بلکہ ہماری حالت موجودہ ہی ہماری عزت اور ذلت کی باعث ہے۔ اس لیئے ہمکو اپنی حالت موجودہ پر نظر کرنی چاہیئے کہ آیا آج ہمکو ملکی فخر اور قومی عزت حاصل ہے یا نہیں چنانچہ اس امر کے لیئے ہمیں اپنی ملکی اور قومی تعلیم پر لحاظ کرنا چاہیئے کیونکہ علم ہی عزت اور ذلت کی کسوٹی ہے پس اگر ہماری تعلیم آج کل اَور قوموں سے بہتر ہو اور دنیا کے اَور ملکوں کے رہنے والے ہمارے علوم کی قدر و منزلت کرتے ہوں اور ہمارے ملک سے علوم و فنون کی تحصیل کرتے ہوں تو بے شک ہمکو ملکی فخر اور قومی عزت حاصل ہے اور اگر ایسا نہو تو ملکی فخر اور قومی عزت کا ہمکو نام لینا بھی زیبا نہیں۔

ہمکو اپنی قومی عزت ظاہر کرنے کے لیئے اتنی بات ثابت کر دینا ہی کافی نہیں ہے کہ جو علوم ہمارے بزرگوں نے نکالے یا اَور قوموں سے لیکر اپنے ہاں جاری کیئے تھے وہ ہم میں جاری ہیں اور جن علوم و فنون کی اُن کے زمانہ میں تعلیم ہوتی تھی وہی ہماری قوم میں رائج ہیں کیونکہ عزت اور ذلت اور ترقی اور تنزل امور اضافی ہیں اور اطلاق بلحاظ حالات زمانہ کے ہوتا ہے۔ پس ہمارے بزرگوں کو علوم و فنون کے سبب سے جو عزت تھی وہ اُس زمانہ کے موافق تھی کیونکہ جو علوم و فنون اُس وقت اَور قوموں میں جاری تھے اُن سب کو انھوں نے سیکھا اور علم و ہنر کے خزانے جو اَور ملکوں میں

گڑے ہوئے تھے اُن پر رسائی حاصل کی اور جو پرانے جواہر تھے اُن کی جلاکاری کی اور اُن کو تراش خراش سے جگمگا کر خوبصورت بنایا۔ اور پھر بہت سے بیش قیمت علم کے نئے جواہر خود تلاش کیئے آخر اُن کا خزانہ علوم وفنون کا ایسے شاہوار موتیوں اور نایاب جواہر سے بھر گیا جن سے اَور قوموں کے خزانے خالی تھے لیکن چونکہ اب ہمارے زمانہ میں علم وہنر کو اَور قوموں نے نہایت ترقی پر پہنچایا اور علوم وفنون کے نورانی چہرہ سے پردہ اور حجاب اُٹھا دیا ہے اور اس دریائے ناپیداکنار میں سے اور بہت سے نئے نئے اور عمدہ عمدہ موتی وجواہر ڈھونڈ کر نکالے ہیں پس اگر ہمارے علوم وفنون اُن سے بڑھکر ہوں اور ہمارے ملک اور قوم کے لوگ علوم وفنون میں اَور قوموں پر فایق ہوں تو بے شک آج ہمکو ملکی فخر اور قومی عزت حاصل ہے۔ لیکن چونکہ یقینی معلوم ہے کہ بمقابل یورپ کے یہ فخر وعزت ہمارے ملک کو حاصل نہیں ہے اس لیئے اب ہمکو دیکھنا چاہیئے کہ آیا مثل اُن کے علوم وفنون میں ہمکو دستگاہ بھی ہے یا نہیں اور جو صورت تعلیم کی اُس ملک میں ہے وہ ہمارے ملک میں بھی ہے یا نہیں۔ اگر ایسا ہو تب بھی برابری کا دعویٰ ہم کرسکتے ہیں لیکن جب ہم اپنی ملکی تعلیم پر لحاظ کرتے ہیں اور اپنے ہاں کے علوم وفنون پر نظر کرتے ہیں تو ملکی فخر وعزت کا دعویٰ کرنا کیسا اپنی جہالت اور نادانی کے خیال سے اور اپنی بے تہذیبی کے لحاظ سے ایسی شرمندگی ہوتی ہے کہ طبیعت بے اختیار چاہتی ہے کہ کاش ہم اِس ملک سے منسوب نہوں اور ہمکو کوئی اس قوم سے نسبت نہ کرے کیونکہ ہم بجائے اس کے کہ کچھ پیدا کرتے اپنے بزرگوں کی کمائی ہوئی دولت کو کھو بیٹھے اور علم کی دولت میں ترقی کرنے کے بدلے بزرگوں کے پیدا کیئے ہوئے سرمایہ کو بھی ہم نے ضایع کر دیا۔ ایسی غفلت کی نیند میں سوئے کہ ہمارے بزرگوں کے سرمایہ کو اَور لوگ تو لے گئے اور ہم خالی ہاتھ رہ گئے اور دنیا کی اَور اقبالمند قومیں تو علوم وفنون میں اعلیٰ درجہ کی ترقی کر گئیں اور ہم ذلت اور نکبت کی حالت میں مُبتلا ہو گئے۔ پس اَب ہمکو اپنی ذلت کی حالت پر رونا چاہیئے نہ کہ اپنے بزرگوں کے ناموں پر مغرور ہونا۔

یہ مُلکی ذلت اگرچہ نہایت قابل افسوس کے ہے مگر جب سلسلہ کلام کا قومی ذلت پر پہونچتا ہے اور خاص مسلمانوں کی تعلیم پر نظر کی جاتی ہے تو نہ زبان سے کچھ کہا جاتا ہے

نہ قلم سے کچھ لکھا جاتا ہے کیونکہ اَور قومیں ہمارے ملک کی کچھ کچھ خواب غفلت سے بیدار ہوتی جاتی ہیں اور تعلیم اور تربیت پر اپنی مستعدی ظاہر کرتی ہیں گو اُن کو اب تک کچھ کامل ترقی نہیں ہوئی۔ مگر بعض بعض قوموں کے آثار نیک نظر آتے ہیں اور اُن کی عزت اور بہتری کے سامان دکھلائی دیتے ہیں مگر مسلمانوں کے حال پر افسوس صد ہزار افسوس ہے کہ اُن کی آنکھوں میں غفلت کی نیند ویسی ہی بھری ہوئی ہے اور اُن کے چونکنے اور جاگنے کی کوئی نشانی اب تک دیکھنے میں نہیں آتی کیسے افسوس کی بات ہے کہ بجائے اس کے کہ آج کیمبرج یونی ورسٹی کے موافق مسلمانوں کا کوئی عربی مدرسہ علوم کا دہلی میں ہوتا یا مثل اکسفورڈ یونی ورسٹی کے ہماری تربیت کے لیے کوئی دار العلم لکھنؤ میں ہوتا اور جو علوم وفنون اُن یونی ورسٹیوں میں انگریزی زبان کے ذریعہ سے سکھائے جاتے ہیں ہم مسلمانوں کے مدرسوں میں بھی بذریعہ عربی یا دیسی زبان کے تعلیم دیئے جاتے کوئی چھوٹا سا مکتب بھی تو نظر نہیں آتا جس میں کسی قسم کے علم وفن کی تعلیم ہوتی ہو اور کسی شہر میں ایک بھی مقام تو ایسا سننے میں نہیں آتا جہاں کچھ بھی تہذیب وشائستگی کی باتیں سکھائی جاتی ہوں۔

اگر ہم عربی یا دیسی زبان سے بھی قطع نظر کریں اور اپنے بھائیوں کو اس لائق بھی نہ جانیں لیکن اس غفلت کی کیا انتہا ہے کہ جو مدرسے گورنمنٹ نے ہماری تعلیم کے لیے جاری کیے اور جن میں علوم اور فنون کی تعلیم ہمارے ملک کے فائدے کے لیے شروع کی اُن میں بھی ہماری قوم کے آدمیوں کی صورتیں کم ہی دکھلائی دیتی ہیں مسلمان لڑکے تعلیم کے لیے بہت ہی تھوڑے جاتے ہیں۔

ہم نے مانا کہ ہم مسلمانوں کو اب علوم وفنون کے ایجاد کرنے کی قوت اور کیمبرج اور اکسفورڈ یونی ورسٹی کے موافق علوم کے مدرسے جاری کرنے کی قدرت باقی نہیں ہے بلکہ کسی ادنیٰ درجہ کی تعلیم کے واسطے بھی ابتدائی مدارس کے مقرر کرنے کی ہمت نہیں ہے۔

لیکن وہ کون سی چیز ہے جو سرکاری کالجوں اور گورنمنٹ اسکولوں میں جانے کے لیے مسلمانوں کے لڑکوں کے پاؤں کی زنجیر ہے اور وہ کون سی بات ہے جو اُن کو اس ابتدائی تعلیم کے حاصل کرنے کی مانع ہے۔ پھر اس سے بھی زیادہ تعجب اس بات پر ہے کہ سب کے سب آنکھ پر پردہ غفلت کا ڈالے ہوئے اور موقعہ پر خاموشی کی مہر لگائے بیٹھے ہیں

نہ کسی کے دل میں تعلیم کے موانع کا خیال آتا ہے نہ کوئی زبان اپنی اس علمی تنزلات کے اسباب بیان کرنے کے لیئے کھولتا ہے سب کے سب چُپ چاپ خاموش بیٹھے ہوئے ہیں۔

تدبیر و اُمید

یہ عام اور غیر مبدل قاعدہ قدرت کے قانون کا کہ ہر ایک چیز کے ہونے کے لیئے اُس سے پہلے اُن چیزوں کا ہونا ضرور ہے جو کہ اُس کے ہونے کے لیئے ایک ضروری سبب ہیں ایسا ہے کہ کوئی چیز مادی ہو یا غیر مادی۔ خارجی ہو یا ذہنی اُس سے مستثنیٰ نہیں جتنی چیزیں ہماری آنکھ کے سامنے آتی ہیں اُن میں سے کوئی ایک بھی ایسی نہیں جو اُن چیزوں کے بغیر ہوگئی ہو جو اُس کے ہونے کے لیئے قدرتاً مقدم ہیں جتنے خیالات ہمارے ذہن میں گذرتے ہیں اُن میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جسکی پہلے وہ باتیں ہمارے ذہن میں نہ آجاتی ہوں جو اُس خیال کے پیدا ہونے سے پہلے عادتاً ضروری ہیں جتنی چیزیں ہیں اُن میں قدرت نے باہم ایسا تسلسل اور ارتباط رکھا ہے کہ ایک سے دوسری اور دوسری سے تیسری پیدا ہوتی ہے پس ہر چیز کے حاصل کرنے کے لیئے اُن چیزوں کا پہلے مہیا کرنا جو اُس کے لیئے بطور آلات اور معدات اور مقدمات کے ہیں تدبیر ہے اور اُن کے مہیا کرنے پر اُس چیز کے حاصل ہونے کی توقع کرنا اُمید ہے اور بغیر اسباب کے کسی چیز کے پیدا ہونے کا خیال کرنا جنون و نادانی ہے اور بلا مہیا کرنے اُن اسباب کے اُس شئے کے حاصل ہونے کی توقع کرنا حماقت ہے اور جو چیزیں کسی چیز کے ہونے کی اصلی سبب نہوں اُن سے اُس شئے کے ہونے کی توقع کرنا تدبیر کی غلطی ہے۔

یہ بات جو ہم نے بیان کی اُسے نادان سے لیکر کامل حکیم تک اور جاہل سے لیکر عارف باللہ تک اور ملحد سے لیکر شارع تک سب نے تسلیم کیا ہے اور سب مانتے چلے آئے ہیں اور ہم سب ہر وقت اور ہر لحظہ ہر چیز میں اس قاعدہ کا برتاؤ دیکھتے رہتے ہیں

چنانچہ ہم اسے ایک صاف اور روشن مثال میں سمجھاتے ہیں۔ دیکھو ایک دہقان غلہ پیدا کرنے کے لیئے کیا کرتا ہے اور اُسے غلہ حاصل کرنے سے پہلے کس کس چیز کا مہیا کرنا ضرور ہوتا ہے پہلے وہ اچھی زمین تلاش کرتا ہے جس میں زراعت کی قابلیت ہو پھر وہ اُن آلات کو جمع کرتا ہے جن کی زمین بنانے کے لیئے ضرورت ہے۔ پھر وہ اُن آلات کو کام میں لاتا ہے۔ اور جو خودرَو گھانس یا پُرانی کھیتی کی بیکار اور نکمّی چیزیں اُس میں پڑی ہجاتی ہیں اُن کو صاف کرکے زمین کو اپنی اصلی ہیئت پر لاکر اُسے بناتا ہے۔ پھر وہ سوچتا ہے کہ کس جنس کی اس وقت ضرورت ہے تاکہ لوگوں کی حاجت رفع ہو اور مجھے قیمت ملے۔ آخر وہ مختلف جنسوں میں سے ایک یا چند چیزوں کو اختیار کرکے اُس کا عُمدہ بیج ڈھونڈتا ہے۔ اور مختلف دوکانوں۔ مختلف بازاروں میں خود پھر پھر کر اُسے تلاش کرتا ہے اور اپنے نزدیک وہ ایسا بیج جو نہ سڑا ہو نہ گلا۔ نہ بوسیدہ ہو نہ ناقص سوائی قیمت دیکر لیتا ہے۔ پھر اُسے ایک اندازہ معین سے زمین میں ڈالتا ہے۔ پھر اُسے مٹی میں ملاکر چھپا دیتا ہے۔ پھر اُگنے کے بعد وقتاً فوقتاً پانی دیتا ہے اور جو خودرَو گھانس پیدا ہوتی جاتی ہے اُسے دُور کرتا رہتا ہے پھر سب سے زیادہ اُسے اُس وقت حفاظت کرنی پڑتی ہے جبکہ دانہ پڑتا ہے اور جس کے کھانے کے لیئے چڑیوں کے جُھنڈ کے جُھنڈ آتے ہیں۔ پھر جب ان تدبیروں کے کرنے کے بعد اُس کی کھیتی ارضی وسماوی آفات سے محفوظ رہے اور اُن باتوں سے جو اُس کے اختیار سے خارج ہیں خدا نے اُس کی زراعت کو بچا یا تب وہ ایک ایک دانہ کے سَو سَو اور ہزار ہزار حاصل کرتا ہے اور اپنی محنت اور تدبیر کا ثمرہ پاتا ہے۔ پس ان سب چیزوں کا مہیا کرنا اور اُس تسلسل اور ارتباط اور ترتیب کا لحاظ رکھنا تدبیر ہے اور بعد اسکے پھل پانے کی توقع کرنا اچھی اُمید ہے اور ان میں سے کسی چیز کا چھوڑ دینا یا کسی نسبت و ارتباط میں چوک جانا یا کسی امر کی تقدیم و تاخیر کا لحاظ نہ کرنا یا وقت پر کسی چیز کو استعمال میں نہ لانا تدبیر کی غلطی ہے اور کسی چیز کا باوجود سعی کے نہ ملنا یا کسی اتفاقی امر کا پیش آجانا یا کسی ارضی وسماوی آفت سے اُس زراعت کا خراب ہوجانا تقدیر کی مخالفت ہے۔

اب ہم اس تدبیر و اُمید کو اپنی قوم کے حال سے ملاتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ جو کچھ وہ اپنی ترقی کی اُمید کرتے ہیں اور جیسے وہ اُس کی تدبیریں کر رہے ہیں وہ حقیقت میں اچھی

اُمید اور پوری تدبیر ہے یا نہیں۔ چنانچہ ہماری قوم میں ایسا تو کوئی نہیں جو اپنی ترقی نہ چاہتا ہو یا اپنی دولت و عزت کی اُمید نہ رکھتا ہو مگر ایسے کم ہیں جو اُس کی تدبیر کرتے ہوں اور جو کرتے ہیں اُن میں بھی ایسے کم ہیں جو اُس میں غلطی نہ کرتے ہوں اور جس ترتیب و ارتباط کا لحاظ رکھنا اُس کے لیئے ضروری ہے اُس کا خیال رکھتے ہوں۔

ہاں وہ تدبیر جو کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان نے کی ہے ہمارے نزدیک وہ ایسی تدبیر ہے جس کے پورے ہونے پر قومی ترقی کی سچی اُمید ہے کیونکہ اُس کے بانی نے اول ہی سے قدرتی سلسلہ کا لحاظ رکھا ہے۔ وہ پہلے اس بات کے دریافت کرنے پر متوجہ ہوا کہ قومی عزت کا اصلی سبب کیا ہے آخر اُس نے ثابت کیا کہ صرف علم ہے تب وہ اُس کا مستفسر ہوا کہ موانع اُس کے ہماری قوم میں کیا ہیں اس سوال کو اُس نے اپنی تمام قوم میں پیش کیا اور مختلف صوبوں کے مختلف لوگوں سے اُس کا جواب لیکر اُن موانع کو تحقیق کر کے ایک انجمن مقرر کی اور نہایت بحث و مباحثہ کے بعد اُن کے دُور کرنے کی تدبیر سوچی۔ آخر سب کے اتفاق سے سوائے قائم کرنے ایک مدرسۃ العلوم کے دوسری صورت قرار نہ پائی چنانچہ اُس نے اُس کی بنیاد ڈالنے کی راہ نکالی۔ اور اُس کے قائم ہونے کے سامان جمع کرنے پر ہمت کی چنانچہ اب تک جو کچھ اُس نے کیا ٹھیک ٹھیک کیا اور وہ ایک ہوشیار دہقان کی چال پر چلا اُس نے زمین بھی اچھی تلاش کر لی ہے۔ اُس جنس کو بھی تحقیق کر لیا ہے جس کی ضرورت ہے اور جو اس وقت بازار میں اچھے نرخ پر بک سکتی ہے۔ اُس کا بیج بھی تلاش کر لیا ہے۔ پس اب اسقدر سرمایہ کا جمع ہو جانا چاہیئے جو اُس کی قیمت کے واسطے اور دیگر آلات کے جمع کرنے کے لیئے کافی ہو۔

یہ ہوشیار دہقان صرف اس تدبیر کے بتانے ہی پر کفایت نہیں کرتا بلکہ سب کا بوجھ اپنے سر پر اُٹھانے اور ساری محنت کو جو اس کھیتی میں ہوگی اپنے اوپر لینے پر مستعد ہے۔ وہ اپنی قوم سے صرف یہ چاہتا ہے کہ سامان خریدنے کے لائق سرمایہ جمع کریں اور اپنے گھر میں آرام سے بیٹھے رہیں۔ جب فصل تیار ہو جاوے تب اُس کا پھل لے لیں۔

اب میں اپنی قوم کے دلوں پر نظر کرتا ہوں کہ بہ نسبت اس تدبیر کے اُن کے

دلوں میں کیا خیال گذرتے ہیں۔ جہاں تک مَیں واقف ہوں میرے نزدیک بہت ہی تھوڑے آدمی ہوں گے جو اس تدبیر کو کامل اور اس تجویز کو مفید نہ سمجھتے ہوں مگر اُس کے انجام کو ایسا مشکل جانتے ہیں کہ قریب بہ محال سمجھتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ فقط ایک خیالی عمارت ہے جو ہوا میں کھڑی کی گئی ہے۔ کوئی فرماتا ہے کہ یہ محض ایک فرضی تجویز ہے جو دل بہلانے کے لیئے کی گئی ہے۔ کوئی اسے گورنمنٹی کا انتظام کہتا ہے کوئی اسے ایک محال اور غیر ممکن بات سمجھتا ہے لیکن یہ سب پست ہمتی کی نشانیاں اور ہمدردی اور محبت قومی نہ ہونے کے نتیجے ہیں کیونکہ یہ سب باتیں دس لاکھ روپیہ کے جمع ہونے پر خیال کی جاتی ہیں حالانکہ یہ روپیہ اُس سے زیادہ نہیں ہے جو ایک بڑے شہر میں ایک برس کے اندر کھیل تماشے میں اُمرا خرچ کر دیتے اور لڑکوں لڑکیوں کے شادی بیاہ میں برباد کر دیتے ہیں۔ پس اگر ہم اپنی قوم کے اسراف توبہ توبہ اُن کے اسراف پر نظر کر کے اس سرمایہ کو زیادہ سمجھتے تو ہم بھی ایک تکلیف مالایطاق اور تدبیر محال کہتے۔ مگر جب ہم اَب بھی اپنے امراء کے جود و سخا کی یہ کیفیت دیکھتے ہیں کہ ایک ایک باہمت ایسے ہیں جو لاکھ لاکھ روپیہ چندہ میں حاکموں کو خوش کرنے کے لیئے دیدیتے ہیں۔ تو ہمارے ذہن میں اس سرمایہ کی بمقابل اُن کے حوصلہ کے کیا حقیقت ہو۔ رہا دینا یا نہ دینا۔ یہ ہمدردی اور محبت قومی پر منحصر ہے۔ اُسکی نسبت البتہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کا قحط بلاشبہ ہماری قوم میں ہے۔ اگر اُس پر خیال کر کے کچھ مایوسی ہو تو عجب نہیں۔ مگر پھر ہر شخص کو اپنا فرض ادا کرنا اور سعی میں کوتاہی کرنا ضرور ہے۔ السعی منی والاتمام من اللہ۔

سپیچ

بمقام ہائی اسکول مرزاپور

مدرسہ مرزاپور میں تاریخ ۲۳ مئی کو بغرض تقسیم سالانہ انعام کے جلسہ ہوا کہ گذشتہ

رئیس اور حاکم تشریف لائے - اوّل ہیڈ ماسٹر صاحب نے انگریزی میں - پھر دوسرے ماسٹر نے اُردو میں رپورٹ سنائی - بعد اُس کے جناب رابرٹسن صاحب کلکٹر مرزاپور نے انگریزی زبان میں ایک مختصر سپیچ کر کے یہ فرمایا کہ اب میرے دوست مولوی مہدی علی صاحب کچھ تقریر کریں گے اور اُردو زبان میں آپ لوگوں سے کچھ کہیں گے - بعد اسکے مولوی مہدی علی صاحب نے کھڑے ہو کر زبانی یہ تقریر کی -

ای حاضرین جلسہ - جو رپورٹ حالات مدرسہ کی ابھی ہیڈ ماسٹر صاحب نے انگریزی میں اور بابو صاحب نے اُردو میں سنائی اُس سے آپ کو طالبہ کی تعداد اُنکی تعلیم کے درجے اور اُس کے نتیجے معلوم ہو گئے اب اُس کا اعادہ بیفایدہ ہے مگر میں اپنے اوپر ضرور سمجھتا ہوں کہ جو فرق اُس مدرسہ کی حالت میں بہ نسبت سابق کے ہوا ہے اُسے کچھ تھوڑا سا بیان کروں -

۱۸۶۷ء میں میں نے اس مدرسہ کو دیکھا اور چند مرتبہ عربی - فارسی - اُردو درجوں کا امتحان لیا اور انگریزی طلبہ کی استعداد و لیاقت کی کیفیت اُور ممتحنین سے سنی اُس زمانہ میں اس مدرسہ کی تعلیم کی یہ کیفیت تھی کہ رؤسا شہر اپنے لڑکوں کو مشن اسکول میں بھیجنا پسند کرتے تھے اور بوجہ ناقص ہونے تعلیم کے اور بے انتظامی مدرسہ کے یہاں داخل کرانا منظور نہ کرتے تھے - مگر جب سے گارڈن صاحب ماسٹر مقرر ہوئے اُن کی لیاقت اور محنت و توجہ خصوصاً اُن کی خوش اخلاقی اور تہذیب کی وجہ سے صورت مدرسہ کی بدل گئی - طلبہ بھی بڑھ گئے - استعداد میں بھی اُن کی ترقی ہوئی - اب رئیسان شہر اپنے وارثوں کو اسی مدرسہ میں بھیجتے ہیں اور یہاں کی تعلیم کو پسند کرتے ہیں اور گارڈن صاحب کے شکر گزار ہیں - عربی درجہ میں بھی اچھی ترقی ہوئی - مولوی معین الدین صاحب کی برکت سے چند طالب علموں کے سر پر فضیلت کی پگڑی بھی بندھ گئی - بلاشبہ مولانا صاحب بڑے مفسر بڑے محدث بڑے عالم اور جامع معقول و منقول ہیں - دُور دُور سے لوگ اُن سے پڑھنے آتے ہیں - جس قدر اُنھوں نے محنت کی ہے اُس قدر تنخواہ نہیں پائی جس قدر اُنھوں نے علوم کی تعلیم کی گو اُن علوم کی نسبت میری رائے کیسی ہی ہو اُنکی محنت اور تعلیم میں ذرا شک نہیں -

یہ چند فقرے کہکر ڈپٹی صاحب عربی کے طلبہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اُن سے

مخاطب ہو کر یہ تقریر کی ۔

اے میرے ہم قوم اور ہم مذہب طالب علموں ۔ تم ذرا میری باتوں کو غور سے سُنو اور انصاف اور دانشمندی سے اُسے سوچو کہ مَیں تمہاری بھلائی کے لیئے کیا کہتا ہوں ۔

اگرچہ مَیں نہایت خوش ہوں کہ تم اپنے قدیم علوم کی تعلیم پر متوجہ ہو اور ایک نہایت دل پر اثر کرنے والے شوق سے اُس کی تحصیل کرتے ہو اور تم میں سے چند طلبہ نے کامیابی بھی پائی اور فضیلت کے خطاب پا لینے سے اپنی عزت حاصل کی ۔ مگر حقیقت میں یہ تعلیم ناکافی ہے اور جو نتیجہ علم کا ہے وہ اس سے حاصل نہیں کیونکہ تم نے دو قسم کے علم حاصل کیئے ۔ ایک منقول دوسرے معقول ۔ پہلی تعلیم نے تمکو تقلید میں کامل کیا ۔ دوسری نے چند غلط اور بے اصل اوہام کو معقولات صحیحہ کی صورت میں تمہارے دل پر نقش کیا نہ اُس سے جیسا کہ چاہیئے تمہارے دین کو فایدہ ہوا ۔ نہ اُس سے تمہاری عقل کو ترقی ہوئی ۔ مذہبی تعلیم سے غرض صرف یہ ہے کہ وہ باتیں جو خدا نے اپنے سچے رسُول کی معرفت بذریعہ وحی کے بتائیں اُنکی روشنی ہمارے دل پر پڑے اور ہم اُنکی حقیقت سے واقف ہوں اور اُنکی حقیقت اور سچائی ہمارے دل پر ایسا اثر کرے کہ تقلیداً بلکہ تحقیقاً ہم اُنکو تسلیم کریں مگر جو تعلیم تمنے پائی اُس سے یہ فایدہ نہیں پہنچا یا نہ تم اُنکی حقیقت سے واقف ہوئے نہ بے واسطہ اُس نور کی شعاعیں تمہارے دل پر پہنچیں ۔ تمہاری مذہبی تحقیقات اُن لوگوں کے قولوں پر ختم ہو گئی جو مثل تمہارے غیر معصوم تھے اور جنکی رائے میں تمہاری طرح خطا و صواب دونوں کا احتمال تھا افسوس کہ تمنے اصلی چشمہ کا پانی نہیں پیا جو نہایت شیریں اور صاف در موتی کی طرح چمکتا ہے بلکہ اُس حوض کو اصلی چشمہ خیال کیا جو بیر بضاعہ کی طرح گندہ ہو رہا ہے ۔ تم نے اپنے دینی عقاید اور مذہبی اقوال کو خدا کی کتاب سے خود تحقیق نہ کیا بلکہ لوگوں کی رایوں اور قولوں اور خیالوں ہی پر اپنے معتقدات کی بنیاد قایم کی ۔ تم نے اپنے فقہی مسایل اور شرعی احکام کو سچی باتوں سے رسُول کی خود دریافت نہیں کیا بلکہ جو لوگ لکھ گئے اور کہہ گئے اُسی کو منزل من اللہ سمجھا اور پھر افسوس یہ ہے کہ اگر تم جاہل رہتے اور کچھ تعلیم نہ پاتے تو تم اس کورانہ تقلید میں پڑنے سے معذور ہوتے ۔ مگر افسوس اور ہزار افسوس یہ ہے کہ تعلیم نے تمکو یہ نتیجہ دکھلایا اور علم کے حاصل کرنے سے بجائے تحقیق کے تم نے تقلید کو حق جانا ۔

یہ تم نہ خیال کرو کہ معاذ اللہ میں مذہبی تعلیم کو بُرا جانتا ہوں مَیں کافر ہوں اگر ایسا خیال کروں بلکہ مَیں ہر مسلمان پر فرض سمجھتا ہوں کہ وہ مذہبی تعلیم پاوے اور اپنے دینیات میں کامل واقفیت

حاصل کرے لیکن اگر میں متاسف ہوں تو صرف اُس کی طرز وطریق پر کیونکہ جو تقلیدی تعلیم تم حاصل کرتے ہو یہ حقایق دینی کے ادراک کے لیئے اور مسایل شرعی کی حقیقت پر پہنچنے کے لیئے نہ کافی ہے بلکہ مزاحم ہے۔ انصاف کرو کہ کیا حاصل ہوا تمکو تعلیم سے جبکہ تمہارے خیالات میں بلندی اور تمہاری عقل میں ترقی نہ ہوئی اور تمہارے دل نے اصل مذہب کی روشنی نہ پائی۔ اور کیا فرق ہوا درمیان اُن عامیوں کے جو تمہاری تقلید کرتے ہیں اور درمیان تم عالموں فاضلوں کے جو تم اَوروں کے پیچھے چلتے ہو۔ پس اُس تعلیم سے جس نے تمکو کورانہ تقلید میں مبتلا کیا تمہارے مذہب کو کیا فائدہ ہوا۔

مگر حقیقت میں یہ قصور تمہارا نہیں ہے۔ وہ سلسلہ تعلیم کا ایسا ہے کہ جب تک بڑی مضبوطی اور دانشمندی اور ایمانی قوت سے اچھی اچھی تحقیق اُس میں اصلاح نہ کریں اور اُس کے حسن و قبح سے بحث کرکے دوسری راہ نہ بتادیں تب تک تم سوائے اس کے کہ آنکھ بند کرکے اُسپر چلو کیا کرسکتے ہو۔

خیر مذہبی تعلیم کو چھوڑو۔ اب اپنے معقولی سلسلہ پر نظر کرو اور سوچو کہ تقلید نے اُسے بھی کس ابتر حالت پر پہونچا دیا ہے اور اُس سے کیا نتیجہ تمکو حاصل ہوتا ہے۔ تمہارا علم معقول چند یونانی مسئلوں کے جاننے پر منحصر ہے اور گنی ہوئی باتوں کی واقفیت پر اُس کا مدار ہے حقیقت میں معمولی کتابوں کے چند ورقوں کا اُلٹ پلٹ کر لینا اور طوطی کی طرح اُسی زبان سے کہدینا تمہارے علم کی انتہا ہے اور چند فلسفی باتوں کا جس کی حقیقت پر بھی ہرگز تم نہیں پہونچتے یاد کر لینا تمہارا مبلغ علم ہے۔ حساب میں اگر تم نے خلاصۃ الحساب کی ضرب تقسیم سیکھ لی تم محاسب ہو گئے۔ شرح چغمینی کے دو جزو اگر پڑھ لیئے تو تم رشک بطلیموس بن گئے مجسطی کے لفظ یاد ہونے سے تم اپنے آپ کو افلاطون جاننے لگے۔ مگر اے میرے عزیزو۔ تم اپنے بھائیوں کو جو اسی مدرسہ میں ابتدائی تعلیم پاتے ہیں دیکھو اور اُن کی باتوں سے اپنے دقایق حقایق کو مقابلہ کرو تب تمہیں معلوم ہو کہ تم کس غلطی میں پڑے ہوئے ہو اے طالب علمو۔ ذرا ان لڑکوں سے عناصر کی حقیقت سنو۔ تب اسطقسات اربعہ کی ماہیت جاننے پر خوش ہو۔ ذرا طبعیات کے مسایل کا تجربہ کرکے دیکھو۔ تب میبذی اور صدرہ کی طبعیات پڑھ لینے پر ناز کرو ذرا آسمان و زمین کا کرہ جو اس وقت تمہارے سامنے رکھا ہے ہاتھ میں اُٹھاکر اُس کی کیفیت پوچھو پھر اپنے فلکیات پڑھکر آسمان زمین کے قلابے ملاؤ افسوس

ہے کہ یہ سب چیزیں تمہارے سامنے ہیں اور تم اُن کی حقیقت دریافت کرنے کا ارادہ بھی نہیں کرتے اور اُس کی غلطی و صحت پر آگاہ ہونے پر متوجہ نہیں ہوتے۔ میں کہتا ہوں کہ تم میں جو علوم سے فارغ ہو چکے اور جنہوں نے بڑی فضیلت کی سر پر باندھ لی اور جنکو جناب سیدنا و استادنا مع معقول و منقول کی سند بھی دیدی ذرا میرے ساتھ اسٹیشن پر چلو اور ایک انجن کو دیکھکر اُس کے چلنے کا سبب بتاؤ شاید تم ویسی ہی باتیں کروگے جیسا وہ دہقان جو اپنا ہل بیل چھوڑکر اُسے دیکھکر حیرت زدہ ہو اور عامیانہ باتیں کرے نہ تم اُس کی دُم سے واقف ہوگے نہ سر سے۔ پھر ذرا تار گھر کے کمرہ میں تشریف لیچلو اور اُس کہربائی قوت کی حقیقت بتاؤ۔ وہاں بھی سوائے اظہار حیرت کے آپ لوگوں سے کچھ نہ ہوگا۔ پس افسوس کا مقام ہے یا نہیں کہ تمہارے معقولات اور ہندسہ اور ہیئات اور ریاضی اور طبعیات نے تمکو ایک عامی آدمی کے درجہ سے بھی نہیں بڑھایا اور ذرا بھی کوئی مادہ تحقیق کا نہیں دیا۔ پس آپ کے علم و فضل سے کیا توقع قوم کی ترقی اور علم کی روشنی پھیلنے کی کی جاوے۔

اے ہوشیار طالب علمو۔ کیا خدا نے تمکو اَور قوموں کی طرح مادہ تحقیق کا نہیں دیا ہے یا تمہارے دل و دماغ کو اِن باتوں کے سمجھنے کے لایق نہیں بنایا۔ میرے نزدیک شاید ساری دنیا میں ہماری ہی وہ قوم ہے کہ جس کے دل و دماغ کے برابر دوسرا نہیں۔ کیا یہ وہ قوم نہیں ہے جس نے یونانیوں کے چند مسائل سیکھکر اُسے ایسی ترقی دی کہ اگر افلاطون و ارسطو زندہ ہوتے تو وہ بھی قدموں پر گرتے کیا ہم لوگ وہ نہیں ہیں جن کے اجداد نے ساری دنیا کو معقولات کی روشنی سے منور کیا۔ یورپ کا ملک کیا ہماری شاگردی پر کسی زمانہ میں فخر نہ کرتا تھا۔ کیا اب یہ بڑے بڑے محقق ہمارے اسلاف کے علم و فضل سے فیض پانے کا اقرار نہیں کرتے۔ پس رونے کا مقام ہے کہ ایک ایسی باہمت اور عالی دماغ اور بلند حوصلہ قوم ایسی پست اور ذلیل اور ابتر حالت پر پہنچ جاوے کہ چاروں کے لڑکے لڑکیوں کے بچے اُن پر ہنسیں اور اُن کے دل و دماغ کو علوم کی تحصیل کے لایق نہ جانیں سچ ہے جو خدا نے فرمایا ہے تلک الایام نداولھا بین الناس کیسی قوم کیسی ہو جاوے۔

لیکن اِس ذلت و ادبار و جہالت کا سبب صرف تمہارا تعصب و تقلید ہے کوئی

کہتا ہے کہ انگریزی پڑھنا منع ہے۔ کوئی فرماتا ہے کہ علوم جدیدہ سیکھنا حرام ہے۔ کوئی اس خبط میں مبتلا ہے کہ انگریزی مدرسوں میں تعلیم لینے سے مذہب جاتا رہے گا۔ کوئی اس نشہ میں سرمست ہے کہ تحقیق کرنے اور پرانے خیالات کے چھوڑنے سے خرق اجماع کا الزام ہوگا۔ اگر حقیقت میں تمہارا مذہب ایسا ہی بودا اور ناپائدار ہے اور وہ تمہارے نزدیک ایک طلسم کا کارخانہ ہے تو کب تک تم بچاؤگے۔ آج نہیں کل۔ کل نہیں پرسوں وہ گرجاویگا اور ان نئے منتروں سے جو یہ بچے سیکھتے جاتے ہیں وہ طلسم درہم برہم ہوجاوے گا۔ مگر ہمارے نزدیک تو وہ ایک ایسا مضبوط قلعہ ہے جس کی بنیاد ہمالیہ پہاڑ کی چوٹی پر ہے کہ طوفان نوح سے بھی اُسے صدمہ نہ پہنچے گا اور علوم کی تحصیل اور حقایق اشیاء کی تحقیق سے اُس کا نور اور چمکیگا۔

اے میرے عزیزو۔ ذرا ہارون رشید اور خلفاء عباسیہ کے عہد دولت پر خیال کرو بلکہ کی علمی مجالسوں کو دیکھو کہ انھوں نے علم کی ترقی اور معقولات کی تحقیق میں کیا کیا کوششیں کیں اور اُنہوں نے اسی تحقیق کی بدولت اسلام کی کیسی عزت ظاہر کی۔ غزالی اور رازیؒ اور بوعلی اور فارابی اور حسنؔ کیسے کیسے نامور ہوئے کہ جن کا نام اب بھی غیر قوم کا کوئی محقق بغیر تعظیم کے نہیں لیتا۔ مگر افسوس ہزار افسوس کہ وہ لوگ مرگئے۔ اُن کی جگہ ہم پیدا ہوئے۔ ۵

حریفاں بادہا خوردند و رفتند ✤ تہی خمخانہا کردند و رفتند

لیکن اگر تم کہو کہ اب بھی تم اُن کی باتیں جانتے ہو اور اُنہیں کی تحقیقاتوں کو پڑھتے ہو تو یہ غلطی ہے۔ بہت سی باتوں میں فرق ہوگیا۔ بہت سی چیزیں پیدا ہوگئیں تحقیقات اعلےٰ درجہ پر پہنچ گئی۔ اکثر چیزوں کی غلطیاں کھل گئیں اگرچہ وہ اپنے زمانہ کے خیال کے لحاظ سے محقق تھے۔ مگر اب اُن کی تحقیقاتوں کے ماننے والے جاہل اور غلط ٹھہریں گے دیکھو بطلیموس کیسا بڑا حکیم تھا مگر اُس کا جغرافیہ دیکھو۔ اُس نے جو پرانی دنیا کا نقشہ کھینچا تھا اُسے ملاحظہ کرو اور اب کے جغرافیہ اور زمین کے کرہ سے ملاؤ تو کتنا فرق پاؤگے کہ اگر اس زمانہ میں کوئی ایسے جغرافیہ کو لکھے تو وہ احمق ٹھہرے مگر سب اُس نامور حکیم کی اُس تحقیقات کو اُس کی عالی دماغی کا نتیجہ سمجھتے ہیں پس تم جو اس خیال میں مبتلا ہو کہ علم اگلوں پر تمام ہوگیا۔ ساری تحقیقاتیں پرانے لوگ کرگئے۔ اب اُن کا

جاننا ہی منتہائے علم ہے یہ نادانی ہے۔ اس لیئے ذرا تم ان عامیانہ خیالات کو چھوڑو اور اپنی قوم کی جس کے ڈوبنے میں کچھ باقی نہیں رہا دستگیری کرو نہ کہ اور اُس کے غرق کرنے کی تدبیر کرو۔

بھلا انصاف سے اس کا جواب دو کہ تم عالم بھی ہو گئے فقیہ بھی بن گئے صدرہ شمس بازغہ پڑھ کر جامع معقول بھی مشہور ہو چکے مگر اب تم خود کیا کرو گے اور مدرسہ سے نکلنے کے بعد اپنی قوم کی کیا بھلائی کرو گے۔ میرے نزدیک تمہارا معقول تو اس کام کا بھی نہیں کہ کسی علمی جلسہ میں بیٹھکر بات سمجھنے کی بھی لیاقت اُس سے حاصل ہو جائے کسی صنعت و ہنر کے ایجاد کرنے کی توقع ہو یا کسی نئی تحقیقات کرنے کی اُمید ہو۔ ہاں اُس کا نتیجہ ہو سکتا ہے کہ جب تم اپنے مشرب کے چند نو عمر آدمی بیٹھو تو اُن کتابوں کے حواشی اور شرحوں اور زوائد لفظوں سے بحث کر کے چند ساعت اپنی عمر عزیز ضایع کرو رہا تمہارا منقول اُس کا یہ نتیجہ ہوگا کہ کسی مسجد میں جا کر قصہ گوئی کرو گے۔ جھوٹی جھوٹی باتیں دین کی کہہ کر نہایت ذلت اور مکر کے ساتھ روٹیاں کماؤ گے۔ دنیا کی بُرائی دنیا داروں سے نفرت کا وعظ کہکر کونجڑے قصائیوں کے سامنے اپنا دامن پھیلاؤ گے۔ شاذ و نادر ایسے لوگ نکلینگے جو سچا توکل کریں اور اپنے دل سے دنیا چھوڑ کر دیندار بنیں پس یہ نتیجہ تو تمہاری ذات کے لیئے ہوا۔ رہی قوم کی بھلائی۔ پس علم اور حکمت اور عقل کی ترقی کی تو تم سے کچھ اُمید نہیں۔ کیونکہ وہ آلہ ہی تمہارے پاس نہیں جس سے وہ کام ہو۔ ہاں دین کی ترقی کا تم خیال کر سکتے ہو۔ مگر میرے نزدیک سوائے اس کے کہ تعصب اور جہالت اور تقلید کی ترقی ہو تمہاری ذات سے اور کچھ امید نہیں۔ چند جہلا میں بیٹھکر شیخی کی باتیں کرو گے۔ اُن کے دلوں میں جو تعصب و تقلید کی آگ ہے اُسے اور مشتعل کرو گے نہ اخلاق میں تہذیب۔ نہ عادات میں اصلاح۔ نہ معاشرت کے طریقوں کی درستی۔ نہ چال چلن میں شایستگی کی تم سے توقع ہے۔ نہ غلط خیالات اور نہ بیہودہ اوہام کے دُور کرنے کی تم سے اُمید ہے کیونکہ تم نے خود ہی ایسی تعلیم نہیں پائی۔ دوسروں کو تم کیا تعلیم کرو گے۔

پس اے میرے بھائیو۔ جب تک کہ تم تعصب و تقلید نہ چھوڑو گے اور علوم جدیدہ کی تحصیل پر متوجہ نہ ہو گے تب تک تمہارا علم اور تمہارا جہل یکساں ہے۔

میں نے تمہاری بہت سامع خراشی کی اور شاید تم میں سے بعض کو نہایت غصہ دلایا۔ مگر الحق مرحق کہنے نے مجھے اس کہنے پر آمادہ کیا اگر یہ حالت تمہاری نہوتی تو مجھ سے ادنےٰ درجہ کے آدمیوں کو ایسی بڑی باتوں کی زبان سے نکالنے پر کب جرأت ہوتی خیر خدا رحم کرے اور ہماری قوم کے بیٹے بھی ترقی علم و دولت کی راہ کھولے۔

طعام اہل کتاب

محاکمہ مولوی سید احمد خاں کی کتاب طعام اہل کتاب

اور اُس کے جواب امداد الاحتساب پر

چند روز ہوئے کہ سید احمد خاں صاحب نے ایک کتاب بہ نسبت حلت طعام اہل کتاب اور جواز مواکلت اُن کی تالیف کی اور مولوی امداد العلی صاحب نے اُس کا جواب لکھا۔ مگر اب تک کسی شخص نے دونوں کتابوں کی نسبت نہ کوئی رائے ظاہر کی نہ اُن کے مضامین کی صحت و غلطی سے بحث فرمائی۔ اِس لیئے میں نہایت غور و تامل کے بعد اُن دونوں کتابوں کے خاص اہم مسایل کی نسبت اپنی رائے ظاہر کرتا ہوں اور جو کچھ میری ناقص سمجھ میں اُن میں غلطی و صحت ہے اُسے لکھتا ہوں۔

جس شخص نے سرسری نظر سے بھی دونوں کتابوں کو دیکھا ہے وہ سمجھ گیا ہوگا کہ دونوں کتابوں کی تالیف کا اصول مختلف ہے۔ سید صاحب نے اپنی کتاب کو بلا پابندی تقلید کے لکھا ہے اور اپنے اقوال پر کتاب و سنت سے استدلال کیا ہے نہ فقہی کتابوں اور فقہا کے قولوں پر۔ اور اگر کسی مقام پر کسی فقیہہ یا عالم کا قول نقل بھی کیا ہے تو صرف واسطے اطمینان خاطر مقلدین کے اور مولوی امداد العلی صاحب نے اپنے رسالہ کو اصول تقلید پر لکھا ہے اسی واسطے اپنے جواب میں اکثر فقہا اور علما کے فتاوے اور فقہی روایات سے استناد فرمایا ہے اور اپنے کلام کو بہت خوبی سے بند

اقوال علما مدلل کیا ہے۔ مگر مَیں اپنی رائے بہ نسبت خوبی اور عمدگی اُس اصول کے ظاہر کرتا ہوں جس کا سید صاحب نے التزام کیا ہے کیونکہ میرے نزدیک تقلید نہ تحقیق حق کے لیئے کافی ہے نہ بمقابل کتاب و سنت کے کسی کا قول ماننے کے لائق ہے۔ مگر چونکہ ہمارے بھائیوں کے نزدیک دنیا میں اب کوئی ایسا آدمی ہی نہیں ہے جو کتاب و سنت سے کسی مسئلہ کا استنباط کر سکے یا اُس کے معنی تک سمجھ سکے بلکہ مبداء فیاض کا فیض ہی اُن کے نزدیک اگلے لوگوں پر تمام ہو چکا۔ اس لیئے اُن کے سمجھانے اور مطمئن کرنے کے لیئے اگلی کتابوں اور پرانے عالموں کے اقوال جو مطابق کتاب و سنت کے ہوں نقل کرنا اور اپنے کلام کی تائید و تقویت میں اُسے بیان کرنا فائدہ سے خالی نہیں سمجھا چنانچہ میں نے اپنے اس محاکمہ میں اسی اصول کا لحاظ کیا ہے۔

مَیں دونوں کتابوں کے کل مسائل سے بحث نہیں کرتا بلکہ صرف انہیں باتوں سے جو نہایت ضروری اور اہم ہیں اور نہ اُن غلطیوں پر کچھ توجہ کرتا ہوں جو متعلق اُن خاص مسئلوں کے نہیں ہیں جن کی تحقیق منظور ہے کیونکہ میری غرض اس محاکمہ سے نہ مناظرہ ہے نہ مجادلہ نہ تردید کسی کی بلکہ صرف حق کا ظاہر کرنا ہے اور چونکہ ایک زمانہ ایسا مجھ پر گذرا ہے کہ مَیں سید صاحب کی تحریر پر معترض اور اُن کی تالیف کی تردید کرتا تھا اسلیئے میں اپنے اوپر واجب سمجھتا ہوں کہ مَیں اپنی سچی رائے کو جو اب ہے ظاہر کروں اور ایک غلط بات کی پیروی کرنے پر جہل مرکب کی بیماری میں مبتلا رہنے سے بچوں۔

مَیں اول جواز و عدم جواز طعام اہل کتاب سے بحث کرتا ہوں پھر مواکلت سے ساتھ اہل کتاب کے بحث کروں گا۔

سید احمد خاں صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۴ میں ایک حدیث ترمذی سے نقل کی ہے کہ ایک شخص نے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے بہ نسبت طعام نصاریٰ کے سوال کیا آپ نے فرمایا کہ لا يتخلجن في صدرك طعام ضارعت فيه النصرانية کہ نہ خلجان میں ڈالے تیرے دل کو کوئی کھانا کیا مشابہ ہو گیا تو نصرانی لوگوں کے۔ اور ترمذی نے اس حدیث کو نقل کر کے لکھا ہے کہ والعمل على هذا عند اهل العلم من الرخصة في طعام اهل الكتاب۔ کہ عمل ہے اس حدیث پر اہل علم کے نزدیک رخصت اور جواز میں کھانے اہل کتاب کے۔

مولوی امداد العلی صاحب بہادر اپنی کتاب کے صفحہ ۵۱ میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ترمذی گرچہ رخصت طعام اہل کتاب کی سمجھتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس حدیث میں منع ہے کھانے طعام نصاریٰ سے بسبب مشابہت کے ساتھ نصرانیت کے۔ پس ترجمہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا یہ ہے کہ نہ تجھے تیرے دل میں ساتھ شک کے حرمت اُس طعام کی کہ مشابہ ہوتا ہو تو اُس میں نصرانیت کے اور اپنے اس قول کی تائید میں سیوطی اور ابو الطیب کے دو قول اور مجمع البحار کی ایک عبارت نقل کی ہے۔

میری رائے میں سید صاحب کی رائے صواب پر اور مولوی صاحب کی رائے غلطی پر ہے چند وجوہ سے۔

پہلی وجہ۔ اگر اس حدیث سے حرمت طعام اہل کتاب ثابت ہو تو وہ مخالف ہوتی ہے نص قرآنی کے جو اہل کتاب کے طعام کی حلت میں نازل ہوئی ہے یعنی آیۃ طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم۔

دوسری وجہ۔ چونکہ مشرکین اور بت پرستوں کا کھانا بھی حرام نہیں ہے پس اہل کتاب کے کھانے کی حرمت کی کوئی وجہ نہیں رہی حلت طعام مشرکین و اہل کتاب کی وہ اگلے لوگوں میں ایسے مشہور اور صاف تھی کہ آیت مذکورہ میں طعام کے معنی ذبیحہ کے اسی لیئے لیئے گئے ہیں کہ تخصیص اہل کتاب کی ثابت ہو اور کلام الٰہی کا نزول عبث اور بیفائدہ نہ ٹھہرے اگر مقلدین کو الفاظ آیت اور حدیث سے حلت میں طعام اہل کتاب کے شبہ ہو تو وہ مفسرین اور محدثین کے قولوں پر رجوع کریں اور اُن اقوال کو جو سید صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۳ اور ۱۴ میں نقل کیئے ہیں ملاحظہ فرماویں تاکہ طعام اہل کتاب کے حلال ہونے میں کچھ شبہ نہ رہے بلکہ خود مولوی امداد العلی صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۴۶ میں جہاں آیۃ طعام الذین اوتوا الکتاب سے بحث کی ہے صاف لکھدیا ہے کہ "ہاں اس قدر البتہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ طعام اہل کتاب کا کھانا اور اُن کو اپنا کھلانا جایز ہے" پس جبکہ آیت سے طعام اہل کتاب کا حلال ہونا مولوی صاحب نے قبول فرمایا تو پھر اس حدیث میں اُن سیدھے اور صاف معنوں سے جو بہ نسبت حلت اور جواز طعام کے ہیں عدول کرنے کی کچھ ضرورت نہ تھی مگر ہاں شاید اس حدیث سے اُس کھانے کی حرمت مراد ہو جس سے مشابہت نصاریٰ کی پائی جاوے اور جو کھانا صرف

اُنہیں سے مخصوص ہو تاکہ مسلمان من تشبہ بقوم فھو منھم کی وعید میں داخل نہوں لیکن کیا خوب ہوتا اگر مولانا صاحب اُس طعام کی کچھ تھوڑی سی تفصیل بھی فرما دیتے تاکہ معلوم ہو جاتا کہ کس کھانے میں تشبہ جن کا ہے - اور کس میں نہیں -

تیسری وجہ - اسی حدیث کو جسے ترمذی سے سید صاحب نے نقل کیا ہے ابو داؤد نے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے اور جس باب میں اُسے لکھا ہے اُس باب کے عنوان پر یہ تحریر کیا ہے باب کراھیۃ التقذر للطعام یعنی باب مکروہ ہونے میں گھن کرنے سے کھانے میں لیکن اگر اس حدیث کے وہ معنی ہوتے جو مولوی صاحب نے فرمائے تو ابو داؤد کو یہ لکھنا مناسب ہوتا کہ باب مکروہ یا حرام ہونے میں طعام نصاری کے -

چوتھی وجہ - اس حدیث کو جس طرح سے ابو داؤد نے روایت کیا ہے اُس کے الفاظ یہ ہیں وسألہ رجل فقال ان من الطعام طعاما اتحرج منہ فقال لا یتخلجن فی نفسک شئ اور اس سے حلت طعام ثابت ہوتی ہے - کیونکہ جب پوچھنے والے نے اپنے وسواس اور کراہیت کو بیان کیا اور اُس کے جواب میں پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ کچھ شک نہ کر تو یہ فرمانا صاف حلت طعام پر اور منع کرنے وسواس پر دلالت کرتا ہے نہ اُس کی حرمت پر اور اگر اسی سوال کے جواب میں ان لفظوں سے حرمت کے معنی مراد لیئے جاویں اور نبی کے کلام مبین کی ایسی تفسیر کیجاوے تو اُس میں اور تحریف میں کیا فرق ہوگا -

پانچویں وجہ - واسطے اطمینان خاطر مقلدین کے مَیں چند عالموں کے قولوں کو بھی نقل کرتا ہوں تاکہ اُس سے بھی حلت طعام اور منع وسواس ثابت ہو جاوے -

مجمع البحار میں لکھا ہے - قولہ - لا یتخلجن ای لا یتحرک فیہ شئ من الشک ویروی بالحاء المھملۃ واصل الاختلاج الحرکۃ والاضطراب قولہ ضارعت ای شابھت النصرانیۃ والرھبانیۃ فی تضیقھم وتشدیدھم وکیف وانت علی الحنیفۃ السھلۃ یعنی نہ آوے تیرے دل میں کچھ شک اور اختلاج نہ ہووے تجھے یعنی حرکت اور اضطراب کیا تو مشابہ ہوگا نصرانیوں اور رہبانیوں کے اپنے اوپر تنگی کرنے اور تشدد کرنے میں اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے کیونکہ تو ایسے دین پر ہے جو سیدھا اور آسان ہے -

فتح الودود میں نقلاً عن الطیبی لکھا ہے کہ جملہ ضارعت جواب شرط محذوف ای ان شککت شابہت فیہ الرہبانیۃ والجملۃ الشرطیۃ مستانفۃ لبیان سبب النہی والمعنی لایدخل فی قلبک ضیق وحرج لانک علی الحنیفیۃ السہلۃ فاذا شککت وشددت علی نفسک بمثل ہذا شابہت فیہ الرہبانیۃ یعنی ضارعت جواب ہے شرط محذوف کا اور معنی اس جملہ کے یہ ہیں کہ اگر تو شک کرے گا تو مشابہ ہوگا رہبانیت کے اور جملہ شرطیہ واسطے بیان سبب نہی کے ہے اور معنی یہ ہیں کہ نہ آوے تیرے دل میں کچھ تنگی اور شک کیونکہ تو ایسے دین پر ہے جو سیدھا اور آسان ہے پس اگر تو شک کرے گا اور اپنے اوپر سختی اور شدت روا رکھیگا ایسی باتوں میں تو مشابہ ہوگا تو رہبانیت کے فقط اور چونکہ نصاری میں رہبانیت جاری تھی اور رہبان حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیتے تھے اور اُسے نیکی اور عبادت جانتے تھے اور ہر بات میں شک و شبہ کرنے کو زہد سمجھتے تھے اور چونکہ حضرت نے اپنے دین میں ایسے تشدد اور وسواس کو منع کر دیا اس لیئے شک کرنے کو حلت میں طعام اہل کتاب کے رہبانیت سے مشابہ فرمایا۔

مرقات شرح مشکوۃ میں لکھا ہے کہ قولہ لا یتخلجن معناہ بالمہملۃ لایدخل فی قلبک فیہ شیٔ فانہ مباح وبالمعجمۃ لا یتحرکن فی قلبک الشک ۔

غرض کہ ہمارے نزدیک جواز طعام اہل کتاب میں ازروئے قرآن وحدیث کے کچھ کلام نہیں رہا۔ یہ امر کہ اہل کتاب سے وہی یہود و نصاریٰ مراد ہیں جو اپنے تیئں ملت موسوی اور مذہب عیسوی کا معتقد کہتے ہیں یا نہیں چنانچہ سید احمد خاں صاحب اپنی کتاب کے صفحہ ۷ میں اسی امر کے مدعی ہیں مگر مولوی امداد العلی خاں صاحب اپنی کتاب کے صفحہ ۵۵ - اور صفحہ ۴۶ میں اس کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ مراد اس آیت میں وہ اہل کتاب ہیں کہ جن کی عادت تسمیہ کی وقت ذبح کے تھی وہ موحدین یہود و نصاریٰ میں سے تھے۔

میرے نزدیک ثابت کرنا اس امر کا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض نصاریٰ کی عادت تسمیہ کی وقت ذبح کے تھی اور وہ موحدین سے تھے اور بعض کی عادت تسمیہ کی نہ تھی اور وہ مشرکین سے تھے ایسا مشکل ہے کہ سوائے دعوی

کہنے کے شاید کوئی عالم اسکو ثابت نہیں کرسکتا کیونکہ کوئی فرقہ نصاریٰ کا ایسا نہ تھا اور نہ ہے کہ جس میں تسمیہ اور غیر تسمیہ کی عادت کا وقت ذبح کے اختلاف ہو۔

یہ خیال کرنا کہ نصاریٰ بہ سبب اعتقاد مسئلہ تثلیث کے مشرکین میں ہیں اور اس لیے ذبیحہ اُن کا ناجائز ہے غلطی ہے کیونکہ وہ مدعی توحید ہیں اور جو کہ مدعی توحید ہو اُس پر اطلاق شرک نہیں ہوسکتا۔ علماء حنفیہ کے کلام سے بھی ایسا ہی ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ ہدایہ کی کتاب الذبائح میں لکھا ہے ومن شرطہ ان یکون الذابح صاحب ملۃ التوحید اما اعتقاداً کالمسلم او دعوی کالکتابي۔ اور کفایہ خوارزمی میں اُس کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ فانہ یدعي التوحید پس ظاہر ہوا کہ جو شخص مدعی توحید ہو مثل یہود و نصاریٰ کے اُس کا ذبیحہ ویسا ہی جائز ہے جو کہ موحد ہو اعتقاداً پھر اس کی تائید صاحب ہدایہ کے دوسرے قول سے ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ وذبیحۃ الکتابي والمسلم حلال لما تلونا ولقولہ تعالی وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم واطلاق الکتابي ینتظم الکتابي الذمي والحربي والعربي والتغلبي لان الشرط قیام الملۃ علی ما مر اس سے ظاہر ہے کہ کتابی کا اطلاق سب اہل کتاب پر ہے خواہ وہ ذمی ہوں یا حربی عربی ہوں یا تغلبی اور اُن کا ذبیحہ جائز ہے کیونکہ قیام ملت واسطے جواز ذبح کے شرط ہے اور پھر صاحب ہدایہ لکھتے ہیں۔ کہ لا توکل ذبیحۃ المجوسي لانہ لا یدعي التوحید فانعدمت الملۃ اعتقادا ودعوی کہ ذبیحہ مجوسی کا کھانا جائز نہیں کیونکہ وہ توحید کا دعویٰ نہیں کرتا پس ملت معدوم ہے اعتقاداً اور نیز دعویٰ۔ اور اُس کی تائید عینی شرح صحیح بخاری کے قول سے بھی ہوتی ہے فقال ھذہ الآیۃ في معرض استدلال علی جواز کل ذبائح اھل الکتاب من الیھود والنصاری من اھل العرب وغیرہ لان المراد من قولہ تعالی ذبائحھم بہ قال ابن عباس و ابوامامۃ ومجاھد وسعید بن جبیر وعکرمہ وعطاء والحسن والمکحول وابراھیم النخعي والسدي ومقاتل ابن حبان وھذا امر مجمع علیہ بین العلماء ان ذبائحھم حلال للمسلمین لانھم لا یعتقدون الذبائح لغیر اللہ تعالی ولا یذکرون علی ذبائحھم الا اسم اللہ وان اعتقدوا فیہ ما ھو منزہ عنہ۔ اگرچہ حلت ذبیحہ اہل کتاب میں کوئی شبہ نہیں ہے لیکن اگر تسمیہ اور عدم تسمیہ پر وقت ذبح کے لحاظ کیا جاوے تو ابوداؤد کی حدیث پر رجوع کرنا چاہیئے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حکم تسمیہ وقت ذبح کے

اہل کتاب سے متعلق نہیں ہے چنانچہ وہ حدیث ابن عباس کی ابوداؤد سے سید احمد خان صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۷ میں نقل کی ہے۔ قال فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ فنسخ واستثنی من ذلک فقال طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم وطعامکم حل لہم یعنی یہ آیت کہ نہ کھاؤ تم اُس چیز سے کہ جس پر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو منسوخ ہوئی اور کھانا اہل کتاب کا بوجب آیت طعام الذین اوتوا الکتاب کے مستثنیٰ ہوگیا۔ مولوی امداد العلی صاحب بھی اپنی کتاب کے صفحہ ۱۹ میں اس حدیث کی نسبت لکھتے ہیں کہ اس قول ابن عباس سے یہ نہیں نکلتا ہے کہ اہل کتاب کے ذبح میں موافقت بارے قواعد ذبح کی شرط نہیں ہے کہ ذابح کتابی ہو یا مسلم جیسا کہ مذہب ابن عباس کا ہے کہ متروک التسمیہ مطلقاً عمداً ہو یا سہواً اُن کے نزدیک حلال ہے اگرچہ بعد اس کے مولوی امداد العلی صاحب نے عمداً متروک التسمیہ کی حرمت ثابت کی ہے لیکن اس قول کو حضرت ابن عباس کے تسلیم کیا ہے۔ اب ہم اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ ایک جماعت عام صحابہ وتابعین کی آیۃ لا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ کے منسوخ ہونے کی قایل ہے جیسا کہ تفسیر ابن الکمال میں لکھا ہے وروی عن ابی الدرداء وعبادۃ ابن الصامت وجماعۃ من التابعین انہا منسوخۃ لقولہ تعالیٰ وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم واجازوا ذبایح اہل الکتاب وان لم یذکر اسم اللہ علیہ ولا نسمی ذلک نسخا بل ھو تخصیص اور روایت خطابی سے شرح سنن ابوداؤد میں ذیل حدیث حضرت عائشہ کے عدم شرط ہونا تسمیہ کا ثابت ہوتا ہے کما قیل فیہ دلیل علی ان التسمیۃ غیر شرط علی الذبیحۃ لانہا لو کانت شرطا لم تبح الذبیحۃ بالامر المشکوک فیہ ۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ترک تسمیہ سے عمداً ہو یا سہواً حرمت ذبیحہ نہیں ہوتی۔ وہ دو دلیلیں بیان کرتے ہیں۔ اوّل ایک حدیث پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی جسے صاحب ہدایہ نے نقل کیا ہے المسلم یذبح علی اسم اللہ تعالیٰ سمی اولم یسم کہ مسلمان خدا ہی کے نام پر ذبح کرتا ہے خواہ اُس نے وقت ذبح کے تسمیہ کیا ہو یا نہ کیا ہو دوسرے ترک تسمیہ کا سہواً باعث حرمت ذبیحہ نہونا اسپر دلالت کرتا ہے کہ تسمیہ حلت ذبیحہ کے لیئے شرط نہیں۔ جیسا کہ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے ولان التسمیۃ لو کانت شرطا

للحل لما سقطت بعذر النسیان کالطہارۃ فی باب الصلوٰۃ ولو کانت شرطا فالملۃ اقیمت مقامہا کما فی الناسی کہ اگر تسمیہ واسطے حلت ذبیحہ کے شرط ہوتا تو وہ شرط بعذر بھول کے ساقط نہوتی جیسے کہ طہارت نماز کے لیئے ہے اور اگر تسمیہ شرط بھی ہو تو ملت اور مذہب ہی قائمقام تسمیہ کے ہے جیسے تسمیہ کے بھولنے والے کے ذبیحہ کی نسبت سمجھا گیا ہے پس موافق قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بھی تسمیہ شرط ذبیحہ نہیں اور غیر مقلدین کو ہر مسئلہ میں تقلید کسی امام کی لازم نہیں پس کہ تسمیہ کو شرط ذبیحہ نہ ماننے سے زیادہ اُس سے کوئی الزام نہیں دے سکتا۔ جیسا کہ امام شافعیؒ یا اُن کے مقلدین کی نسبت دیا جا سکتا ہے۔

سید صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۷ میں حدیث ابوداؤد کی سند پر جو اوپر مذکور ہوئی یہ لکھا ہے کہ اگر اہل کتاب کسی جانور کی گردن توڑ کر مار ڈالنا یا سر پھاڑ کر مار ڈالنا زکوٰۃ سمجھتے ہیں تو ہم مسلمانوں کو اُسی کا کھانا درست ہے۔ اس کے جواب میں مولوی امداد العلی صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۶۲ میں لکھا ہے کہ اس روایت سے صرف یہ نکلتا ہے کہ تسمیہ ذبح میں شرط نہیں ہے ہمارے نزدیک اس مسئلہ میں سید احمد خاں صاحب نے بڑی غلطی کی ہے کیونکہ جو دعویٰ اُنھوں نے کیا ہے وہ اس روایت سے ثابت نہیں ہوتا اور کتابی کا ذبیحہ بلا تسمیہ کے جائز ہونے کے سوائے اس قول سے اور کچھ نہیں نکلتا اور چونکہ منخنقہ کی حرمت صراحتہ ایک دوسری آیت محکم سے ثابت ہے اور اُس کی تخصیص یا تنسیخ کسی دوسری آیت سے نہیں ہوتی تو تعجب ہے کہ کیونکر اُنھوں نے اس روایت سے یہ خیال کیا کہ اہل کتاب کا گردن مروڑ کر مار ڈالنا بھی ذبیحہ میں داخل ہے اور جو قول ابن عربی وغیرہ کا اُنھوں نے نقل کیا ہے وہ ایک عالم کی رائے[1] ہے جو قرآن و حدیث کے ظاہری الفاظ سے مخالف ہے اس لیئے ہمکو اُسپر کچھ اعتبار نہیں۔

پھر سید صاحب اپنی کتاب کے صفحہ ۲۴ میں لکھتے ہیں کہ طعام اہل کتاب میں ہمکو تفتیش اس بات کی کرنی کہ کس نے ذبح کیا اور کیونکر ذبح ہوا ہے کچھ حاجت نہیں۔ بجواب اُس کے

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں سید احمد خاں صاحب منفرد نہیں ہیں بلکہ بعض علماء متقدمین نے بھی اُس کو حلال سمجھا ہے۔ ۱۲ مہتمم

مولوی امداد العلی صاحب اپنی کتاب کے صفحہ ۹ میں لکھتے ہیں کہ جب نصاریٰ ہمارے ملک کے ذبح نہیں کرتے اور کسی جانور کا گوشت ہو اور کسی کا مارا ہوا کھا لیتے ہیں تو اہل اسلام کو جب اُن کے یہاں کا گوشت پکا یا کچا سامنے آوے تفتیش اُس کی بہت ضرور ہے ہمارے نزدیک اس میں بھی رائے سید احمد خاں صاحب کی خطا پر ہے۔ اُن کو سوچنا چاہیے تھا کہ بوجہ مشرکین کا ذبیحہ حرام ہے اور اکثر مشرکین مثل چمار وغیرہ کے باورچی انگریزوں کے ہوتے ہیں اور پرند جانوروں کو وہی باورچی گردن مروڑ کر مار ڈالتے ہیں تو بغیر تفتیش کے ایسے پرند جانوروں کا کھا لینا گویا چماروں کے ہاتھ کے گردن مروڑی ہوئے جانور کا کھا لینا ہے۔ اگر حسن ظن پر خیال کیا جائے تو یہ اُس وقت ہو سکتا تھا جب کہ انگریزوں کا تعامل مسلمانوں سے ذبح کرانے یا خود ذبح کرنے کا ہوتا برتاؤ اُن کا بالکل برخلاف اس کے ہے تو ایسی صورت میں کوئی وجہ حسن ظن کی نہیں۔ لیکن مجھ سے جب سید صاحب سے زبانی گفتگو ہوئی تو انہوں نے کہا کہ میں جب جانتا ہوں کہ باورچی کسی انگریز کا ہندو ہے تو ضرور ذبیحہ کی تحقیق کر لیتا ہوں ہاں جہاں یہ معلوم ہے کہ باورچی مسلمان ہے وہاں تحقیق نہیں کرتا۔

سید احمد خاں صاحب اپنی کتاب کے صفحہ ۲۵ میں لکھتے ہیں کہ اگر ہم کو بہت احتیاط ہو تو اہل کتاب سے پوچھ لینا چاہیے کہ یہ ذبح کیا ہوا ہے یا نہیں۔ مگر مولوی امداد العلی خاں صاحب اپنی کتاب کے صفحہ ۶۰ میں لکھتے ہیں کہ اہل کتاب کے قول کے معتبر ہونے میں اختلاف ہے۔ میرے نزدیک اول تو اہل کتاب کے قول کے معتبر ہونے میں شبہ کرنا اُس وقت چاہیے تھا جبکہ جھوٹھ بولنا اُن کی شریعت میں یا اُن کے نزدیک جائز ہوتا وادلیس فلیس اور ظاہر کوئی وجہ بھی معلوم نہیں ہوتی کہ وہ غیر ذبیحہ کی نسبت کسی مسلم سے ذبیحہ ہونا اُس کا کہدیں۔ دوسرے فقہا کے کلام سے بھی ایسا ہی ثابت ہوتا ہے جیسا کہ ہدایہ میں لکھا ہے کہ من ارسل اجیراله مجوسیا او خادما فاشتری لحما فقال اشتریته من یهودی او نصرانی او مسلم وسعه اکله پس مجوسی مشرک کا یہ کہدینا کہ میں نے گوشت یہودی یا نصرانی یا مسلم سے لیا ہے واسطے کھانے اُس گوشت کے کافی ہے۔ پس خود اہل کتاب کا قول کیونکر لائق اعتبار کے نہ ہوگا اور نوازل میں لکھا ہے کہ سئل ابو مطیع عن نصرانی دعی رجلا الی طعام وقال اشتریت اللحم من السوق اناکله قال ابو مطیع سالت

ابن ابی عروۃ عن ذالک قال کل وکذالک قال مقاتل ابن حبان اما اصحابنا فانہم قالوا لا ناکل حتی نریہ انہ قد ذبح ۔ یعنی کسی نے ابو طیح سے پوچھا کہ اگر ایک نصرانی کسی کی دعوت کرے اور کھانے کو بلائے اور یہ کہے کہ میں نے گوشت بازار سے مول لیا ہے تو ہم اُسے کھا دیں ۔ ابو طیح کہتے ہیں کہ میں نے ابی عروہ سے پوچھا انہوں نے کھانے کی اجازت دی اور ایسا ہی کہا مقاتل ابن حبان نے لیکن ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ ہم نہ کھاویں گے جب تک نہ دیکھ لیں کہ اُس نے ذبح کیا ہے پس اس روایت سے ابو طیح اور ابن ابی عروہ اور مقاتل بن حبان کے نزدیک نصاریٰ کے گھر کا گوشت کھانا صرف اس کہنے پر کہ اُس نے بازار سے مول لیا ہے جائز ہے بغیر اس کے کہ اُس کا ذبیحہ خود اُس نے کیا ہو اور مسلمان نے دیکھا ہو لیکن جب اہل کتاب ذبح کا ہونا خود بیان کرے تو اُسکی تکذیب کی کوئی وجہ نہیں۔

دوسری بحث بہ نسبت مواکلت کے

سید احمد خان صاحب نے مواکلت کو ساتھ اہل کتاب کے جائز قرار دیا ہے اور مولوی صاحب نے اُسے نہ صرف ممنوع اور حرام ٹھہرایا ہے بلکہ نسبت کفر کی اُس کے مرتکب کی طرف ہے اور بہت سی وجوہ حرمت کی بیان کی ہیں ۔ مگر جتنی وجوہ حرمت کی بیان کی گئی ہیں وہ سب ایسی ہیں کہ جن کا نقل کرنا اور رد کرنا بھی فضول ہے کیونکہ اُن سے صرف مواکلت اہل کتاب کی حرمت ثابت نہیں ہوتی بلکہ سوائے اعلیٰ درجہ کے متقی پرہیزگاروں کے اور سب مسلمانوں کے ساتھ کھانا کھانا بھی حرام اور ممنوع ہوتا ہے اور اہل کتاب سے ملنا ۔ اُن کی تعظیم کرنا اُن کی نوکری کرنا بھی نہ صرف حرام بلکہ قریب بکفر ہو جاتا ہے لیکن جب ہم میں سے اکثر مسلمان ہیں جو غیر متقی مسلمانوں کی صحبت سے نفرت نہیں کرتے اور مشرکین اور بت پرستوں کے اختلاط و ارتباط دوستانہ سے باز نہیں رہتے اور انہیں اہل کتاب کے ساتھ جن کی

لہ مسلم ہر ذبیحہ کھلانے والے نصرانی کو نصرانی کہنا جہالت کی بات ہے ۔ اس سے جو شبہ گناہ کا ہو تو اسے کہنے والا توبہ کرے ۔ (فتویٰ مولوی سعد اللہ مفتی رامپوری)

مواکلت کو حرام بتاتے ہیں اس ادب اور تعظیم سے پیش آتے ہیں کہ ایک ادنے درجہ کا
خانہ زاد غلام اپنے اعلےٰ مرتبہ کے آقا کے سامنے بھی اس تذلل سے پیش آوے گا
اور پھر نہ صرف عوام اور جاہل اس میں مبتلا ہیں بلکہ بڑے بڑے جناب مولانا و سیدنا
و قبلہ و کعبہ ادنیٰ درجہ کے انگریزوں کی رضا کے خدا کی رضا سے زیادہ طالب ہیں
اور خلاف ما انزل اللہ الیہ کے احکام صادر کرکے اُن سے ترقی دنیا کی خواہش
کرتے ہیں اور پھر اُن میں سے نہ کوئی فرشتہ بنتا ہے نہ کرشان تو پھر وہ شخص جو
انگریزوں کے ساتھ بہ دعوی مساوات کھانا کھاوے کیونکر کافر و کرشان ہوگا
ذالک ظن الذین لا یعقلون -

جہاں تک میں غور کرتا ہوں مولوی صاحب نے بہت مبالغہ کیا ہے اور حد سے
زیادہ تشدد فرمایا ہے شاید مولوی صاحب نے جواب ترکی بہ ترکی کے مضمون پر عمل
کیا ہے کہ جب سید صاحب نے انگریزوں کے کھانے کو بلا تحقیق و تفتیش جائز کردیا
اور اہل کتاب کی گردن مروڑی ہوئی مرغی کو بھی حلال ٹھہرا دیا تو اُس کا جواب یہی ہے
کہ انگریزوں کا کھانا اور اُن کے ساتھ کھا لینا نہ صرف مکروہ اور خلاف تقویٰ ٹھہرایا
جاوے بلکہ ممنوع اور حرام اور قریب کفر کردیا جاوے ورنہ جو شخص ذرا بھی انصاف
کرے گا اور اصول شریعت کو غور سے دیکھیگا وہ ہرگز نہ کہے گا کہ مسلمانوں کا مذہب
کھانے پینے میں ہندوؤں کا سا ہے یا اُن کی طرح چھوت و پرہیز کا قاعدہ اُن میں بھی
جاری ہے کہ کسی کے ساتھ کھا پینے یا کسی کے گھر کے کھانا کھا لینے سے دین جاتا
رہتا ہے نعوذ باللہ من ذالک - اگر مولوی صاحب اسی پر قناعت فرماتے کہ انگریزوں
کے ساتھ کھانا کھانا بغیر تحقیق و تفتیش طعام کے مکروہ اور بعد تحقیق بھی خلاف تقویٰ ہے
تو بعض منصف مزاج سکوت کر جاتے مگر انہوں نے تو اس قدر مبالغہ کیا کہ مواکلت کا مرتبہ
شرک باللہ و انکار نبوت بنا دیا پس سوائے اُن لوگوں کے جو رسموں میں ہندوؤں کے
معتقد ہو گئے ہیں اور چھوت و پرہیز میں اُن کی طرح کفر و اسلام کا اطلاق فرمانے لگے
ہیں کوئی دانشمند سمجھدار آدمی تو اس بات کو نہ مانے گا ؀

ان باتوں سے قطع نظر کرکے اگر ہم عمل پر مسلمانوں کے نظر کریں تو یہی ثابت ہوتا ہے
کہ نہ اگلے زمانہ میں احتراز مواکلت سے تھا اور نہ اب اکثر ملک کے مسلمان محترز ہیں چنانچہ

ہم نے کتاب اغاثۃ اللہفان سے ایک روایت نقل کرکے اُسے دکھا دیا ہے کہ اصحاب نبی نے ایک رومن کیتھلک عیسائی کی دعوت قبول کی اور اُس کے عبادت خانہ میں جاکر اُس کا کھانا کھایا اور نوازل میں جو لکھا ہوا ہے کہ سئل ابو مطیع عن نصرانی دعا رجلا الی طعام وقال اشتریت اللحم من السوق اناکلہ قال ابو مطیع سألت ابن ابی عروۃ عن ذلک قال کل وکذلک قال مقاتل ابن حبان۔ کہ کسی نے ابو مطیع سے پوچھا کہ اگر کوئی نصرانی ہماری دعوت کرے اور کھانے پر بلا وے اور کہے کہ میں نے گوشت بازار سے مول لیا ہے تو ہم کھا دیں یا نہ کھاویں تو انہوں نے ابن ابی عروہ سے پوچھا اُنہوں نے اجازت دی پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ دعوت قبول کرنا نصرانی کی جائز ہے اور اُس کے کہہ دینے پر کہ گوشت بازار کا خریدا ہوا ہے گوشت کا کھانا بھی درست ہے پس اگر اُن کی دعوت قبول کرنا درست نہوتا تو یہی جواب کافی ہوتا کہ اُن کی دعوت کی اجابت ہے حرام اور کفر ہے نہ کہ اُن کے گھر کا پکا ہوا گوشت کھانا اور اُن کے قول کو دیانات میں معتبر جاننا۔

سب سے زیادہ تصریح جواز مواکلت کی سیرت سلطان صلاح الدین سے ہوتی ہے جو تالیف بن عباس کی ہے اور جس میں خود اُس نے اپنی آنکھ دیکھی ہوئی باتوں کو لکھا ہے کہ اُس نے اُس کتاب میں چند مقام پر لکھا ہے کہ سلطان صلاح الدین نے عیسائی بادشاہوں کو اپنے ساتھ کھانا کھلایا اور اُن کی تعظیم و تکریم کی حالانکہ اُس بادشاہ کی سطوت اور صلابت مشہور ہے اور بیت المقدس کا فتح کرنا اُس کے اسلام کی اب تک ایک بڑی نشانی موجود ہے میں اُس کتاب سے دو نقلیں کرتا ہوں جس کسی کو زیادہ اس سے دیکھنا منظور ہو وہ اصل کتاب کو دیکھے۔ صفحہ ۲ میں اُس کتاب کے یہ لکھا ہے۔

ولقد رأیتہ وقد دخل علیہ صاحب صیدا بالناصرۃ فاحترمہ واکرمہ و اکل معہ الطعام ومع ذلک عرض علیہ السلام فذکر لہ طرفاً من محاسنہ وحثہ علیہ یعنی میں نے خود دیکھا کہ سلطان صلاح الدین کے پاس امیر صیدا آیا تو سلطان نے اُس کا احترام اور اکرام کیا اور اُس کے ساتھ کھانا کھایا اور پھر باوجود اس کے خوبیاں اسلام کی اُس کے سامنے بیان کیں اور مسلمان ہونے پر اُسے برانگیختہ کیا اور پھر صفحہ ۹ میں لکھا ہے کہ صاحب التشفیق یرے مینیتیق معہ علم السلامۃ

فرأى ان اصلاح حاله معه قد تعين طريقا الى سلامته فنزل بنفسه وما شعروا
به الا وهو قائم على باب خيمة السلطان فاذن له فدخل فاحترمه واكرمه وكان
من كبار الفرنجية وعقلائها وكان يعرف بالعربية فحضر بين يدي السلطان
واكل معه الطعام - خلاصہ یہ ہے کہ والی شفیق جو بڑے امیروں اور دانشمندوں سے
انگریزوں کے تھا سلطان کے پاس آیا تو سلطان نے اُس کی تعظیم و تکریم کی اور اُس کو
اپنے ساتھ کھانا کھلایا - یہ چال تو اگلے لوگوں کا تھا اور اب روم کے سلطان اور اُن کے
علما و فضلا کا حال ظاہر ہے کچھ پوشیدہ نہیں کہ شاہ فرانس اور ملکہ انگلستان کے مہمان ہوئے
اور خوب دعوتیں لیں اور خوب کھانے کھائے اور کسی نے علما مکہ یا فقہاء مدینہ میں سے
اُن کے کفر و ارتداد کا فتویٰ نہ دیا۔

جہاں تک میں نے سوچا اور غور کیا مجھے نفس مواکلت کے جواز میں کچھ شبہ
نہیں یعنی اگر اہل کتاب ہمارے یہاں آکر ہمارے ساتھ کھانا کھاویں تو یہ مواکلت بلاشبہ
جائز ہے اور اگر ہم اُن کے یہاں جاویں اور اُن کے گوشت کا ذبح کیا ہوا ہونا ثابت
ہوجاوے اور شراب و سؤر نہ ہووے تو بھی اس مواکلت میں کچھ کلام نہیں اور اگر
گوشت کا ذبیحہ نہ ہونا ثابت ہوجاوے تو اُس گوشت کی حرمت میں کچھ شک نہیں اور
اگر شراب و سؤر بھی اُس میز پر ہووے تو وہ شرکت اور مواکلت کراہت سے خالی
نہیں اس سے زیادہ جو کوئی کچھ کہے وہ افراط و تفریط اور عناد و تعصب ہے - واللہ
اعلم بالصواب ٭

عزت

عزت ایک اچھا خیال ہے جو انسان کی خود اختیاری اچھی حالتوں کے سبب سے
اُس کی بڑائی کی نسبت دل میں پیدا ہوتا ہے عام اس سے کہ وہ حالتیں علمی ہوں
یا عملی - قولی ہوں یا فعلی - باطنی ہوں یا ظاہری - لازمی ہوں یا متعدی - پس جو
انسان جس قدر اپنی حالتوں کو درست کرے گا اور جتنا اچھے خیالوں اچھی باتوں

اچھے کاموں۔ اچھی عادتوں سے موصوف ہوگا اُتنی ہی عزت کا مستحق ہوگا۔

عزت بھی وہ شے ہے جس کے حاصل کرنے کا شوق انسان سے بڑی بڑی محنت مشقتیں کراتا ہے اور اُسے بڑے بڑے رنج دیتا ہے اور جب وہ حاصل ہوجاتی ہے تو انسان اپنی زندگی بڑی خوشی سے کاٹتا ہے۔ سارے رنج و غم بھول جاتا ہے۔ انسان مرجاتا ہے اُس کی ہڈیاں خاک ہوجاتی ہیں۔ اُس کی خاک کا نشان بھی نہیں ملتا مگر اُس کی عزت نہ مرتی ہے نہ خاک ہوتی ہے۔ ہمیشہ قائم اور برقرار رہتی ہے اور درحقیقت موت کی گمنامی سے محفوظ رکھ کر انسان کو زندہ جاوید رکھتی ہے۔

عزت درحقیقت ایک نتیجہ اچھے کمالات کا اور ایک ثمرہ عمدہ صفات کا ہے اس لیے جب تک کوئی کسی کمال سے کامل اور کسی صفت سے موصوف نہ ہو وہ عزت کا مستحق نہیں ہوسکتا۔ اور اسی طرح جو اچھے کمال کا جامع اور اچھی صفت سے متصف ہو وہ عزت کے استحقاق سے محروم نہیں رہتا۔

انسان کے اچھے خیال۔ اچھی باتیں۔ اچھے کام عزت کو ایسا کھینچ لیتے ہیں جیسا کہ مقناطیس لوہے کو یا کہربا گھاس کو وہ کسی سے اپنی بزرگی و عزت کا طالب نہیں ہوتا۔ مگر لوگ خود بخود اُس کی عزت کرتے ہیں۔ وہ کسی سے اپنی تعریف نہیں چاہتا مگر سب اُس کی صفت خود کرتے ہیں کیونکہ انسان کی اچھی حالتوں کا یہ قدرتی خاصہ اور ذاتی تاثیر ہے جسے کوئی تبدیل نہیں کرسکتا۔ جو شخص اچھے خیال رکھتا ہے اچھی صفات کا جامع ہوتا ہے وہ خود اپنے آپ کو اچھا جانتا ہے اپنی آپ عزت کرتا ہے۔ وہ مغرور تو نہیں ہوتا مگر اپنے آپ کو اچھی عظمت میں جانتا ہے۔ وہ کمینہ آدمی کی طرح جھوٹی شیخی تو نہیں رکھتا مگر ممدوح خودداری کا خیال رکھتا ہے۔ اُس کا دل اُس کی عزت اور ممدوح خودداری کے سبب سے ایک پُر رعب شاہنشاہ کی مانند ہوتا ہے جسے اپنی شاہنشاہی پر خود ناز ہو اسی واسطے وہ مخالفوں کے ذلیل کہنے سے اپنے آپ کو ذلیل نہیں جانتا وہ دشمنوں کے حقیر کہہ دینے سے اپنی حقارت نہیں سمجھتا۔ اُس کا دل ایک اچھے آبدار موتی کے موافق جوہری کا طالب تو ہوتا ہے مگر جھوٹے موتی کی جھوٹی چمک دکھانے سے اپنی بے آبروئی نہیں سمجھتا۔ وہ لعل بدخشانی کی طرح سلطانی تاج کی خواہش تو رکھتا ہے مگر کسی نادان جاہل کے پھینک دینے سے اپنی بے قدری نہیں جانتا۔ درحقیقت

سچی عزت ایک قدرتی چشمہ کے موافق ہوتی ہے جسے کوئی خس وخاشاک روک نہیں سکتا اور ایک روشن آفتاب کی مانند ہوتی ہے جس کی نورانی شعاعوں کو کوئی سپر و چشم بند نہیں کرسکتا۔

جو شخص کسی قوم میں ایسی عزت کا مستحق ہو وہ درحقیقت اس قوم کا سہیل ہے جو اپنی قوم کے دلوں کو اپنے روشن خیالات کی برکت سے ساری غلاظتوں اور کثافتوں سے پاک صاف کرکے ادیم یمنی کی طرح معطر اور خوشبودار کردیتا ہے یا وہ نسیم بہاری کی خاصیت رکھتا ہے کہ اپنے نرم ولطیف روح افزا جھونکوں سے اپنے ملک کو باغ ارم بنا دیتا ہے۔ جس قوم میں کوئی ایسا شخص نہ ہو وہ خاروں کا ایک گلدستہ ہے جس میں کوئی پھول نہ ہو یا ریت کا ایک چٹیل میدان ہے جس میں کوئی باروَر سایہ دار درخت نہ ہو۔

عزت کی خوبی جو کچھ ہم بیان کریں وہ کم ہے۔ لیکن جبکہ وہ موقوف ہے انسان کی اچھی حالتوں پر تو ہمکو اچھائی برائی کی تحقیق کے اصول بھی بیان کرنا ضرور ہے تاکہ ہم اصلی عزت کا ادراک کرسکیں۔ ورنہ جب ہم دیکھتے ہیں کہ بعضے خیال بعضے کام کسی ایک قوم یا کسی ایک فرقہ یا کسی ایک شخص کے نزدیک اچھے سمجھے جاتے ہیں اور وہ عزت کے سبب تصور کیے جاتے ہیں اور وہی خیال وہی کام دوسری قوم یا دوسرے فرقہ یا دوسرے شخص کے نزدیک برے سمجھے جاتے ہیں اور ذلت کے باعث ہوتے ہیں تو اگر اچھائی برائی کی تحقیق کے اصول اور اُن کے اختلافات ظاہر نہ کیے جاویں تو اصلی عزت کی تنقیح بھی مشکل ہو جاوے۔

اچھائی برائی کی تحقیق کے لیے بظاہر تین اصول ہیں۔ ایک عقل۔ دوسرا شرع تیسرا عرف عام۔ مگر درحقیقت اصل اصول ایک ہی ہے۔ یعنی عقل اور شرع اگر سچی ہو تو وہ اچھائی برائی کی ظاہر کردینے والی ہے اور عقل اُس کی ثابت کردینے والی۔ دونوں میں اختلاف نہیں ہے۔ اور عرف عام جسے رسم ورواج کہتے ہیں وہ فی نفسہ کوئی چیز نہیں ہے مگر ہم تینوں سے کچھ بحث کرتے ہیں۔

اکثر مذہبی لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ عقل سے اچھائی برائی کی تنقیح نہیں ہوسکتی بلکہ مذہب کی بتائی ہوئی اچھائی برائی کی حقیقت دریافت کرسکتی ہے مگر ہمارے نزدیک یہ

اُن کی سمجھ کی غلطی ہے اور یہ قول اُن کا عقل اور مذہب دونوں سے باطل ہوتا ہے کیونکہ مذاہب مختلفہ میں سے ایک سچے مذہب کا تحقیق کرنا اور پھر سچے مذہب کی سچی باتوں کو جھوٹی اور ملائی ہوئی لوگوں کی باتوں سے جُدا کرنا عقل ہی کا کام ہے ورنہ ہر مذہب کی حقیقت اور مذہب کی ہر سچی جھوٹی بات کی تصدیق لازم ہو جسے سوائے نادان کے کوئی نہ مانے گا۔ پھر سچے مذہب کی خوبیوں کے دریافت کرنے کا عقل ہی ایک کامل ذریعہ ہے اور مذہب نے بھی عقل ہی سے کام لینے پر ہدایت کی ہے افلا تعقلون اور افلا تتفکرون کا خطاب عقل ہی کے سبب سے ہے۔ انہم لا یعقلون شیئا اور اولئک کالانعام کی جھڑکیاں عقل سے کام نہ لینے ہی کے باعث سے ہیں پس جو لوگ بھلائی برائی کی تحقیق یا اُس کی تسلیم سے عقل کو عاجز جانتے ہیں درحقیقت وہ انسان کی اُس قوت سے منکر ہیں جو خدا نے اُسے بھلائی برائی کے سمجھنے کے واسطے دی ہے اُن کے نزدیک حیوان اور انسان میں کچھ فرق نہیں حقیقت میں ایسے لوگ خود نادان ہیں۔

جو لوگ عقل کو حسن و قبح اشیاء کی تحقیق سے معطل جانتے ہیں اُن کو وہ اختلاف جو مذہبی باتوں اور عقلی تحقیقاتوں میں ہے اس خیال پر داعی ہوا ہے مگر اُن سے دو غلطیاں ہوئی ہیں۔ ایک تو انھوں نے شخصی اور جزئی عقل کو پیش نظر رکھا اور عقل انسانی اور عقل کلی کو چھوڑ دیا۔ دوسرے ظاہری اختلافات شرع اور عقل کو اپنی عقل کے نقصان کے سبب سے دور نہ کر سکے اور تحقیق و تسلیم میں جو فرق بین ہے اُس سے بھی واقف نہ ہوئے ورنہ وہ ایسے غلط خیال میں نہ پھنستے اس لیے اب ہم اُن کو بتاتے ہیں کہ ہماری مراد عقل سے عقل شخصی نہیں ہے بلکہ عقل انسانی ہے جو لوگوں کے تجربہ اور تحقیقات و علم سے کامل ہو جاتی ہے اور ساری غلطیوں کو دور کر دیتی ہے اور آخر سچی بات کو ایسا تحقیق کر دیتی ہے کہ کوئی اُس سے انکار نہیں کر سکتا۔

پھر مذہب کی سچی باتوں کو گو اول عقل ظاہر نہ کر سکے مگر بعد ظاہر ہو جانے کے اُنکی اچھائی کو تسلیم کر سکتی ہے۔ اگر تسلیم کی استعداد بھی اُس میں نہ ہو تو ہمارے نزدیک تکلیف شرعی عبث اور عذاب و ثواب فضول ہو جاوے اور انسان کو ایمان کی تکلیف ایسی ہو جیسی کسی جانور کو صنعت و حکمت کی تکلیف دینا۔ معاذ اللہ کہ خدا ایسی تکلیف دے۔

خود کسی بات کو تحقیق کرنے اور اُس کے تسلیم کرنے میں بڑا فرق ہے جسے ہم ایک بڑی مثال سے بیان کرتے ہیں۔ مثلاً خیال کرو کہ اقلیدس نامی ایک دانا حکیم تھا اُس نے چند شکلوں کو ایجاد کیا اور اُن ترتیب اور مناسبت سے تحریر کیا جس سے زیادہ ہونا ممکن نہیں اور اُن خطوط و نقوش میں اُن باتوں کا لحاظ رکھا کہ تمام انجنیری کا کاموں کا مدار اُسی پر ہے۔ تو اب خیال کرو کہ اُسکی تحقیق اور ہماری اُسکی صحت اور خوبی کی تسلیم میں فرق ہے یا نہیں۔ درحقیقت بڑا فرق ہے کہ ہر شخص بلکہ لاکھوں میں سے دس میں بھی اُس کی سی ایجاد و ترتیب کی استعداد نہیں رکھتے مگر اُسکی صحت اور اچھائی کی تسلیم کی عقل سب کو ہے۔ پس نادان ہے وہ جو ایسی تسلیم کرنے والی عقل سے منکر ہو۔

الحاصل ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ سچے مذہب نے ہمکو وہی باتیں بتائی ہیں جو فی نفسہ اچھی ہیں۔ اچھے خیال ہمکو سکھائے۔ اچھی باتیں ہمکو بتائیں۔ اچھے کام کی ہمکو تاکید کی۔ اور چونکہ ہماری عقل کو اُس کی اچھائی کے تسلیم کرنیکی استعداد اور اُسکی سمجھ کی قوت ہے۔ پس ہم اُسکی اچھائی کو جسے مذہب نے ظاہر کیا اپنی عقل سے ثابت کر سکتے ہیں اُسی طرح جیسے کہ اقلیدس کی کھینچی ہوئی شکلوں کی اپنی عقل سے تصدیق کر سکتے ہیں پھر ہماری عقل مذہب کی ظاہری باتوں اور ظاہری نقشوں سے اپنے خیالات کی اصلی پاکی و صفائی اُسی طرح کر سکتی ہے جس طرح کہ ہم اقلیدس کی لکیروں و شکلوں سے بڑے بڑے کام انجنیری اور ریاضی کے اپنی سمجھ بوجھ کے کام میں لانے سے لے سکتے ہیں۔ ہم اگر مذہب کی ساری باتوں کو یاد کر لیں اور اپنے خیال میں لکھ لیں پر عقل سے اُس کی حقیقت کا ادراک نہ کریں تو ہماری مثال بعینہ ایسی ہوگی جیسے کہ ہم تحریر اقلیدس کے سارے خطوط و نقوش کو یاد کر لیں پر اُسکا مطلب سمجھ کر اُس سے کچھ کام نہ لیں اور اس بات کی تحقیق نہ کریں کہ اس شکل و خط کے کھینچنے والے کا اصلی مقصود اُن لکیروں میں کیا تھا۔

ہم اس بحث کو اس وقت نہیں بڑھاتے اور ان دونوں اصول کی مطابقت پر زیادہ دلیل نہیں لاتے کیونکہ اس وقت ہمارا مقصود دوسرا ہے اس لیے ہم اپنے اصلی مطلب پر رجوع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں کیسی ہی سے اپنے خیالات اور اپنی باتوں کی اچھائی

عقل سے ثابت کرلی تو وہ ضرور عزت کا مستحق ہوا گو کہ جب تک اوروں پر اُس کی اچھائی ثابت نہ ہو وہ اُس کی عزت نہ کریں گے لیکن آخر ایک روز اُس کی عزت ہوگی کیونکہ کوئی سچی بات جب ایک مرتبہ ظاہر ہو جاوے رُک نہیں سکتی کسی نہ کسی دن ظاہر ہوتی ہے۔

بہت سے حکیم فلسفی دانا آدمی گذرے جنہوں نے بہت اچھی باتیں ایجاد کیں اُن کے خیالات۔ اُن کے کام اچھے ہوئے۔ مگر مدت تک بجائے عزت کے لوگوں نے اُن کی حقارت کی اور اُن کو ذلیل جانا۔ اور اُن سے بمخالفت پیش آئے مگر اُس سچی عزت نے جس کا خیال جو اُن کے دل میں تھا اُن کی خود عزت کی اور اُنہوں نے کسی دن آپکو ذلیل نہ جانا۔ پر آخر جب اُن کے خیالات اور اعمال کی اچھائی ظاہر ہوئی تو مخالفوں نے اُن کی عزت کی اور اپنے آپ ہی کو حقیر جانا اور اپنی مخالفت پر نادم ہوئے پس جس بات کی سچائی اور اچھائی عقل سے ثابت ہو جاوے اُس کا حاصل کرنے والا بھی عزت کا مستحق ہوتا ہے۔

اب ہم دوسرے اصول سے بحث کرتے ہیں یعنی شرع سے مذہبی باتوں کی اچھائی ثابت کرنا دو طرح سے ہو سکتا ہے۔ ایک تو جھوٹے مذہبوں میں سے ایک سچے مذہب کی اچھائی پر یقین کرنا۔ دوسرے جو سچا مذہب مان لیا جاوے اُس کی اصلی اور سچی باتوں کو تحقیق کرنا۔ بغیر اس کے کوئی انسان مذہبی عزت کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

مَیں بنسبت اپنے مذہب اسلام کے جس کی سچائی اور اچھائی پر مجھے یقین ہے دوسرے امر سے کچھ مختصر بحث کرتا ہوں کہ اب ہمارے زمانہ میں مذہبی عزت کا استحقاق کیونکر حاصل ہو سکتا ہے۔

اس پر تو غالباً سب مسلمان متفق ہوں گے کہ مذہب موجودہ آمیزش سے غلط خیالات اور بے اصل باتوں کے خالی نہیں ہے۔ اور جیسا اُس کے بانی نے ہمکو بتایا تھا ویسا ہی پاک صاف نہیں ہے اور تحقیق کی ضرورت ہے۔ لیکن تحقیق کے اصول شاید مختلف ہیں۔ ہمارے ہم مذہب کہتے ہیں کہ جو باتیں اب تک مذہب کے لوگوں نے بتائیں اور جیسا خیال خلفاً عن سلفاً چلا آیا۔ اور جن کاموں کو شہہ مذہبی لوگ کرتے آئے

اُن کی تقلید ہی اصلی مذہب کی اچھائی کے ثبوت کے لیئے کافی ہے اس واسطے وہ لوگ مذہبی عزت کے مستحق ہیں جو ویسے ہی خیال رکھتے ہوں۔ ویسے ہی کام کرتے ہوں۔ اور جو لوگ اُسکے مخالف ہوں وہ ازروئے مذہب کے ذلت کے مستحق ہیں چنانچہ اسی خیال سے لوگ اُن کی ذلت کرتے ہیں جو کہ اس اصول کو نہیں مانتے اور اپنے مذہبی خیال اور مذہبی چال میں اُن سے موافقت نہیں رکھتے۔ ہمارے نزدیک وہ اس خیال میں معذور ہیں اور تاوقتیکہ وہ اپنی غلطی خیال کے قایل نہ ہوں ایسی تحقیر و تذلیل میں بالیقین معذور ہیں۔ مگر ہمارے نزدیک یہ سمجھ اُن کی صحیح نہیں ہے کیونکہ مذہب کی سچائی صرف اسی وقت تک باقی رہ سکتی ہے کہ سوائے بانی مذہب کے دوسرے کا قول یا عمل مثل بانی مذہب کے نہ مانا جاوے اور کوئی مثل اُس کے معصوم نہ تسلیم کیا جاوے کیونکہ جب ایسا ہوتا ہے تو اصل مذہب کی اصلی باتوں کو آدمی بھول جاتا ہے اور آہستہ آہستہ مذہب اَور کا اَور بلکہ اندھے کی ٹیڑھی کھیر ہو جاتا ہے یہ ہم نہیں کہتے کہ مذہب کے جاننے والے یا اُس کے سچے طور پر ماننے والے نہیں ہوئے یا اُن کی باتوں سے ہمکو فایدہ نہیں پہنچا۔ ہم بڑے ہی ناانصف اور ناشکر ہوں بلکہ نادان جو ایسا خیال کریں لیکن ہمکو اپنے مذہب کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھنا اور اُسی پر اپنی نظر اپنا خیال جمانا چاہیئے اور لوگوں کی تحقیقاتوں سے صرف استفادہ کرنا چاہیئے نہ کہ اُس کا کامل اتباع اور پوری تقلید کیونکہ جب ہم ایسا کریں گے تو وہ صاف نورانی شعاعیں مذہب کی ہمارے دل پر نہ پڑیں گی جن کو مذہب نے ساری دنیا کے روشن کرنے کے لیئے ظاہر کیا ہے اور ہمارے خیال لوگوں کے حجاب اور پردہ کی آڑ سے تاریکی میں پڑ جاویں گے کیونکہ سب مذہبوں میں ایسا ہی ہوا ہے اور اُسکی نشانیاں ہمارے مذہب میں بھی موجود ہیں۔

پس ہمارے نزدیک مذہب بھی اُسی کی عزت کرے گا جو کہ مذہب کی عزت کرے اور مذہب کی عزت یہ ہے کہ وہ اپنی سچائی پر قایم رہے اس لیئے ہمارے نزدیک وہ لوگ مذہبی عزت کے مستحق ہیں جو کہ مذہب کی سچائی ظاہر کرنے اور اُسکی اچھائی ثابت کرنے پر مستعد ہوں اور جن کے مذہبی خیالات لوگوں کی پیروی سے جن کے مذہبی اعمال عامیوں کے چال چلن کی کثافتوں سے پاک و صاف ہوں۔

جو لوگ مذہب کی جھوٹی باتوں کو مذہب سمجھتے ہیں اور اصل مذہب کی خوبیوں کو چھپاتے ہیں اور غلطی سے اپنے آپ کو مذہبی عزت کا مستحق جانتے ہیں حقیقت میں وہ جھوٹی عزت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اُن کی عزت اُسی قدر ہو سکتی ہے جتنی کہ قلب نہ اندود سکہ کی کہ سوائے نام اور شکل کے سچائی سے خالی اور عیار و محک سے ہمیشہ خائف ہے۔ مگر جو لوگ مذہب کو مذہب کے طور پر اُس کے بانی کی مرضی کے موافق مانتے ہیں اُن کی عزت ایسی ہی ہو سکتی ہے جیسے کہ سونے کے ایک خالص ٹکڑہ کی جسے نہ نام و شکل پر دعویٰ سچائی کا ہے بلکہ اپنی ذات اور اپنی سچائی پر وہ ہمیشہ عیار و محک کا طالب ہوتا ہے وہ اپنی صفائی کے امتحان کرنے کا خواہاں ہوتا ہے۔

اگلے زمانہ میں بھی بعض بعض ایسے مذہبی عزت کے مستحق گذرے ہیں مگر جھوٹی عزت رکھنے والوں نے اُن کی بڑی تحقیر کی اور بجائے عزت کرنے کے اُن کو ذلیل جانا مگر آخر اُن کی سچی عزت ظاہر ہوئی اور وہ اپنے استحقاق سے محروم نہ رہے۔

اب ہم تیسرے اصول سے بحث کرتے ہیں یعنی عرف عام سے جتنا کہ یہ اصول بے بنیاد و باطل ہے اور اچھائی بُرائی کی تحقیق کا مزاحم ہے ویسا ہی وہ نہایت جاری اور مروج ہے بلکہ ہمارے زمانہ میں تو وہی عیار امتحان ہے۔

ہمارے ہم مذہب رسم و رواج ہی کو شرع اور عقل سمجھتے ہیں اور اُسی کی موافقت اور مخالفت کو اچھائی بُرائی جانتے ہیں۔ اُن کے نزدیک وہی شخص عزت کا مستحق ہے جو کہ اُن اُنھی باتوں پر چلتا ہو جسے سب لوگ اچھا جانتے ہوں گو وہ عقل کے مخالف ہوں۔ یا مذہب کے۔

ہمارے ہم قوم بڑی ہی ذلت و حقارت کی نظر سے اُسے دیکھتے ہیں جو کہ رسم کا پابند نہ ہو گو وہ کیسا ہی معقول اور مذہب کا پابند ہو اُن کے نزدیک رسم کی مخالفت ہی ایک بُرا خیال ہے جس کے سبب سے انسان بڑی تحقیر اور ذلت کا مستحق ہوتا ہے۔

پھر اگر ہماری قوم نے سوچ سمجھ کر کچھ رسمیں جاری کی ہوتیں اُن کی بُرائی بھلائی تحقیق کر کے اُن پر عامل ہوئی ہوتی تو بھی کچھ کہنا اُن کا لائق لحاظ کے ہوتا۔ پر افسوس ہے کہ وحشیانہ تمدن اور عامیانہ چلن نے جاری ہونے سے پہلے اُس کا لحاظ نہ کرایا

اور اب نادانی اور جہالت نے تحقیق سے منع کر دیا لیکن جو لوگ اب اس کی تنقیح پر متوجہ ہیں اور جن کو ہماری قوم نہایت ہی ذلت کی نظر سے دیکھتی ہے اُمید ہے کہ اپنی محنت کا ثمرہ پاویں اور اُن کی بھی عزت اُن کے مخالفوں کے دل میں ایسی جاجاوے جیسے کہ روشنی ایک تاریک گھر میں جبکہ اُس کا بند دروازہ توڑ دیا جاوے۔

موجودہ تعلیم و تربیت کی تشبیہہ

ایک روز خیال نے مجھے عالم مثال تک پہونچایا اور اُس طلسم کدہ کو جہاں سب چیزوں کی تشبیہ اور تمام حالتوں کی تصویر مصور قدرت نے کھینچ رکھی ہے دکھایا درحقیقت اُسے میں نے ویسا ہی پایا جیسا کہ سنا کرتا تھا بلاشبہ وہ ہماری حالتوں کا آئینہ اور ہمارے خیالوں کی تصویر کا مرقع ہے۔

جب میں اُس طلسم خانہ کے مغرب جانب پہنچا تو ایک چار دیواری دیکھی جو میرے خیال سے بھی زیادہ بلند اور میرے حوصلہ سے بھی زیادہ وسیع اور میری ہمت سے بھی زیادہ مضبوط تھی۔ قدرت نے ایسا سنہرا رنگ دیا تھا کہ جب سورج کی کرن اُس پر پڑتی تو وہ دیوار زرنگار کندن کی طرح ایسی چمکتی جس سے آنکھوں کو چکا چوند ہو جاتا۔ اُس دیوار کے چاروں طرف پھیرا پر میں نے دروازہ نہ پایا مگر ایک جگہ ایک بڑی نہر دیکھی جو دیوار کے نیچے سے اندر جاتی ہے اور ایک بلندی پر چشمہ دیکھا جس سے نہر میں پانی گرتا ہے۔

میں نے وہاں ایک رفیق پایا جس کا نام خرد تھا اُس سے حقیقت اُس کی پوچھی تو اُس نے کہا کہ اس کے اندر ایک ایسا پر فضا باغ ہے جسے جنت عدن بھی دیکھے تو شرمندہ ہو اور یہ نہر اُسی کے شاداب کرنے کے لیئے بنائی گئی ہے تب تو مجھے اندر جانے کا شوق ہوا اپنے رہنما سے دروازہ کا نشان پوچھا اور میں نے اُسکی کا ل

اطاعت اور بڑی تابعداری کی۔ تب اُس نے پانچ برس کے بعد دروازہ بتایا میں اُس دروازہ کی محراب کی بلندی اور اُس کے طاق اور کنگرہ کی خوبی کیا بیان کروں۔ میں جاتے ہی بیتابانہ دوڑنے لگا اور باغ کی سیر سے سیر ہونا چاہا۔ میری اس بوالہوسی پر میرا رہنما ہنسا اور کہا کہ اے نادان دروازہ تو پانچ برس کی محنت کے بعد پایا۔ اس باغ کی سیر ایسی کیا آسان ہے جس کا ایک کنارہ ازل اور دوسری حد ابد ہے۔

خیر میں نے ہوس کو روکا اور جس چال سے خرد نے چلایا چلا۔ کئی برس کے بعد چند کیاریاں اُس باغ کی دیکھ پائیں۔ مگر اُن کی خوبی اور لطافت میرے بیان سے باہر ہے۔ ہر چمن قدرت کا کارخانہ اور صنعت کا تماشہ تھا۔ اُس باغ کے سبزہ کا مستانہ جھومنا۔ قمری کی آواز۔ بلبلوں کا پھولوں پر گرنا۔ پھولوں کا کھلنا۔ گلاب کا چٹکنا۔ نرگس کی نظر بازی۔ شمشاد کی سرو قدی نے مجھے ایسا مست کر دیا کہ اپنے ہوش و حواس میں نہ رہا۔

میں چندے اُس باغ میں رہا۔ پر مجھکو اپنی صورت کا کوئی رفیق نہ ملا۔ جس سے دل بہلاتا اور اُس باغ کی بہار لوٹتا۔ آخر اپنی تنہائی سے گھبرایا اور باہر نکلا کہ کوئی مجھ سا ملے تو یہاں لاؤں اور اپنا دل خوش کروں۔

میں اُس باغ میں سے نکل کر برسوں اسی تلاش میں پھرا لیکن کوئی نہ ملا۔ آخر بعد چند سال کے مشرق کی طرف مجھے ایک چار دیواری نظر پڑی جس کی صورت بھی ویسی ہی تھی۔ اور نہر بھی ویسی ہی اور چشمہ بھی ویسا ہی تھا جہاں سے میں نکلا تھا مگر دروازہ کھلا ہوا۔ دیوار شکستہ۔ اور کچھ نئی قسم کے آدمی آتے جاتے نظر آئے۔ میں نے اپنے رہنما سے پوچھا کہ یہ تو وہی باغ ہے۔ مگر کیا سبب کہ نہ دیوار کی وہ خوبی و خوش نمائی ہے نہ دروازہ کی وہ رفعت و شان ہے۔ چشمہ بھی میلا نظر آتا ہے۔ پانی کی بھی صورت بدلی ہوئی ہے۔ اُس نے کہا کہ یہ وہ باغ نہیں ہے دوسرا ہے مگر پہلے اُسی باغ کی طرح آراستہ تھا۔ خزاں کی ہوا نے اُسکو سکھا دیا اور زمانہ کے انقلاب نے پامال کر دیا۔

جب میں باغ کے اندر گیا تو چمن کے نشان کچھ نظر آئے۔ مگر نہ وہ صفائی نہ خوبی

نہریں بھی کچھ بہتی معلوم ہوئیں۔ مگر نہ پانی کی وہ لطافت نہ وہ شیرینی۔ پھول جتنے تھے سب کملائے ہوئے۔ میوے جس قدر تھے وہ سوکھے پڑے ہوئے۔ سبزہ کے زمردین رنگ پر سیاہی چھائی ہوئی تھی۔ گملوں کی سُرخی پر زردی آگئی تھی۔ نسیم کے بدلے صرصر کی تندی پریشان کرتی تھی۔ بلبلوں کی جگہ زاغ و زغن کا شور ہو رہا تھا۔ نرگس اپنی پھوٹی آنکھ سے حیرت کی نگاہ کر رہی تھی۔ حوض کی آنکھ اپنی خشکی پر رو رہی تھی۔

مَیں باغ میں پھرتے پھرتے نہر کے کنارے پہونچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ چند خوبصورت خوش شکل ماہرو نوجوان آئے اور اُس نہر میں پانی پینے اور غوطہ لگانے لگے جب وہ نہا دھو کر اُس سے نکلے تو اُن کے چہرہ بدلے ہوئے نظر آئے نہ وہ شکل و شمائل تھی نہ وہ نزاکت و نرمی۔ اور ہر ایک کے دو دو سینگ نکل آئے تھے۔ وہ نہر سے نکلتے ہی ایک دوسرے پر حملہ کرنے اور سینگ سے سینگ لڑانے لگے۔ یہاں تک لڑے کہ کسی کا سینگ ٹوٹا۔ کسی کا چہرہ بگڑا۔ کسی کا غصہ سے چہرہ لال ہوا۔ کسی کا کف مونھ سے اُڑ کر مجھ تک پہونچا۔ کسی کی گردن کی رگیں مارے غصہ کے تن گئیں۔ کسی کے مونھ سے آواز غضب کے سبب نہ نکلی۔ اسی طرح وہ وحشیانہ لڑائی لڑتے ہوئے ایک عالی شان مکان کی طرف چلے۔ مَیں بھی ساتھ ہو لیا کہ دیکھوں کیا ہوتا ہے۔ وہاں کیا دیکھتا ہوں۔ کہ ایک نصف وحشی نصف انسان جس کا چہرہ آدمی کا دُم طاؤس کی۔ مونھ چڑیا کا۔ پیٹ بیل کا۔ چال لومڑی کی۔ ایک رنگین سنبور کی کھال اوڑھے ہوئے کبوتر کی طرح غٹرغوں غٹرغوں کر رہا ہے۔ جب وہ سب نوجوان اُسکے پاس پہونچے تو اُس کے آگے گر پڑے۔ اُس نے ایک کریہہ ہولناک آواز سے اُن کو پکارا اور آپس کے جھگڑے کا حال پوچھا۔ اُن لوگوں نے کچھ ایسی بولی میں اُسے جواب دیا کہ میں نہ سمجھا۔ مگر یہ دیکھا کہ اُس وحشی آدمی نے کچھ خوش ہو کر کسی کا مونھ چوما اور کسی کو پیار کیا اور کسی کو مرحبا کہا۔

مَیں اِس معاملہ کو دیکھکر حیران ہوا اور پناہ مانگتا باہر نکلا اور اپنے رہنما سے اس اسرار کی خبر پوچھی۔ اُس نے کہا کہ اس نہر کے پانی کی ایسی ہی تاثیر ہے کہ سب ایسی شکل کے ہو جاتے ہیں جیسا کہ وہ نصف وحشی نصف انسان تم نے دیکھا ہے۔ یہ نوجوان نانک ماہرو لڑکے بھی جب زیادہ پانی پی لیں گے خوب غوطے نہر میں لگا وینگے

ایسے ہی ہو جاویں گے۔ اور جو کچھ لڑائی تم نے دیکھی وہ لڑائی نہ تھی بلکہ اُن کا علمی مباحثہ تھا۔ جس کے لفظ بھی تمہاری سمجھ میں نہ آئے۔

جب میں نے اس تاثیر کا سبب پوچھا تو رہنما مجھے چشمہ کے کنارہ پر لے گیا۔ وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ دہانہ پر چشمہ کے دو چشمہ آکر ملے ہیں۔ ایک تو سیدھا چلا گیا ہے جو کہ نہایت صاف اور پاک اور خوشگوار ہے۔ دوسرا خم و پیچ سے گیا ہے۔ جس میں جابجا نالے ندیاں ملتی گئی ہیں جو کہ سب کثیف در میلے اور ناپاک ہیں۔ مگر پہلے چشمہ کے دہانہ پر ایک پتھر کی چٹان آگئی ہے جس سے صاف پانی نہیں آسکتا۔ مگر دوسرا چشمہ کھلا ہوا ہے۔ اُسی کا میلا بدبودار زہریلا پانی گرتا ہے اور وہی باغ میں جاتا ہے جسکی تاثیر سے آدمی مسخ ہو جاتے ہیں۔

جب میں نے اُن چشموں کا حال پوچھا تو خرد نے تحقیق نامی رفیق کو میرے ساتھ کر دیا۔ اُس کے ساتھ مَیں اُن دونوں چشموں کی حقیقت دریافت کرنے کو چلا مدت بعد سب حال دریافت کر کے اس فکر میں پڑا کہ اس پتھر کی چٹان کا حال کسی سے پوچھوں تب تاریخ نامی ایک روشن ضمیر ملا۔ اُس نے کہا کہ ہزار برس ہوتے ہیں۔ تب میں اس باغ میں آیا تھا۔ نہایت تروتازہ اور سبز و شاداب تھا۔ جیسا وہ باغ جو تم نے اوّل دیکھا ہے اس باغ کی نہروں میں صاف چشمہ کا پانی آتا تھا اور گدلے چشمہ پر پتھر رکھا ہوا تھا۔ مگر سرکتے سرکتے اب وہ صاف چشمہ پر آگیا ہے۔

تب تو میں نے خیال کیا کہ اس پتھر کو ہٹا دوں۔ چنانچہ مَیں ہمت کو ساتھ لیکر چلا۔ مگر چند خونخوار وحشی درندوں نے مجھ پر حملہ کیا اور پتھر سرکانے پر مجھے موت کا خوف دلایا۔ مَیں جان بچا کر ہٹا لیکن میرے رہنما نے کہا کہ اَور بھی تیری طرح اس ارادہ پر آئے مگر اِن کے خوف سے بھاگ گئے۔ میں تجھے ایک مشعل دیتا ہوں جس کی روشنی سے یہ اندھے ہو کر بھاگ جاویں گے چنانچہ بصیرت کی مشعل اُس نے مجھے دی۔ درحقیقت جب میں وہاں مشعل کو لیکر پہونچا تو کوئی میرے پاس نہ آیا آخر میں بفراغت پتھر سرکانے لگا۔ پر وہ ایک مجھ سے کب سرکتا تھا۔ مَیں تھک کر بیٹھ رہا۔ کہ ہمدردی نامی واعظ میرے سامنے آیا اور کہا کہ مجھے اجازت ہو تو کچھ مدد کرنے والے لے آؤں۔ مَیں نے خوش ہو کر اُس کا شکر کیا اور مجھ سے رخصت ہو کے

اُسے اپنی ہی سی صورت وشکل والوں پاس بھیجا - پر افسوس کہ بہت کم لوگوں نے اُس کی بات سُنی - جو لوگ اُس نہر کا پانی پی چکے تھے وہ تو مارنے دوڑے اور جو لوگ ابھی اُس سے بچے ہوئے تھے اُن کے کان بہرے تھے اُنہوں نے کچھ نہ سُنی آخر وہ باحسرت ویاس واپس آیا - اس کے لوٹنے کے بعد میں نے چاہا کہ اس خیال کو چھوڑ دوں اور یہ پتھر جیسا رکھا ہے ویسا ہی رہنے دوں - پر استقلال نامی ایک رہبر خوان نے میرا دل بڑھایا اور مجھے ایک تدبیر بتائی - اُس نے کہا کہ میں نے ایمان نامی فقیر سے سُنا ہے کہ اس چشمہ کا ایک کھودنے والا ہے - وہ سب مشکل حل کرسکتا ہے - مگر بڑی مشکل سے انسان کی رسائی اُس تک ہوسکتی ہے - اُسکی راہ میں اول تو مصیبت کا ایک بڑا میدان لق ودق ملتا ہے - جہاں سوائے آنکھ کے پانی کے پینے کو بھی کچھ نہیں - اگر اُس سے بچ گئے تو رسوائی وبدنامی کے سات سمندر ملتے ہیں جہاں صبر کی ٹوٹی پھوٹی کشتی کے سوا عبور کا کوئی ذریعہ نہیں تب دروازہ اُس کا ملتا ہے جہاں خلوص کی نذر پیش کرنی پڑتی ہے اور دعا کے پاک صاف ہاتھوں کے ذریعہ سے پہنچائی جاتی ہے تب وہ نذر قبول ہوتی ہے اور اجابت کا خلعت ملتا ہے گو کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ برسوں نذر کی قبولیت کی نوبت نہیں آتی پس اگر تمکو اس پتھر کے سرکانے کی خواہش ہے تو وہاں تک جاؤ اگر اُس تک تمہاری رسائی ہوئی اور اُس نے تمہاری نذر لے لی تو وہ اقبال کو تمہارے ساتھ کرے گا - جب تم لوگوں کے سامنے کروگے سب کی آنکھیں کُھل جاویں گی جتنی کہ وہ اب بند ہو رہی ہیں تب وہ اپنے سوکھے ہوئے باغ کو دیکھکر تعجب کریں گے اور تمہارے ساتھ پتھر سرکانے پر مستعد ہونگے آخر چند ہی روز میں گدلے چشمہ کا پانی بند کرکے صاف چشمہ کے پانی سے اپنی نہریں بھر لیں گے اور اپنے باغ کو پہلے سے بھی زیادہ سرسبز اور شاداب کریں گے اور تب تم دیکھوگے کہ یہ سوکھا ہوا باغ اُس بڑے باغ سے بھی تمہاری نظروں میں زیادہ سرسبز اور خوشنما معلوم ہوگا کیونکہ نہ وہ باغ تمہارا باغ ہے نہ وہاں کوئی تمہارا ہے اور یہ باغ تمہارا ہی ہے اور سب تم سے ہیں - میں نے اس رفیق کا شکر کیا اور اُس کے کہنے کے مطابق چلا کہ دیکھوں اب کیا ہوتا ہے -

جب میں عالم شال سے لوٹا اور لوگوں سے یہ قصہ کہا تو وہ سب ایک ایک لفظ کی حقیقت مجھ سے پوچھنے لگے میں صرف یہ کہکر کہ جو باغ ہرا بھرا میں نے مغرب میں دیکھا وہ علوم وفنون جدیدہ کا باغ ہے جس کے پھل پھول اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں پر ہمارا دل بہلانے والا کوئی وہاں نہیں ہے اور جو باغ خشک میں نے مشرق میں دیکھا وہ ہمارے ہی علوم قدیمہ کا باغ ہے جس کی ویرانی اور خزاں کی کیفیت ہمارے سامنے ہے۔ وہ پتھر جو سرچشمہ پر آگیا ہے جہالت ہے۔ وہ ہی تالے گندے پانی کے رسم ورواج کی پابندی۔ نیکی نما تعصب۔ علم نما نادانی جھوٹا زہد۔ جھوٹی شیخی۔ جاہلانہ تقلید۔ عامیانہ غلامی۔ ضرر انگیز حرارت وحشیانہ تعلیم و تربیت ہے۔ جس کے نتیجے مسخ انسانیت ہے جو کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور جس کا علاج اب ہم سوائے دعا کے کچھ نہیں پاتے۔

لکچر

جو
مرزاپور انسٹیٹیوٹ میں
۲۲۔ اکتوبر ۱۸۷۳ء کو دیا

اس بات کو یہ لکچر مسلمانوں کی تہذیب پر ہے کہ وہ پہلے کیسی تھی اور اب کیسی ہے اور آیندہ کیسی ہوگی۔ تہذیب کا لفظ میں نے انگریزی لفظ سولیزیشن کے مقابلہ میں استعمال کیا ہے۔ سولیزیشن ایک انگریزی لفظ ہے جو کہ قدیم رومی زبان کے لفظ سوس سے جس کے معنی شہری اور جماعت کے ہیں نکلا ہے اور اس کی نسبت اس جماعت یا شہر یا ملک کی طرف کی جاتی ہے جس میں لوگوں کی آزادی اور حقوق کی حفاظت کے قانون۔ اور آپس میں ملنے جلنے کے قاعدے۔ اور زندگی

بسر کرنے کے طریقے۔ اور فرایض انسانی ادا کرنے کے قواعد عقلی، ور اخلاقی
اصول پر منضبط کیے گئے ہوں۔ اور جن میں موافق حالت زمانہ کے خوبی اور شائستگی
پائی جاتی ہو۔ اس انگریزی لفظ کی اصل پر اگر خیال کیا جاوے تو مجھکو بجائے لفظ
تہذیب کے لفظ تمدن کا استعمال کرنا مناسب ہوتا۔ کیونکہ اُس کا مادہ مدینہ ہے جسکے
معنی بستی کے ہیں اور اس لیے تمدن کے ٹھیک معنی بستی کے ہیں (یعنی آپس میں
مل کر رہنا) مگر میں اس لفظ کو سویلیزیشن کے مقابلہ میں استعمال نہیں کرتا اس لیے کہ جس
مراد میں یہ انگریزی لفظ استعمال کیا جاتا ہے تمدن کے لفظ سے وہ مراد پائی نہیں
جاتی۔ تمدن کا لفظ آپس میں مل کر بسنے پر دلالت کرتا ہے۔ اور سویلیزیشن کا لفظ تمدن
کی ترقی یافتہ حالت کو بتاتا ہے نہ صرف تمدن کو۔ بہت سے ملک اور بہت سی قومیں
اب موجود ہیں جن میں تمدن ہے پر سویلیزیشن نہیں۔ ہم ہندوستانی بھی اپنی بدبختی
سے سویلیزیشن کے درجہ کو نہیں پہنچے گو کہ مدت سے تمدن کے اعلیٰ درجہ پر ہیں
اس لیے میں نے تہذیب کا لفظ اختیار کیا ہے جس کے معنی چھانٹنے اور اصلاح
کرنے اور درست کرنے اور خالص کرنے اور پاکیزہ کرنے کے ہیں۔ عرب بولتے ہیں۔
"ھذبہ ای اصلحہ" اصطلاح میں بھی تہذیب کا لفظ ہر چیز کی درستی پر بولا جاتا
ہے۔ عادات کی درستی۔ رسم و رواج کی درستی۔ اخلاق کی درستی۔ علم و ہنر کی درستی
معاملات کی درستی۔ زبان کی درستی۔ انتظام ملک کی درستی۔ جذبات نفسانی کی
درستی۔ سب پر تہذیب کا اطلاق ہوتا ہے اور یہی ٹھیک مراد سویلیزیشن کی ہے۔

جن اصطلاحی معنوں میں لفظ تہذیب یا لفظ سویلیزیشن کا ہم استعمال کرتے ہیں اُس میں
بہت سا مباحثہ ہو سکتا ہے اور ہوا ہے۔ مگر جو مراد کہ اس لفظ سے میرے دوست
سید محمد خاں بہادر نے بیان کی ہے وہ تمام خیالات کی جامع ہے اور میں اُسی کے بیان
کرنے پر اکتفا کروں گا۔ وہ کہتے ہیں کہ سویلیزیشن سے مراد ہے انسان کے تمام افعال
ارادی اخلاق اور معاملات اور معاشرت اور طریق تمدن اور صرف اوقات اور علوم اور
ہر قسم کے فنون و ہنر کو اعلیٰ درجہ کی عمدگی پر پہنچانا اور اُن کو نہایت خوبی اور خوش سلیقگی
سے برتنا جس سے اصلی خوشی اور جسمانی خوبی ہوتی ہے اور تمکین و وقار اور قدر و منزلت
حاصل کی جاتی ہے اور وحشیانہ پن اور انسانیت میں تمیز نظر آتی ہے۔

سب ملکی ہو اُس شخص کو جس نے ان مختصر لفظوں میں ایسے مطالب بیان کر دیئے
جس سے ہمارے خیالات کو نہایت وسعت ہوتی ہے اور وہ بیان ہی خود بخود ہمارے
دل کو سولیزیشن کی ترقی کے لیئے برانگیختہ کرتا ہے۔
جو مراد کہ میں نے لفظ تہذیب یا سولیزیشن کی بیان کی اُس سے ثابت ہوتا ہے
کہ تہذیب۔ مذہب۔ اور علم و ہنر۔ اخلاق و معاشرت۔ تمدن و تجارت۔ زراعت و سیاست
سب سے متعلق ہے۔ اور جب تک یہ سب چیزیں اپنے درجہ کمال پر نہوں پوری پوری
تہذیب کا وجود نہیں ہو سکتا۔ جن لوگوں میں یہ سب چیزیں نہایت خراب حالت میں
ہیں وہ وحشی کہلاتے ہیں اور جن میں کچھ کچھ درست ہو گئی ہیں وہ نصف وحشی پکارے
جاتے ہیں اور جن میں زمانہ کی ترقی کے موافق یہ سب چیزیں ترقی پا گئی ہیں وہ مہذب
یا سولیزڈ کہلاتے ہیں۔ زمانہ کی ترقی کے موافق کی قید میں نے اس لیئے لگائی کہ کچھ
عجب نہیں کہ آیندہ زمانہ میں انسان کو زمانہ موجودہ سے بھی بہت زیادہ ترقی ہو کہ حال
کی مہذب قومیں اُس زمانہ کے لوگوں کے سامنے وحشی یا نصف وحشی تصور
ہونے لگیں۔
مذہب کو قوموں کی تہذیب پر بہت بڑا اثر ہوتا ہے۔ اگر کسی قوم کے مذہبی اصول
تہذیب کے برخلاف ہوں تو ممکن نہیں ہے کہ وہ قوم اعلے درجہ کی تہذیب میں پہنچے
جس قدر اصول مذہبی تہذیب کے برخلاف ہوتے ہیں اُسی اندازہ کے موافق تہذیب
میں بھی نقصان رہتا ہے اور یہ بات نہایت آسانی سے مختلف مذاہب کے اصول
اور اُس کے پیرووں کی حالت دیکھنے سے ثابت ہو جاتی ہے۔
مسلمانوں نے مذہب اسلام کی پہلی صدیوں میں مذہبی تہذیب کو اعلے درجہ پر
پہنچایا تھا۔ اُس ریگستان کے ناخداشناس لات و منات و عزیٰ کی پرستش کو چھڑوایا
اور ایک نہایت قوی ہستی مطلق کی پرستش کا بیج ہر ایک کے دل میں بویا جسکو ایک
ایسی ہستی کا خیال دلایا جو ہمارے ادراک اور قوائے عقلیہ سے بہت بڑھکر ہے۔ اور
اُسی پر یقین کو نجات کا مدار ٹھہرایا جو تمام مذہبی تہذیب کی اصل اصول ہے۔
تمام روحانی تہذیب کو ان چند لفظوں میں کہ "قد افلح من زکاھا وقد خاب
من دساھا" پورا کر دیا یعنی اپنے دل کو بُرے خیالوں اور بد جذبوں سے پاک کرنا

مراد کو پہونچتا ہے اور اُس کو بدی میں آلودہ کرنا گمراہی کے گڑھے میں گرنا ہے۔

مذہبی تعلیم کو نہایت تہذیب کے اصول پر یہ کہکر ختم کر دیا کہ "فذکر انما انت مذکر" یعنی لوگوں کو نصیحت کر کہ تو بجز نصیحت کرنے والے کے اور کچھ نہیں ہے۔

تمام مذہبوں کی ناگواری ان لفظوں سے مٹا دی کہ "لکم دینکم ولی دین" یعنی تمہارا دین تمہارے لیئے ہے اور ہمارا دین ہمارے لیئے ہے۔ جہاد کا سبب مذہبی ناگواری نہیں ہے جیسا کہ اکثر لوگوں نے غلطی سے خیال کیا ہے۔ کیونکہ اگر جہاد کا سبب مذہبی ناگواری ہوتی تو صلح یا فتح یا اطاعت قبول کرنے کے بعد کیوں تمام مختلف مذاہب گوارا کیئے جاتے اور ہر شخص کو کیوں احکام مذہبی ادا کرنے کی اجازت رہتی۔ عرب کے ادمیوں نے بلاشبہ خداء واحد کے نام کی منادی کرنا فرض ٹھہرایا ہے۔ پس جو لوگ اُس منادی کی مزاحمت کریں اور منادی کرنے والوں کو اُن کے ہاتھ سے امن نہ ہو اُنھیں سے لڑنا صرف امن قایم رکھنے کو فرض قرار دیا گیا ہے نہ غیر مذہب کی ناگواری کے سبب۔ اور یہ وہ اصول ہے جس پر آجکل کی تمام نیشنیں یہاں تک کہ وہ نیشن بھی جس کا مذہبی یہ حکم ہے کہ اگر کوئی ایک گال پر تیرے طمانچہ مارے تو تو اُس کے سامنے دوسرا گال بھی کر دے چلتے ہیں۔

امامت کو یعنی کسی ایک کا کسی گروہ کے لیئے پیشوا ہونا اور اُس گروہ کا اُسی کی رائے پر چلنا جو اُس زمانہ کے تمام مذہبوں میں رایج تھا یہ کہکر بالکل نیست و نابود کر دیا کہ "ولا تتبعوا من دونہ اولیاء" یعنی خدا کے کلام کے سوا کسی دوسرے کو اپنا پیشوا مت بناؤ۔

اجتہاد کو یعنی دین کی باتوں کے سمجھنے کو جیسا کہ سب اگلی قوموں میں خاص خاص لوگوں سے مخصوص تھا ان مختصر لفظوں سے عام کر دیا کہ "استفت قلبک" یعنی ہر شخص کا دل اس کا مجتہد ہے۔

جوگی پنے اور تجرد کو جس کا رواج روئے زمین کی ساری قوموں میں تھا بالکل معدوم کر دیا تھا یہ فرما کر "لا رھبانیۃ فی الاسلام" تبرکات اور رسم اور تیوہاروں کو جس سے لوگوں کے دلی خیالات بت پرستوں کے سے ہو جاتے ہیں

"لا تجعلوا قبری عیداً" فرما کر بالکل ممنوع ٹھہرا دیا۔

یہ وہ اصول ہیں جو مذہبی تہذیب میں اس سے اعلےٰ نہیں ہو سکتے۔

علوم کو آگے مسلمانوں نے ایک اعلےٰ درجہ کی تہذیب پر پہونچایا تھا۔ ادب و انشا میں عرب قدیم سے نامور ہیں۔ شاعری بھی اُن کی مشہور ہے۔ کیٹی لونیا اور پرووینس اور اٹلی کے شاعروں نے اُنہیں کی روش پر شعر کہنا اختیار کیا۔ اور یورپ کی نظم میں بحر و وزن وغیرہ عرب ہی سے لیا گیا۔ فصاحت و بلاغت کی اعلیٰ درجہ پر ترقی کرنے کے ثبوت میں حریری اور بدیعی اور متنبی کی کتابیں اب تک دنیا میں موجود ہیں ساتویں صدی کی عورتوں کا کلام اب تک ہمارے پاس ہے جس کے ایک ایک فقرہ پر ہزاروں قدرشناسوں کی آنکھوں سے لڑیاں نثار ہوتی ہیں۔

عرب کے شاعر قدرتی کیفیتوں کے بیان کرنے کی طرف بھی مائل ہیں مگر شکسپیر یا قدرتی جذبوں کا بتانے والا کوئی نہیں ہوا۔ اس لیئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاعروں کی قسموں میں رزمیہ اور عشقیہ تو ترقی پر تھیں مگر جو اصل جان شاعری کی ہے اور جس میں فطرتی جذبات اور قدرتی حالات کے بیان سے انسان کے دل پر اثر ڈالا جاتا ہے اُس میں بڑی ترقی نہیں ہوئی۔

ناول یعنی قصہ کے پیرایہ میں علمی یا اخلاقی باتوں کے بیان کرنے سے بھی عربوں نے چشم پوشی نہیں کی۔ بدیع ہمدانی اور ابو القاسم حریری کے مقامات اسی قسم میں ہیں یا الف لیلے اس فن کی ایک عمدہ کتاب ہے جس کا سلسلہ بیان کسی جگہ سے نہیں ٹوٹتا اور جس سے اُس زمانہ کے مسلمانوں کے مختلف خیالات کا پورا پورا عکس سننے والے کے دل پر پڑتا ہے۔

ڈراما میں بعض کتابیں تالیف تو ہوئیں۔ مگر عملی رواج اُس کا مسلمانوں میں نہیں ہوا۔

فارسی زبان کو بھی جو دنیا کی سب زبانوں میں شیریں سمجھی جاتی ہے مسلمانوں نے بہت رونق دی۔ فردوسی رزمیہ نظم میں سعدی قدرتی کیفیت کے اظہار میں حقیقی اخلاق و تمدن کے ادا کرنے میں۔ فارس و ہندوستان میں ہوئے ہیں جیسے کہ ہومر یونان میں یا شکسپیر انگلستان میں۔

ہمارے مذہب کے بانی نے تحصیل علم کی طرف متعدد طرح سے لوگوں کو رغبت دلائی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کی دوسری صدی میں مسلمانوں نے علوم کی طرف توجہ کی اور جہاں سے اُن کو ملا اُنہوں نے علوم کو اخذ کیا۔ غیر قوموں اور غیر مذہب والوں کی کتابوں کو نہایت عزیز رکھا اور چند روز میں اَور قوموں کے لیئے اُستاد ہونے کی عزت حاصل کی۔

اسکندریہ کے کتب خانہ کے جلانے کا الزام جو بعض ناواقف یا متعصب شخص نے مسلمانوں کو دیا ہے وہ غلط ہے کیونکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ٹولیمز کے کتب خانہ کی چار لاکھ یا سات لاکھ کتابیں جولیس سیزر کی لڑائی میں جل گئی تھیں اور سنٹ کرائی ونے جس نے اسکندریہ کے کتب خانہ کی تحقیق میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں اس روایت کو جھوٹا ٹھہرایا ہے۔ جن دو مورخوں نے یہ کہانی لکھی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اسکندریہ کا کتب خانہ جلا دیا جو چھ مہینے تک جلا کیا محض غلط ہے۔ خود وہ دونوں مورخ ۵۸۰ برس بعد اِس واقعہ کے پیدا ہوئے تھے اور کوئی پہلی سند اُن کے پاس نہ تھی۔

فلسفہ کی بنیاد منصور خلیفہ نے ڈالی مگر مامون رشید اسکے پوتے نے اُن کی تکمیل کی۔ خلیفہ بڑا مربی علم کا تھا۔ اہل شام اور نسطورین فرقے کے عیسائی ترجمہ میں فلسفہ کے اُس کے حامی اور معاون تھے۔ اس کے زمانہ میں بوسیلہ اہل فارس اور اسپین اور علماء یہود کے فلسفہ کو بے انتہا رونق ہوئی۔ اُس کے گماشتہ بلاد ارمن اور شام اور مصر میں یونانی کتابوں کے ڈھونڈھنے کے لیئے مقرر تھے اور ہزارہا اونٹ قلمی کتابوں کے بھرے ہوئے اُس کے دربار میں آیا کرتے تھے۔ کتب فلسفہ کے ترجمہ کا ایک جدا کارخانہ اُس نے مقرر کیا تھا۔ اور بغداد اور کوفہ اور بصرہ اور نیشاپور میں بڑے بڑے مدرسہ اور کتب خانہ قایم کیئے تھے۔ یہ خلیفہ بے تعصبی میں مشہور تھا۔ چنانچہ اُس نے ایک عیسائی عالم کو دمشق کے کالج کا پرنسپل یعنی مدرس اعلے مقرر کیا تھا۔

جس طرح خلفائے عباسیہ کی بدولت بغداد کی سلطنت میں فلسفہ نے ترقی پائی اُس سے زیادہ اسپین میں خلفائے بنی اُمیّہ کے سبب سے روشنی فلسفہ کی پھیلی۔ اس ملک میں بڑا حامی علم اور حکمت کا خلیفہ عبدالرحمن ابن حکم تھا جس نے ہجرت کی تیسری

صدی میں وفات پائی - اس ملک میں علم کی اس قدر ترقی ہوئی کہ ایک کتب خانہ میں چھ لاکھ کتابیں تھیں اور پرانی کتابوں کے نقل کرنے کے لیئے تین سَو کاتب مقرر تھے -

اسپین اور اٹلی میں صد ہا مدرسے ایسے جاری تھے جن میں صدہا عیسائی طلبہ آکر فلسفہ اور حکمت پڑھتے اور پھر اپنے یہاں اُسے جاری کرتے اُس وقت کے مسلمانوں اور فرنگستان کے عیسائیوں کے خیالات کا فرق اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جربرٹ نامی ایک فرانسیسی عالم جب مسلمانوں کے مدرسہ میں فلسفہ اور حکمت سیکھ کر اپنے ملک کو گیا تو لوگوں نے اُسے کافر ٹھہرایا اور جب مر گیا تو یہ کہا کہ شیطان نے علم کا پھل کھلا کر اُسے مار ڈالا -

خلفائے عبیدین نے بھی جن کو یورپ کے مورخ خلفائے فاطمہ لکھتے ہیں مصر میں کچھ کم ترقی نہیں کی اُن کے شاہی کتب خانہ میں بھی ایک لاکھ قلمی کتابیں موجود تھیں جو سنہری جلدوں سے آراستہ اور نہایت خوبصورتی سے رکھی ہوئی تھیں -

ہندوستان کے فتح کرنے والے بادشاہوں نے بھی اس طرف سے غفلت نہیں کی - محمود غزنوی جس کو بعض تربیت یافتہ نامور مشہور ہندوؤں نے اپنی تحریروں میں وحشی اور قزاق لکھا ہے باوجودیکہ وہ لڑائیوں میں مصروف رہا ایک بڑے مدرسے کی بنیاد غزنی میں ڈالی اور مختلف زبانوں کی عجیب عجیب کتابیں جمع کیں اور قدرتی عجائبات کا ایک عجائب خانہ بنایا اور اس مدرسے کے قیام کے لیئے بہت سا روپیہ مقرر کیا - سلاطین غوریہ و تیموریہ نے بھی منطق و ریاضی و طبعیات و ادب کے رونق دینے میں بڑی کوشش کی - اکبر کا زمانہ علمی ترقی کے حق میں مشہور ہے -

اُس زمانہ میں جو کہ یونان کی تاریخ کا چوتھا زمانہ سمجھا جاتا ہے فلسفہ کے چھ مختلف طبقے تھے مگر مسلمانوں نے اُن میں سے عموماً ارسطو کی حکمت کو اختیار کیا کیونکہ اُسکی فلسفہ کو بسبب کوشش علماء اسکندریہ کے مذہبوں سے غلبہ تھا اور اُس کا رواج بھی بہت ہو گیا تھا اور یہی سبب ہوا کہ اُس کی حکمت کی کتابوں کا زیادہ ترجمہ ہوا - مگر وہ افلاطون کی تصنیفات سے بھی محروم نہیں رہے بلکہ اُس کی کتابوں کا بھی ترجمہ عربی میں ہوا چنانچہ مسلمانوں میں ابو نصر فارابی اور بو علی سینا حکمت مشائی میں ایسے ہی

ہوئے ہیں جیسے کہ یونانیوں میں ارسطو۔ اور حکمت اشراق میں شیخ شہاب الدین مقتول
ویسا ہی مشہور ہوا ہے جیسا کہ افلاطون یونانیوں میں۔ مگر اور طبقہ کی حکمت کا زیادہ تر
رواج مسلمانوں میں نہیں ہوا گو وہ اور حکماء کے اصول سے بے خبر نہیں ہے۔

مسلمانوں نے ارسطو کی منطق کو زیادہ پسند کیا اور اُسی کا ترجمہ بھی اُن کے
وقت میں بہت ہوا اول ترجمہ ارسطو کے قیاسات کا حنین ابن اسحاق کے ذریعہ سے
مسلمانوں میں پھیلا۔ پھر ابو بشر نے چند کتابوں کا سریانی سے ترجمہ کیا اور یحیی ابن
عدی اور کندی نے اُسے مرتب کیا اور آخر کو فارابی اور بو علی سینا نے اُسکی تکمیل کی۔
مسلمان عالموں نے جس خوبی سے یونانی اور سریانی اصطلاحات کا ترجمہ اپنی زبان میں کیا
اُسپر وہ بڑی تعریف کے مستحق ہیں۔ جارج ہنری لوئیس صاحب بھی اپنی تاریخ فلسفہ میں
اُسپر بڑی حیرت ظاہر کرتے ہیں۔

مسلمانوں نے اس علم میں ترجمہ اور تقلید ہی پر قناعت نہیں کی بلکہ اُس میں
بہت کچھ ترقی کی چنانچہ تصور و تصدیق کے مباحث اور جزئیات و کلیات کے
اصول اور استخراج نتائج کے ضابطے اور صغریٰ و کبریٰ کی ترتیب اور حد اوسط کا
بیان۔ اور قیاسات کی تقسیمیں جس خوبی سے اُنہوں نے کی ہیں اُس سے اُن کے
دماغ کی قوت ظاہر ہے۔

مسلمانوں نے ارسطو اور افلاطون کی الٰہیات سے بھی واقفیت حاصل کی اور واجب الوجود
اور عقول عشرہ اور روح اور تناسخ اور دیگر مسائل کی بخوبی تحقیق کی اور اُن مسائل کو اپنے
مذہبی مسائل سے تطبیق یا تردید کرنے میں اپنی طبیعت کی چالاکیاں اچھی طرح دکھائیں
اور اُس کے واسطے اُنہوں نے ایک خاص اپنے مذہبی علوم میں داخل کیا جس کا نام
علم کلام ہے۔

طبعیات میں مسلمانوں نے پوری تقلید یونانیوں کی کی مگر چونکہ اُنھوں نے تجربہ
اور مشاہدے اور آلات کے ذریعہ سے کسی چیز کے ثبوت کرنے کی بجائے باریک اور دقیق
منطقی استدلال سے کام لیا اس لیئے وہ اُسکی غلطیوں کو درست نہ کر سکے اس واسطے
ہیولے اور جزو لا یتجزے اور صورت نوعیہ و جسمیہ اور حیز طبعی اور خلا کی نازک بحثوں
کو [illegible] طبعی میں کر دیا اور کائنات الجو اور اجرام فلکی اور عناصر اربعہ کی ماہیت کی تحقیق کرنے

ظاہر ہے۔ بڑیں ہمہ اُنہوں نے اس علم میں بعض نہایت بکار آمد چیزوں کی تحقیق کی ہے جیسا کہ محمد بن ذکریا نے اسباب قوت جاذبہ مقناطیسی پر نہایت عمدہ رسالہ لکھا ہے۔

علم ہیئت میں مسلمانوں نے بڑی ناموری پائی اور بہت زمانہ تک وہ اسکی تحقیقات پر متوجہ رہے بطلیموس کی عمدہ مشہور کتاب مجسطی کا پورا ترجمہ جو حنین ابن اسحاق نے کیا تھا اور جس کی ابن یوسف اور ابن قرہ نے تصحیح اور حکیم نصیر الدین طوسی نے تہذیب و تکمیل کی مسلمانوں کی ترقی علم پر شاہد ہے۔ وہ اس علم کے ایسے قدردان تھے کہ خاص بطلیموس کا بنایا ہوا کرہ قاہرہ کے کتب خانہ میں ۴۳۵ ہجری تک موجود تھا۔

اس علم میں مسلمانوں نے تقلید ہی نہیں کی بلکہ اُس کو تحقیق بھی کیا اور اُسے کام میں بھی لائے خلیفہ مامون رشید کے زمانہ میں اچھے اچھے آلات ایجاد ہوئے۔ سنجر اور کوفہ کے میدانوں میں زمین کے دائرہ عظیمہ کی پیمایش ہوئی جس سے اُس کا وہ صحیح دور جو اب تک مانا جاتا ہے ثابت ہوا۔

پھر اُنہوں نے رصدخانے بھی کثرت سے بنوائے اور نیچ کواکب بھی تیار کیے جس کا نشان سماسیہ بغداد۔ دمشق۔ اندلس۔ سمرقند کے ٹوٹے کھنڈروں سے اب بھی ظاہر ہے۔

مسلمانوں نے بطلیموسی نظام کی غلطی کا کوپرنیکس سے پہلے خیال کر لیا تھا چنانچہ محمد بن عبد الملک طفیل جسکو انگریزی میں ابو باسر کہتے ہیں اور جو بارھویں صدی میں اندلس میں پیدا ہوا اُس نے اس نظام سے انکار کیا جس کی تصدیق اسپٹ ریجیس اپنے رسالہ علم ہیئت کے دیباچہ میں کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ نامی گرامی ابو باسر نے کہا ہے کہ نظام شمسی و حرکات اجرام فلکی میری تحقیقات میں اور ہی طرح پر ہیں جو نظام قدیمہ یونانیہ کے خلاف ہیں۔

علم مرایا و مناظر میں بھی مسلمانوں نے بڑی ترقی کی چنانچہ ابو علی الحسن گیارھویں صدی میں ہوا اُس کا رسالہ علم مرایا و مناظر کا یورپ کی مشہور کتابوں میں سے ہے جسکو وٹنبر نے ترجمہ کیا اور جو ۱۵۷۲ء میں بمقام بیل چھاپا گیا۔ اس محقق نے یونانیوں کی یہ غلطی ثابت کی کہ شعاع نظر آنکھ سے نکلکر کسی چیز پر نہیں پڑتی ہے بلکہ اُس نے

تشریح اور علم مثلث کی دلیلوں سے ثابت کیا ہے کہ تمام چیزوں کی شبیہ نکتہ میں آکر منتہی ہے جس کی تحقیقات کا نتیجہ وہ ہے جو آج فوٹوگراف کی تصویروں سے دکھیائی دیتا ہے۔ بیت اللہ بن حنین بغدادی بنے جو کہ مسترشد باللہ خلیفہ عباسی کے زمانہ میں تھا فود کی رفتار کا اندازہ نکالا اور اُسکو دلایل ہندسیہ سے ثابت کیا۔

علم ہوا میں ابو علی الحسن ہی اس مسئلہ کا موجد ہے کہ جس قدر ہوا زمین کے طبقے سے اونچی ہوتی ہے اُسی قدر وہ سُبک اور ہلکی ہوتی ہے۔

علم ہندسہ و حساب میں مسلمانوں نے بہت توجہ کی اقلیدس کے مقالوں کا ترجمہ یونانی اور سریانی اور رومی زبان سے مختلف عالموں نے کیا جن میں سے حجاج اور حنین اور ثابت اور ابو عثمان کے ترجمے مشہور ہیں پھر اُسکی اصلاح و تہذیب صدہا عالموں نے کی۔ اُسپر سیکڑوں شرحیں لکھیں۔ آخر علامہ نصیر الدین طوسی نے اسکی تکمیل کی اور اُس کے بعد بھی بہت سے عالم ترتیب و تہذیب اور شرح پر متوجہ ہے۔

مسلمانوں نے ارشمیدس حکیم کی کتاب اصول ہندسہ کا بھی ترجمہ کیا اور اُس کی شرحیں لکھیں چنانچہ ابو الحسن علی بن احمد اور نصیر الدین طوسی اور ابو سہل قوشجی کی شرحیں اب تک مشہور ہیں اپلینوس کی کتاب جو مخروطی شکلوں اور خطوط منحنی کے بیان میں ہے اُس کے سات مقالے ترجمے کیئے گئے جس میں سے چار مقالوں کا ترجمہ احمد بن موسیٰ مصری نے اور باقی کا ثابت بن قرہ نے کیا اور اُن کے سوا اور بھی چند نامی حکماء یونان کی کتابیں اس فن کی عربی میں ترجمہ ہوئیں۔

حساب میں بھی مسلمانوں نے کم توجہ نہیں کی۔ اُنھوں نے ہندوؤں سے مراتب اعداد کا رکھنا سیکھا اور اسی لیئے اُس کا نام اُنھوں نے اعداد ہندیہ رکھا۔ فن جبر و مقابلہ کی نسبت اختلاف ہے۔ بعض مسلمانوں کو اُس کا موجد بیان کرتے ہیں۔ مگر صحیح یہ ہے کہ مسلمانوں نے یہ علم ہندوستان کے پنڈتوں اور یونان کے عالموں سے اخذ کیا تھا مگر پھر اُسمیں بہت سی ترقی کی۔

علم طب میں بھی مسلمانوں نے بہت ترقی کی تھی۔ اُنہوں نے ہندوستان میں سفر کیا۔ زبان سنسکرت کو سیکھا اور نہایت مشہور دو کتابیں سنسکرت زبان کی جن کا نام چرک اور سشرت تھا عربی زبان میں ترجمہ کیں۔ سب سے پہلے ۱۶۵ ہجری میں

موسیٰ بن موسیٰ الفزاری نے سنسکرت کا ترجمہ شروع کیا۔ پھر محمد بن اسمٰعیل تنوخی ہندوستان میں آیا اور اُس کے بعد دس عالم ہندوستان میں آئے اور ہندوؤں کے علوم کی کتابوں کو عربی میں ترجمہ کیا۔ بقراط و جالینوس کی عمدہ کتابوں کو بھی اُنہوں نے نہیں چھوڑا۔ بوعلی سینا کا قانون صدہا برس تک یورپ کے مدرسوں میں پڑھایا جاتا تھا۔

اس نامی حکیم کی نسبت جارج ہنری لوئیس صاحب لکھتے ہیں کہ وہ صرف مترجم اور شارح ارسطو کی حکمت کا نہ تھا بلکہ اُس نے بوجہ اپنے علم کمال کے اپنی رائے کو بھی بہت کچھ دخل دیا اور مُردوں کو چیر کر علم تشریح انسان کی غلطیاں درست کیں۔

حواس خمسہ ظاہری و باطنی کی تقسیم اسی کی تحقیق ہے جس کی پیروی اب تک سب کرتے ہیں۔ ہمبولٹ کاسمس میں لکھا ہے کہ دواسازی کا علم عرب نے پیدا کیا چند دواؤں کے مرتب کرنے اور نسخہ لکھنے کا طریقہ اُنہیں کا ایجاد ہے اور پھر وہاں سے اور ملکوں میں پھیلا۔

علم کیمیا یعنی حل و عقد کی ترقی کی نسبت قول گبن صاحب کا کافی ہے کہ وہ لکھتے ہیں کہ اسکی ایجاد عرب ہی سے ہے۔

علم نباتات و معدنیات میں ابو عثمان اور عبدالرحمان سرونی اور عباس ابن جابار کی کتابیں اُن کی توجہ پر گواہی دیتی ہیں۔ طاہر بن محمد یوسف غزنوی نے دس جلدیں اس علم میں لکھی ہیں۔

علم حیوانات میں اُن کو زیادہ ترقی نہیں ہوئی۔ انہوں نے صرف ارسطو اور گلین کی کتابوں کے ترجمہ پر اکتفا کیا۔

علم جغرافیہ میں بھی اُنہوں نے بسبب اپنے دریائی سفروں اور خشکی کی سیاحت اور کثرت تجارت کے اور آخر کو بسبب اپنے فتوحات کے بہت عمدہ تہذیب حاصل کی ادریسی اور ابوالفدا اس فن میں مشہور ہیں۔

علم موسیقی میں فارابی نے وہ کمال حاصل کیا تھا جس کی اہل یورپ بھی تصدیق کرتے ہیں۔ جارج ہنری لوئیس صاحب نے لکھا ہے کہ علم موسیقی میں اسکی تصنیف بہت

کا استعمال کرتے ہیں۔ اُن کے جہاز اہل اسلام کے جہازوں کی نقل ہیں۔ ہندوستان میں بھی محمود بادشاہ گجرات نے ایسا ایک بیڑا جنگی جہازوں کا طیار کیا تھا جس سے بڑھکر ہندوستان میں کبھی نہیں ہوا۔ ضلع کمبرجا پر اِس بادشاہ کے بہت سے جنگی جہاز جن پر توپیں چڑھی رہتیں تیار رہتے۔

اخلاق کو بھی مسلمانوں کے بانی مذہب نے نہایت عمدہ اصول پر قایم کیا۔ سچائی اور وفاداری۔ اخلاص و نیکی۔ ہمدردی و محبت دشمنوں کو معافی اور بُرائی کا بدلا بھلائی اصلی اصول نجات کے ہیں۔

غیر مذہب والوں کے ساتھ جو اخلاق خود بانئ اسلام نے برتے وہ اِس مثال سے ظاہر ہوسکتے ہیں کہ عیسائی ایلچی جب مدینہ میں آئے تو خود اپنی ذات سے اُن کی مہمانداری کی اور باوجودیکہ رومن کیتھلک تھے اور تثلیث کے قایل۔ مگر اُن کو اجازت دی کہ اپنی نماز اُسی مسجد میں پڑھیں جو ایک خدائے واحد ذوالجلال کا نام پکارنے کو کچی مٹی اور کھجور کے درختوں کی لکڑی سے بنائی گئی تھی۔ اگرچہ بعد کو اِس نہایت قابل تعظیم اخلاق کی پیروی کم ہوئی۔ مگر کچھ نہ کچھ اُس کا اثر ہر ایک زمانہ میں پایا جاتا تھا۔ جبکہ بیت المقدس فتح ہوگیا تو وہاں کے عیسائیوں نے اُن اصحاب رسول کی دعوت کی جو کہ بیت المقدس کی فتح کے لیے گئے تھے چنانچہ اُن سب نے قبول کی اور گرجے میں اُن کو کھانا کھلایا گیا وہ سب کھانا کھاتے اور گرجے کی تصویروں کو تعجب سے دیکھتے جاتے تھے۔

سلطان صلاح الدین بھی عیسائی بادشاہوں سے باوجودیکہ ہمیشہ اُن کا متعابلہ کرتا رہا نہایت حسن خلاق سے پیش آتا اور اُن کی تعظیم کرتا تھا۔ امیر صیدا جو عیسائی مذہب رکھتا تھا۔ جب صلاح الدین کے پاس آیا تو اُس نے نہایت تعظیم و تکریم کی اور اُسے اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔ اور شقیق کا امیر جو کہ فرنگیوں کے نامی امیروں میں سے تھا سلطان کے خیمے پر آیا تو اُس نے بڑی عزت کی اور اُس کے ساتھ کھانا کھایا۔ اسپین کے حاکموں اور امیروں نے جیسا برتاؤ غیر مذہب والوں سے کیا تھا اُسکی نسبت جارج ہنری لوئیس صاحب یوں لکھتے ہیں کہ "اسپین میں علم اور حکمت کے کمال نے تعصب کو ایسا مٹا دیا تھا کہ زمانہ حال کے لوگ سن کر تعجب کریں گے کہ یہودی اور عیسائی اور مسلمان ایک ہی زبان بولتے اور ایک ہی قسم کے گیت یا شعر پڑھکر خوش ہوتے تھے۔ ایک ہی طرح کا

خیال رکھتے تھے ۔عرب ۔یہود ۔نصاریٰ کو اپنے فرائض مذہبی اور رسمیات کے ادا کرنے سے مطلقاً مارج اور مانع نہ تھے بلکہ اُن کی دوستی و محبت و ربط و ضبط یہاں تک بڑھا کہ مسلمان اور عیسائی اور یہود میں شادی بیاہ ہونے لگا۔"

ماباپ کے ادب کی نہایت تاکید کی گئی ۔جن لوگوں نے کسی نہایت متعصب مسلمان ترک کو اپنی بوڑھی عیسائی ماں کو اتوار کے دن اپنی پیٹھ پر سوار کر کر گرجا نماز پڑھانے کو لیجاتے دیکھا ہوگا وہ نہایت تعجب کرتے ہوں گے کہ مسلمانوں کے مذہب کے بانی نے ماں باپ کی کس قدر تعظیم و ادب کی تعلیم کی ہے ۔

عرب کے پیغمبر نے عورتوں کو روحانی زندگی میں بالکل مردوں کے برابر کر دیا اتنا فرق بھی اُن میں نہیں رکھا جیسا کہ دائیں اور بائیں ہاتھ ۔یا سولہ آنہ و روپیہ میں ہے ۔وہ اسی طرح نیکی کر سکتی ہیں جس طرح کہ مرد ۔ وہ اُسی طرح روحانی ترقی پا سکتی ہیں جس طرح کہ مرد ۔کوئی بھی نیکی ایسی نہیں ہے جو مرد پا سکتا ہو یا کر سکتا ہو اور وہ نیکی عورت کے لئے نہ ہو ۔ان کے دُنیاوی حقوق سے بھی غفلت نہیں کی ۔ وہ اُسی طرح اپنے مال کی مالک ہیں جیسا کہ مرد وہ سب قسم کے معاہدہ کی مجاز ہیں ۔اپنی جائیداد کی خواہ وہ منقولہ ہو یا غیر منقولہ وہ خود آپ مالک ہیں ۔ہبہ کر سکتی ہیں ۔بیع کر سکتی ہیں ۔تمام تصرفات جو مرد کر سکتا ہے وہ بھی کر سکتی ہیں ۔

پالیگیمی یعنی تعدّد ازواج میں بانی مذہب کا یہ قول ہے کہ ایک دو تین چار تک عورتیں نکاح میں لا سکتے ہو لیکن اگر اندیشہ بھی عدل نہ کر سکنے کا ہو تو پھر صرف ایک ہی چاہیئے پس اگر اس کے حکم منفی کا خیال ہو تو پھر ایک کے سوا جائز نہیں رہتی ۔پس اجازت اور امتناع کو ایسی عمدگی سے ایک ساتھ بیان کیا ہے کہ بجز حالت خاص کے جس کا جائز رکھنا بلا شبہ عقل کے موافق ہے تعدد کو معدوم کر دیا ہے ۔

اس سے بھی زیادہ عمدگی سے طلاق کے مسئلہ کو بتایا ہے ۔طلاق کی اجازت دی جس کی اجازت دینا بلا شبہ نہایت ضروری تھی مگر اسکو ایسا مباح فعل بتایا جس سے بے انتہا ناراضی خدا اور رسول کی پائی جاتی ہے یہاں تک کہ بعض صحابہ نے خیال کیا کہ طلاق دینے والا قتل ہونے کے لائق ہے اور اس عمدہ نصیحت سے طلاق نہایت معتدل طور پر برتی جانے لگی ۔مگر افسوس صد ہزار افسوس کہ ایک بات جو اپنی اخیر عمر میں بانی اسلام نے

فرمائی اور جو سب سے مقدم تہذیب انسانی کا مسئلہ تھا اور جس کو اُس وقت تک کسی
انے نہ کہا تھا اُس پر اس وجہ سے کہ رواج عام کے بالکل برخلاف تھا کسی کا خیال نہیں
گیا اگر بانی اسلام چند روز اَور دنیا میں رہتے تو وہ مسئلہ بھی مثل اَور مسائل کے عام ہوجاتا
اور وہ مسئلہ غلامی کو بالکل معدوم کردینے کا تھا - بانی اسلام نے ان چند لفظوں سے کہ
"فامامنا بعد واما فداء" یعنی لڑائی کے قیدی سب چھوڑ دئیے جاویں خواہ کچھ
لیکر خواہ احسان لھکر غلامی کو بالکل معدوم کردیا ہے اور کچھ شبہ نہیں ہے کہ اس نص
صریح سے مسلمانوں کے مذہب میں غلامی بالکل ممنوع ہے گو کہ کسی کو اس کا خیال نہ
آیا ہو -

دختر کشی کی رسم جس پر عرب کو اس مُلک کے ہندوؤں سے بھی زیادہ فخر تھا کیسی
کچھ مسلمانوں میں سے مٹ گئی جس کا نام ونشان بھی نہیں پایا جاتا -

مسلمانوں کی معاشرت کے طریقے - ملنے جلنے کے قاعدے بھی نہایت عمدہ تھے
بزرگوں کا ادب - بڑے بوڑھوں کی تعظیم - بات چیت میں نرمی واعتدال کسی کی
طرف جھوٹ وعیب کی نسبت کرنے کا خیال - طعن وطنز کا لحاظ فحش اور اخلاق و
حیا کے خلاف باتوں سے نفرت - بے پوچھے کسی بات میں دخل نہ دینا - سرگوشی نہ کرنا
جاہلوں نادانوں سے نہ جھگڑنا - مذہبی گفتگو بے ضرورت نہ کرنا - بیہودہ ہنسی اور جہل سے
نفرت - وہ آداب مجلس تھے کہ جن کے لحاظ نہ رکھنے سے انسان بدتمیز اور سوسئیٹی
سے خارج کرنے کے لائق سمجھا جاتا -

شادی بیاہ کے دستور بھی تہذیب سے خالی نہ تھے - قبل نکاح کے مرد وعورت کا
ایک دوسرے کو دیکھکر پسند کرلینا بے خوف اور بلالحاظ کسی جاہلانہ خیال کے اور
زن وشوہر کا اپنی رضامندی ظاہر کرنا ایک عام دستور تھا نکاح کے وقت ایک مختصر
مجلس عزیزوں اور خاص دوستوں کی مرتب ہوتی - اور ایک مختصر حسب حیثیت سامان
ماباپ کی طرف سے لڑکی کو دیا جاتا - اور بعد نکاح کے ایک مختصر سی دعوت دوست
آشناؤں کی کی جاتی - عورتیں بالکل اپنے گھر کی مالک اور منتظم سمجھی جاتیں - اور سب گھر
کا کام کاج اُن کے تعلق ہوتا - نوکر چاکر بھی اُن کے تابعدار ہوتے یہاں تک کہ مرد بھی
بے رضامندی اُن کے کوئی کام نہ کرتا اگرچہ عورتوں کو باہر نکلنے کی عام اجازت نہ تھی مگر

مسجدوں میں نماز کے لیئے آنے اور بضرورت باہر نکلنے یا اپنے خاوند اور خاص عزیزوں کے ساتھ سفر کرنے سے ممنوع نہ تھیں اور مونھ اور ہاتھ کو تو شرع نے بھی ستر میں داخل نہیں کیا۔ اولاد کی تعلیم اور تربیت پہلے تو اُستادوں اور اتالیق کے ذریعہ سے خاص خاص طور پر دی جاتی مگر تیسری صدی سے عام مدرسوں میں تعلیم دینے اور دور دراز شہروں میں لڑکوں کو بھیج دینے کا عام رواج ہوگیا۔ فارس اور دیلم کے سلاطین و امرا کا تو یہ ایک عام طریقہ تھا کہ اپنی اولاد کو باہر ہی بھیجکر تعلیم و تربیت دلاتے۔ اسی سبب سے اُس زمانہ کے اکثر شہزادے اور امیرزادے عالم اور ادیب اور منشی ہوتے جس کی تصدیق رچرڈسن صاحب نے کی ہے۔ ابوالفدا جو ایک نامی بادشاہ تھا ایسا مورخ و جغرافیہ داں اور مصنف ہوا ہے کہ اُس کی نظیر دوسری قوم میں کم ملیگی۔ کرخ کا مدرسہ جسے وزیر ابونصر نے بنایا اور ناصریہ کالج جسے مستنصر باللہ نے دجلہ کے کنارے پر تعمیر کیا اور جس کے متعلق شفاخانہ اور حمام اور رہنے کے مکانات بھی تھے اور جس کے لیئے لاکھوں روپیہ کا سرمایہ وقف تھا۔ اور نظامیہ مدرسہ بغداد کا عام تعلیم و تربیت کے لیئے عمدہ مدرسے تھے۔

لڑکیوں کی بھی تعلیم گھر پر بذریعہ پڑھی لکھی عورتوں کے یا بُڈھے نیک چلن اُستادوں کے ایسی عمدہ ہوتی کہ صدہا مسلمان عورتیں ایسی گذری ہیں کہ اُن کا کلام اور کتابیں اس وقت ہمارے سامنے موجود ہیں۔ اُس عمدہ تعلیم و تربیت کے سبب سے خیالات اُن کے ایسے روشن ہوجاتے تھے کہ ہمدردی اور قومی بھلائی کے جوش میں اپنا سارا سرمایہ خرچ کردیتیں۔ ناصرالدین بادشاہ حمص کی بی بی زمرد نام نے جو ساتویں صدی میں ہوئی ہے کُل اپنا مال متاع ایک بڑے کالج دمشق کے بنانے اور اُس کے آیندہ اخراجات میں صرف کردیا۔

لباس و پوشاک کا حال یہ ہے کہ عرب کا اصلی لباس کرتہ اور تہبند تھا اور ایک خاص قسم کا عمامہ یا گول ٹوپی اور موزہ یا جوتہ کو بھی وہ ایک ضروری جزو لباس کا جانتے تھے جسکو شارع نے بھی زینت نماز فرمایا ہے مگر پھر مسلمانوں نے کیانیوں اور عجمیوں کا لباس زیادہ پسند کیا اور تھوڑی سی تبدیلی سے اُسے اپنے یہاں رواج دیا۔ بعض بادشاہوں نے خود بھی لباس میں کچھ ایجاد کی جیسا کہ سنہ ۱۵۳ھ ہجری میں منصور خلیفہ نے

ایک لمبی گول ٹوپی جو لکڑیوں کی پتلی تیلیوں سے بنائی جاتی جسپر سیاہ رنگ یا کالا کپڑا منڈھا جاتا اور غالباً وہی ٹوپی ہے جسے اب انگریز استعمال کرتے ہیں۔ پھر تاتار کے مسلمانوں نے وہ سرخ ٹوپی ایجاد کی جسے اب ترک پہنتے ہیں اور ہندوستان کے بھی بعض متعصب مسلمانوں کے مبارک سروں پر دکھائی دیتی ہے۔ شاہ اسمٰعیل صفوی نے بھی ایک خاص قسم کی لال ٹوپی ایجاد کی۔ جس کے سبب سے ایرانی اپنے آپ کو قزلباش یعنی لال سروں والا کہتے ہیں۔ ہندوستان میں بھی ایک خاص قسم کا درباری لباس تجویز کیا گیا۔ یعنی سفید ململ کا جامہ جسے آیا کی گون کہنا چاہیئے اور کمربند اور پگڑی جس کی بڑی زینت بازوبند اور مالا سے سمجھی جاتی تھی۔ یہ لباس شاید مصریوں کا تھا اس لیئے کہ اُس کا نقشہ شہر تھیبس کے قبرستان میں بعض بادشاہوں کی تصویروں میں پایا گیا ہے۔

عورتوں کا لباس گو بہ نسبت ایک چادر اور تہ بند کے بہت درست کیا گیا مگر درحقیقت اُس میں کوئی عمدہ ترقی نہیں ہوئی۔ کھانے پینے میں بھی کیانیوں اور عجمیوں کی طرح دسترخوان کی رونق اور آراستگی حضرت معاویہ امیر شام کے وقت سے شروع ہوئی۔ پھر عباسیوں کے زمانہ میں چھوٹی میز پر کھانا رکھکر کھانے کا رواج ہوا جسے بعض نادان مولویوں نے بدعت بتایا۔ اور چھٹویں صدی تک اُس کا جھگڑا رہا۔ جس کی نسبت امام غزالیؒ نے یہ تصفیہ کیا کہ نہ گناہ ہے نہ بدعت ہے بلکہ اُس میں صرف تعظیم کھانے کی ہے۔ غرض آٹھویں صدی سے لیکر تیرھویں صدی تک مسلمانوں کی طرز معاشرت کو ترقی ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ یورپ نے مسلمانوں ہی کی معاشرت و تمدن دیکھکر اُس میں ترقی کی گیارھویں صدی کے آخر سے تیرھویں صدی تک جو صلیبی لڑائیاں مسلمانوں اور عیسائیوں میں بیت المقدس میں ہوئیں اُس کی نسبت یورپ کے مورخوں کا قول ہے کہ گو اُن لڑائیوں سے بے شمار آدمی ضایع ہوئے اور بہت سا نفیس مال بغیر کسی فائدہ کے ضایع ہوا۔ لیکن انجام کار اُس سے فائدے بھی بہت کچھ ہوئے جس میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ اُسی زمانہ سے اہل یورپ نے فوج کی ترتیب اور اصلاح شروع کی اور تجارت اور زراعت کے طریقے اُن مشرقی قوموں سے سیکھے اور شہریوں کی سی عادتیں اختیار کیں اور دنیا کے حالات کی

تحقیق کے واسطے سفر کی عادت ڈالی۔ خلاصہ یہ ہے کہ یورپ کی قوموں کو تمدن کے طریقے اُسی وقت سے معلوم ہوئے جب سے وہ مسلمانوں کی اُن قوموں سے ملے جو تمدن اور حسن معاشرت اور علوم وفنون اور ہنر و کمالات میں اُن سے فائق نہیں۔

تجارت اور زراعت میں بھی مسلمانوں نے بہت ترقی کی تھی۔ اُن کو ہمیشہ سفر کی طرف رغبت رہی ہے۔ جب اُن کی سلطنت فرانسیس اور اسپین کے پہاڑوں کے بیچ سے گذر کر ہمالیہ تک پہونچی تو اُس وقت وہ دنیا کے بڑے نامی تاجروں میں ہو گئے اور فن زراعت میں تو مثل اُن کے کوئی نہ تھا اس واسطے کہ جس قدر پانی کے خزانے بنانے اور اسکو اپنی کھیتی کی کیاریوں میں برابر پہونچانے میں یہ لوگ مضبوط تھے دوسرا نہیں ہوا۔ اہل عرب پہلے سے تجارت میں نامور ہیں۔ چنانچہ وہ جزیرہ بحر احمر کا جسکو جزیرہ سکاترہ کہتے ہیں اور لنکا کا مغربی کنارہ اور ملیبار عربوں کی بستی سے معمور تھی۔ اور جب مشہور جہاز راں ورسگوڈیگاما صاحب پندرھویں صدی کے اخیر میں ملیبار کے کنارہ پر پہونچے تو اُنھوں نے تمام تجارت مسلمانوں کے ہاتھ میں پائی چنانچہ اَب تک اُن کی نسل باقی ہے جو موپلا کے نام سے مشہور ہیں۔ اور باوجودیکہ اَب وہ بالکل وحشی ہو رہے ہیں مگر ہر قسم کی تجارت کرتے ہیں۔

مسلمانوں نے جب ایران کو فتح کیا اُس وقت دجلہ اور فرات کے موہانہ پر اُنہوں نے بصرہ شہر کو اس ارادے سے بسایا کہ گجرات اور سندھ بھی جو دریائے سندھ کے پورب واقع ہے تجارت کر سکیں۔ اُنہوں نے دریائے فرات کے کناروں سے بحر طلاٹک کے ساحل تک اپنی تجارت پھیلائی اور کارسیکا اور سارڈینا اور جنوبی اٹلی میں بہت سے شہر آباد کیے۔ ایک عرصہ دراز تک میڈی ٹرینین میں اُن کے تجارتی جہاز اپنے بادبانوں سے سمندر کی لہروں کو رونق دیتے رہے۔

سیاست مدن کا طریقہ جو اَب امریکہ میں جاری ہے وہ مدت ہوئی کہ مسلمانوں نے قائم کیا تھا۔ معزز و ممتاز لوگوں کی رائے سے جو کہ رائے دینے کی لیاقت رکھتے تھے اور جن کو اہل حل و عقد کہتے ہیں ایک شخص کا بطور پریسیڈنٹ کے ہونا قرار پایا تھا۔ وہ پریسیڈنٹ جب تک کہ اپنے عہدہ کا کام انصاف سے کرے اپنے عہدہ پر بحال

رہنے کے لائق تھا۔ بیت المال میں سے اُس کو مثل ایک عام مسلمان کے اور کچھ زیادہ حق نہ تھا۔

اس پریسیڈنٹ کو جسے ہم خلیفہ کہتے ہیں تمام امور میں معتبر لوگوں سے مشورہ کر کر کام کرنا واجب تھا۔ غلطی سے روکنے کا ہر ایک مسلمان کا حق تھا۔ اور قصور کی حالت میں موقوف ہوسکتا تھا۔ پہلے خلیفہ نے لوگوں سے کہا کہ اچھی باتوں میں میری مدد کرو اور بُری باتوں میں روکنے کا تمکو حق ہے۔ دوسرے خلیفہ نے رعایا کے دلوں کے امتحان لینے کے لیئے ایک روز خطبہ میں پوچھا کہ اگر میں ناجایز حُکم دوں تو تم لوگ کیا کرو۔ ایک عام جوان آدمی تلوار لیکر کھڑا ہوگیا اور کہا کہ فوراً خلافت کی گدی سے تمکو اُتار دیں اور دوسرے کو خلیفہ بنا دیں۔

چوتھے خلیفہ کو ایک یہودی کے مقابلہ میں زرہ کے دعوے میں ایک عام مسلمان کی طرح جج کے محکمہ میں حاضر ہونا پڑا اور جج نے اُس سچے نیک عادل خلیفہ کے برخلاف حُکم دیا اِس وجہ سے کہ قانون کے موافق ثبوت نہ تھا۔

پانچویں خلیفہ برحق حسن ابن علی کے عہد میں بھی اصول سیاست اسی طرح قایم رہے مگر افسوس ہے کہ بہت سببوں اور بے انتہا خوں ریزیوں کے بچانے کی غرض سے اس خلیفہ برحق نے اپنا عہدہ چھوڑ دیا اور سلطنت شخصیہ قائم ہوگئی جسکو ہمارے پیغمبر نے ملکاً عضوضاً کہا تھا اور جسکو یونانی ٹیرنٹ یعنی ظالم کہا کرتے تھے۔ اُس دن سے اصول سیاست جو مُسلمانوں کے بانی نے قائم کیئے تھے خودمختاری کے پائوں کے تلے روندے گئے۔

شخصیہ سلطنت جاری ہونے کے بعد سلطنت موروثی اور خاندانی ہوگئی اور ولیعہدی اور جانشینی کی خراب رسم جاری ہوئی چنانچہ اکثر ظالم اور بے رحم سلطنت کے مالک ہوگئے جنہوں نے ظلم و ستم سے دنیا کو تاریک کر دیا۔ بہت سے لوگ ان واقعات میں مارے گئے اور اکثر اچھے نیک پاک لوگ جلاوطن ہوگئے مدتوں تک کُشت و خون جاری رہا۔ رعایا کا مال اُن بے رحم بادشاہوں کا ترکہ اور لوگوں کی جانیں اُن کی قربانی اور فدیہ ٹھہر گئیں۔

جب شخصیہ سلطنت کے جاری ہونے سے حکومت کسی قانون عقلی او نقلی کے

تابع نہ رہی بلکہ سلطنت ایک شخص کی خواہشوں اور اُس کے غیظ و غضب کے تابع ہو گئی تب اُس زمانہ کے دانا نیک آدمیوں نے اُس خود مختاری کے روکنے میں بڑی سعی کی۔ اُن کے لیئے ایک مجموعہ قانون کا بنایا جو قرآن و حدیث کے صاف و صریح حکموں یا اُس کے اشاروں کنایوں اور اگلے پانچ وقتوں میں جو واقعات پیش آئے تھے اُن کی نظیروں سے مرکب تھا۔ اور اب جو ہماری فقہ کی کتابوں میں مدون ہے اور جسے قانون شریعت یا محمدن لا کہتے ہیں مگر چونکہ اُس پر عمل کرنا ہمیشہ خود اختیار بادشاہوں کے اختیار میں تھا۔ اور کوئی ایسی جماعت یا ایسی کونسل جو بادشاہ کو اُس کی تعمیل پر مجبور کرے موجود نہ تھی۔ اس لیئے اُس پر بہت کم عمل کیا گیا اور خود مختاری کے روکنے میں یہ قانون کامیاب نہ ہوا۔

جیسا کہ سلطنت شخصیہ کا عام قاعدہ ہے ویسا ہی مسلمانوں کی سلطنت شخصیہ میں بھی ہوا کبھی تخت پر ایسا ظالم قابض ہوا جس نے دنیا کو جور و ظلم سے بھر دیا اور کبھی ایسا نیک اور عادل جانشین ہوا جس نے نہایت عدل و انصاف سے حکومت کی۔ اس وقت مجھ کو نہایت زیبا ہے کہ میں اُس بڑے عادل خلیفہ عبدالعزیز کے نام کو یاد کروں جس نے اپنی حکومت میں نہایت عدل برتا۔ اُس کے عہد کے ایک صوبہ دار اُسامہ نے عیسائی رعایا پر کچھ زیادتی کی تھی۔ خلیفہ نے پابزنجیر اُسکو طلب کیا۔ اور دوسرا حاکم اُسکی جگہ بھیجا جس کو ان احکام کی تعمیل کا حکم دیا تھا کہ تمام عہد و پیمان جو خراج گذاروں سے کیئے گئے ہیں وہ باحتیاط قایم رکھے جاویں اور وہ لوگ اپنے عبادت خانوں اور گرجاؤں پر قابض رہیں۔ کوئی مسلمان ان سے پرخاش نہ کرے نہ اُن پر جھوٹی تہمت لگانے پاوے۔ انصاف کے وقت مسلمان اور غیر مسلمان برابر سمجھا جاوے۔ سلطان صلاح الدین بھی انہیں نیک اور عادل بادشاہوں میں ہوا ہے جس نے کہ مسلمان اور غیر مسلمان کو انصاف میں برابر جانا اور مرنے کے وقت اپنا مال جو وقف کیا اُسکی نسبت وصیت کی کہ بلا لحاظ مذہب کے محتاجوں کو تقسیم کیا جاوے مُسلم ہو یا عیسائی یا یہود۔ ابن سہم کلبی جو ایک مشہور فتحمند مسلمان سردار ہوا ہے جب وہ قرطبہ میں مسند نشین ہوا اور مسلمانوں کو زمین تقسیم کرنی چاہی تو جتنی زمین زرعہ عیسائیوں کے قبضہ میں تھی وہ بدستور اُن کے پاس رہنے دی صرف بنجر اور

غیر مزروعہ زمین کے ٹکڑے جس کا کوئی مالک تھا مسلمانوں کو دیئے۔

عبدالرحمن جب اسپین کا امیر ہوا تو اُس نے سارے گرجے جو خلاف شرط عہد و پیمان کے ضبط کر لیئے گئے تھے واپس کر دیئے۔

طارق نے جس کا نام جبرالٹر یعنی جبل الطارق کی اونچی چوٹی پر لکھا ہوا ہے جب دارالسلطنت اسپین کا محاصرہ کیا اور شہر کے رہنے والوں نے صلح چاہی تو وہ اُن کے ساتھ نہایت مستقل مزاجی سے پیش آیا اور اُن کے قبضہ میں رہنے دیا۔ اُن کے مذہبی دستوروں میں کچھ مداخلت نہ کی بلکہ اُن کے باہمی حقوق و معاملات کے تصفیہ کے لیئے اُن کو اپنے ججوں سے فیصلہ کرانے کی اجازت دی۔

محمد قاسم جس نے اوّل اوّل ہندوستان پر چڑھائی کی گو نیک و منصف امیر میں تھا مگر جس وقت اُس نے مغلوب ہندوؤں کے حقوق کی ہدایت چاہی تو یہ جواب عرب سے اُسکو ملا کہ جب لوگوں نے اطاعت قبول کر لی تو حقوق رعایا کے مستحق ہو گئے اور اس لیئے مذہبی رسومات کے اجرا کی اُن کو اجازت دینی چاہیئے۔ اور جو جاگیریں کہ برہمنوں کی ضبط کی گئی ہوں وہ واگذاشت کر دی جاویں بلکہ تین روپیہ سینکڑہ املاک کے محاصل پر جو راجے اُن کو دیتے تھے وہ سرکاری خزانہ سے دینا چاہیئے۔ کیا نظیر اس کی اور کسی فتحمند قوم کی تاریخ میں پائی جاتی ہے۔

اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ مسلمانوں نے اسی بات میں ناموری نہیں پائی کہ وہ بحر عرب سے نکلکر اسپانیہ کے وادی کبیر میں جا پہنچے اور وہاں سے ہندوستان کے دریائے سندھ میں آنکلے۔ یا عرب، ریگستان اور گرم و خشک پہاڑوں سے چلکر اُنہوں نے اپنی فتح کی جھنڈی اسپین اور فرانس کے پہاڑوں پر گاڑ دی۔ اور تھوڑے زمانہ میں اپنی حکومت اٹھارہ سو فرسخ میں قایم کر لی۔ بلکہ وہ اس باب میں بھی نامور ہیں کہ اُنہوں نے اپنے مفتوحہ اور مقبوضہ ملکوں پر اپنی راست بازی اور عہد و پیمان میں ثابت قدمی ثابت کر دی اور اپنی تھوڑی اطاعت میں غیر قوموں کو ہر قسم کی آزادی بخشی جیسا کہ ڈاکٹر جے اے کانڈی اپنی تاریخ اسپین میں لکھتے ہیں کہ "وہ شرطیں جو فتحمند قوم پر قایم کی گئی تھیں ایسی ہیں کہ لوگوں کو بجائے تکلیف کے اُن فتح کرنیوالوں سے اطمینان ہو گیا اور جب اُنھوں نے اپنی اُس تقدیر کا جو پہلے تھی

اپنی موجودہ حالت سے مقابلہ کیا تو اُن کو یقین ہوگیا کہ اُن کی خوش قسمتی ہوگئی مذہبی رسموں کے بجالانے میں آزادی۔ گرجا و عبادت خانوں کی بخوبی حفاظت۔ مال عزت۔ جان سے پورا اطمینان۔ یہ سب چیزیں اُس اطاعت کا معاوضہ نہ تھیں۔ جو اُنھوں نے اُس فتحمند قوم کی کی تھی۔ محصول جو لگایا گیا تھا وہ بہت ہی ہلکا تھا اور تمام لوگوں پر عرب کا یہ اعتبار بڑھا ہوا تھا کہ وہ اپنے عہد و پیمان کو خوب قایم رکھتے ہیں۔ اُس عام انصاف نے جو وہ ہر درجہ کے لوگوں سے بلا تمیز کسی قوم و مذہب کے کرتے تھے اُن لوگوں کا سب پر اعتبار کرا دیا اور تمام قوموں کی آنکھوں میں اُن کی عزت ہوگئی اور نہ صرف اپنے معاملات بلکہ دل کی فیاضی اور عادات کی عمدگی اور اپنی جبلی خاطر داری سے عرب والے اپنے وقت کے عام لوگوں میں معزز و ممتاز تھے۔

ایک نامی مورخ انگلستان کا لکھتا ہے کہ جب سلطان صلاح الدین نے دوبارہ بیت المقدس کو فتح کیا تو وہ اُن سے اُسی طرح پیش نہ آیا جیسا کہ دسویں صدی کی آخر لڑائی میں فتح کرنے والے مسلمانوں سے پیش آئے تھے۔ اور جنھوں نے بیت المقدس کے قلعہ میں چالیس ہزار مسلمان مع زن و فرزند کے قتل کر ڈالے تھے بلکہ اُس نے کچھ ظلم نہ کیا اور جب اہل قلعہ نے اپنے تئیں اُس کے سپرد کیا سلطان نے اُن عیسائی قیدیوں پر نہایت مہربانی کی اور جو لوگ ایسے غریب تھے کہ اپنی رہائی کی قیمت نہ ادا کرسکے اُنہیں مفت آزاد کر دیا۔ اس بادشاہ کے تہذیب اخلاق کے سامنے بادشاہ فرانس تو کیا بلکہ رچرڈ شیر دل کی بھی کچھ حقیقت نہ رہی۔

مُلک اسپین کو جو ترقی اور آبادی اور رونق مسلمانوں کی حکومت کے زمانہ میں ہوئی اُسکی نسبت ایک فرانسیسی عالم لکھتا ہے کہ اُس کی ترقی اور آبادی کا قیاس اس پر کر لینا چاہیئے کہ ایک مقام قرطبہ میں دو لاکھ گھر اور چھ سو مسجدیں اور پچاس شفاخانے اور اَسّی عام مدرسے اور نو سو حمام تھے اور سڑکوں پر قندیلیں اس قدر روشن ہوتی تھیں کہ شہر میں چلنے والے اُسکی روشنی میں پھرا کرتے تھے۔

جن فتح مند مسلمان بادشاہوں نے ہندوستان کو فتح کیا ان میں بھی اچھے اور بُرے عادل و ظالم سب طرح کے ہوئے مگر اُنہیں کی بدولت ہندوؤں میں تہذیب

شائستگی پھیلی۔جس وقت مسلمانوں نے اپنی فتح کا نشان ہمالیہ پہاڑ کی اونچی چوٹی پر اوڑایا اُس وقت دیکھنا چاہیے کہ ہندوستان کی قوموں کا۔اُن کے لباس کا۔اُن کی طرزِ معاشرت کا کیا حال تھا۔اور مسلمان فتمندوں کی فتوحات نے ہندستان کے دلوں اور اُن کی خصلتوں پر کیا اثر کیا۔اور اُن کے اخلاق و معاشرت و تمدن میں کیسی تبدیلی پیدا کی۔جوتا پہننا اُنہوں نے سکھایا۔کپڑا پہننا اُنہوں نے بتایا۔فرش پر بیٹھنا۔مختلف طرح کے کھانوں کا پکانا۔مکانات کی آراستگی۔علم مجلس۔اور ہزاروں چیزیں تہذیب و شائستگی کی اُنہیں کی بدولت ہندوؤں میں پھیلیں بڑے بڑے شہر اُن کی بدولت آباد ہوئے۔عمدہ عمدہ عمارتیں جو اب دنیا میں بےنظیر گنی جاتی ہیں اُنہیں کی توجہ سے تعمیر ہوئیں۔ہاں یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اُن کا زمانہ ایسی تہذیب اور سویلیزیشن کا تھا جیسا کہ اب کوئین وکٹوریا کا ہے۔جن متعصب مورخوں نے مسلمان بادشاہوں کے کچھ صحیح کچھ غلط حالات ایک تعصب کے جوش سے بیان کیے ہیں۔اُن کو چاہیے کہ اُن کے وقت کا مقابلہ نارمن لوگوں کے اُس عہد سے کرتے جبکہ اُنہوں نے اینگلو سیکشن پر فتح پائی تھی نہ کوئین وکٹوریا کے عہد سے۔

چند سال ہوئے کہ ایک ہندو نے ویسرائے کی دارالحکومت یعنی کلکتہ سے پورانی مغل کی دارالخلافت یعنی دہلی تک سفر کیا اور اُس مختصر سفر کا ایک سفرنامہ تیار کیا جس کی عبارت اُنھوں نے اپنی دانست میں لارڈ مکالی کو شرمانے والی لکھی تھی اُس میں اُنھوں نے لکھا تھا کہ کوئی آفت اور کوئی مصیبت مسلمانوں کی عملداری سے زیادہ ہندوستان میں نہ تھی۔اُنھوں نے تمام خوبیوں کو برباد کر دیا تھا۔اس کتاب پر ٹیمز لنڈن کے اخبار میں ایک ریویو نکلا تھا۔اُس ریویو میں یہ فقرہ مندرج ہے کہ "مسلمانوں کو بُرا کہنا اُن کے عیبوں کو ڈھونڈھنا گو وہ صحیح ہوں ایک ہندو کے مونھ سے نہایت نازیبا معلوم ہوتا ہے"

ایک بڑا الزام مسلمانوں کی سیاست پر یہ دیا جاتا ہے کہ مذہب تلوار کے زور سے پھیلایا گیا اور لوگ زبردستی مسلمان کیے گئے۔مگر یہ الزام حقیقت میں صحیح نہیں ہے۔سیل صاحب لکھتے ہیں کہ "وہ لوگ نہایت دھوکہ کھاتے ہیں جو خیال

کرتے ہیں کہ مذہب اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے۔ پھر یہ بھی لکھتے ہیں کہ "ان لوگوں نے اسلام کیوں قبول کیا جن مسلمانوں نے کبھی فوج کشی نہ کی تھی اور پھر ان لوگوں نے جنہوں نے اہل عرب کو ان کے فتوحات سے محروم کر دیا اور ان کی سلطنت بلکہ خلیفوں کا خاتمہ کر دیا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بات اس سے بڑھکر تھی جو ایک مذہب میں عموماً خیال کی جاتی ہے۔ اور جس سے ایسی عجیب ترقی ہوئی وہ لوگ جو مسلمانوں کو یہ الزام دیتے ہیں کیا جواب دے سکتے ہیں اس بات کا کہ ترکی جنہوں نے حجازیوں پر آٹھویں صدی کے اخیر پر حملہ کیا مسلمان نہ تھے اور پھر تھوڑے ہی دنوں بعد اپنے مغلوب حجازیوں کے دین میں مسلمان ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اسلام کی خوبیوں نے ان کو مسلمان کر دیا۔ گبن صاحب کہتے ہیں افریقہ اور ایشیا کے لوگو کہا تو مسلم جنہوں نے کہ عرب کے مسلمانوں کی تعداد بڑھادی۔ ایک خدا اور اسکے رسول پر ایمان لانے میں فریفتہ ہو گئے تھے"۔ الفنسٹن صاحب نے بھی ہندوؤں کا جبراً مسلمان کرنا تسلیم نہیں کیا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ محمود غزنوی نے ایک ہندو کو بھی جبراً مسلمان نہیں کیا۔ نہ سوائے لڑائی کے کسی ہندو کے خون سے تلوار کو آلودہ کیا۔

یہ حال مسلمانوں کے پہلے زمانہ کی تہذیب کا تھا مگر جب ہم اس کا بیان کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اب کیسی ہے تو نہایت درد و حسرت سے ہمکو یہ لکھنا پڑتا ہے کہ بہ نسبت سابق کے ہر بات میں مسلمانوں کی تہذیب نہایت تنزل پر ہے۔

مذہب کا یہ حال ہے کہ جو مسئلہ اصل اصول اسلام کا تھا یعنی سوائے ایک خدا کے اور کسی کو نہ ماننا وہ اپنی اصلیت پر نہ رہا۔ ہزارہا مسلمان ہیں جو سوائے خدا کے ظاہراً یا باطناً زندوں یا مُردوں۔ جاندار یا بے جان چیزوں کو پوجتے ہیں۔ اور جن اور بھوت و پلید کو مانتے ہیں۔ تعویذ و گنڈہ بتاتے ہیں۔ حاضرات کا عمل کرتے ہیں شگونوں پر چلتے ہیں۔ خدا کے سوا اوروں کی نذر نیاز کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض کمبخت خدا کے سوا اوروں کی نماز بھی پڑھتے ہیں۔

روحانی تہذیب جو جان اسلام کی تھی اس کا لوگوں کے دلوں میں کچھ بھی اثر پایا نہیں جاتا صرف ظاہری بناؤ و سنوار پر اصل اسلام رہ گیا ہے۔ صدہا مسلمان ہیں کہ پہروں ہاتھ پاؤں دھوتے ہیں گھنٹوں دریا میں پڑے رہتے ہیں۔ بے محراب کے

جانماز کے نماز نہیں پڑھتے ۔ بے زیتون کے دانوں کے خدا کا نام نہیں لیتے دکھلانے کے لیئے جیب میں مٹی کے ڈھیلے ۔ اور بند میں پہلو کی مسواک ۔ اور دوش پہ مصلے اور رومال ہیں سُرمہ دانی لیئے اور ہاتھ میں تسبیح لیئے پھرتے ہیں مگر افسوس ہے کہ دل کو بُرے خیالوں اور بد جذبوں سے پاک کرنے سے مُراد پر پہونچنے کی کچھ فکر نہیں کرتے ۔

مذہبی تعلیم بھی اپنی حالت پر باقی نہیں رہی ۔ اچھے اچھے عالم بجائے وعظ و نصیحت کے جب کسی مخالف سے بات کرتے ہیں تو اُن کا چہرہ سرخ آنکھیں نیلی پیلی ہو جاتی ہیں ۔ بُرا بھلا کہنے لگتے ہیں ۔ یہاں تک کہ اگر سیاست کا خوف مانع نہ ہو تو مار ڈالنے میں بھی تامل نہ کریں ۔

ایسے مغلوب الغضب لوگوں کے علاوہ جو نہایت نیک عالم ہیں اُن کا بھی وعظ اپنے ہی مسجد کے سایہ اور مریدوں کے حلقہ میں ہوتا ہے ۔ اور اُنہیں باتوں پر جن کو ہر کوئی جانتا ہے ۔ ہم نے آج تک نہیں سُنا کہ کبھی مولوی صاحب نے مسجد سے نکل کر مذہبی منادی کرنے کے لیئے کسی ریگستان کی گرم ہوا کا صدمہ اُٹھایا ہو ۔ کسی پہاڑ پر جنگلی لوگوں میں اسلام کے پھیلانے میں مصیبت سہی ہو ۔ یا سوائے اُن معمولی باتوں کے جس سے سب کے کان بھرے ہوئے ہیں کسی نے کوئی تحقیق کی بات بھی زبان سے نکالی ہو ۔

امامت کی یہ کیفیت ہے کہ ہر ایک فرقہ ۔ ہر ایک گروہ نے اپنا ایک جدا امام ٹھہرالیا ہے ۔ اور اُن کو روم کے پوپ سے بھی بڑھکر معصوم سمجھ رکھا ہے ۔ اور قرآن تو صرف تعویذ بناکر بازو پر باندھ لینے یا مُردوں پر فاتحہ پڑھنے کے لیئے رہ گیا ہے ۔

اجتہاد پر وہ اعتقاد ہے کہ ہر ایک نے اپنے مجتہد کو نبی سمجھ رکھا ہے ۔ سرمو اُنکے قول یا فعل یا رائے سے تجاوز کرنا جائز نہیں جانتے ۔ اُن کے نزدیک اُس پاک اور معصوم نبی کے قول جس کی باتیں ریگستان اور عرب کے پھرنے والے سمجھ لیتے تھے اُن کے مجتہدوں کے سوا دوسرا کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا نہ بے واسطہ اُن کے مجتہدوں کے کسی کو اُسپر چلنا جائز ہے ۔

جوگی پنے اور تجرد اور رہبانیت کا وہ حال ہے کہ صدہا جوگی مسلمان خیالی دنیا

چھوڑے ہوئے جزیہ تحصیل کرتے اور اپنی جھولیوں کو گول گول بعض نورانی سے بھرے
ہوئے دنیا داروں کو بُرا بھلا کہتے پھرتے ہیں اور مسلمان جاہل بھی اُن کو ولی اور
خدارسیدہ سمجھکر اُن کے ہاتھ نقد وغیرہ کو رشوت بھیجتے ہیں۔

تبرکات اور رسوم اور تیوہاروں کا حال ظاہر ہے کہ ہر شہر میں قدم رسولؐ اور
مولا علیؓ کی درگاہ اور امام حسینؓ کی کربلا اور حضرت عباسؓ کا روضہ اور بی بی فاطمہؓ کی
زیارت موجود ہے اور صدہا مرے ہوئے ولیوں کے مزاروں پر عیدگاہوں سے زیادہ
ہجوم ہوتا ہے اور اُن کے تبرکات کی زیارت نجات کا ذریعہ سمجھی جاتی ہے اور اُن کے
مٹی کے ڈھیروں سے مرادیں مانگی جاتی ہیں۔

علم کا یہ حال ہے کہ علم ادب کسی کو اس زمانہ میں آتا ہی نہیں۔ شاید معدودے چند
مسلمان عالم ہوں گے جو ٹوٹی پھوٹی عربی لکھ سکتے یا بول سکتے ہوں۔

علوم مذہبی کا جاننے والا اور تحقیق کرنے والا ایک بھی نہیں رہا۔ بڑی علمیت ایسی
رہ گئی ہے کہ فقہ و حدیث یا تفسیر کی کتابوں میں سے کسی مطلب کے لیئے کوئی روایت
ڈھونڈھکر نکال لیجاوے خواہ وہ صحیح ہو یا غلط۔

فلسفہ تو اب ہماری قوم میں نام کو بھی سُنا جاتا۔ چند طالب علم کہیں کہیں یونانی
فلسفہ کی کتابیں پڑھتے ہیں جس کی اصلیت سے پڑھانے والا پڑھنے والے سے کچھ
زیادہ واقف نہیں ہوتا۔

طبعیات جاننے والا مسلمانوں میں کوئی نہیں رہا۔ ہاں چند مسایل کا بیان اس زمانہ
کے عالم اس طرح پر کرتے ہیں کہ عناصر چار ہیں۔ خاک۔ باد۔ آب۔ آتش۔ یہ چاروں بسیط
ہیں خاک کے اوپر آب اور آب کے اوپر باد اور باد کے اوپر آگ ہے اور وہ بہت بڑا
ناری کرہ ہے۔ آسمان کی حرکت سے مشتعل رہتا ہے۔ مگر چونکہ قطبین کی طرف حرکت
کم ہے اس لیئے وہاں مشتعل بھی کم ہے۔ اور اس سبب اس کی شکل اہلیلجی ہو گئی ہے
جب شاگرد پوچھتا ہے کہ اہلیلجی کیا شکل ہے تو اُستاد اپنی سُرمہ دانی نکال کر دکھلاتے ہیں
کہ ایسی بیچ میں سے موٹی۔ دونوں طرف سے پتلی۔ پس اس زمانہ میں عالموں کی یہ طبعیات
رہ گئی ہے جسپر ہر کوئی ہنستا ہے۔

علم ہیئت بڑے بڑے درسگاہوں میں تشریح الافلاک و قوشجی سے زیادہ نہیں پڑھایا

جاتا۔ بڑے بڑے عالم اس زمانہ کے جغرافیہ سے زیادہ نہیں جانتے۔ اُس میں یہ پڑھایا جاتا ہے کہ آسمان پیاز کے پتروں کی مانند تودرتہ ہے۔ سب سے اوپر کے پتر کی حرکت سے تمام اندرونی پتر سے حرکت کرجاتے ہیں اور اسی طرح سے دن رات اور رات دن ہوجاتا ہے۔ دُم دار ستارے کو اب تک ہمارے مولوی صاحب یہی سمجھتے ہیں کہ وہ زمین کا دھواں ہے جو کہ آگ کے کرہ تک پہنچنے سے جلنے لگتا ہے اور رفتہ رفتہ بُجھ جاتا ہے۔

ہندسہ حساب کچھ باقی ہے۔ اقلیدس کا ایک مقالہ اور خلاصۃ الحساب کی تحصیل اربعہ یا جذر تک فضیلت کی پگڑی بندھوا دیتی ہے۔ مگر طالب علم یہ سوچتے ہیں۔ کہ تحریر اقلیدس کے پڑھنے اور ان ٹیڑھی سیدھی شکلوں کے بنانے میں کیا فایدہ ہے۔

علم طب۔ اب یہ علم بے شک بڑی ترقی پر ہے۔ جس کے عالم یعنی طبیب ابھی تک معدہ سے جگر تک ماساریقا ہی کی تنگ راہ کو ڈھونڈھ رہے ہیں۔ قطع نظر اسکے یہ علم جس قدر کہ مسلمانوں میں تھا اب اُس کا جاننے والا ہی نہیں رہا۔

علم نباتات کی تحقیقات اعلیٰ درجہ پر پہنچگئی ہے۔ اچھے پڑھے لکھے مسلمانوں نے لکھا ہے کہ سرندیب میں ایک درخت ہے جس پر کلمہ لکھا ہوا ہے۔ نہ زمین پر اُس کا پتہ گرتا ہے نہ کوئی جانور اُسے کھاسکتا ہے ہمیشہ تر و تازہ رہتا ہے۔ بڑے بڑے عالموں کا اس پر یقین ہے کہ بعضی بوٹیاں ایسی ہیں جن سے سونا چاندی بن سکتا ہے۔

علم حیوانات میں بلا شبہ بڑی ترقی ہے۔ کیونکہ ہم اپنے ہاں کے بڑے بڑے عالموں کو تقریر کرتے سُنتے ہیں کہ اگر بکری کتے سے بچہ پیدا ہو تو اُس کا کھانا درست ہے یا نہیں۔

علم جغرافیہ کا بیان کرنا بیفایدہ ہے۔ بڑے بڑے عالم یہ یقین رکھتے ہیں کہ عدن میں شداد کی بہشت موجود ہے جس کی دیواریں سونے چاندی کی اور ستون زمرد و یاقوت کے ہیں اور موتی و جواہر کنکر پتھر کی طرح پڑے ہیں۔ اگر کوئی بھولے سے پہونچ جاتا ہے تو اونٹ اپنا جواہروں سے بھرلاتا ہے۔

دستکاری و فنون بعض تو معدوم ہوگئے اور جو مفید تھے وہ اب تک ہیں اور میری دانست میں بہ نسبت زمانہ سابق کے زیادہ ترقی پر ہیں۔

اخلاق کا یہ حال ہے کہ سچائی اور وفاداری۔ اخلاص و محبت۔ نیکی و ہمدردی کا نام

نہیں۔ جھوٹ اور مکر۔ ریا اور نفاق۔ کینہ اور عداوت سے گنتی ہی کے مسلمان محفوظ ہوں گے۔

* دو آدمی جن سے کسی کی جان پہچان نہ ہو اس خلاص سے ملیں گے کہ گویا ماں جائے بھائی ہیں۔ مگر دو دوست ایسے کم نکلیں گے کہ پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کی بدگوئی اور غیبت نہ کریں۔ موںھ پر تعریف کرنا اور پیچھے گالیاں دینا ایک عام خصلت ہے۔ اقرار کا پورا کرنا۔ وعدہ کا وفا کرنا کوئی جانتا ہی نہیں۔ مکر وریا کی مجسم صورت کسی نے نہ دیکھی ہو۔ وہ ہمارے زمانہ کے مولویوں اور درویشوں کو دیکھ لے۔ صورتاً یں فرشتے اور سیرتاً یں شیطان۔

حسد اور عداوت تو ہملوگوں کا خمیر ہو رہا ہے۔ کسی کی عزت ہملوگوں سے دیکھی ہی نہیں جاتی۔ ہمدردی اور عام محبت کا تو سایہ بھی کسی کے دل پر نہیں پڑا۔ ہمارے خیال ہی میں یہ بات نہیں آتی کہ انسان اپنے ذاتی کاموں کے سوائے عام بھلائی کے کام بھی کرتا ہے۔

غیر مذہب والوں سے سچائی اور اخلاص اور محبت سے پیش آنا تو مسلمان کو اسلام سے خارج کر دینا ہے۔ ہاں جھوٹی خوشامد کرنا اور نہایت عاجزی اور ذلت سے کسی اُمید یا خوف کے سبب سے سر قدموں پر رکھ دینا عام دستور ہے۔

آداب مجلس کے تو ایسے ہیں کہ جس نے جنگل میں بھیڑ بکریوں کا ریوڑ نہ دیکھا ہو وہ مسلمانوں کی مجلس کر دیکھ لے۔ بلا اطلاع بے اجازت کے بے ضرورت کسی کے ہاں جانا۔ بے وجہ پہروں بیٹھے رہنا۔ اور بیہودہ فضول اور لغو باتیں کرنا۔ اور فحش اور اخلاق و حیا کے برخلاف مثلوں اور کہاوتوں اور شعروں کا زبان پر لانا۔ بات بات پر قسم کھانا۔ ایک کا دوسرے کو برملا جھوٹا کہہ دینا۔ حرکات و سکنات میں آدمیت کا لحاظ نہ رکھنا بات کرتے کرتے قہقہہ مار کر دوسرے کے ہاتھ کو زور سے جھٹک دینا۔ یا اُس کے زانو پر ہاتھ مارنا۔ کسی کی بات کو پوری ہونے سے پہلے بیچ میں بول اُٹھنا معمولی آداب ہمارے یہاں کی مجلسوں کے ہیں۔

شادی بیاہ کے دستور نہایت ہی نامعقول ہیں۔ اوّل تو سب سے بڑا مقصود نکاح کا یعنی رضامندی طرفین کی حاصل ہی نہیں ہوتا۔ نہ مرد عورت کو دیکھنے پاتا ہے

نہ عورت مرد کو ۔ یومنون بالغیب پر نکاح کا مدار رہا ہے ۔ کبھی اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مرد وزن دونوں نکاح سے ناراض ہوتے ہیں مگر شرم و خوف سے کچھ بول نہیں سکتے ۔ مرد تو دل سے انکار اور زبان سے اقرار کرتا ہے اور عورت اپنی زار حالت پر آٹھ آٹھ آنسوؤں سے روتی ہے ۔ عین نکاح کے وقت جو نامعقول رسمیں ادا کی جاتی ہیں وہ تو ذکر کرنے کے بھی لائق نہیں ۔ اگر ہندوستان کا دولھا پھولوں کا سہرا سر پر ڈالے سُرخ جوڑا پہنے آنکھوں میں کاجل لگائے ۔ ہاتھ پاؤں میں مہندی ملے ہوئے ایک ٹٹو پر سوار ولایت کی کسی تھیٹر میں کھڑا کر دیا جائے تو غالبًا سارا شہر اس عجیب تماشا کے دیکھنے کو جمع ہو جاوے پھر فضول اخراجات شادی کے اور کھانا بانٹنا یا عام گروہ کو بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کی طرح اکٹھا کر کے کھانا کھلانا کیسی نامعقول رسم ہے ۔ اُس پر قصبات و دیہات کی وحشیانہ رسمیں تو وبال جان ہیں ۔ شرم اس کا نام ہے کہ عورت مر جاوے پر کسی کے سامنے خاوند سے نہ بولے ۔ بوڑھی ہو جاوے مگر ماں باپ کے سامنے گھر کا انتظام نہ کرے اور اگر بھولے سے نام خاوند کا لے لیتی ہے تو نکاح ہی ٹوٹ جاتا ہے ۔

اس میں کچھ شُبہ نہیں کہ مسلمان عورتیں شریف خاندان کی اکثر پڑھی لکھی اور خوش سلیقہ باتمیز صاحب عصمت و حیا ہوتی ہیں اور اپنے گھر کا انتظام نہایت خوبی سے کرتی ہیں ۔ اور خاندانی عزت کا خیال تو اُن کا خمیر ہے ۔ مگر مردوں کی نالائقی اور بد چلنی اور نکاح کے نامعقول دستوروں اور معاشرت کی بد رسموں کے سبب اکثر وہ اُس خوشی سے محروم رہتی ہیں جس کی وہ مستحق ہیں ۔

بیوہ عورتوں کے نکاح کا معیوب جاننا جو سراسر اسلام کے خلاف ہے عام دستور ہے مگر یہ ساری خرابیاں ہمارے مُلک ہندوستان ہی میں ہیں اور مسلمانی ملکوں میں یہ خرابیاں کم ہیں ۔

اولاد کی تعلیم و تربیت کا یہ حال ہے کہ تمام ہندوستان میں ایک مدرسہ بھی ایسا نہیں ہے جو موافق اس ترقی یافتہ زمانہ کی حالت کے کافی ہو ۔ بعض نیک مسلمانوں نے اپنے طور پر چند جگہ عربی فارسی کے مدرسے قایم کیئے مگر افسوس ہے کہ ان کی بھی مدد مسلمانوں نے نہ کی ۔ روز بروز اُن کی حالت بھی تنزل پر ہے ۔ لیکن اگر وہ ترقی بھی پاویں تب بھی ہماری حاجتوں کے لیئے کافی نہیں ہیں ۔ اس لیئے کہ جو علوم اُن میں پڑھائے جاتے ہیں

اُن میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ جن کے اصول ہی غلط ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ زمانہ حال کی ترقی نے اُن کا رنگ ڈھنگ بدل دیا۔ اور بعض بالکل غیر مفید اور فضول ہیں۔ ان علموں سے ہرگز یہ اُمید نہیں ہو سکتی کہ ہمارے خیالات کو ترقی ہو۔ یا ہمارے دلوں میں آزادی اور تحقیق کا ولولہ پیدا ہو۔ یا دنیا کے عجائبات اور موجودات کے حقایق کے دریافت کرنے میں ہمکو اُن سے کچھ مدد ملے۔ یا وہ ہمارے فنون کی ترقی اور تجارت اور زراعت اور مال و دولت کے بڑھانے میں کچھ کام آویں۔ پھر جس طور پر تعلیم ہوتی ہے وہ بھی ایسی نہیں ہے کہ جس قدر عمر کا حصہ اُس میں صرف ہوتا ہے اُس کا پورا معاوضہ ملتا ہو یا سوائے لفظوں اور عبارتوں کے علوم کی حقیقت کا اثر پڑھنے والے کے دل پر ہوتا ہو۔

تعلیم سے بڑھکر ہماری اولاد کو تربیت کی حاجت ہے جس کا کچھ بھی سامان نہیں ہے ہزار ہا لڑکے اُن خاندانوں کے جو کہ علم اور شرافت اور عزت میں نامور ہیں کمینوں کی صحبت میں مٹھیکر اُن کی بد عادتیں اختیار کر لیتے ہیں۔ اور بدچلن بازاری آدمیوں کے ساتھ رہکر آوارہ ہو جاتے ہیں۔ اور امیروں اور نوابوں کی اولاد کا بدچلن ہونا تو ایک ضروری امر ہے اِس لیئے کہ ہندوستان کی امیری اور بدچلنی۔ نوابی اور جہالت لازم و ملزوم ہیں۔ اِن فتنوں سے بچکر اگر تربیت بھی ہوتی ہے تو ایسی کہ جس کا فائدہ تربیت نہ پانے سے زیادہ نہیں ہوتا۔ مدرسوں کے طالب علم اگر صبح سے آدھی رات تک برابر کتاب دیکھتے رہیں تو بڑی تعریف کے مستحق ہوتے ہیں۔ اور کوئی ایسا کھیل جس سے اُن کے قوائے جسمانی کو طاقت ہو اور قدرتی جذبات شگفتہ ہوں کھیلنے نہیں پاتے۔ نہ اُس کا کچھ سامان ہے اسواسطے اکثر طالب علم ایسے ضعیف و کمزور و لاغر ہوتے ہیں کہ جب وہ مدرسہ سے نکلتے ہیں تو شبہ ہوتا ہے کہ شاید کوئی مُردہ قبر سے نکلا ہے پھر اخلاق کے درست کرنے اور چال چلن میں شایستگی پیدا کرنے اور عمدہ طور سے زندگی بسر کرنے کی عادت ڈالنے کا کوئی سامان نہیں ہے۔ یہ مثال ٹھیک ٹھیک ہمارے مدرسہ کے پڑھے ہوؤں پر صادق ہوتی ہے کہ مولویوں کی عقل لڑکے۔ اور لڑکوں کی عقل کتاب لیلیتی ہے۔ یہ نقص تعلیم و تربیت کا زیادہ تر ہندوستان ہی سے مگر ٹرکی و مصر و ٹونس میں انتظام ہوتا جاتا ہے۔ چنانچہ پندرہ ہزار مدرسے ٹرکی کی عملداری میں ہیں جس میں

دس لاکھ سے زیادہ لڑکے پڑھتے ہیں اور خاص قسطنطنیہ میں ایک یونی ورسٹی قایم ہے۔ اور دستور التعلیم کے مدرسے اور عورتوں کے اسکول۔ انتہائی علوم کے کالج بالکل یورپ کے ڈھنگ پر جاری ہیں۔ مصر میں بھی اسی طور کا انتظام ہے۔ خود خدیو مصر کے دونوں لڑکے لنڈن کے مدرسہ میں تعلیم و تربیت پاتے ہیں۔

لباس و پوشاک ہم ہندوستانیوں اور سنٹرل ایشیا کے مُسلمانوں کا کچھ عمدہ نہیں ہے۔ نہ خاص خاص وقتوں اور جلسوں کے لیئے کوئی مخصوص لباس ہے۔ مگر جو لباس ترکوں نے سلطان محمود کے وقت سے پسند کیا ہے اور جسے بعض دانا مسلمانوں نے ہندوستان کے بھی اختیار کیا ہے وہ نہایت عمدہ ہے۔ عورتوں کا لباس تو ایسا ہے کہ خود مہذب مسلمان اُس سے شرماتے ہیں۔

ہم ہندوستان اور ایشیا کے مُسلمانوں کے کھانے کا طریق بھی کچھ عمدہ نہیں۔ مگر ترکوں اور اکثر مصریوں نے بالکل یورپ کے طور پر یا قریب قریب اُس کے طرز کھانے پینے کا اختیار کیا ہے اور ہندوستان کے بھی بعض تہذیب یافتہ مُسلمانوں نے اُسے رواج دیا ہے۔

سیاست مدن میں ایشیا کے مسلمان نہایت ابتری کی حالت پر ہیں۔ بخارا اور خیوا اور مسقط اور زنجبار میں جیسے شرع اور عقل اور انصاف و اخلاق کے برخلاف سیاست کے قاعدے جاری ہیں اور جس میں سے بعض ظلموں کے دور کرنے کے لیئے یورپ کی تربیت یافتہ گورنمنٹوں نے اپنا فرض بھی ادا کیا اُن سے مُسلمانوں کی بہت کچھ بدنامی ہوتی ہے ہاں یورپ کی دیکھا دیکھی ٹرکی اور مصر اور ٹونس میں کچھ کچھ ترقی شروع ہوئی ہے اور سیاست مدن کی اصلاح ہوتی جاتی ہے۔ اُن کے پورانے تاریک خیالات بدلتے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک نامہ سے جو سلطان نے جنوری ۱۸۶۷ء میں شاہ بخارا کو لکھا تھا جب کہ اُس نے سلطان سے بمقابلہ روس کے مدد مانگی تھی۔ شاہ بخارا اور سلطان کے خیالات کا تفاوت معلوم ہوتا ہے۔ سلطان لکھتا ہے کہ معمول سلطنت یہ ہے کہ اپنے دوست اور آشنا کو پہچانتا رہے اور سلاطین دور و نزدیک سے راہ و رسم جاری رکھے اور رشتہ محبت و الفت کو محکم و مضبوط رکھے مگر تم نے کسی سلطنت سے راہ و رسم ظاہری پیدا نہ کی اور وضع و برتاؤ اپنا یہ رکھا کہ کوئی سیاح یا کوئی وکیل کسی سلطنت کا تمہارے

ملک میں وارد ہوا اگر وہ قوم انگریز یا روس ہوا تو اُس کو تم نے سر بازار قتل کیا اور اگر اہل ایران تھا تو اُس کو شیعہ ہونے کے سبب پکڑ کے فروخت کیا اگر باشندہ روم تھا تو اُس پر تہمت جاسوسی اور خفیہ نویسی لگا کر چاہ سیاہ میں قید کر کے ہلاک کیا - اب انصاف کرنا چاہیئے کہ یہ راہ و رسم کیسی ہے - تم نے وہ طریقہ رکھا ہے کہ کسی سلطنت کی تمہارے ساتھ دوستی نہیں تو اب کس واسطے اور کس رابطہ سے امداد چاہتے ہو اور میں باظہار کونسی راہ و رسم کے شاہ روس سے بگاڑوں - یہ فرق جو شاہ بخارا و سلطان کے خیالات میں ہوا صرف نتیجہ یورپ سے نفرت اور اختلاط کا ہے - یہ کیفیت حال کے تنزلات کی جو بینے بیان کی ضرور ہے کہ اُس کے سببوں پر بھی کچھ غور کرنا چاہیئے - اس لیئے کہ ہر نتیجہ ایک مناسب سبب سے پیدا ہوتا ہے - اور ہر ایک سبب کا اُس کے مناسب نتیجہ ہوتا ہے پس یہ ایک نہایت ضروری امر ہے - اُن سببوں کی چھان بین کی جاوے جن سے یہ تنزلات پیدا ہوئے - چنانچہ میرے نزدیک اُس کے چند سبب ہیں - اول شخصیہ سلطنت کا ہونا - تمام ایشیا میں مُلکی اور قومی اور علمی ترقیاں یا تنزلات ایک بادشاہ کے خیال پر منحصر ہیں - جس طرف وہ متوجہ ہوتا ہے کُل رعایا کی توجہ اُسی طرف ہوتی ہے - چونکہ مسلمانوں میں سوائے ابتدائی زمانہ کے ہمیشہ شخصیہ سلطنت رہی اور مختلف مزاج اور مختلف خیال کے بادشاہ تخت نشین ہوئے اس لیئے پوری پوری ترقی کسی بات میں حاصل نہیں ہوئی اور اخیر میں جب بادشاہ برابر نالایق اور جاہل اور کاہل ہوتے گئے اور علوم و فنون کی طرف اُنہوں نے کچھ توجہ نہ کی - مُسلمانوں کو بھی ہر بات میں تنزل ہوتا گیا - اگر مُسلمانوں میں بے خیال بادشاہ کے ہر چیز کی طرف وہ توجہ ہوتی جو اب یورپ کی رعایا کو ہے تو ہرگز یہ قومی تنزلات نہ ہوتے -

دُوسرا سبب مذہبی اوہام - میرے نزدیک جیسا کہ ایک سچا مذہب جو اوہام اور غلط خیالات سے پاک ہو تہذیب کی ترقی کا بڑا سبب ہوتا ہے اُسی طرح جھوٹا مذہب یا وہ مذہب جس میں لغو اوہام اور بیہودہ خیالات مِل جُل گئے ہوں ساری ترقیات کے روکنے کا بڑا قوی سبب ہے -

مذہب اسلام فی نفسہ نہایت سچا اور صحیح مذہب ہے مگر خود ہم نے اپنے لغو خیالات سے اُسکو ایسا کر رکھا ہے کہ علوم میں - فنون میں - اختلاط میں - ہمدردی میں - غرضکہ ہر چیز میں

بجائے ترقی کے ہمکو مذہبی مزاحمت ہوتی ہے - اور آزادی رائے جو ایک قدرتی حق اور ایک سچے مذہب کا پہلا اصول ہے وہ بالکل جاتی رہتی ہے - حالانکہ آزادی رائے کی مزاحمت ہی ساری خرابیوں اور تمام تنزلات کی جڑ ہے - کیا خوب کہا ہے مل صاحب نے کہ "جب انسان کا دل قانون کے خوف یا کسی اور ڈر سے بڑی بڑی ضروری باتوں پر آزادانہ گفتگو نہیں کرسکتا تو اکثر سست اور ضعیف ہوجاتا ہے اور جبکہ یہ سستی کسی قدر اور زیادہ ہوتی ہے تو روزمرہ کی باتوں اور معمولی معاملوں میں بھی کچھ ترقی نہیں کرسکتا اور جبکہ اور بھی زیادہ سستی بڑھ جاتی ہے تو وہ اپنی پہلی حاصل کی ہوئی باتیں بھی بھول جاتا ہے "

مسلمانوں میں مزاحمت آزادی رائے کی ہر زمانہ میں مذہبی اوہام کے سبب سے جاری رہی کسی زمانہ میں کم کسی میں زیادہ - اور یہی وجہ ہے عام ترقی مسلمانوں نے کی جب یہ مزاحمت بڑھ گئی تو پورا پورا تنزل اُن کو نصیب ہوا - چنانچہ ہم اپنے زمانہ میں سارے تنزلات اس مزاحمت کی ترقی ہی کے سبب سے دیکھتے ہیں -

تعصبات یعنی عام دوستی نہ رکھنا سچائی اور صفائی سے غیر قوموں سے نہ ملنا غیر مذہب والوں کی عمدہ باتوں کو اختیار نہ کرنا - غیر ملکوں کا سفر نہ کرنا جو تہذیب اور ساری ترقیوں کی بڑی روکنے والی چیزیں ہیں صرف مذہبی اوہام کے نتیجے ہیں جن میں ہم مسلمان خصوصاً ہندوستان کے مسلمان مبتلا ہیں -

تیسرا سبب اشاعت علوم وفنون کے عام اور آسان وسیلوں کا نہ ہونا - بڑا عمدہ وسیلہ ترقی کا ملکی زبان ہے - کسی ملک اور کسی قوم نے کچھ بھی ترقی نہیں پائی جب تک اُسی ملک یا اُسی قوم کی عام زبان میں علوم کا رواج نہیں ہوا - مگر اس سے مسلمانوں نے عموماً غفلت کی - عام علوم اُنھوں نے عربی زبان میں رکھے اور دنیا کے سارے حصوں میں جہاں جہاں وہ گئے عربی ہی کو علوم کی کنجی سمجھتے رہے اسواسطے مذہبی اور عقلی اور تمام قسم کے علوم اُس فرقہ سے مخصوص رہے جو کہ اوّل زبان کی مشکل کو طے کرتے اور عالم کہلاتے اور عام لوگ ہمیشہ کاٹھ کے اُلو رہے -

ہمارے زمانہ میں جو چند مذہبی کتابوں کا ترجمہ دیسی زبان میں ہوا ہے اُس کا یہ اثر ہے کہ ہزاروں مسلمان اُردو خوان ہیں کہ وہ حدیث تفسیر فقہ عقاید تاریخ سے ایسے واقف

ہو گئے ہیں کہ تیس برس پہلے شاید سوائے دہلی کے مشہور مولویوں کے کوئی اُن سے واقفیت نہ رکھتا تھا۔ اور یہ نتیجہ ملکی زبان میں علوم کے ترجمہ ہونے کا ہے۔

چھاپہ کا نہ ہونا بھی اگلے زمانہ میں ترقی نہ کرنے کا ایک بڑا سبب تھا چنانچہ اس زمانہ میں جو ترقی دکھائی دیتی ہے ہرگز نہ ہوتی اگر یہ عمدہ ہنر ظاہر نہ ہوتا۔ اسی ہنر کا نتیجہ ہے کہ ریویو اور جرنل اور میگزین اور اخبار اور مختلف قسم کے کاغذات کے ذریعہ سے علوم وفنون کی وہ باتیں عوام میں پھیلی جاتی ہیں جن کو صرف عالم لوگ جانتے تھے اور جسکے سبب سے اب علوم وفنون کا تنزل پانا خیال میں نہیں آتا اور معدوم ہونا تو ایک امر محال ہے۔

سفر کے ذریعوں کی آسانی بھی ملکی تہذیب کا بڑا سبب ہے۔ انسان کا دل خدا نے ایسا بنایا ہے کہ عمدہ باتوں کے دیکھنے تربیت یافتہ قوم سے ملنے کا اثر ضرور اُسپر پڑتا ہے اور کسی کو اچھا کام کرتے دیکھکر لامحالہ اُسے پسند کرتا ہے یہاں تک کہ متعصب جاہل سا جاہل بھی اُس سے محروم نہیں رہتا اور یہ بات حاصل نہیں ہوتی جب تک دوسرے ملکوں میں جانے اور غیر قوموں سے ملنے کا اتفاق نہ ہو۔ چونکہ یہ آسانی اگلے زمانہ میں نہ تھی اس لیئے ترقی جیسی کہ چاہیئے نہ ہوئی۔ اور اس زمانہ میں علوم وفنون کی جو کچھ ترقی ہے وہ صرف سفر کی آسانی سے ہے۔ اس مبارک زمانہ میں ریل اور تار برقی وہ چیزیں ہیں جس نے دنیا کے مختلف ملکوں کو ایک کر دیا اور اُسی کا نتیجہ ہے کہ مختلف قوموں کے خیالات بھی ایک ہوتے جاتے ہیں یہاں تک کہ اُمید ہے کہ ایک ایسا وحدت کا زمانہ آجاوے جس میں کسی چیز میں بھی اختلاف نہ رہے یہانتک کہ مذہب بھی سب کا ایک ہو جاوے اور غالباً وہ مذہب وُہی ہوگا جو کہ بالکل نیچر کے مطابق ہو جسے میرے دوست سید احمد خاں بہادر ٹھیٹ اسلام کہتے ہیں۔

چوتھا سبب جو خاص ہندوستان کے بدنصیب مسلمانوں کے تنزلات کا سبب ہوا ہندوستان کو وطن کر لینا اور اپنے اصلی وطن کا چھوڑ بیٹھنا ہے۔ مسلمان جبکہ ہندوستان میں آئے اُس وقت نہایت تنومند اور سرخ وسفید اور قوی و تندرست تھے طبیعتیں بھی اُن کی آزاد تھیں۔ دلوں میں بھی اُن کے ایک جوش تھا۔ رسوم کی

پابندی سے اُن کو خبر نہ تھی۔ مگر جب ہندوستان کو اپنا وطن بنا لیا اور اُن قوموں سے مل گئے جو کہ اُن سے قوت میں۔ دلیری میں۔ آزادی میں۔ علم میں۔ معاشرت میں کم تھیں اور چھوت اور پرہیز اور رسموں کی پابندی اور تنگ خیالات اُن کے رگ و ریشہ میں سمارہے تھے تو رفتہ رفتہ وہ بھی ویسے ہی ہو گئے۔ اُن کی اصلی حالتیں بالکل بدل گئیں۔ وہ خون جو ابراہیم کی رگوں کا ہم میں تھا بدل گیا۔ وہ ہڈی جو اسمٰعیل کے خون سے بنی تھی بدل گئی۔ وہ دل جس میں ہاشمی جوش تھا بدل گیا۔ غرض کہ چہرا بدل گیا۔ رنگ بدل گیا۔ صورت بدل گئی۔ سیرت بدل گئی۔ دل بدل گیا۔ خیال بدل گیا۔ یہاں تک کہ مذہب بھی بدل گیا۔ تمام وہ جوش جو اُٹھے تھے اُس ریتیلے جنگل عرب سے جس نے فارس اور تمام سنٹرل ایشیا کو سرسبز و شاداب کر دیا تھا ہندوستان میں آکر بی آف بنگال میں ڈوب گئے۔

اگر اب ہم آیندہ زمانہ کی پیشین گوئی کرنی چاہیں کہ آیندہ کو مسلمانوں کی تہذیب کیسی ہوگی تو ہمکو کسی ترقی یافتہ ملک کے حال پر نظر ڈالنی چاہیئے کہ اُس نے کیونکر ترقی کی۔ اگر وہی آثار ہماری قوم میں بھی پائے جاویں تو ہمکو ضرور آیندہ کی ترقی کی اُمید کرنی چاہیئے۔ ہم یورپ کا حال دیکھتے ہیں کہ اگلے زمانہ میں ارسطو کا فلسفہ یورپ میں جاری تھا اور وہ دین مذہب سے ویسا ہی مل گیا تھا جیسا کہ مسلمانوں کے مذہب سے مختلط ہو رہا ہے۔ اور جب تک وہ قایم رہا کسی طرح کی مذہبی یا عقلی ترقی یورپ میں نہیں ہوئی۔ آخر تیرھویں صدی میں تقلید کے چھوڑنے کی راہ نکلی چنانچہ روجر بیکن نے جو ۱۲۱۴ع میں پیدا ہوا اور جو حقیقت میں شاگرد مُسلمان فلسفیوں کا تھا اپنا پاؤں تقلید سے نکالا اور فلسفہ بحثیہ قیاسیہ کو چھوڑ کر فلسفہ شہودیہ تجربیہ پر متوجہ ہوا۔ اُس نے بہت سی کتابیں لکھیں مگر جبکہ ارسطو کی فلسفہ کو لوگوں نے غلط جانا تب وہ افلاطوں کی فلسفہ پر متوجہ ہوئے۔ اور اس لیئے ترقی فلسفہ کی رُک گئی۔ مگر پندرھویں صدی کے شروع میں طلیسیس اور کمپیلا اور ریمس محققوں نے اس فلسفہ کے اصول کے باطل کرنے پر کوشش کی اور تحقیق کی راہ نکالی۔ مگر جس طرح کہ اس زمانہ کے مسلمان ایسے امور میں تحقیق کو کفر بتاتے ہیں وہی مصیبت اُن بیچاروں پر بھی پڑی۔ بیکن کی تکفیر کا فتوے دیا گیا۔ اور ریمس قتل کیا گیا۔ پھر بڑا انقلاب

یورپ میں ہیئت قدیمہ کی غلطی بیان کرنے اور ہیئت جدیدہ کے ثابت کرنے پر ہوا
اگلے زمانہ میں یورپ کے لوگ آسمان وزمین کو ویسا ہی جانتے تھے جیسا کہ اب مسلمان
بطلیموسی ہیئت کے موافق مانتے ہیں اور یہ مسائل مذہب میں ایسے ہی داخل سمجھے جاتے
تھے جیسا کہ اب مسلمان سمجھتے ہیں مگر کوپرنیکس نے جو کہ پروشیہ کی اطراف کا رہنے والا تھا
سنہ ۱۵۰۷ء میں چاہا کہ اس ہیئت کی غلطی ظاہر کیجاوے مگر پادریوں اور مذہبی لوگوں کے
سبب سے اُسے جرأت نہوتی تھی۔ آخر سنہ ۱۵۳۰ء میں اُس نے ایک کتاب لکھی مگر اُس کے
مشہور کرنے میں بڑا تامل کیا۔ آخر سنہ ۱۵۴۲ء میں کچھ خلاصہ اُس کا مشہور ہوا۔ مگر وہ اسی زمانہ
میں مر گیا اور برونو نامی حکیم نے اُسے مشہور کیا مگر وہ اسی جرم میں نکالا گیا اور دینی محکمہ
میں اُس کی تحقیقات کی گئی اور اُسکو کفر والحاد کے مسائل کا پھیلانے والا ٹھہرایا آخرش
وہ بیچارہ روم میں زندہ جلایا گیا۔ اس قصور میں کہ اُس نے ایک صحیح مسئلہ ہیئت کا زبان سے
نکالا تھا۔ سنہ ۱۶۰۴ء میں گلیلو نامی حکیم نے دوربین ایجاد کی اور اس حکمت کی رونق دی مگر
متعصب پادریوں کو اس سے بڑی برہمی ہوئی۔ اُنہوں نے اُسکو ملحد ٹھہرایا اور آخر
ایک حجرۂ تنگ و تاریک میں بند کیا۔ مگر باوجود اس کے پھر اُن نامور حکیموں کی تحقیقات
کو نہ مذہبی تعصب روک سکا۔ نہ جاہلانہ خیالات اُس کے مزاحم ہوئے۔ اور اب اُس کو
وہ رونق ہے کہ اگر اُس کے برخلاف ہیئت قدیمہ کا مسئلہ کسی کی زبان پر آوے تو کیا حکیم
کیا پادری سب اُس آدمی کو پاگل اور دیوانہ بناویں۔ پھر ارسطو کا فلسفہ جو مذہب میں
داخل ہو گیا تھا اور پوپوں کو معصومیت کا درجہ دیا گیا تھا اور نجات کے فرمان بیچنے کا اُن کو
اختیار تھا اور آسمانی کتابوں کے پڑھنے اور اُس پر عمل کرنے کی کسی کو اجازت نہ تھی اس
غلط خیال کو نامور لوتھر نے کھویا مگر جو مصیبت اُسپر اور اُسکی پیروی کرنے والوں پر
ہوئی اُس کے سننے سے بدن پر رعشہ ہوتا ہے۔ مگر آخر کار اُسے کامیابی ہوئی۔

یہی حال بجنسہ اب ہم مسلمانوں میں پاتے ہیں۔ ٹرکی میں۔ مصر میں اور ہندوستان
میں بھی بعض خدا ترس آدمی اپنی قوم کی بھلائی کے لیئے آمادہ ہوئے ہیں اور جس طرح کہ اُن
یورپ کے عالموں نے مسائل حکمت کے بیان کرنے میں کوشش کی ہے اسی طرح یہ
لوگ بھی کر رہے ہیں۔ چونکہ اس زمانہ میں انتظام سلطنت کا دوسرے قاعدہ پر ہے اس
سبب سے اُن حق بات کہنے والوں کو کچھ مضرت نہیں پہونچی۔ صرف کفر و الحاد کے

فتنوں ہی پر خیر گذری ورنہ ان پر اُس سے بھی زیادہ سخت مصیبت گذرتی جو اگلوں پر گذری ہے مگر ان تمام حالات سے آیندہ کی بہتری کی اُمید ہوتی ہے۔

ٹرکی یعنی روم کی سلطنت جو کسی زمانہ میں نہایت قوی تھی اسی صدی کے شروع میں نہایت تنزل کی حالت پر پہنچ گئی تھی۔ مولویوں کی خیانت اور قاضیوں کی بدنیتی اور لوگوں کی جھوٹی ایمانداری اور عوام کے مذہبی اوہام اور تعصبات کے یہ نوبت پہنچی تھی کہ قریب تھا کہ اسلام کا نشان اسپین کی طرح اُس مبارک زمین سے مٹ جاوے مگر خدا نے سلطان محمود کے دل سے ان بیہودہ توہمات کو نکال کر اُسے انتظام مملکت کی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ اُس نے ایک تبدیلی معاشرت اور سیاست کے قاعدوں میں کرنی چاہی۔ مگر جیسا کہ نادان اور خود غرض مذہبی آدمی جن کا عوام پر بہت کچھ رعب داب ہوتا ہے ہمیشہ اپنی عزت اور دولت کے خیال سے ایسے کاموں میں ہارج ہوتے ہیں اس فتنہ کو فرو کرنا چاہا۔ مگر آخر نوبت خونریزی کی پہونچی اور جب تک کہ بہت سے مولویوں اور قاضیوں اور اسلام کے بدنام کرنے والے مسلمانوں کے سر اسلام پر قربان نہ کیے گئے وہ انتظام پورا نہ ہوا۔ مگر آخر کار سلطان نے فوج کی وردی بالکل بدل دی۔ اور یورپ کی سلطنتوں کا سا انتظام جاری کیا۔ پوشاک اور طریق خوراک اور طرز معاشرت بھی بدل دیا۔ غلاموں کو بھی آزاد کر دیا۔ اور غلامی بھی قطعاً موقوف کر دی۔ اور بلا لحاظ قوم و مذہب کے اپنی عام رعایا کے حقوق ایک کر دیے۔ ٹیکا لگانے کا کارخانہ جاری کیا۔ علم تشریح کا مدرسہ بنوایا۔ وبائی بیماریوں کے لیے شفاخانے تیار کرائے۔ فرانس اور جرمن اور انگلستان کی علمی کتابوں کا اپنی زبان میں ترجمہ کرایا۔

بعد مرنے اس سلطان کے اُس کے جانشینوں نے بھی اُس میں ترقی کی۔ چنانچہ سلطان عبد العزیز خاں جو اب تخت پر ہے ۱۸۶۷ء میں فرانس اور لندن گیا اور وہاں کی شان و شوکت اور عجیب غریب کارخانوں کو اپنی آنکھ سے دیکھا۔ پھر شاہ آسٹریا اور ولی عہد انگلستان اُس کے یہاں آئے اور مہمان ہوئے اور رشتہ دوستی و محبت کا جو کہ ملک اور عزت کی ترقی کا بڑا قوی سبب ہے باہم ان بادشاہوں کے مضبوط ہوا۔

غرض کہ ان تبدیلیوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ اب ٹرکی کی سلطنت کسی طرح ضعیف نہیں سمجھی جاتی اور یورپ کی اور سلطنتیں بھی عزت کی نگاہ سے اُسکو دیکھتی ہیں تعلیم و تربیت

اور ترقی ملک کے وہی اصول و قواعد جاری ہیں اور ہوتے جاتے ہیں جو یورپ کی اور شایستہ سلطنتوں میں جاری ہیں۔ یورپ کی صنایع بدایع پر بھی بڑی توجہ ہے آہنی سڑکیں بھی تیار ہوتی جاتی ہیں۔ انتظام دربار اور عدالت اور کچہریوں کا بھی یورپ کی اور سلطنتوں کے طور پر کیا گیا ہے۔

یہ ترقی جو کچھ سلطان حال نے کی وہ نتیجہ یورپ کی سیر اور فرانس اور لنڈن میں جاکر وہاں کے کارخانوں کے دیکھنے کا ہے جس سے اس کے خیالات میں ایک بڑی تبدیلی پیدا ہوئی۔ چنانچہ جب سلطان یورپ کے سفر سے لوٹا تو اس نے عام دربار میں ایک اسپیچ کی جس میں یہ فقرہ بھی تھا کہ "جن قوانین کی قباحتوں سے ہم از روئے تجربہ واقف ہوگئے ہیں اُن کی ترمیم و تکمیل اور جن قواعد کی خوبی ہمکو معلوم ہوگئی ہے اُن کے استحکام سے ہمارا ملک اور ہماری قوم بہت جلد دولت و اقبال کے اعلےٰ درجہ پر پہنچیگی"

مصر بھی ترقی پر ہے۔ اس میں بھی تعلیم و تربیت اور انتظام مملکت یورپ کے ڈھنگ پر ہوتا جاتا ہے۔ خود خدیو مصر کئی مرتبہ فرانس اور لنڈن گیا اور اس وقت اس کے دو لڑکے لنڈن کے مدرسہ میں تعلیم پاتے ہیں۔

ٹونس جو ایک چھوٹی سی ریاست مسلمانوں کی ہے نہایت ترقی کرتی جاتی ہے۔ اس ریاست کا وزیر سید خیرالدین احمد جو دوسرا رشید پاشا اور ایک روشنضمیر اور لایق آدمی ہے اُس نے یورپ کے حالات سے بخوبی واقفیت پیدا کی۔ بہت سے لوگوں کو اپنے ملک کے۔ فرانس اور لنڈن کے حالات دریافت کرنے کے لیئے بھیجا۔ اور بہت سی علمی کتابوں کو عربی زبان میں کیا۔ خود اُس نے ایک ایسی عُمدہ کتاب لکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یورپ کے علوم و فنون اور وہاں کے تمدن و معاشرت کے مقابلہ میں مسلمانوں کی جہالت اور ذلیل حالت پر کس قدر متاسف ہے۔ اس وزیر نے اپنا پرانا طریقہ چھوڑ دیا ہے اور تعلیم و تربیت کے لیئے مدرسے بالکل یورپ کی طرز پر جاری کیئے ہیں۔ اس وقت اُس کے چھاپہ خانہ میں بہت سی علمی کتابیں چھپ رہی ہیں اور ایک مُسلمان عالم ابوالعباس نامی جو پچیس برس سے زیادہ عرصہ تک فرانس اور لنڈن اور اور شہروں میں یورپ کے رہے اور فرانسیسی اور انگریزی زبان سے بخوبی واقف ہے اُس کا مہتمم اعلےٰ ہے۔ اس مسلمان عالم نے بھی کئی کتابیں اس غرض سے تالیف کی ہیں کہ مسلمانوں کو جوش اور ولولہ پیدا ہو

اور وہ علوم و فنون کو جو یورپ میں جاری ہیں اپنے علموں سے مقابلہ کریں۔ وہ اپنی ایک کتاب میں لکھتا ہے۔ کہ "ہمارے اور یورپ کے علموں میں یہ فرق ہے کہ ہم مدرسہ میں ہیٹکر بیس وجہوں سے صفت مشبہہ کی لفظی بحث کرتے ہیں۔ اور یورپ کے تعلیم یافتہ دو منٹ میں لیورپول سے آسٹریا کو خبر بھیجتے ہیں" ان دونوں تعلیم کا جداگانہ اثر جو ملک اور قوم کی ترقی پر ہوتا ہے وہ اس سے ظاہر ہے۔ ایران میں بھی شاہ کے یورپ جانے سے اُمید ہے کہ آیندہ زمانہ میں کچھ ترقی ہو۔

امیر کابل بھی جب سے انبالہ سے واپس گیا ہے اپنے تاریک خیالات کی پابندی چھوڑتا جاتا ہے۔ یہ ترقیاں جو کچھ اِن ملکوں میں ہوئی ہیں اور ہوتی جاتی ہیں اُن پر نظر کرنے سے نہایت افسوس ہوتا ہے کہ مسلمان اِن ملکوں کے جو کہ ہمسایہ یورپ کے ہیں ایسی ترقی کرتے جاویں اور ہندوستان کے مسلمان جو ایک تربیت یافتہ گورنمنٹ کے زیر سایہ ہیں وہ جیسے تھے ویسے ہی ہوں۔

جن لوگوں نے جناب نواب گورنر جنرل بہادر کی درد و حسرت بھری ہوئی تقریر مسلمانوں کی تعلیم کی نسبت سُنی ہوگی۔ اور جن شخصوں نے نواب لفٹننٹ گورنر بہادر حال کو عام جلسوں میں ہملوگوں کی نسبت افسوس سے اسپیچ کرتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ اور جو لوگ گورنمنٹ بنگال و مدراس کی دلی توجہ سے جو مسلمانوں کی تعلیم کی طرف ہے واقف ہوں گے اُن کو کس قدر رنج ہوتا ہوگا اس خیال سے کہ اُس کا اثر جیسا کہ چاہیے اب تک نہیں ہوا۔

لیکن جب میں چند سال پہلے کا حال اِس زمانہ سے ملاتا ہوں تو کچھ اُمید اُن کی ترقی کی پائی جاتی ہے۔ اور اُن کے خیالات میں بھی ایک قسم کی تبدیلی معلوم ہوتی ہے۔ چند سال کا ذکر ہے کہ کلکتہ کے عربی مدرسہ کے لڑکے مدرسہ کے پرنسپل پر ڈھیلے پھینکتے تھے۔ اور اب خود انگریزی پڑھتے ہیں۔ سو دو تین برس ہوئے کہ انگریزوں کے چھوئے ہوئے گلاس میں پانی پینے سے لوگ ڈرتے تھے اور اب اُن کے ساتھ عام جلسوں میں کھاتے پیتے ہیں۔ بلوہ سے پہلے سوسئیٹی اور علمی جلسوں کا نام بھی نہ تھا۔ اور اب ہر جگہ اُس کا چرچا ہوتا جاتا ہے۔ اخبارات میں سوائے دُوسر کی بکری اور چھ آنکھ کے بیل کے کوئی عمدہ مضمون نہ ہوتا تھا۔ اور اب کے اخبار ہیں جن میں عُمدہ آرٹیکل ہوتے ہیں جن میں

اودھ اخبار جس کا اڈیٹر نہایت ہی لایق اور ذی استعداد اور عالی دماغ ہے ہندوستان کا ٹیمز اخبار سمجھا جاتا ہے۔ اور علیگڈھ کا اخبار جس کا اڈیٹر ایک روشنضمیر تعلیم یافتہ مسلمان ہے اور کلکتہ کا اُردو گائیڈ جس کا مالک ایک مشہور عالم ہے اور پنجاب کا پنجابی اخبار اور میرٹھ کا اخبار عالم اور بعض اَور اخبار عمدہ خیالات پیدا کرنے کے اچھے ذریعے ہیں۔ اور ان سب سے بڑھکر وہ روشن ستارہ ہے جسے ہند کے آفتاب نے صرف مسلمانوں میں روشنی پھیلانے کے لیئے نکالا ہے یعنی تہذیب الاخلاق جس کا اثر لوگوں کے دلوں پر بہت کچھ ہوا اور ہوتا ہے۔

ان سب سے بڑھکر ہمارے دل کو قومی ترقی کی پوری اُمید دلانے والی وہ تجویز ہے جو ایک نامور گروہ نے مسلمانوں کے اپنی قوم کی تعلیم و تربیت کی نسبت کی ہے یعنی قایم کرنا ایک مدرسۃ العلوم کا اس لیئے کہ ہمارے موجودہ مدرسے گو اُن کی کتنی ہی ترقی کی جاوے قومی ترقی کا ذریعہ نہیں ہو سکتے۔ جیسا کہ میں اوپر بیان کر آیا ہوں اور ہماری گورنمنٹ کے موجودہ مدرسے بھی ہماری حاجتوں کے موافق نہیں ہیں اس لیئے کہ قطع نظر اس کے کہ جو حصہ عمر کا ان مدارس کی تعلیم میں ضایع ہوتا ہے اُس کا پورا معاوضہ نہیں ملتا اور نہ اُن علوم تک ہماری رسائی ہوتی ہے جس سے ہم ایک روشنضمیر عالم سمجھے جاویں۔ یہ بہت بڑا نقص ہے کہ ہم اپنی مذہبی تعلیم اور تربیت سے محروم رہتے ہیں اور یہی بڑا جزو قومی ترقی کا ہے۔ اگر ہم مدرسہ میں پڑھکر ریل گودام کے بوروں پر انگریزی حرفوں میں نام لکھنے لگے اور اپنے مذہبی عقاید سے ناواقف ہوکر لامذہب ہو گئے۔ تو ہم ایک تربیت یافتہ مسلمان نہیں ہو سکتے۔ اس لیئے جو تجویز مدرسۃ العلوم کی کی گئی ہے درحقیقت وہ ایک عمدہ بنیاد ہے جو مسلمانوں کی اصلی ترقی کے لیئے ڈالی گئی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ ہم مسلمانوں ہی میں بعض ایسے ہیں کہ گورنمنٹ کی خوشامد سے تاکہ اُس کے انتظام تعلیم کے ممد و معاون ٹھہر کے کسی خطاب کا استحقاق پیدا کریں یا اپنے مذہبی اوہام کے سبب سے یا ذاتی طبیعت کی تاثیر سے اس عمدہ تجویز سے مخالف ہیں اور اپنی اوقات کا بڑا حصہ اُس کی مخالفت میں ضایع کر رہے ہیں۔ یہ مسلمان وہ ہیں جو نہیں چاہتے کہ مسلمان دوسروں کی زبان سیکھیں یا غیر مذہب والوں سے بہ صفائی و سچائی ملیں۔ بڑی خواہش اُن کی یہ

ہے کہ وہ نفرت اور عداوت جو نسل اور مذہب اور مُلک کی مغایرت سے پیدا ہو گئی ہے قدرت اور عقل کی روشنی سے نیست و نابود نہ ہونے پاوے۔ اور وہ قدرتی رشتہ محبت کا جو سارے بنی آدم خصوصاً مسلمانوں اور اہل کتاب میں ہے کسی طرح مضبوط اور مستحکم نہ ہو۔ مسلمان اُن علوم و فنون کو سیکھنے نہ پاویں جن سے اُن کے دل روشن اور خیال وسیع ہوں یا موجودات کی اصلی حقیقت حاصل کریں۔ اُنکی منتہائے کوشش یہ ہے کہ وہ قوتیں جو اس وقت تک مسلمانوں میں کسی قدر باقی ہیں ایک جگہ جمع نہ ہوں بلکہ متفرق متفرق بیجا طور پر ضائع ہوتی رہیں۔ اگر جمع بھی ہوں تو وہ اُن کاموں میں صرف کی جاویں جن سے بجائے بھلائی کے ضرر پیدا ہو۔ اگر یہ لوگ علم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو یہ چاہتے ہیں کہ اس اُنیسویں صدی میں وہ علوم پڑھائے جاویں جو آٹھویں صدی میں جاری تھے۔ اور اگر مذہب پر جھکتے ہیں تو اُن کی یہ رائے ہوتی ہے کہ سولھویں صدی کے روم کے عیسائیوں کا زمانہ پھر اسلام میں آ جا دے۔ یہ لوگ جب انگریزی طور پر تعلیم و تربیت کا نام سُنتے ہیں تو ایک بے اختیاری جوش اُن کے دل سے اُٹھتا ہے اور جبکہ کچھ اور اُن سے نہیں ہو سکتا تو کفر کا فتویٰ ہی دے کر اپنا دل ٹھنڈا کر لیتے ہیں۔ وہ یا تو اپنی نادانی سے یا درحقیقت عوام مسلمانوں میں جن کا دل تعصبات کا خزانہ ہو رہا ہے ایک جھوٹی عزت پیدا کرنے کے لیے یہ کہتے ہیں کہ انگریز وحشی علم کی حقیقت کیا جانیں۔ وہ تو صرف لوہار اور بڑھئی اور موچی کے کاموں کو اچھا جانتے ہیں۔ علوم کا خزانہ تو ہمارا صدرا اور میبذی ہے۔ درحقیقت ایسے لوگوں سے سوائے اس کے کیا اُمید ہو سکتی ہے جو وے کر رہے ہیں لیکن یہ مخالفتیں اُن کی کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتیں۔ وہ جوش جو اُٹھا ہے مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کا اب اُن کے فتووں سے رُک نہیں سکتا۔ صدہا مسلمان ہیں جن کے دلوں میں یہ بات سماگئی ہے کہ جو زمانہ گذر گیا وہ گذر گیا۔ اب ہماری بھلائی اس میں نہیں ہے کہ جو کچھ ہمارے بزرگوں نے پڑھا وہی ہم بھی پڑھیں۔ اور جو کام ہمارے باپ دادا کرتے تھے ہم بھی کریں بلکہ ہماری بھلائی اس میں ہے کہ ہم چاروں طرف آنکھ کھول کر دیکھیں اور اُن علوم و فنون کو جن کے عجیب و غریب نتیجے ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں حاصل کریں۔

اس موقع پر کہ میرے کلام کا سلسلہ مسلمانوں کی ترقی کی تدبیروں تک پہونچا بڑی ناانصافی ہو اگر میں اُس نامور خیر خواہ اسلام کا نام نہ لوں جو ان سارے جوشوں کا سرچشمہ ہے یعنی مولوی سید احمد خاں بہادر۔ اسی نامور شخص نے اول پاؤں اپنا تعصبات اور تقلید اور رسم و رواج کی پابندی سے نکالا۔ اور رائے کی آزادی اور تحقیق کا شوق لوگوں کے دلوں میں پیدا کیا اور اپنی تقریر سے اپنی تحریر سے۔ اپنے برتاؤ سے۔ اپنے عادات سے ایک نمونہ مسلمانوں کے لیئے قائم کر دیا۔ اور وہ مزاحمتیں جو مسلمانوں کے دلوں کو پکڑے ہوئے تھیں اپنے پُر زور ہاتھ سے توڑ دیں۔ ابتدائی کوشش اس نامور مسلمان کی غازی پور کا مدرسہ اور علیگڈھ کی سین ٹیفک سوسئیٹی ہے اور اخیر کام اس کا مدرستہ العلوم ہے۔

وہ تعلق جو مسلمانوں کو انگلستان سے ہے اور وہ ضرورت جو اہل اسلام کو انگریزی طور پر تعلیم و تربیت پانے کی ہے اُسے بھی اسی شخص نے ظاہر اور ثابت کر دیا۔ خود لندن کا سفر اختیار کیا۔ اپنے صاحبزادہ کو کیمبرج کالج میں عمدہ تعلیم دلائی حالانکہ جس زمانہ میں اُنہوں نے ولایت جانے کا قصد کیا۔ مسلمان ولایت جانے اور وہاں کے مدرسوں میں پڑھنے کو کفر جانتے تھے یہاں تک کہ جو اسکالرشپ لارڈ لارنس صاحب نے تجویز کی تھی اُس کا کوئی لینے والا مسلمان ممالک مغربی و شمالی میں نظر نہ آتا تھا اور آج چودہ مسلمان ہندوستان کے لنڈن میں موجود ہیں (علاوہ نواب مرشد آباد کے) جن میں سے چند نوجوان لڑکے صرف تعلیم و تربیت کے لیئے گئے ہیں چنانچہ ایک بمبئی کے امیرزادے نے امسال میں منرالوجی کے امتحان میں دوسرا سارٹیفکٹ پایا ہے اور درحقیقت یہ سب بڑے عمدہ نشان مسلمانوں کی ترقیوں کے ہیں۔

اب مَیں اپنے اس لکچر کو اس دعا پر ختم کرتا ہوں کہ خدا مسلمانوں کے دلوں سے اُن خیالات کو دُور کرے جو اُن کی ترقیوں کے روکنے والے ہیں اور جو اسباب اُن کی ترقی کے تجویز کیئے گئے ہیں اُن کو پورا کرے اور جو شخص مسلمانوں کی ترقیوں کی تدبیر کرنے والا ہے اُسکی عمر و دولت میں ترقی ہو۔ آمین ٭

حصہ سوم

طعام اہل کتاب

جب سے ہملوگوں میں طعام اہل کتاب کی اباحت اور حرمت کی نسبت گفتگو شروع ہوئی ہے تب سے اکثر لوگوں کو اس امر کی تحقیق کی خواہش ہے کہ اصحاب نبوی اور اُن لوگوں کا جو قرون ثلثہ میں تھے کیا طریقہ تھا۔ آیا وہ اہل کتاب کے کھانے کو حلال جانتے تھے یا حرام یا مکروہ سمجھتے تھے اور اُن کی دعوت کو قبول کرتے تھے یا نہیں۔ چنانچہ جن لوگوں نے اہل کتاب کے کھانے اور اُن کے ساتھ کھانے کو مباح اور جائز تصور کیا اُنھوں نے اسلاف کرام کے اقوال سے اُس کے جواز کو ثابت کیا۔ مگر ابتک کسی نے صحابہ کی عام رسم و رواج کو اس حالہ کی نسبت ہمارے پچھلے محققین اور علمار کے کلام سے ثابت نہ کیا۔

مَیں مدت سے اسکی تحقیق میں ہوں۔ چنانچہ اتنا تو مجھے ثابت ہوگیا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کسی اہل کتاب سے مصالحہ کرتے اور اُن سے عہد لیتے تو عہدنامہ میں منجملہ اور شرایط کے ایک یہ بھی شرط کرتے تھے کہ جب کسی مسلمان کا اُن کے یہاں گذر ہووے تو تین دن تک مہمانی کریں۔ مگر یہ بات صاف معلوم نہ ہوئی تھی کہ اُس وقت مہمانی کا کیا قاعدہ تھا۔ آیا اہل کتاب خشک دانے دیدیا کرتے تھے یا قیمت کھانے کی نذر کیا کرتے تھے یا اپنے گھر کا پکا ہوا کھانا کھلاتے تھے یا خود بھی اُن مسلمان مہمان کے ساتھ بیٹھکر کھانا کھاتے تھے چنانچہ مدت سے مجھکو اس امر کی تلاش تھی کہ آج میں یہ کتاب تبعید الشیطان بتقریب اغاثۃ اللہفان کو جو خلاصہ کتاب اغاثۃ اللہفان فی مصائد الشیطان تصنیف علامہ ابن قیم کا ہے دیکھ رہا تھا کہ اس میں مَیں نے ایک مضمون

دیکھا جس سے صاف ثابت ہو گیا کہ اصحاب نبوی نہ صرف اہل کتاب کے کھانے کو جائز جانتے تھے بلکہ اُن کی ضیافت کو قبول کرتے اُن کے یہاں کے پکے ہوئے کھانے کو اُنکے گھر اور اُن کے عبادت خانوں میں جاکر کھاتے۔ چنانچہ اُس کتاب کی اصل عبارت اور ترجمہ کو ذیل میں لکھتا ہوں۔ پس جو دیندار مسلمان آج کل کے لوگوں پر اطلاق کفر اور تنصر کا اُس بات کے کرنے سے جو صحابہ نبوی کیا کرتے تھے کیا کرتے ہیں نہ کریں۔ اور صرف پابندی رسم و رواج سے مدپردہ الزام اصحاب رسول پر نہ لگاویں۔

عبارت اصل کتاب

ومن ذالك انه صلى الله عليه واله وسلم كان يجيب من دعاه فيأكل من طعامه واضافه يهودي بخبز شعير واهالة سنخه واحل الله اطعمة اهل الكتاب وكان المسلمون ياكلون من اطعمتهم وشرط عليهم عمر ضيافة من يمر بهم من المسلمين وقال اطعموهم مما تاكلون ولما قدم عمر الشام صنع له اهل الكتاب طعاماً فدعوه فقال اين هو قالوا في الكنيسة فكره دخولها وقال لعلي اذهب بالناس فذهب بالمسلمين واكلوه وجعل علي ينظر الى الصور بالكنيسة ويقول ما على امير المومنين لو دخل واكل ؛

ترجمہ

اور اسمیں سے ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو شخص دعوت کرتا آپ قبول فرماتے اور اُس کا کھانا کھاتے اور ایک یہودی نے آپکی ضیافت جو کی روٹی اور بگڑے سالن سے کی تھی اور خدا تعالے نے اہل کتاب کا کھانا حلال فرمایا ہے اور مسلمان اُن کا کھانا کھایا کرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن سے شرط کرلی تھی کہ جو مسلمان تمہارے پاس آوے اُس کی ضیافت کرو اور جو تم کھاتے ہو اُسکو کھلاؤ۔ اور جب آپ شام میں تشریف لائے تو آپ کے لیئے اہل کتاب نے کھانا تیار کیا اور بلوایا۔ آپ نے پوچھا کہ وہ کہاں ہے۔ اُنھوں نے

کہا کہ گرجا میں ہے۔ آپ نے اُس کے اندر جانا مکروہ سمجھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم لوگوں کو بھیجا دو۔ چنانچہ وہ لے گئے اور کھانا کھایا۔ حضرت علی رضی اللہ گرجا کی تصویروں کو دیکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ بھی آتے اور کھاتے تو کچھ اُن کا حرج نہ تھا۔

واضح ہو کہ شام کے لوگ اُس زمانہ میں عیسائی رومن کیتھلک تھے۔

خط مع جواب

برادرمن سید مہدیعلی صاحب زاد لطفہٗ۔

بعد سلام مسنون کے مدعا یہ ہے کہ آپ میرے پرانے یار ہیں اور میرے عزیز اور بھائی ہیں۔ اس لیئے مجھے اُمید ہے کہ آپ میری تحریر سے جو صرف براہ محبت کرتا ہوں ناراض نہ ہوں گے۔ بھائی میرے مجھے نہایت افسوس ہے کہ تم سید احمد خاں کی صحبت میں لامذہب ہو گئے اور اُس کا عنصر تم میں بھی آگیا اور اُس کے خلیفہ مشہور ہو گئے۔ وہ وعظ کا کہنا اور مجلس میلاد میں ذکر خیر کرنا اور علماء کی تقلید کرنا اور اسلام کی وضع کا لحاظ رکھنا سب تم نے چھوڑ دیا۔ اور ایسی کرسٹان کی طرح تم مضامین لکھنے لگے۔ تقلید کے تارک ہو گئے۔ علماء سے مخالفت کرنے لگے۔ وضع اپنی لباس و خوراک میں بدل ڈالی سو بھائی اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ تم اُسکی صحبت چھوڑ دو اور اپنے آپ کو بدنام نہ کرو۔ آیندہ خیال ہے۔ والسلام علےٰ من اتبع الھدے۔

جواب خط

جناب بھائیصاحب آپ کا نصیحت نامہ جس کے لفظ لفظ سے محبت کی بو آتی تھی اور جس کی ہر سطر سے درد اور دلسوزی ظاہر ہوتی تھی میں نے پایا۔ دل و جان سے اُس کا شکر کرتا ہوں اور نہایت ادب سے اُس کا جواب لکھتا ہوں۔

بھائیصاحب جب تک میں نے سید احمد خاں کو نہ دیکھا تھا اور اُن کے اصلی حالات

اور مذہبی خیالات سے مجھے ناواقفیت تھی میں سب سے بڑھکر اُن کا دشمن تھا۔ بلکہ اُن کے الحاد اور ارتداد اور تنصر کا قایل تھا۔ مگر جب سے مَیں اُن سے ملا ہوں اور اُن کے حالات اور خیالات مجھکو معلوم ہوئے ہیں تب سے مجھے اُن کی سچائی اور ایمان اور اُن کے عقاید کی خوبی اور اُن کے مذہبی خیالات کی صفائی کا ایسا یقین ہوگیا ہے کہ لو کشف الغطاء ما ازددت یقیناً

مَیں اُن کے مذہبی خیالات کی خوبی اور صفائی کا صرف اقرار ہی نہیں کرتا بلکہ اسپر حیرت بھی کرتا ہوں کہ ایسے زمانہ میں جبکہ اکثر لوگوں کے دلوں سے سچائی اور حق کی تحقیق کا نور جاتا رہا تھا اور رسم و رواج کی پابندی اور ہندوؤں کی تقلید اور عوام کی نگاہوں میں جھوٹی وقعت پیدا کرنے کی آرزو اور ریائی اتقا اور تورع کی شہرت کے شوق نے جاہلانہ تعصبات میں لوگوں کو مبتلا کر رکھا تھا اور تقلید نے حقیقت اشیا کے ادراک کی قوت کو جو ہر انسان کی فطرت میں خدا نے رکھی ہے معطل اور بیکار کر دیا تھا اور خدا اور رسول کی اصلی ہدایتوں اور پاک حکموں سے چشم پوشی کر کے لوگوں نے زید و عمرو کی روایات اور جھوٹے قصص و حکایات پر دین و مذہب کا مدار ٹھہرا رکھا تھا۔ اور مذہبی احکام کے علل اور اغراض اور اسرار کی تحقیق کا شوق دلوں سے جاتا رہا تھا اور برادری کی شرم اور جمہور کی مخالفت کے خوف اور کفر کے فتوے کے ڈر نے حق و باطل میں تمیز کرنے کی راہ بند کر دی تھی۔ کیونکہ ہماری ہی قوم میں سے ایک شخص کو حق کی تحقیق کا خیال آیا اور کس طرح حقایق اشیا کے ادراک پر متوجہ ہوا۔ اور کیونکر اسلام کی محبت نے اُس کے دل کو ایسا قوی کر دیا کہ حق کے ظاہر کرنے اور سچی راہ پر چلنے اور تقلید کے چھوڑنے میں نہ برادری کا خیال کیا نہ جمہور کی مخالفت سے ڈرا نہ کفر کے فتوے سے خایف ہوا۔ فللہ درہ و علی اللہ اجرہ۔

پس بھائی صاحب جب میرے دل میں اُس شخص کی نسبت اسلام کی محبت کا یہ خیال ہو تو مَیں کیونکر اُسکی محبت چھوڑ دوں اور کس طرح اُسکو برا سمجھوں۔ سچ یہ ہے کہ جس طرح آپ اور اَور ناواقف لوگ صرف اسلام کی وجہ سے اُن سے عداوت رکھتے ہیں ویسا ہی میں فقط اُن کے سچے ایمان کے سبب سے اُن سے محبت رکھتا ہوں۔ وللناس فیما یعشقون مذاهب۔

حضرت مولوی ہونا۔ فقیہہ بن جانا۔ عربی عمامہ سر پر باندھ لینا۔ ہزار دانہ کی تسبیح زیتون کی زیب گلو فرمالینا۔ قبار نورانی سے بدن کو مزین کر لینا۔ متقدین و ابرار اور شیخ وقت ہوجانا۔ مجلس وعظ میں نکات و اسرار بیان کر کے سامعین کو ملا دینا۔ خانقاہ میں مٹھیکر تصوف کے دقایق اور توحید کے نکتے ارشاد فرماکر سُننے والوں کو وجد میں لے آنا۔ یا کسی مزار و درگاہ میں جاکر مریدان باصدق و صفا کو حلقہ توجہ میں بٹھاکر عرش کی زیارت کرا دینا آسان ہے اور نہایت آسان ہے۔ مگر مشکل اور سب سے زیادہ مشکل ہے مسلمان ہونا اور خدا سے یکرنگی اور یکدلی کے ساتھ معاملہ رکھنا اور ریا اور مکر اور نفاق سے بچنا۔

شراب پی کر۔ مردار کھاکر علانیہ سب کے سامنے اقرار کر دینا اور ممبر پر چڑھکر اپنے اصلی حالات اور اپنے دلی خیالات کا خطبہ پڑھ دینا اسلام کی سچائی ہے۔ نہ کہ نورانی کرتہ پہن کر اپنے داغوں کو چھپانا۔ اور عربی عمامہ باندھکر اپنے تئیں مقدس جتانا اور میٹھی میٹھی باتیں کر کے اپنے آپ کو حضرت اور شیخ بتانا اور قرآن کے دام میں موٹی موٹی چڑیوں کا شکار کھیلنا۔ اور روکھی سوکھی صورت بناکر لقمہ تر نوش فرمانا اسلام سے اور ان مکاریوں سے کیا نسبت۔ ع

مرد ایں رہ را نشانے دیگر است

بھائی صاحب افسوس ہے۔ کہ آپ لوگوں نے سید احمد خاں کی حقیقت اب تک نہیں جانی۔ اور تعصب اور تقلید یا بغض اور حسد نے اُن کی خوبیوں کو آپ کی نظروں سے چھپا دیا۔ ورنہ آپ لوگوں کی دینی اور دُنیاوی بھلائی کے لیئے جو کچھ اُنھوں نے کیا ہے اور کر رہے ہیں اُس کا شکر آپ لوگوں سے ادا ہوتا اور جو کچھ اُن کے مساعی جمیلہ سے فائدہ ہوا اُس سے آپ محروم نہ رہتے۔ مگر اُمید ہے کہ آیندہ آنے والی نسل اُن کے بوئے ہوئے بیج کا پھل پاوے اور آپ لوگوں کی اولاد اُن کے دست و بازو کا شکر ادا کرے۔ اِنّ اللّٰہ لایضیع اجر المحسنین۔

علمار کی مخالفت کا الزام اُن کی نسبت کرنے سے مجھے کچھ تعجب نہیں ہوتا کیونکہ اگر اس مہلک بیماری میں آپ لوگ مبتلا نہ ہوتے اور تقلید نے اسلام کو مجموعہ قصص و حکایات نہ بنا دیا ہوتا اور زید و عمرو کے اقوال اور بہمان و فلاں کی رائیں مثل وحی کے واجب الاتباع نہ سمجھی جائیں تو اُن کو مخالفت کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی اور تحقیق کے

جھنڈے کا پرچم کھولنے پر اُن کا ہاتھ ہی نہ اُٹھتا۔ آپ کی تقلید اور اتباع اقوال قدما کی عالمگیر مصیبت ہی نے اُن کو اس طرف متوجہ کیا اور اُسی توجہ نے یہ شور و شغب ہندوستان میں مچا دیا ہے۔ مگر سچ یہ ہے کہ اگر چندے ہندوستان کے مسلمان اسی نیند میں سوتے رہتے اور حضرات علمار قصے کہانیاں کہہ کہہ کر آیندہ آنے والی نسل کو بھی خواب خرگوش میں سلایا کرتے اور کوئی اُن کا جھنڈا نکالنے والا اور تازیانہ لیکر جگانے والا نہ ہوتا۔ اور لوگ اسی طرح تقلید کے پابند رہتے اور مخالفت جمہور کے خیال سے تحقیق کا شوق نہ کرتے بلکہ ہر بات کی صحت و غلطی کے ادراک کے لیے اپنے پُرانے نسخوں اور رسائل کتابوں ہی کے کھولنے کی بدعادت میں مبتلا رہتے اور خدا اور رسُول کے کلام کو چھوڑ کر پُرانے لوگوں کے قولوں ہی پر تحقیق کو منحصر سمجھتے اور حضرات علمار رحمتہ اللہ علیہم تعصب کے سبب سے یا اپنے خیالات کی غلطی کی وجہ سے یا اپنے تعفۃ اور تورع کی اشاعت کی نظر سے فتووں سے ڈرایا کرتے اور یہ لوگ بھی جنت و دوزخ کی کنجیاں انھیں کے اختیار میں اور رضواں خازن جنت اور مالک داروغہ جہنم کو انھیں کا نوکر سمجھکر اُن کی تحریر ہی پر اپنے آپ کو قطعی جنتی اور یقینی دوزخی سمجھا کرتے اور اُن کے کفر کے فتووں کے ڈر سے نہ تحقیق حق کا قصد کرتے اور نہ جس کیچڑ اور دلدل میں پھنسے ہوئے تھے اُس سے نکلنے پر کمر ہمت باندھتے تو بلاشبہ دین و مذہب پر مرثیہ پڑھتے اور اسلام اور ایمان پر نوحہ کرنے اور سچائی اور صفائی پر ماتم کرنے کا وقت آ گیا تھا۔ لان العلماء ھم ادلۃ الطریق وقد شغلھم الزمان ولم یبق الا المترسمون وقد استحوذ علی اکثرھم الشیطان واستغواھم الطغیان واصبح کل احد منھم بعاجل حظہ مشغوفا فصار یری المعروف منکرا والمنکر معروفا۔

بھائی صاحب میرے اوپر بھی ایک ایسا زمانہ گذرا ہے کہ میں علمار کی مخالفت کو ارتداد اور الحاد کہتا تھا۔ بلکہ عربی عبارت میں جو کتاب لکھی ہوئی تھی اُس کے ایک فقرہ سے انکار کرنے کو بھی بداعتقادی جانتا تھا۔ اور آپ کی طرح ہر عالم اور ہر مولوی کی کتاب کو کالوحی المنزل من السماء سمجھکر اُس پر یقین کرنے کو ایمان کا نتیجہ سمجھتا تھا۔ مگر ایک روز امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب کی چند سطروں کو دیکھکر میں بداعتقاد ہو گیا اور حضرات علمار کے اقوال اور رایوں کے اتباع کرنے اور اُن کی ہر بات کو سچ جاننے

اور اُن کے ہر امر میں تقلید کرنے کو ضعف اسلام کا ثمرہ سمجھنے لگا - اور مخالفت جمہور کا جو خوف میرے دل میں تھا وہ بالکل جاتا رہا - امام صاحب اوّل تو حضرات علماء کی نسبت لکھتے ہیں کہ "اُنھوں نے علم کی حقیقت کو لفظوں پر منحصر کر دیا ہے اور تبدیل الفاظ سے لوگوں کو دھوکہ میں ڈال دیا ہے - فقہ اور حکمت اور تصوف اور کلام کو حرام مال پیدا کرنے کا دام بنا رکھا ہے - اور جو مراد خدا اور رسول کی ان لفظوں سے تھی اُسے بدل دیا ہے اور اپنی وعظ گوئی اور قصہ خوانی اور فصاحت و بلاغت اور اصطلاحات جدیدہ اور عبارات مزخرفہ پر علم دین کا مدار ٹھہرا رکھا ہے" اور پھر امام صاحب مخالفت جمہور کی نسبت لکھتے ہیں کہ "بڑا مانع تحقیق حق کا مخالفت جمہور کا خیال ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ سب لوگ ہم کو مجنون و دیوانہ بتاویں گے اور ہم سے مسخرگی اور ٹھٹھہ کریں گے - اس لیئے اگر ہم باطل پر ہیں تو خیر کیا مضائقہ ہے - جو سب کا حال ہوگا وہی ہمارا ہوگا مرگ انبوہ جشنے دارد - مگر ایسے خیال کرنے والے کو سوچنا چاہیئے کہ اگر اُس کے ساتھی ڈوبنے لگیں مگر وہ ایک کشتی پالے اور اُس پر سوار ہو کر بچنے پر یقین کرے اور اُن کے چھوٹنے پر اپنی نجات سمجھے تو کیا اُسوقت لوگوں کا ساتھ دے گا اور اپنی نجات کے ذریعہ کو چھوڑ دے گا - کوئی نادان بھی ایسی رفاقت کو پسند نہ کرے گا - وما یھلک الکفار الا لموافقۃ اھل زمانھم حیث قالوا انا وجدنا آباءنا علےٰ امۃ وانا آثارھم مقتدون -

حضرت من - بلاشبہ تحقیق حق کا بڑا مزاحم یہی خیال مخالفت جمہور کا ہے اور جاہلانہ خوش اعتقادی بھی راہ راست کے ڈھونڈنے کی بڑی مانع ہے - اچھے پڑھے لکھے یہی خیال کرکے کہ اگلوں نے کوئی بات نہیں چھوڑی اور سارے امور کی تحقیق کرلی ہے قصد ہی نہیں کرتے کہ اصلیت اور حقیقت کو کماہی ہی دریافت کریں - مگر وہ لوگ خیال نہیں کرتے کہ سب اگلے اور سارے بزرگ یہی کرتے آئے ہیں اور تحقیق ہی کے سبب سے وہ بزرگ و محقق کہلائے ہیں - اگر ائمہ دین اور مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین یہ خیال کرتے - کہ اگلے سب کچھ کر گئے ہیں تو اصول فقہ اور فقہ کی تدوین کا کب قصد کرتے اور پھر آئندہ علماء اسلام علم کلام کے اصول و فروع کی تمہید کا کیوں ارادہ کرتے - اور بعد اُس کے علوم معقولات کی اشاعت پر حضرات علماء کب توجہ فرماتے

اور جو ترقیاں علمی اسلام میں ہوئیں وہ کیونکر ہوتیں۔ اگر ہم سنی مسلمانوں کی طرح وے حضرات بھی خوش اعتقاد ہوتے اور مخالفت سلف کے خیال سے تحقیق کسی چیز کی نہ کرتے اور جن علموں کی ضرورت اور حاجت ہوتی گئی اُس کی تدوین نہ فرماتے اور تقلید کی دلدل میں پھنسے رہتے تو اسلام میں آج تک نہ کوئی عالم ہوتا نہ امام نہ کوئی مجتہد کہلاتا۔ نہ کوئی محقق۔ پس ہم لوگوں کی غفلت و جہالت اور بدنصیبی ہے جو ہم تحقیق کو مخالفت علماء کی سمجھتے ہیں۔ اور اجتہاد و تحقیقت اشیاء کے ادراک کو بداعتقادی جانتے ہیں اور ساری تحقیقاتوں اور تمام اشیاء کی حقیقتوں کے دریافت کو اپنے اگلوں پر منحصر اور ختم سمجھتے ہیں فنعم القول قول القائل الماھر کم ترک الاول للآخر وھذا ھو قول الذی علیہ التعویل ومن ذھب الی غیرہ لم یھتد الی سواء السبیل فان فضائل اللہ لیست محصورۃ فی قوم ولا مختصۃ بیوم دون یوم۔

بھائی صاحب۔ اس تقلید اور پابندئی مراسم نے جیسے بدنتیجے اسلام اور مسلمانوں کے حق میں پیدا کیے ہیں۔ اُس پر اُس شخص کو رونا آتا ہے جو ان باتوں پر غور کرتا ہے اور جو مسلمانوں کے علوم و فنون اور عقاید و اعمال کو نظر غور سے دیکھتا ہے۔ مگر حضرات علماء اور ابرار ہماری قوم کے وہ آنکھ ہی نہیں رکھتے جس سے ان خرابیوں کو دیکھیں اور وہ دل ہی نہیں رکھتے جس سے اپنی قوم کے تنزلات روز افزوں کو دیکھیں بلکہ وہ تو ایمان اور اسلام اور ورع اور تقوی اور تہذیب اور وضعداری کو اسی پر منحصر سمجھتے ہیں کہ تیلی کے بیل کی طرح آنکھ پر پٹی باندھ کر رات دن ایک محدود و تنگ دائرہ کے اندر گھوما کریں اور ان وسیع میدانوں کو جو تختہ جنت کی طرح ہر قسم کے گل بوٹوں سے آراستہ ہیں آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔

اسی تقلید کا سبب ہے کہ مسلمانوں کے علوم گھٹ گئے۔ اُن کے عقاید مذہبی بگڑ گئے۔ اُن کے اعمال ہندوانہ ہوگئے۔ اُن کی دُنیاوی ترقیاں رُک گئیں۔ اُن کی عزت اور منزلت جاتی رہی۔ غیر قوموں کی نظروں میں ذلیل ہوگئے۔ تربیت یافتہ لوگ جاہل سمجھنے لگے۔ اگر کسی کو شک ہو وہ امتحان کرلے اور اپنی آنکھ سے دیکھ لے۔ کسی ایسے بڑے سے بڑے نامی مدرسہ میں جاکر تعلیم کی کیفیت دیکھو جس کے مدرس کوئی بڑے مشہور منطقی اور نامی فلسفی اور جامع معقول و منقول حاوی فروع و اصول ہوں

کہ وہاں بھی جلوہ تقاید کا چمکتا اور پابندی رسم کا نور جھلکتا ہوگا۔ حضرت اُستاد علامۂ زمان نہایت خوبی اور کمال قابلیت سے اسطقسات اربعہ کی کیفیت بیان فرماتے ہونگے اور نہایت فصاحت و بلاغت سے طبعیات کے مسایل کی تشریح کرتے ہوں گے اور کمال خوبی سے برہان ترسی اور برہان سلمی کو ثابت کرتے ہوں گے اور صدرا کی مثناۃ بالتکریر کے عقدے حل کرنے پر ملک العلماء اور بحر العلوم کے حاشیے لکھوتے ہوں گے اور میر زاہد شرح مواقف کے منہئی نہایت خوش تقریری سے طالب علم کو سمجھاتے ہوں گے۔ حالانکہ اگر وہی حضرت علامی فہامی اُن مسائل حکمیہ کو مسائل جدیدہ سے مقابلہ کریں اور اُس طرز تعلیم کو جواب جاری ہے دیکھیں تو وہ خود اقرار کریں گے کہ ہم جہل مرکب میں گرفتار ہیں اور اپنی اور اپنی قوم کے لڑکوں کی عمر فضول بحثوں اور عبث باتوں میں ضایع کرتے ہیں۔ اور پوچ لچر بیہودہ باتوں کو علم اور حکمت سمجھتے ہیں۔

مگر غزارت علم اور شہرت فضیلت اور غیرت زہد و تقویٰ حضرت مولانا کی ایسی بلا رجان ہے کہ وہ کب اُس تقلید سے نکلنے اور علوم و فنون جدیدہ کے دریافت کرنے اور موافق حال اور ضرورت وقت کے علوم مفیدہ کی تعلیم کرنے کا ارادہ کر سکتے ہیں۔

اگر علوم و فنون سے بھی قطع نظر کی جاوے اور دین و مذہب پر خیال کیا جاوے تو اُسی تقلید کے سبب سے اُس کا بھی حال ابتر ہے۔ اول تو تقلید آئمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کی ایمان کی نشانی سمجھی جاتی تھی۔ اب ہر خاندان میں اُس خاندان کے بزرگوں کی چال چلن کی تقلید نشانی اسلام کی خیال کی جاتی ہے۔ اور ہر رسم کی ٹھیک ٹھیک پابندی پرہیزگاری اور دینداری سے تعبیر کی جاتی ہے۔ اگر کسی کو شک ہو تو وہ حضرات صوفیہ کرام کی خانقاہوں اور مشائخ عظام کی درگاہوں اور حضرات علماء کے وعظ کی مجلسوں اور عاشقان اہلبیت کے امام باڑوں میں ذرا قدم رنجہ فرماوے اور خدا کی کتاب کو ہاتھ میں لیکر اُن کے عقاید و اعمال کو اُس سے ملاوے اور انصاف کرے کہ اُسمیں اسلام کتنا ہے۔ اور کفر اور شرک و بدعت کس قدر۔

امور دنیاوی پر اگر خیال کیا جاوے تو وہی بلا تقلید ذلت و ادبار کے نتیجے دکھا رہی ہے

معاشرت کے طریقے ۔ زندگی بسر کرنے کے قاعدے ۔ معاش حاصل کرنے کی تدبیریں ۔ مخالطت اور مجالست کے طور ۔ شادی اور غمی کی رسمیں جو کچھ ہیں وہ سب تقلیدی ہیں ۔ اور گو خود ہمارے بھائی بعض پاکشہ باتوں کی بُرائی کے مقر ہوں اور اُس کی پابندی کو ذریعہ ذلت اور رسوائی اور افلاس اور نالایقی کا سمجھتے ہوں مگر وہی ترک تقلید اور مخالفت جمہور کا خوف کچھ کرنے نہیں دیتا اور کسی کو اُس پابندی سے نکلنے کی جرأت نہیں ہوتی ۔

پس بھائی صاحب ایسی حالت میں جبکہ تقلید اور پابندئ رسم کی سیاہی نے دلوں کو تاریک کر دیا ہو اور وہ نور جسے عقل کہتے ہیں چھپ گیا ہو اور ہمارے عقیدے اور اعمال تقلیدی ہو گئے ہوں اور غیر قومیں ہمارے تعصب و جہالت پر خندہ زن اشارے کرتی ہوں اور شب و روز کتابیں اور اخبار ہماری ذلت کی باتوں سے سیاہ کیئے جاتے ہوں اگر خدا کسی کی آنکھ کھول دے تو وہ کیا کرے ۔ یا کہ جمہور کی موافقت کر کے جاہلانہ تقلید کی دلدل میں پھنسا رہے یا اسلام کی محبت اور اپنی قوم کی ہمدردی کے جوش میں آکر خود اپنا پاؤں اُس کیچڑ سے نکالے اور اپنے بھائیوں کے نکلنے کی خواہش کرے ۔

بھائی میرے بُرا ماننے کی بات نہیں ہے لیکن آپ لوگ ہمدردی اور محبت قومی اور ملکی ترقی اور اسلام کی روشنی پھیلانے کی حقیقت ہی سے ناواقف ہیں اور اُس کے اصول ہی سے بے خبر ہیں ۔ سچ یہ ہے کہ یہ الفاظ آپ کے نزدیک مہمل اور بے معنی ہیں ۔ ورنہ کیا اب تک مسلمانوں کی یہی حالت رہتی ۔ اور آیندہ کو سوائے تنزلات روز افزوں کے کوئی بھی صورت ترقی کی نہ دکھائی دیتی ۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہمارے بھائی سخاوت نہیں کرتے ۔ فیاضی ظاہر نہیں فرماتے ۔ اب تک خدا کے فضل سے ایسے بلند حوصلہ ۔ عالی ہمت ۔ صاحبِ جود و سخا موجود ہیں کہ لاکھوں روپیہ ایک دم میں صرف کر دیتے ہیں لیکن چاہیئے کہ اپنے بھائیوں کی بھلائی میں کچھ خرچ کریں اس کا کیا ذکر ہے ۔

اُن بدمعاشوں نالایقوں کا کچھ ذکر نہیں جو فواحش اور معصیت کے کاموں میں اسراف کرتے ہیں بلکہ ہم اُن بلند ہمتوں کا ذکر کرتے ہیں جو اپنی شہرت اور عزت اور دین کے لیئے بہت کچھ صرف کرتے ہیں ۔ جب اُن کے اسراف پر نظر کیجا وے تو معلوم ہوگا کہ وہی تقلید اور پابندی رسم کی اُن کے روپیہ کو برباد کرتی ہے اور جھوٹی شہرت اور

بے اصل عزت کے حاصل ہونے کی تمنا اُن کا روپیہ لوٹاتی ہے۔

کیا کسی نے سنا ہے کہ سوائے شادی بیاہ میں ہزار ہا روپیہ لگانے یا بھائیوں کو تورہ بندی کھانا تقسیم کرنے یا بڑی بڑی عالی شان عمارتیں بنانے یا حاکموں کی خوشامد سے غیر مفید کاموں میں روپیہ لگانے یا جھوٹی مینداری اور جاہلانہ تعصب سے خانقاہوں اور مزاروں اور امام باڑوں میں شرک اور بدعت کے کاموں میں دولت برباد کرنے کے کسی نے اب تک کوئی زر خطیر یا رقم کثیر بلکہ کچھ حصہ بھی اپنی کمائی کا اپنی قوم کی بھلائی کے کاموں میں لگایا ہو یا لگانے پر رغبت کرتے ہوں پس کیا سبب اس کا صرف پست ہمتی اور بخل ہے ہرگز نہیں۔ بلکہ سبب اسکا یہ ہے کہ تقلید اور پابندیٔ رسم کے سبب سے ہمکو اُس بات کے کرنے کی جرأت ہی نہیں ہوتی جو اب تک ہمنے نہ کی ہو۔ اور اگر جرأت بھی ہو تو بوجہ نہ ہونے عادت کے اُس طرف رغبت ہی نہیں ہوتی اور اُس کام کو کچھ مفید یا باعث ثواب یا موجب عزت ہی نہیں سمجھتے ورنہ اگر وہ روپیہ جو محرم اور عرس میں بتیوں کے جلانے اور چراغان کرنے اور ڈھول بجانے میں صرف کیا جاتا ہے مسلمانوں کی تربیت اور تعلیم میں ایک جگہ جمع کرکے بطرز مناسب صرف کیا جاوے تو خود مسلمان دیکھیں کہ اُن کو کیسی ترقی ہوتی ہے اور اُن کی اولاد کیا عزت حاصل کرتی ہے۔

غرض کہ اس زمانہ میں پہلا کام مسلمان کا یہ ہے کہ وہ شرک کی طرح تقلید اور رسم کی پابندی چھوڑے اور اپنی گردن کو اس پھانسی کے پھندے سے نکالے اور کفر کے فتوی اور برادری کے طعنے سے نہ ڈرے اور جب تک مسلمان یہ نہ کرینگے تب تک ہمارے نزدیک کوئی اُمید اُن کی ترقی کی نہیں ہے اِلّا ان یشاء اللہ۔ پس بھائی صاحب وہ شخص جس نے پہلا یہ کام ہندوستان میں کیا ہے اور جس نے فقط اسلام اور مسلمانوں کے پیچھے اپنا وقت اور مال بلکہ اپنی جان کو قربان کیا ہے۔ وہی ہے جسے لوگ سید احمد کہتے ہیں اور جس پر ہزاروں طعنے کفر اور ارتداد کے ہوتے ہیں۔ اگر محبت قومی کی کچھ حقیقت آپ کو دریافت کرنی ہو تو ذرا اُس کے پاس آئیے اور اِس درد کو اُس کے دل سے پوچھیے اور اس جانسوز مصیبت کا افسانہ اُسی ملحد کی زبان سے سُنئیے۔

بخرام سوئے کلبۂ احزان وشبی ✦ تا بنگری کہ عشقِ تو با او چہ میکند

سوال و جواب

میرے ایک دوست نے بمقام الہ آباد میرے پاس ایک سوال تحریری بھیجا تھا اب مَیں اُس کا جواب لکھتا ہوں۔

سُوال

کیا فرماتے ہیں حضرات علماء دین متین اور شرع مبین کہ اگر زید قرآن شریف کے کسی جزو سے انکار کرے اور کُل احادیث کو یہ کہے کہ سب بالمعنے ہیں کوئی باللفظ نہیں اور باوجود اس کے عمرو زید کو پکا مسلمان اور سچا ایمان دار جانے اور کہے۔ تو شرعاً عمرو کی نسبت کیا حکم ہے۔

جواب

اگر زید قرآن شریف کے کسی جزو سے انکار کرے یعنی کسی سورہ یا کسی آیت کو منزل من اللہ اور وحی متلو نہ جانے یا جن چیزوں کا ذکر اس میں ہے اُس کے ہونے سے بوجود ذاتی یا بوجود حسی یا بوجود خیالی۔ یا بوجود عقلی۔ یا بوجود تشبیہی مُنکر ہووے۔ یا اُسکے مطلب سے جو الفاظ کی دلالت اور مقام کے قرینہ اور عبارت کے سیاق اور عرب کے محاورہ سے اجماعاً سمجھا گیا ہو اور اصول عقاید کے متعلق ہو بغیر کسی دلیل شرعی اور بُرہان قوی کے انکار کرے تو زید کافر ہے اور اگر اس انکار پر عمرو زید کو پکا مسلمان اور سچا دیندار جانے اور اُس تکذیب و انکار میں اپنا اتفاق ظاہر کرے تو وہ بھی کافر ہے لیکن اگر زید قرآن کو لفظاً لفظاً خدا کا کلام جانتا ہو اور بسم اللہ سے لیکر تا والناس ہر آیت کو وحی متلو سمجھتا ہو اور جو کچھ اُس میں مذکور ہے کیا از قبیل اخلاق و عقاید اور کیا از جنس عبادات و معاملات اور کیا از قبیل اخبار و قصص اور کیا از قسم حالات آخرت۔ اُن سب کو حق اور واجب الیقین والعمل جانتا ہو۔ مگر اُن الفاظ اور کلمات کے جن کے لفظی معنی مراد لینے سے مخالفت کسی اصل سے منجملہ اصول دین کے یا کسی مسئلہ سے منجملہ مسائل صحیحہ عقلیہ کے یا کسی امر سے منجملہ امور موجودہ

واقعیہ کے ہوتی ہو ظاہری معنی نہ کہتا ہو۔ بلکہ ایسے صحیح اور اصلی معنی مراد لیتا ہو جو قرینہ مقام اور محاورہ عرب کے مخالف اور شارع کے مقصود اصلی کے برعکس نہ ہوں یا اسمائے موجودات سے جن کا ذکر قرآن میں بلا تشریح اُن کی حقیقت کے ہے وہ حقیقت مراد نہ لیتا ہو۔ جو لوگوں نے سمجھ رکھی ہو۔ اور جس کا ثبوت کتاب و سنت سے کچھ نہ ہوتا ہو۔ اور جس کے اثبات پر سوائے اوہام اور ظنون کے کوئی عقلی دلیل بھی نہ ہو یا اُن آیات احکامی سے جن کی تعمیم بظاہر معلوم ہوتی ہو بلحاظ اصول صحیح کل عام یحتمل التخصیص کے بعض حالات کو باستدلال کتاب و سُنت مستثنیٰ کرتا ہو یا اُن مسائل اصولی و فروعی کو جن کا ثبوت صراحتاً نہ ہوتا ہو مگر بقیاس بعیدہ لفظوں سے اُن کا استنباط کیا گیا ہو نہ مانے یا قرآن مجید کی اُن تفسیروں کو جن کی کوئی سند صحیح صاحب الکتاب سے نہ ہو اور لوگوں نے اُسے اپنی سمجھ اور فہم کے مطابق بیان کیا ہو واجب القبول نہ جانتا ہو گو لوگوں کے نزدیک وہ باتیں جزو قرآن سمجھی جاتی ہوں اور اُس کا انکار انکار قرآن تصور کیا جاتا ہو اور ان سب حالتوں میں زید کی نیت سوائے اعلاء کلمۃ اللہ اور احقاق حق اور رفع الزام اور دفع مطاعن اور تطبیق اصول دین کی اصول صحیحہ عقلیہ سے اور ثابت کرنے حقیقت مذہب اسلام کی سب لوگوں پر کیا جاہل اور کیا عالم اور کیا حکیم اور کچھ نہ ہو تو زید بلاشبہ پکا مسلمان اور سچا ایمان دار ہے اور عمرو بھی جو زید کو ایسا سمجھتا ہو ویسا ہی پکا مسلمان اور سچا ایمان دار ہے۔

اگر زید کل احادیث کو بالمعنی کہے اور اُن کی روایت کو بالالفاظ نہ مانے یعنی یہ کہے کہ ان حدیثوں میں سے کسی میں کوئی لفظ بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نہیں ہے تو وہ احمق اور جاہل ہے لیکن اگر وہ یہ کہے کہ احادیث کے الفاظ پر یہ یقین نہیں ہے کہ یہ بعینہٖ الفاظ وہی ہیں جو شارع نے فرمائے ہیں شاید ہوں یا نہوں اور نہ اس نظم و ترتیب کی نسبت جو الفاظ اور کلمات میں احادیث کے ہے یہ یقین ہے کہ یہ وہی نظم و ترتیب ہے جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی شاید ہو شاید نہو تو زید نہ کافر ہے نہ مرتد بلکہ ایک محقق مسلمان ہے اور عمرو جو اُسے سچا مسلمان جانتے وہ بھی ویسا ہی ہے۔

میں اس جواب کی کچھ ضروری شرح بھی کرنا مناسب سمجھتا ہوں تا کہ مستفتی قرآن و حدیث کی تصدیق و تکذیب کی حقیقت سے واقف ہو جاوے چونکہ یہ جواب متعلق دو چیز کے ہے

قرآن اور حدیث۔ اس لیئے دونوں سے علیحدہ علیحدہ بحث کرتا ہوں۔

بحث اوّل بہ نسبت تاویل قرآن

قرآن کی تصدیق حقیقت میں یہ ہے کہ اُسے وحی متلو سمجھنا اور منزل من اللہ جاننا اُس کی تمام باتوں کو حق اور صحیح ماننا۔ اور اُسکی تکذیب یہ ہے کہ اُسے ایسا نہ جاننا پس جب تک کوئی مسلمان قرآن کو خدا کا کلام جانتے اور اُسکی سب باتوں کو مانتے تب تک تصدیق قرآن کی نسبت اُسکی طرف ہوگی اور وہ مُنکر قرآن نہ سمجھا جاوے گا لیکن جب اُس نے اُسے ایسا نہ جانا یا اُس کی کسی بات کو غلط مانا تو وہ تکذیب کرنیوالا قرآن کا ٹھہرے گا اور تب کُفر کی نسبت اُسکی طرف کیجاوے گی۔ یہ مذہب تو اصل محققین کا ہے۔ مگر جو لوگ ہمارے مذہب کی تحقیق کے درجہ پر نہیں پہونچتے اور جنہوں نے کُفر کو غلط سے بھی زیادہ ارزاں کردیا اور بات بات پر مسلمانوں کی طرف کفر کی نسبت کی اُنھوں نے قرآن مجید کا انکار ذرا ذرا سے اختلاف پر لوگوں کی طرف منسوب کیا اور نہایت بے احتیاطی سے کلام الٰہی کی تکذیب کے فتوے جاری کیئے چنانچہ بعضوں نے فرمایا کہ جو شخص اصول مذہب ماتریدی کا معتقد نہ ہو وہ منکر قرآن ہے بعضوں نے کہا کہ جو کوئی عقاید اشعری کا قائل نہ ہو وہ مکذب قرآن ہے۔ پھر حنبلیوں نے اشاعرہ کو کافر مانا کہ وہ آیہ علی العرش استوی کی حقیقت ظاہری سے منکر ہیں اشاعرہ نے حنبلیوں کو مُنکر قرآن خیال کیا کہ وہ آیۃ لیس کمثلہ شئی کے مضمون کو نہیں مانتے۔ سُنیوں نے معتزلیوں کی طرف انکار قرآن کی نسبت کی کہ وہ خدا کی رویت کا جو قرآن سے ثابت ہے اعتقاد نہیں رکھتے۔ معتزلیوں نے اُن کی تکفیر کی کہ وہ اثبات صفات سے توحید کا اقرار نہیں کرتے۔ اس تکذیب و تکفیر نے یہاں تک ترقی کی کہ قطع نظر اختلاف اصول کے اختلاف فروع سے بھی ایک نے دوسرے پر تہمت تکذیب قرآن کی کی اور اپنے ظنون اور شبہات کی تائید میں خدا کے کلام کی سند لائے۔ آخر کار بعض حنفیوں نے شافعیوں کو اور بعض شافعیوں نے حنفیوں کو بدعتی اور گمراہ بتایا اور غیر مقلدوں نے مقلدوں کو مشرک ٹھہرایا اور علمائے فقہا نے تو اپنی کتابوں میں بے سمجھے بوجھے تکفیر کے اتنے مسئلے بھر دیئے کہ گویا اُٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا سب تکفیر میں داخل ہو گیا پس یہ اُن لوگوں کی

جو تقلید میں مبتلا ہیں کوئی چارہ اِس بلا سے نکلنے کا نہیں کیونکہ اُن کا دین و ایمان عالموں کے اقوال اور فقیہوں کی کتابیں ہیں۔ اور وہ فقیروں کے کشکول کی طرح ہر رنگ کے کھانوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ مگر ہاں جو شخص تحقیق کا آرزومند ہو اور بے سوچے سمجھے کسی بات کو نہ مانے اُسے اس گرداب بلا سے نکلنے کا موقع حاصل ہے اور وہ موقع کیا ہے۔ قرآن کی اصلی تصدیق و تکذیب پر نظر رکھنا۔ حقیقت تصدیق و تکذیب کی تو مَیں اوپر بتا چکا۔ اب اُن قیود و شرائط کی تشریح کرتا ہوں جو اُن میں کی گئی ہیں۔ مَیں نے اوپر لکھا ہے کہ ان حالات میں انکار قرآن کی نسبت کسی طرف کرنا جائز نہیں۔

اوّلاً۔ اُن الفاظ اور کلمات کی جن کے لفظی معنی مراد لینے سے مخالفت قرآن کی کسی اصل سے منجملہ اصول دین کے یا کسی مسئلہ سے منجملہ مسائل صحیحہ عقلیہ کے یا کسی امر منجملہ امور موجودہ واقعیہ کے ہوتی ہو ظاہری معنی مُراد نہ لینا بلکہ وہ اصلی اور حقیقی معنی مراد لینا جو قرینہ مقام اور محاورہ عرب کے مخالف اور شارع کے مقصود اصلی کے برعکس نہ ہوں۔

ثانیاً۔ اسماء موجودات سے جن کا ذکر قرآن میں بلا تشریح اُن کی حقیقت کے ہے وہ حقیقت مراد نہ لینا جو لوگوں نے سمجھ رکھی ہو اور جس کا ثبوت نہ کتاب و سُنّت سے ہوتا ہو نہ جس کے اثبات پر سوائے اوہام و ظنون کے کوئی عقلی دلیل ہو اور اُن اسماء سے موافق قرینہ مقام کے کوئی ایک وجود مراد لینا منجملہ وجود خارجی یا حسی یا خیالی یا عقلی یا تشبیہی کے۔

ثالثاً۔ اُن آیات احکامی سے جن کی تعمیم بظاہر معلوم ہوتی ہو بلحاظ اصول صحیح کل عام محتمل التخصیص کے بعض حالات کو باستدلال کتاب و سنت مستثنیٰ کرنا۔

رابعاً۔ اُن مسائل اصولی و فروعی کا جو صاف صاف لفظوں سے تو ثابت نہ ہوتے ہوں مگر بقیاس بعیدہ لوگوں نے استخراج کیے ہوں نہ ماننا۔

خامساً۔ قرآن مجید کی اُن تفسیروں کو جسے بلا سند صحیح صاحب الکتاب کے لوگوں نے اپنی سمجھ اور اپنی فہم کے مطابق بیان کی ہو واجب القبول نہ جاننا۔

پہلی صورت کی تصریح یعنی قرآن کے بعض الفاظ سے ظاہری معنی مُراد نہ لینا

جو الفاظ قرآن مجید میں مذکور ہیں اُن کی نسبت یہ خیال کرنا کہ ہر موقع اور ہر مقام پر اُن کے وُہی ظاہری معنی مراد لینا ضرور ہے جس کے واسطے وہ لفظ موضوع کیئے گئے ہیں ٹری نادانی ہے۔ اور اسی واسطے نہ اب تک کسی نے اہل تحقیق سے ایسا خیال کیا نہ کوئی کرسکتا ہے کیونکہ خدا نے قرآن مجید کو عرب کی زبان میں نازل کیا۔ اُن کے محاورہ اور اُنکی بول چال کے مطابق الفاظ کا استعمال کیا۔ پس ہم کو اُن کا محاورہ دیکھنا چاہیئے کہ اہل عرب ہمیشہ لفظوں کو اُن کے ظاہری ہی معنی پر محمول کرتے تھے یا نہیں۔ جیسا ہم عرب کے کلام میں پاویں ویسا ہی قرآن مجید کی نسبت خیال کریں۔ پس جب ہم عرب کے کلام پر نظر کریں اور اُن کے محاورہ اور استعمال کو دیکھیں بلکہ عرب کے سوا دُنیا کے اکثر اہل زبانوں کی بول چال پر غور کریں تو کبھی اس سے انکار نہیں کرسکتے کہ الفاظ ہمیشہ اپنے ظاہری معنی ہی پر محمول نہیں کیئے جاتے۔ بلکہ مختلف معنی اور مختلف مقصود پر اُن کا استعمال ہوتا ہے۔ اور اُن معانی مختلفہ میں سے کسی ایک معنی کی تخصیص قرینہ اور محاورہ کے مطابق خود ذہن سلیم پر منحصر ہے۔

اب ہمکو ذرا غور سے اُن معانی مختلفہ پر غور کرنا چاہیئے جن پر الفاظ دلالت کیا کرتے ہیں چنانچہ مراتب دلالت الفاظ پانچ ہیں۔ اوّل دلالت کرنا الفاظ کا وجود ذاتی پر۔ دوسرے دلالت کرنا وجود حسی پر۔ تیسرے دلالت کرنا وجود خیالی پر۔ چوتھے دلالت کرنا وجود عقلی پر۔ پانچویں دلالت کرنا وجود تشبیہی پر۔ دلالت کرنا لفظ کا وجود ذاتی پر یہ ہے کہ جس معنی کے واسطے وہ وضع کیا گیا ہو اُسی پر دلالت کرے اور وہ شئے جسکی تعبیر اُس لفظ سے کی گئی ہو وہ درحقیقت خارج میں موجود بھی ہو مثلاً ہمارا یہ کہنا کہ ابولہب کافر تھا اس مرتبہ میں داخل ہے کیونکہ بتواتر ثابت ہے کہ ابولہب ایک مرد مکہ کا رہنے والا تھا اور وہ کافر مرا۔

دوسرے دلالت کرنا لفظ کا وجود حسی پر یہ ہے کہ جس چیز کا بیان کیا گیا ہو

وہ فی نفسہٖ موجود نہ ہو اور خارج عن الحس اُس کا وجود پایا نہ جاوے بلکہ صورت مثالی اُسکی خیال میں آنا ہی اُس کا وجود سمجھا جاوے اور اُس صورت مثالی کی تعبیر لفظوں میں کی جاوے جس طرح ہمارا کہنا کہ ہم نے جبرئیل امین کو خواب میں دیکھا پس حقیقت میں نہ وہ ہمارے پاس آئے نہ اُن کی صورت ظاہری ہمارے سامنے ہوئی۔ بلکہ اُن کی صورت مثالی جو ہمارے ذہن میں گذری وُہی اُن کا وجود سمجھا گیا۔ پس اس مقام پر وجود جبرئیل سے مراد وجود حقیقی جسمانی نہیں ہے بلکہ صورت مثالی اور وجود روحانی مراد ہے اور چونکہ قرینہ مقام اِس کلام کو مرتبہ اوّل پر یعنی وجود خارجی مراد لینے پر مانع ہے اس لیئے وجود حسی مراد لینا ضرور رہا۔

تیسرے۔ دلالت کرنا لفظ کا وجود خیالی پر۔ وہ یہ ہے کہ محسوسات کی صور و اشکال کا جبکہ آنکھ سے غایب ہوں دیکھنا اور اُس دیکھنے کو الفاظ کے ذریعہ سے بیان کرنا۔ مثلاً ہمارا کہنا کہ ہم کعبہ کو دیکھ رہے ہیں اور حاجیوں کا طواف کرنا ہماری آنکھ کے سامنے ہے حالانکہ ہم نہ کعبہ میں ہیں نہ حاجی ہمارے سامنے ہیں مگر کعبہ کی صورت اور حاجیوں کے طواف کی تصویر ہمارے خیال میں آئی اُسی کو اُن لفظوں سے تعبیر کیا۔ پس اس مقام پر بھی یہ الفاظ اپنے اصلی معنی پر محمول نہیں ہوسکتے اور سوائے وجود خیالی کے دوسرا وجود رویت کعبہ اور طواف کا کسی کے ذہن میں نہیں گذر سکتا بخلاف اسکے اگر یہی بات ہم کعبہ میں کہتے جبکہ حاجی ہمارے سامنے طواف کرتے ہوتے تو اُس وقت اِس کلام سے اصلی معنی سمجھے جاتے اور یہ الفاظ وجود خارجی پر دلالت کرتے۔

چوتھے۔ دلالت کرنا لفظ کا وجود عقلی پر۔ وہ یہ ہے کہ مطلب کا اُن لفظوں میں بیان کرنا جو اصلی حقیقت اُن الفاظ کے معانی کی عقلاً ثابت ہو۔ مثلاً ہمارا کسی بے شرم آدمی کو کہنا کہ اُسے کچھ دکھلائی نہیں پڑتا۔ پس نہ دیکھنے کا اطلاق ظاہر میں اُسی پر ہوتا ہے جو کہ ظاہری آنکھ نہ رکھتا ہو۔ مگر جو مقصود دیکھنے سے عقل کے نزدیک ہے وہ اس مقام پر مراد ہے یعنی نیک و بد میں تمیز کرنا پس اس مقام پر اِن لفظوں کا محل سوائے وجود عقلی کے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔

پانچویں۔ دلالت کرنا لفظ کا وجود تشبیہی پر۔ وہ یہ ہے کہ اُس چیز کا بیان کرنا جو کہ نہ خارج میں موجود ہو نہ حواس اور خیال سے متعلق ہو۔ نہ اُسکی کوئی حقیقت خاص ہو بلکہ

وہ فی نفسہ موجود نہ ہو اور خارج عن الحس اُس کا وجود پایا نہ جاوے بلکہ صورت مثالی اُسکی خیال میں آنا ہی اُس کا وجود سمجھا جاوے اور اُس صورت مثالی کی تعبیر لفظوں میں کی جاوے جس طرح ہمارا کہنا کہ ہم نے جبرئیل امین کو خواب میں دیکھا پس حقیقت میں نہ وہ ہمارے پاس آئے نہ اُن کی صورت ظاہری ہمارے سامنے ہوئی۔ بلکہ اُن کی صورت مثالی جو ہمارے ذہن میں گذری وُہی اُن کا وجود سمجھا گیا۔ پس اس مقام پر وجود جبرئیل سے مراد وجود حقیقی جسمانی نہیں ہے بلکہ صورت مثالی اور وجود روحانی مراد ہے اور چونکہ قرینہ مقام اس کلام کو مرتبہ اول پر یعنی وجود خارجی مراد لینے پر مانع ہے اس لیئے وجود حسی مراد لینا ضرور ہوا۔

تیسرے۔ دلالت کرنا لفظ کا وجود خیالی پر۔ وہ یہ ہے کہ محسوسات کی صور و اشکال کا جبکہ آنکھ سے غایب ہوں دیکھنا اور اُس دیکھنے کو الفاظ کے ذریعہ سے بیان کرنا۔ مثلاً ہمارا یہ کہنا کہ ہم کعبہ کو دیکھ رہے ہیں اور حاجیوں کا طواف کرنا ہماری آنکھ کے سامنے ہے حالانکہ ہم نہ کعبہ میں ہیں نہ حاجی ہمارے سامنے ہیں مگر کعبہ کی صورت اور حاجیوں کے طواف کی تصویر ہمارے خیال میں آگئی تھی اُن لفظوں سے تعبیر کیا۔ پس اس مقام پر بھی یہ الفاظ اپنے اصلی معنی پر محمول نہیں ہوسکتے اور سوائے وجود خیالی کے دوسرا وجود رویت کعبہ اور طواف کا کسی کے ذہن میں نہیں گذر سکتا بخلاف اسکے اگر یہی بات ہم کعبہ میں کہتے جبکہ حاجی ہمارے سامنے طواف کرتے ہوتے تو اُس وقت اس کلام سے اصلی معنی سمجھے جاتے اور یہ الفاظ وجود خارجی پر دلالت کرتے۔

چوتھے۔ دلالت کرنا لفظ کا وجود عقلی پر۔ وہ یہ ہے کہ مطلب کا اُن لفظوں میں بیان کرنا جو اصلی حقیقت اُن الفاظ کے معانی کی عقلاً ثابت ہو۔ مثلاً ہمارا کسی بے شرم آدمی کی کہنا کہ اُسے کچھ دکھلائی نہیں پڑتا۔ پس نہ دیکھنے کا اطلاق ظاہر میں اُسی پر ہوتا ہے جو کہ ظاہری آنکھ نہ رکھتا ہو۔ مگر جو مقصود دیکھنے سے عقل کے نزدیک ہے وہ اس مقام پر مراد ہے یعنی نیک و بد میں تمیز کرنا پس اس مقام پر ان لفظوں کا محمل سوائے وجود عقلی کے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔

پانچویں۔ دلالت کرنا لفظ کا وجود تشبیہی پر۔ وہ یہ ہے کہ اُس چیز کا بیان کرنا جو کہ نہ خارج میں موجود ہو نہ حواس اور خیال سے متعلق ہو۔ نہ اُسکی کوئی حقیقت خاص ہو بلکہ

دیکھا نہ کانوں نے سُنا - نہ ہمارے دل میں اُس کا خیال آیا - نہ ہم اپنے جیتے جی دیکھ سکتے یا خیال کر سکتے ہیں - اس لیئے اپنے کلام کو عام کر دیا اور موجودات کے اُن مراتب میں سے جن کا ہم استعمال کرتے تھے کوئی ایک مرتبہ اَور بڑھا دیا - تو قیاس میں آ بھی آسکتا ہے نہ کہ اُس کلام کر دینا اور باوجود ضرورت تعمیم کے اُسے محدود کر دینا فذلک ظن الذین لا یومنون اور پھر جبکہ ہم پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے قول پر خیال کرتے ہیں کہ ان للقرآن ظہرا و بطنا اور اصحاب نبوی اور علماء شریعت اور محققین وقت کی باتوں اور تحقیقاتوں کو دیکھتے ہیں کہ اُنھوں نے ایک ایک لفظ سے قرآن کے مختلف معنی مراد لیئے ہیں اور سارے حقایق روحانی و دقایق علمی کا استنباط اُنھیں لفظوں سے فرمایا ہے تو ہمکو اَور بھی کامل یقین ہوتا ہے کہ ضرور خدا نے اپنے کلام کو اس طرز پر بیان کیا ہے کہ اُسکی ظاہری تفسیر سے تو ہر عامی و جاہل مطلب سمجھ سکتا ہے اور اُسکی باطنی تاویل سے ہر حکیم و عاقل حقیقت پر پہنچ سکتا ہے -

غرض کہ جب مدلول الفاظ کے مراتب کی حقیقت معلوم ہو گئی تب ہم کہتے ہیں کہ قرآن و حدیث کے الفاظ و کلمات کو منجملہ اُن مراتب پنجگانہ کے مرتبہ اول پر محمول کرنا ظاہری تفسیر ہے اور جب دلیل قوی اُس کے استحالہ پر قایم ہو اور کسی اَور مرتبہ پر منجملہ اُن مراتب کے کلام محمول کیا جاوے وہ باطنی تفسیر ہے اور اُسی کو تاویل کہتے ہیں اور جب تک کوئی شخص خدا کے کلام کو منجملہ اُن مراتب کے کسی مرتبہ پر محمول کر کے اُس کی تصدیق کرے تب تک وہ تصدیق کرنے والا قرآن کا ٹھہرے گا - نہ انکار کرنے والا -

لیکن اَب یہ بات بحث طلب باقی رہی کہ خدا کے کلام کو منجملہ ان مراتب کے کسی مرتبہ پر محمول کرنے کا وہ اصول کیا ہے جس سے دین اسلام قایم رہے - کیونکہ اگر کوئی حد مقرر نہ کی جاوے تو ہر ملحد وست تاویل بڑھا وے گا اور لفظوں کے ظاہری معنی سے انکار کر کے اُس کے فرضی معنی بنانے لگے گا اور اپنے تئیں مصدق قرآن کہے گا - یہ سمجھکر کہ وہ کسی ایک مرتبہ پر منجملہ اُن مراتب پنجگانہ کے لفظ کو محمول کرتا ہے پس خدا کی توحید اُس کا علم بالجزئیات مسایل فرایض و واجبات وغیرہ کا انکار بھی انکار قرآن نہ سمجھا جاوے گا وما ھذا الا ضلال مبین اسی واسطے ہم نے اُن معانی کے مراد

لینے کو بے قید نہیں رکھا اور چند ایسی قیدیں لگا دی ہیں کہ جن کے لحاظ کرنے سے کبھی دست تطاول الحادنہ بڑھے گا اور لامذہبی اور دہریہ پن پر اطلاق تصدیق قرآن نہ ہوگا وہ قیود جو ہم نے کی ہیں یہ ہیں۔

اوّل۔ لفظی معنی مراد لینے سے مخالفت قرآن کی کسی اصل سے منجملہ اصول دین کے۔

دوسری۔ مخالفت اُسکی کسی مسئلہ سے منجملہ مسائل صحیحہ عقلیہ کے۔

تیسری۔ مخالفت اُسکی کسی امر سے منجملہ امور واقعیہ کے۔

ان حالتوں میں لفظی معنی سے تجاوز کرنا اور جیسا موقع اور قرینہ مقام کا ہو ویسا کسی ایک مرتبہ پر منجملہ مراتب مدلول الفاظ کے لفظ کو محمول کرنا انکار قرآن نہیں ہے بلکہ اصلی تصدیق قرآن کی ہے اور اگر ایسی حالتوں میں لفظی معنی مراد لیئے جاویں تو اندیشہ بلکہ ظن قوی تکذیب قرآن اور انہدام بنیان اصول اسلام کا ہے چنانچہ مَیں ہر ایک کی مختصر تشریح کرتا ہوں۔

اوّل مخالفت قرآن کی کسی اصل سے منجملہ اصول دین کے

مثلاً میں کہتا ہوں کہ منجملہ اصول دین کے ایک بڑا اصول تقدس اور تنزہ باریتعالے کا صورت اور جسم سے ہے اور یہ ایسا اصول ہے کہ اسلام کی بنیاد اسی پر ہے جو شخص اس کا منکر ہو وہ کافر ہے لیکن جب ہمکو قرآن و حدیث میں ایسے لفظ ملیں جن کے ظاہری معنی مراد لینے سے تشبیہ اور تجسیم باری تعالیٰ کی ثابت ہو تو اُس وقت ہمکو لازم ہے اُس کے ظاہری معنی سے تجاوز کرنا اور اُسکی دوسری حقیقت جو موافق اُس مقام کے ہو مراد لینا۔ مثلاً اللہ جل شانہ فرماتا ہے ید اللہ فوق ایدیھم پس ہاتھ کے اصلی معنی ظاہری اور وجود خارجی اُس کا گوشت پوست کا ایک عضو خاص ہے تو اگر اس موقع پر ہم اس لفظ کو مرتبہ اول پر محمول کریں اور وجود خارجی اس کا مراد لیں تو ہمکو خدا کا ہاتھ اور پنجہ اور گوشت اور پوست اور

رگ اور خون سب چیزوں کا ماننا پڑے - اور جب ہم نے ایسا مانا تو ہمارے کفر میں کیا شبہ رہا - پس بوجہ اس کے کہ لفظ کے ظاہری معنی مراد لینے سے مخالفت قرآن کی ایک اصل سے منجملہ اصول دین کے ہوتی تھی تجاوز کرنا اور اُس کا وجود اصلی مراد لینا ضرور ہوا -

کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ مسلمانوں میں سے کسی نے ایسے ظاہری معنی مراد نہیں لیئے بلکہ ہمارے اس زمانہ کے بھائیوں سے بھی زیادہ تر دانشمند اور اُن سے بڑھکر قرآن کی تصدیق کرنے والے گذر گئے ہیں جنہوں نے ایسے مقام پر بھی ظاہری معنی مراد لینے کو انکار اور تکذیب قرآن خیال کیا ہے اور اپنی صفائی ایمان اور اور تصدیق قرآن کی بدولت خدا کی صورت و شکل کے قایل ہوئے ہیں - چنانچہ میں بطور نمونہ کے بیان کرتا ہوں -

مشبہ حشویہ مثل مضر اور احمد ہجیمی کے اس بات کے قایل ہیں کہ خدا بھی جسم ہے گو اُس کا جسم ہمسا نہیں ہے اور اُس کے عضو اور جوارح بھی ہیں اور اُس سے ملنا اور مصافحہ کرنا اور معانقہ کرنا بھی ممکن ہے اور مشبہ کرامیہ یاران ابی عبد اللہ محمد بن کرام کا عقیدہ ہے کہ خدا عرش پر اوپر کی طرف سے ملا ہوا بیٹھا ہوا ہے اور اُترتا چڑھتا رہتا ہے اور بعض حشویوں نے تو صاف کہا ہے کہ خدا جسم ہے پھر اختلاف کیا ہے کہ آیا وہ گوشت پوست سے مرکب ہے یا نہیں اور پھر قد اُس کا سات بالشت کا ہے یا نہیں اور پھر صورت اُس کی کیسی ہے آدمیوں کی سی ہے یا نہیں - پھر بعضوں نے کہا ہے کہ لونڈے کی سی شکل ہے اور گھونگر والے بال سر پر ہیں - بعضوں نے فرمایا ہے کہ بڈھا ہے اور اس بات کے بھی قایل ہوئے ہیں کہ جگہ بدلتا رہتا ہے - اور یہ سب خوش اعتقاد لوگ قرآن و حدیث کے لفظوں پر کامل ایمان رکھنے سے ایسے تنزہ اور تقدس کے معتقد لوگ خدا کے لونڈے یا بڈھے ہونے کے قایل ہوئے - اور پھر اگر اُن کی دلیلوں کو کوئی دیکھے تو سوائے اُس اصول کے جو ہم نے بیان کیا اور جسے ہمارے مذہب کے سارے محققین لکھتے آئے ہیں کوئی جواب اُن کا دے ہی نہیں سکتا اور موافق اُس عقیدہ کے جو پابندی الفاظ پر اس زمانہ کے لوگوں کا ہے سوائے ایسے اعتقاد رکھنے کے جس کا ثبوت الفاظ ظاہری سے ہوتا ہے ہر شخص منکر جزو قرآن سمجھا جاتا ہے -

پھر یہ خیال نہ کیا جاوے کہ یہ غلطی صرف بعض لوگوں کو ہوئی - بلکہ افسوس و صد ہزار افسوس ہے کہ بعض بڑے بڑے محدثین اس بلا میں پڑ گئے جیسا کہ محقق دوانی نے شرح عقاید عضدی میں لکھا ہے کہ واکثر المجسمۃ ھم الظاھریون المتبعون لظواھر الکتاب والسنۃ واکثرھم المحدثون یعنی اکثر تجسیم کے معتقد وہ لوگ ہیں جو ظواہر الفاظ قرآن و حدیث کی تبعیت کرتے ہیں اور اکثر اُن میں سے محدثین ہیں - پھر بعض کا یہ قول ہے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حدیث ہے کہ رایت ربی فی احسن صورۃ تو صورت سے انکار کرنا قول رسول سے انکار کرنا ہے کسی کا یہ ارشاد ہے کہ حضرت ابوہریرہ سے منقول ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ خلق اللہ آدم علی صورتہ یا علی صورۃ الرحمٰن - تو خدا کو آدمی کی صورت نہ سمجھنا انکار رسول اور تکذیب حدیث ہے - کوئی فرماتا ہے کہ صحیح مسلم میں خدا کے پاؤں ہونے پر صحیح حدیث منقول ہے کہ جب وہ دوزخ میں اپنا قدم رکھدیگا تب دوزخ کا ھل من مزید کہنا بند ہوگا - تو اُس کے پاؤں سے انکار کرنا صحیح حدیث کو غلط کہنا ہے - کوئی اس نشہ میں مست ہے کہ خدا نے خود اپنی ساق ہونے کا ذکر قرآن میں فرمایا ہے کہ یوم یکشف عن ساق اور پھر ثبوت اس کا حدیث سے ہوتا ہے کہ ابن اثیر نے جامع الاصول میں لکھا ہے کہ فیاتیھم الجبار فی صورۃ غیر صورتہ التی رأوہ فیھا اول مرۃ الخ تو اس کا نہ ماننا جزو قرآن کا منکر ہونا ہے - پس میں مستفتی صاحب کی خدمت میں نہایت ادب سے عرض کرتا ہوں کہ ایسی صریح آیات اور ایسی صاف احادیث کو جس میں خدا کی صورت اور شکل اور پاؤں اور ہاتھ اور قد و قامت کا بیان ہے نہ ماننا اور اُس کے لفظوں کے ظاہری معنی پر محمول نہ کرنا کس وجہ سے انکار جزو قرآن نہیں ہے اور کیوں خدا کی صورت و شکل کے معتقدین باوجود ایسے استدلال کے گمراہ تصور کیے گئے ہیں - پس جو وجہ اسکی ہو وہی اُن لوگوں کی نسبت سمجھی جاوے جو ایسی ہی ضرورت کے سبب سے ظاہری معنی چھوڑ کر دوسرے معنی مراد لیتے ہوں - پس اُن لوگوں کو جو ایسے ظاہری لفظوں سے اُن کے لفظی معنی مراد نہ لیں محقق اور امام اور دانشمند جاننا اور اُن لوگوں کو جو ایسی ہی ضرورت سے اگر کسی الفاظ کے لفظی معنی مراد نہ لیں کافر اور منکر جزو قرآن سمجھنا ایک عجیب بات ہے -

دوسری مخالفت قرآن و حدیث کی کسی مسئلہ سے منجملہ مسایل صحیحہ عقلیہ کے

جس طرح پر الفاظ کے ظاہری معنی اُس حالت میں مراد نہیں لیئے جاتے جبکہ وہ مخالف کسی اصل کے اصول دین سے ہوں - اسی طرح اُس حالت میں بھی مراد نہ لیئے جاویں گے جبکہ وہ مخالف کسی اصل کے اصول صحیحہ عقلیہ سے ہوں - لیکن پہلی اصل کا پہچاننا آسان ہے اور اِس کا پہچاننا ذرا مشکل ہے اس لیئے صرف الفاظ کا ظواہر سے اس اصول کی وجہ سے بہت دانا اور محتاط اور اُس آدمی کا کام ہے جو کہ معقول و منقول دونوں سے بخوبی واقف ہو اور جس نے کسی معقولی مسئلہ کو اُن صاف اور واضح اور قوی دلیلوں سے ثابت کر لیا جس میں کچھ شبہ نہ ہو سکے اور جس میں فتنہ اور فیہ یا فیہ کا نام تک نہ ہو لیکن اس اصول کے فی نفسہ صحیح ہونے میں کچھ کلام نہیں ہے کہ جو الفاظ اصول صحیحہ عقلیہ کے مخالف ہوں گے اُن کا صرف عن الظاہر ضرور ہوگا - پس اگر کسی سے کچھ غلطی اصول صحیحہ عقلیہ کے اثبات میں ہو تو وہ اسکی خطا ہے مگر اس سے اصول کی صحت میں کچھ خلل نہیں ہو سکتا چنانچہ میں ایک دو مثال سے اسے سمجھاتا ہوں -

منجملہ اصول صحیحہ عقلیہ کے ایک یہ اصول ہے کہ اعراض اور کیفیات متشکل بشکل و صورت اور متقلب بہ جسم و ہیئات نہیں ہو سکتیں - مثلاً عقل اور زندگی اور موت کہ یہ سب اعراض ہیں پس ان کا کوئی وجود خارجی نہ ہوگا - پس اگر اُن کے وجود کا ذکر کسی جگہ قرآن یا حدیث میں ہو تو لامحالہ اُس کا مرتبہ اول پر رکھنا یعنی اُس سے وجود خارجی اُس کا مراد لینا ممکن نہ ہوگا بلکہ دوسرے مرتبہ پر پہنچانا اور اُس کے وجود سے وجود حسی یا وجود عقلی مراد لینے کی ضرورت ہوگی پس جہاں قرآن مجید میں خدا نے فرمایا ہے کہ خلق الموت والحیوۃ تو اس سے اگر کوئی اُن کا وجود خارجی مراد لے تو ایک اصل صحیح کے اصول صحیحہ عقلیہ سے مخالف ہوتا ہے اس لیئے ضرور اُس سے وجود عقلی اُس کا مراد ہوگا اور اگرچہ ان لفظوں سے کسی کا زیادہ تر وجود خارجی پر ذہن منتقل نہیں ہوتا مگر جہاں اُسکی زیادہ تشریح ہے وہاں اُس کے معنی کی زیادہ ضرورت ہوگی جیسا کہ کہا گیا ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ خدا نے

عقل کو پیدا کیا اور اُس سے کہا کہ آگے ہو۔ وہ آگے ہوئی۔ پھر کہا کہ پیچھے ہٹ وہ پیچھے ہٹ گئی۔ یا حدیث میں آیا ہے کہ موت کو بصورت مینڈھے کے قیامت کے دن لاویں گے اور اُسے درمیان دوزخ و جنت کے ذبح کریں گے تو اب اس مقام پر ان لفظوں سے اگر کوئی اُس کا وجود خارجی ظاہری مراد لے تو ضرور اُسی اغراض اور کیفیات کا متشکل بشکل اور منقلب بجسمانیت ہونا ماننا پڑے اور اُسے نہ مانے گا۔ مگر جس کا عقل کے کوچہ میں گذر بھی نہ ہوا ہو۔

یا قرآن مجید میں آیا ہے کہ ان من شئی الا یسبح بحمدہ کہ کوئی چیز نہیں ہے مگر وہ خدا کی تسبیح کرتی ہے۔ یہاں تسبیح سے مراد ہماری طرح سبحان اللہ کہنا نہیں ہے کیونکہ نباتات اور جمادات وغیرہ کچھ زبان نہیں رکھتے۔ پس یہاں تسبیح کے وجود سے مراد اُسکا وجود عقلی ہے لیکن افسوس ہے کہ ہمارے مذہب میں بعض ایسے بھی تصدیق کرنیوالے گذرے ہیں کہ انہوں نے تسبیح سے مراد تسبیح زبانی لی ہے۔

یا قرآن مجید میں آیا ہے کہ فقال لہا وللارض ائتیا طوعاً او کرھاً قالتا اتینا طائعین۔ تو یہ سمجھنا کہ خدا نے حقیقت میں اُن سے کلام کیا اور آسمان اور زمین نے حقیقت کچھ جواب دیا اور اپنی زبان سے یہ کہا کہ ائتینا طائعین بڑی نادانی ہے بلکہ یہاں بھی یہ الفاظ اپنے ظاہری معنی پر محمول نہیں ہو سکتے اور اُس سے سوائے وجود عقلی کے دوسری مراد نہیں لی جا سکتی۔

تیسری مخالفت اُس کی کسی امر سے منجملہ امور واقعیہ کے

جو الفاظ قرآن و حدیث کے ایسے ہوں جن کے ظاہری لفظی معنی کہنے سے مخالفت کسی امر کی امور واقعیہ سے ہو وے عام اس سے کہ اُن امور کی واقعی حقیقت عقل و علم سے ثابت کی گئی ہو یا تحقیقات اور تجربہ سے یا رویت و مشاہدہ سے یا اخبار صحیحہ متواترہ سے۔ تو وہاں بھی اُس لفظ کے ظاہری معنی سے تجاوز کرنا اور کسی ایک مرتبہ منجملہ مراتب پنجگانہ دلالت الفاظ کی لیجانا ضرور ہوگا

لیکن اس مقام پر بھی احتیاط اور عقل و دیانت شرط ہے کیونکہ اُن امور کا امور واقعیہ ثابت کرنا ذرا مشکل ہے لیکن گو اسکی تفصیل اور تصحیح اور اثبات مشکل ہو مگر یہ اصول بالکل ٹھیک ہے۔

مثلاً حدیث میں آیا ہے کہ مسلمان کی قبر ستر ہاتھ وسیع ہوجاتی ہے۔ اور چودھویں رات کے چاند کی طرح اُس کا چہرہ روشن ہوتا ہے اور کافر کی قبر پر ۹۹ اژدھے مسلط ہوتے ہیں اور ہر ایک اژدھا ننیانوے سانپ ہوتا ہے اور ہر سانپ کے سات سات سر ہوتے ہیں جو کہ قیامت تک اُسے کاٹتے رہتے ہیں پس یہ ایک امر ایسا ہے جس کا وجود خارجی کبھی ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ ظاہر میں مسلمان کی قبر چوڑی ہوتی ہے نہ اُس کا چہرہ بدر کے موافق روشن ہوتا ہے نہ کسی کافر کی قبر میں سانپ بچھو جاتے ہیں۔ پس جو شخص اس حدیث کے الفاظ کو اُس کے ظاہری معنی پر محمول کرے تو ضرور اُس کا دل اس قول کی تکذیب کریگا کیونکہ واقع میں اُسکو نہ پاوے گا۔ پس سوائے اس کے اور کچھ چارہ نہیں ہے کہ ان الفاظ کو اُس کے ظاہری معنی سے متجاوز کرکے اُس کو دوسرے مرتبہ پر لیجاویں اور ان سب چیزوں سے اُس کا وجود حسی مراد لیں۔

بعض لوگ اس اصول کے انکار کرنے پر یہ شبہ کریں گے کہ جو کچھ قرآن و حدیث میں مذکور ہے وہی مطابق معقول کے ہے۔ اور وہی مطابق واقع کے ہے۔ پس معقولات اور مشاہدات اور تجربات کو اصل قرار دینا اور قرآن و حدیث کے لفظوں کو تاویل کرکے اُسے اُن معقولات وغیرہ کے مطابق کرنا شان ایمان نہیں ہے حالانکہ یہ بڑی غلطی ہے اس لیئے کہ جب الفاظ اور کلمات کا استعمال اس طور پر جاری ہے کہ اُن سے سوائے ظاہری معنی کے اور معنی بھی مراد لیئے جاتے ہیں تو اُسکا ظاہری معنی سے متجاوز کرنا اور دوسرے اصلی معنی مراد نہ لینا نہ خلاف محاورہ کے ہے نہ برعکس ہماری بول چال کے ہے نہ کوئی عاقل اور اہل زبان اُس پر طعنہ کرسکتا ہے اور نہ کوئی اُس تاویل کو بناوٹ سمجھ سکتا ہے۔ خیال کرو کہ جب ہم کسی شخص کو غصہ میں دیکھکر یہ کہتے ہیں کہ اُس کے بدن میں آگ لگ گئی اُس کے بدن سے چنگاڑیاں نکل رہی ہیں تو کیا اُس سے حقیقی آگ اور اصلی چنگاریاں مُراد لیتے ہیں۔ اور جب ہم کسی شخص کو خوش تقریر

بات کرتے ہوئے دیکھکر یہ کہتے ہیں کہ اُس کے مونھ سے کیا پھول جھڑ رہے ہیں تو کیا اُس سے مراد گلاب اور چنبیلی کے حقیقی پھول ہوتے ہیں۔ یا جب ہم کسی کو نہایت تکلیف میں دیکھکر کہتے ہیں کہ اُس کے بدن سے سانپ بچھو چپٹے ہوئے ہیں اُس سے مراد ظاہری سانپ بچھو ہوتے ہیں پس جبکہ یہ باتیں ہمارے محاورہ اور ہمارے استعمال میں موجود ہیں تو کیا اُسی محاورہ اور استعمال پر الفاظ قرآن وحدیث کو محمول کرنا بناوٹ ہوگی یا تاویل ناجائز یا تکذیب قرآن ہے جو کوئی ایسا خیال کرے پھر یہ کہنا کہ مخالفت معقولات کی اور مخالفت امور واقعیہ کی قادح صحت کلام نہیں ہے صرف جاہلوں کا قول ہے کوئی عاقل ایسا نہیں کہہ سکتا نہ کسی نے ایسا کہا چنانچہ میں اس بحث کو امام غزالی کے اُس قول کے نقل کرنے پر تمام کرتا ہوں جو انھوں نے تہافت الفلاسفہ میں لکھا ہے ولنعم ماقال رحمۃ اللہ علیہ الثانی مالا یفید من مذھبھم فیہ اصلاً من اصول الدین الخ یعنی جو باتیں دلائل ہندسیہ اور براہین عقلیہ سے ثابت ہیں کہ جنمیں کچھ شک نہیں ہے اُس کے صحیح جاننے کو خلاف شرع جاننا بڑی غلطی ہے اور حقیقت میں دین کا ضعف ظاہر کرنا ہے کیونکہ جو شخص اُن دلیلوں سے آگاہ ہے وہ تو اُسپر کامل یقین رکھتا ہے پس جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ یہ مخالف شرع کے ہے تو وہ اُن باتوں کو غلط سمجھ ہی نہیں سکتا۔ اس لیئے وہ نہایت قوی اور روشن دلیلوں سے ثابت ہے ہاں شرع میں شک کرنے لگے گا۔ اور یہ سمجھکر کہ شرع بھی خوب ہے جو مخالف معقولات صحیح کے ہے منکر دین ہو جاوے گا۔ پس جو شخص شریعت کی مدد اور حمایت غلط طور سے کرتا ہے اور شریعت کو نقصان پہونچاتا ہے تو اُس ضرر کا وبال اُس شریعت کے دوست پر ہے کیونکہ شریعت میں تو درحقیقت کوئی بات خلاف معقولات صحیحہ کے نہیں ہے اُسی کہنے والے کے نزدیک البتہ ہے۔ پس اُس شریعت کے مددگار سے تو شریعت کا دشمن ہی اچھا ہے۔ اور سچ کہا ہے جس نے کہا ہے کہ دوست جاہل سے دانا دشمن اچھا ہے اور اگر فرض کیا جاوے کہ شریعت میں کوئی بات بظاہر مخالف اُن معقولات مسلمہ کے ہو تو تاویل اُسکی آسان ہے بہ نسبت نہ ماننے اُن امور قطعی یقینی کے اور یہ بات کچھ خلاف شرع نہیں ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے الفاظ کی تاویل کی گئی ہے۔ اسی وجہ کے سبب سے جو کہ اُن دلائل عقلیہ کے برابر قوت میں نہیں ہے تو کیونکر اُن معقولات صحیحہ کی

مطابقت کے لیئے وہ الفاظ تاویل نہ کیئے جاویں اور جو اس کا انکار کرے اور ایسی تاویل کو ناجائز بتاوے وہ حقیقت میں شرع کے باطل کرنے اور دین کے جھوٹے ہونے اور بددینوں کو خوش ہونے کی راہ کھولتا ہے ۔ فمن یاخذ العلوم من الفاظ المنقولة المأولة والعمومات المخصصة کان الضلال علیه اغلب مالم یهتد بنور الله تعالی الی ادراک العلوم علی ماهی علیه ۔

غرض کہ یہ امر بخوبی ثابت ہوگیا کہ قرآن و حدیث کے الفاظ سے ہمیشہ اُن کے ظاہری معنی مراد لینا ضرور نہیں اور بعض حالات میں اُن کے ظاہری معنی کہنا ناجائز اور منع ہے پس جو شخص کسی وجہ اور ضرورت اور سبب سے منجملہ ان وجوہ کے جو ہم نے بیان کیئے ظاہری معنی کسی لفظ کے نہ لے تو بے سمجھے اُسے منکر جزو قرآن کہنا بڑی غلطی ہے کیونکہ اُس کا اثر بہت دور تک پہنچے گا ۔ اور بڑے بڑے اماموں عالموں کی شان میں بھی کچھ کچھ داغ آویگا بلکہ حقیقت میں اصول شریعت کا قایم رکھنا مشکل ہوگا ۔

جو کہ اس پہلے امر کا بیان ہو چکا کہ الفاظ ظاہری کو اُس کے لفظی معنی پر بعض مقام پر محمول کرنا تکذیب قرآن نہیں ہے اس لیئے اب میں دوسرے امر کا بیان کرتا ہوں کہ اسما موجودات سے جن کا ذکر قرآن میں بلا تشریح اُن کی حقیقت کے ہے وہ حقیقت مراد نہ لینا جو لوگوں نے سمجھ رکھی ہو اور جس کا ثبوت کتاب و سنت سے نہ ہوتا ہو اور نہ جس کے اثبات پر سوائے اوہام و ظنون کے کوئی عقلی دلیل ہو تکذیب قرآن نہیں ہے ۔

دوسرا امر کہ اسما موجودات کی اُس حقیقت سے انکار کرنا جس کا ثبوت کتاب و سُنّت سے نہ ہوتا ہو

بہت سی چیزوں کے نام قرآن و حدیث میں مذکور ہیں جن کی کچھ حقیقت بیان نہیں کی گئی مگر جیسا کہ لوگ اُن کی حقیقت سُنتے آئے یا اپنی عقل اور سمجھ سے کچھ اُس کی ماہیت ٹھہرا کے اُسے سُنتے سُنتے اور دیکھتے دیکھتے وہ حقیقت اُس نام کے لفظی معنی کے

طور پر تصور کی گئی یہاں تک کہ جب وہ نام لیا جاوے تو اُس سے وُہی حقیقت جو ذہن میں سمائی ہوئی ہے سمجھی جاوے۔ پس اگر کوئی اُن ناموں کو مانے مگر اُس کی اُس مفروضہ حکمت کا منکر ہو تو وہ منکر جزو قرآن نہ سمجھا جاوے گا کیونکہ حقیقت میں وہ حقیقت جزو قرآن نہیں ہے۔ مثلاً آسمان کا جابجا ذکر قرآن میں ہے لیکن اُسکی حقیقت اور ماہیت نہیں بتائی کہ وہ کس چیز سے بنا ہے اور کیا ہے اور کتنی دُور ہے۔ اور فی نفسہ وہ کچھ وجود جسمانی خارجی رکھتا ہے یا نہیں۔ اور اگر رکھتا ہے تو وہ کیا ہے اور کیسا ہے جاہل تو اس نیلگون چھت کو جو آنکھ سے نظر آتی ہے آسمان سمجھتے ہیں اور عالم اُسے جسم کروی محیط للارض کہتے ہیں اور جو یونانی حکمت میں اُسکی حقیقت بیان کی گئی ہے وہ آسمان کے لفظ سے مراد لیتے ہیں۔ اور یہ حقیقت آسمان کی اُس کے لفظ کے ساتھ ایسی رل گئی ہے کہ آسمان کے لفظ سے وہی سمجھی جاتی ہے۔ پس اگر کوئی اس حقیقت کا انکار کرے اور اُسے نہ مانے اور یہ کہے کہ میں آسمان کے اوپر یقین رکھتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ وہ خدا کا بنایا ہوا ہے نہ کسی دوسرے کا مگر اُسکی وہ حقیقت نہیں مانتا۔ جو لوگ بیان کرتے ہیں۔ پس اُس کا انکار حقیقت میں انکار لوگوں کے بیان کرنے اور سمجھ کا ہے نہ خدا کے کلام کا۔ باقی رہا اُسکی حقیقت دریافت کرنا۔ اس کے لئے میدان تحقیقات عقلی فراخ ہے۔ شارع کو اُس سے کچھ تعرض نہیں۔ من شاء فلیقل انه جسم کروی محیط للارض ومن شاء فلیقل دخان محیط للارض۔

یا قرآن مجید میں جابجا شیطان کا نام آیا ہے۔ پس اگر کوئی اُس کے وجود سے مطلقاً منکر ہووے تو وہ تکذیب کرنے والا قرآن کا ہے لیکن اگر وہ اُس کے وجود کو مانے اور یہ کہے کہ میں اُسکی اُس حقیقت کو نہیں مانتا۔ جو لوگ بیان کرتے ہیں کہ خرقیس اُس کے باپ کا اور تلبیس اُسکی ماں کا نام تھا اور اُسکی صورت ایسی ہے اور شکل ویسی ہے کیونکہ خدا نے اُسکی کچھ حقیقت نہیں بتائی تو وہ بھی مکذب قرآن نہیں ہے اور چونکہ وجود سے ہمیشہ وجود جسمانی خارجی ہی مراد نہیں ہوتا پس وجود جسمانی سے شیطان کے انکار کرنا کفر نہیں ہے گو بڑی غلطی اور نادانی ہو۔ میرے نزدیک اُن لوگوں کی دلیلیں جو کہ شیطان کے وجود خارجی سے منکر ہیں اور میں اُن سے مخالف ہوں اور اُن کی سمجھ

ؔ اگرچہ حق یہ ہے کہ مدعیان وجود خارجی کو اُس کے اثبات کی دلیل لانی چاہیئے۔ ۱۲ منہ

فہم کی غلطی پر افسوس کرتا ہوں مگر اُن کی تاویل حشویہ و باطنیہ کی تاویل سے زیادہ ضعیف نہیں ہے اور نہ اصول دین میں کچھ اُس سے خلل واقع ہے۔ پس جس طرح حشویہ اور باطنیہ پر بسبب تاویل سے اطلاق تکذیب قرآن نہیں ہوتا تو منکر وجود جسمانی شیطان پر کیونکر ہوگا۔ خصوصاً اُس حالت میں جبکہ ہمارے مذہب کے بعض محققین سابقین کا بھی یہی قول ہو۔ مگر جو کوئی یہ کہے کہ جو ذکر شیطان کا قرآن میں ہے وہ جھوٹھ ہے۔ نہ اُس کے معنی ہیں نہ اُسکی کچھ حقیقت ہے نہ اُس کا کچھ وجود ہے تو بلاشبہ ایسا کہنے والا مُنکر قرآن اور کافر ہے لیکن تاویل کرنے والا اور وجود کی حقیقت میں اختلاف کرنے والا کافر نہیں ہے گو غلطی اور خطا پر ہو۔

یا قرآن مجید میں جنت اور آدمؑ اور درخت کے کھانے اور ملائکہ کے سجدہ کرنے وغیرہ کا ذکر ہے مگر اُن کی کچھ زیادہ تر حقیقت خدا نے نہیں بتائی کہ وہ درخت کیا تھا اور کھانے سے کیا مراد ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ گیہوں کا درخت تھا۔ کوئی کہتا ہے کہ اُسے کھا کر آدمؑ کو حاجت بیت الخلا کی ہوئی۔ پس جس قدر کہ خارج از قرآن مجید اُن چیزوں کی حقیقت بیان کی گئی ہے اُسکو نہ ماننا انکار قرآن نہیں ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ جو کچھ بہ نسبت اس کے قرآن مجید میں لکھا ہے وہ صحیح نہیں ہے اور یہ قصہ صرف فرضی اور بناوٹ ہے نہ آدمؑ کا وجود تھا نہ شیطان کا نہ فرشتوں کا۔ جو کچھ قرآن مجید میں لکھا ہے تو انکار نص صریح سے ہے۔ اور محمول کرنا اُسکو امور باطنی پر اور صرف کرنا ان لفظوں کا اُس کے ظواہر سے اور بیان کرنا اُس کی حقیقت روحانی کا بھی صراحتاً غلط تاویل ہے۔[۱] پس ایسی تاویل بدعت ہے اور یہ شعار فرقہ باطنیہ کا ہے۔ اگر ایسی ہی تاویل نصوص صریحہ کی کیجاوے تو بالکل اعتبار ظاہر شریعت سے اُٹھ جاوے اور عقاید اسلامیہ یونانی حکیموں کے سے مسئلے اور شریعت محمدیہ عیسائیوں کی سی شریعت ہو جاوے کہ ظاہر پر کوئی چیز باقی نہ رہے۔ ہر چیز سے مراد روحانیت اور حقیقت باطنی اُس کی لی جاوے۔ حالانکہ یہ بالکل مخالف شریعت محمدیہ کے ہے۔

[۱] بشرطیکہ تاویل کرنے والا ضرورت پنجگانہ تاویل سے کسی ضرورت کا ہونا ثابت نہ کر سکے۔

تیسرا امر کہ آیات احکامی کے عموم حکم سے بعض صورتوں کو مخصوص اور مستثنیٰ سمجھنا باستدلال کتاب و سنت کے انکار جزو قرآن نہیں ہے

اگر ان آیات احکامی سے جن کا حکم عام ہو کوئی شخص ان صورتوں کو مستثنیٰ کرے جس کا ثبوت کتاب و سنت سے ہوتا ہو تو وہ تخصیص انکار جزو قرآن نہیں ہے اور اسی واسطے فقہا نے یہ اصول قایم کیا ہے کل عام یحتمل التخصیص بلکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اخبار احاد اور قیاس سے بھی تخصیص جایز رکھی ہے مثلاً آیہ حرمت علیکم المیتۃ سے مرے ہوئے جانور حرام ہیں لیکن ٹڈی اور مچھلی اس حکم سے مستثنیٰ ہیں پس اگر کوئی اس اصول کو نہ مانے تو وہ ٹڈی اور مچھلی کی حلت کو بھی انکار جزو قرآن سمجھیگا - حالانکہ یہ دو چیزیں اس حکم عام سے بقول شارع مستثنیٰ کر دی گئی ہیں یا فاغسلوا وجوھکم وایدیکم سے دھونا پاؤں کا فرض ہے مگر جب آدمی موزہ پہنے ہو تو اس حکم سے مستثنیٰ ہے اور اسپر فقط مسح کرنا کافی ہے کیونکہ مسح خفین کی حدیث نے اس صورت خاص کو اس حکم عام سے مستثنیٰ کر دیا یا کوئی شخص آیہ ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ سے ذبایح اہل کتاب کو مستثنیٰ کرے - کیونکہ بقول حضرت ابن عباس کے جو ابوداؤد میں ہے آیہ طعام الذین اوتوا الکتاب اسکی تخصیص ہے تو ایسی تخصیص کو انکار جزو قرآن سمجھنا نادانی ہے - اگر کسی سے اس تخصیص میں غلطی رائے کی ہو جاوے تو وہ غلطی مجتہدانہ ہے نہ انکار کافرانہ جیسا کہ ترک تسمیہ کی نسبت باہم مجتہدین کے اختلاف ہے یعنی آیہ لا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ سے صراحت اسکی ہے کہ جس پر خدا کا نام نہ لیا جاوے وہ ذبیحہ حلال نہیں - مگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے کہ اگر مسلمان نام خدا کا وقت ذبح کے نہ لے عمداً یا سہواً

تب بھی ذبیحہ حلال ہے کیونکہ اسلام اُس کا تسمیہ کے بجائے ہے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گر ذبح کے وقت تسمیہ کرنا بھول جاوے تو ذبیحہ حلال ہے ورنہ نہیں پس یہ اجتہاد عامی کی نظر میں بالکل مخالف نص قرآن کے ہوگا - اور اگر شاید سوائے ان اماموں کے اَور کوئی ایسا کہتا تو وہ اُسے منکر نص قرآن سمجھتا مگر حقیقت میں یہ اجتہاد ہے نہ انکار -

اسی طرح جو شخص یہ سمجھے کہ اہل کتاب کے ذبیحہ میں یہ شرط ضرور نہیں کہ وہ ہماری طرح ذبح کریں بلکہ جس طرح پر وہ جانور کو مار ڈالنا ذبح سمجھتے ہوں وُہی ذبح ہمارے واسطے حلال ہونے کے لیئے کافی ہے اور اس سے وہ اُس جانور کو حلال جانے جسے اہل کتاب نے گردن توڑ کر مار ڈالا ہو مگر وہ آیہ طعام الذین اوتوا الکتاب اور بعض احادیث سے استدلال کرتا ہو تو گویہ غلطی لایق نہایت افسوس کرنے کے ہے مگر تاہم اس میں انکار نص نہیں ہے بلکہ تخصیص عموم حکم آیت قرآنی کی ہے اور یہ ضرور نہیں کہ جب تخصیص میں غلطی ہو وے تو اُس تخصیص کرنیوالے کی نسبت اطلاق انکار نص قرآنی کا کیا جاوے اس لیئے ایسے شخص کی غلطی پر اطلاق انکار جزو قرآن نہ ہوگا - ہاں اگر وہ کہے کہ منخنقہ جایز ہے یعنی جو خود گلا گھٹ کر مر گیا ہو یا اَور کسی نے گلا گھونٹ کر مار ڈالا ہو اور بلا قید اہل کتاب کے اور بے استدلال کتاب و سُنّت کے تو ایسا کہنا انکار نص ہے اور ایسا کہنے والا کافر ہے - واذ لیس فلیس +

چوتھا امر یعنی اُن مسایل اعتقادی اور عملی کو جو نصوص صریحہ سے بالصراحت ثابت نہ ہوتے ہوں مگر بقیاسات بعیدہ اُن لفظوں سے اُن کا استنباط کیا گیا ہو واجب الیقین اور واجب العمل نہ جاننا

مسائل اعتقادی اور عملی دو قسم کے ہیں - ایک وہ جو صاف صاف لفظوں سے

بلا وقت ظاہر ہوں جس طرح خدا کا ایک ہونا رسُول کا برحق ہونا ۔ خدا کا عالم بالجزئیات ہونا یا نماز روزہ اور حج وزکوٰۃ کا فرض ہونا وضو میں ہاتھ مونھ کا دھونا ۔ پس ایسے مسایل اعتقادی یا عملی سے انکار کرنا حقیقت میں انکار نص قرآن ہے ۔ دوسرے وہ جو نصوص سے بہ تاویل بعیدہ و یا بدلایل قیاسیہ منطقیہ اور اصول موضوعہ استنباط کیے گئے ہیں جیسا کہ یہ مسئلہ کہ خدا خالق خیر و شر ہے بندہ یا قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق فرشتے انسان سے افضل ہیں یا انسان اُن سے مسایل خلافت اور امامت اور رویت باری تعالے وغیرہ کے ان مسایل میں سے کوئی مسئلہ صراحتًا ثابت نہیں کسی نے کچھ سمجھا ہے کسی نے کچھ ۔ اور بلا شبہ بعض صواب پر اور بعض غلطی پر ہیں ۔ لیکن حقیقت میں کوئی اُن میں سے منکر قرآن اور کافر نہ سمجھا جاوے گا ۔ اور جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اشاعرہ کے مسایل اعتقادیہ کا نہ ماننا یا ماتریدی مذہب کے عقاید کا معتقد نہ ہونا انکار قرآن ہے وہ اُن کی غلطی ہے کیونکہ اسلام نہ اشعری کے معتقدات پر ہے نہ ماتریدی کے مسایل پر ۔ بلکہ ایمان وُہی ہے جو خدا نے فرمایا اور اُس کے رسُول نے ۔ اور یہ لوگ اُن کے قولوں کے شارح ہیں جہاں تک وہ صواب پر ہیں ہم مانیں گے جہاں اُن سے بھُول چوک ہوگئی اُسے واجب القبول نہ سمجھینگے ۔

اسی طرح اُن مسایل فروعی کا حال ہے جو متعلق حلت وحرمت اشیاء کے ہیں یا متعلق اَور باتوں کے کہ اگر وہ صاف صاف قرآن سے ثابت نہ ہوں تو اُس کا نہ ماننا انکار نص قرآن نہیں ہے ۔ مثلاً کچھوہ ۔ مینڈک وغیرہ کو جنہوں نے یہ سمجھ کر حرام قرار دیا ہے کہ وہ خبائث میں داخل ہیں اور خبائث بموجب حکم آیہ ویحرم علیہم الخبائث کے وجہ حرمت کی ہے ۔ پس یہ کوئی حکم صریح نہیں ہے تو اگر کوئی اُس تلے کو خبیث نہ جانے اور اُسکی حلت کا قایل ہو ۔ تو حقیقت میں یہ انکار اُس شئے کی خباثت سے ہے نہ انکار حرمت خباثت سے جس کا ثبوت نص سے ہوتا ہے ۔ یا اگر کوئی کتب قدیمہ مقدسہ میں تحریف لفظی کا قایل نہ ہو تو وہ منکر قرآن نہیں ہے کیونکہ وہ تحریف لفظی جس کا دعوےٰ کیا جاتا ہے ایسے صریح لفظوں سے ثابت نہیں ہے جس کا انکار انکار نص ہو ۔ پس جو شخص تحریف کا تو قایل ہو مگر تحریف لفظی کا نہ ہو منکر قرآن نہیں ہے ۔ جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رض اور امام محمد ابن اسمٰعیل بخاری اور چند

محققین مثل شاہ ولی اللہ وغیرہ کے منکر تحریف لفظی کے ہوئے ہیں ۔
بلکہ بعضوں نے تو یہاں تک تصریح کی ہے کہ اُن باتوں کو جو کہ متعلق اُن اصول عقاید کے نہیں ہے جن کا ثبوت اجماعاً نہیں اگر تاویلاً کوئی نہ ملنے اور کچھ اور معنی کہے تو وہ بھی منکر قرآن نہیں ہے جیسے کہ بعضوں نے چاند و سورج سے آیہ ھذا ربی میں جو حضرت ابراہیم نے کہا تھا جواہر نورانیہ ملکیہ مراد لی ہے یا الق ما فی یمینك اور فاخلع نعلیك سے ماسوے اللہ اور کونین مراد ہیں اور محققین نے لکھدیا ہے کہ یہ اصل نص کا انکار نہیں ہے ۔

پانچواں امر یعنی لوگوں کے کہے ہوئے معنوں کو اور اُن زاید باتوں کو جو تفسیروں میں داخل ہیں نہ ماننا

اسکی تصریح کی مجھے کچھ زیادہ ضرورت نہیں ہے مستفتی کو اگر خواہش ہو تو میرا مضمون تفسیر کا جو تہذیب الاخلاق میں چھپا ہے ملاحظہ کرلے ۔
غرض کہ جو صورتیں میں نے اوپر بیان کیں ان ساری صورتوں میں نہ یہ منکر جزو قرآن نہ سمجھا جاوے گا ۔
جو کہ بہ نسبت انکار جزو قرآن کے میں اپنے جواب کی شرح لکھ چکا اب بہ نسبت روایت حدیث کے بالالفاظ ہے یا بالمعنی کچھ بحث لکھتا ہوں ۔

روایت حدیث

اگرچہ مقصود اصلی میرا اس مقام پر صرف تحقیق کرنا اس امر کا ہے کہ آیا روایت احادیث کی بالالفاظ ہے یا بالمعنی ۔ مگر میں حدیث کی تدوین اور روایت اور درایت وغیرہ سے بہ تفصیل بحث کرنا مناسب سمجھتا ہوں تاکہ حقیقت تصدیق و تکذیب حدیث کی بھی بخوبی ظاہر ہو جاوے اور لوگوں کے شبہات اچھی طرح سے

دور ہو جاویں اس لیے اس مضمون کو چند بحثوں میں لکھتا ہوں۔

اوّل کیفیت احادیث کی روایت کی قبل تالیف ہونے کتب احادیث کے۔

دوسرے۔ تاریخ اور مختصر کیفیت کتب احادیث کی تالیف کی۔

تیسرے تنقیح اس امر کی کہ روایت حدیث کی بالالفاظ ہے یا بالمعنی۔

چوتھے۔ بیان اس کا کہ سب احادیث صحیح مفید یقین ہیں یا نہیں۔

پانچویں۔ تحقیق اس بات کی کہ کل احادیث کتاب صحاح کی صحت بہ مرتبہ یقین ثابت ہے یا نہیں۔

پہلی بحث بہ نسبت کیفیت احادیث کی روایت کی قبل تالیف ہونے کتب احادیث کے

یہ بات بخوبی ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کے زمانہ میں سوائے قرآن مجید کے احادیث کے لکھنے کا دستور نہ تھا اور وہ چند وجوہ سے کتابت احادیث کو پسند نہ کرتے اوّلاً اس لیے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی باتیں تین قسم کی ہوتی تھیں ایک وحی دوسرے غیر وحی متعلق امور دین کے۔ تیسرے غیر متعلق امور دین کے۔ پس جو وحی تھی وہی لکھی جاتی اور اُسی کا نام قرآن ہے۔ اور جو باتیں غیر وحی کی تھیں وہ ایک قسم کی نہ تھیں۔ بعض مستند بالہام۔ بعض مستند باجہاد اور پھر بعض متعلق امور جزئیات کے اور بعض متعلق معاملات اور قضایا رخاص کے اور بعض منتج ایجاب وتحریم کے اور بعض موثر ندب وکراہت کے اور بعض علی سبیل العبادت اور بعض علی سبیل العادت۔ پس ان باتوں کا صحابہ موافق اپنے فہم کے قرینہ مقام اور ضرورت وقت پر نظر کر کے خیال رکھتے اور اُس سے تفریع احکام کرتے اور جو باتیں امور دیں سے تعلق نہ ہوتیں بلکہ امور دنیاوی سے علاقہ رکھتیں اُس کی نسبت تو خود آنحضرت صلعم نے فرما ہی رکھا تھا کہ انتم اعلم بامور دنیاکم کہ تم لوگ اپنے دنیا کے کاموں کو مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔ اسکو فقہا رصحابہ دینی مسائل سے جدا سمجھتے تھے۔ پس بخیال اس کے کہ اگر یہ سب باتیں لکھی جاویں تو التباس دینی مسائل کا دنیاوی امور سے اور شرعی احکام کا امور عادی سے ہوگا۔ صحابہ نے جمع کرنا اور لکھنا

حدیثوں کا پسند نہیں کیا - دوسرے کل صحابہ ہر وقت اور ہمیشہ صحبت نبوی میں حاضر نہیں رہتے تھے - اور وہ باتیں جو حضرت فرماتے اور وہ کام جو آپ کرتے تو سب اپنے کانوں سے سنتے نہ اپنی آنکھ سے دیکھتے بلکہ جو حاضر صحبت ہوتا وہ سنتا اور دیکھتا اور پھر اُسکی نقل اور روایت سے اوروں کو علم ہوتا - اور چونکہ نقل اور روایت کی صحت پر درجہ یقین کا نہیں ہوسکتا اس لیئے حدیثوں کے جمع کرنے اور لکھنے سے صحابہ نے احتراز کیا - بلکہ بعض احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ خود آنحضرتؐ نے فرمادیا تھا کہ سوائے قرآن کے مجھ سے اَور کچھ نہ لکھو اور اسی واسطے بعد وفات آنحضرتؐ کے بھی صحابہ تحریر احادیث سے مانع رہے - اور اگر بعض صحابہ نے کچھ لکھا تو انھیں خیالوں سے اُسے مٹادیا اور اپنے لکھے ہوئے کو قبل از وفات جلا دیا - چنانچہ کوئی عالم ہمارے یہاں کا اس سے انکار نہیں کرسکتا کیونکہ اس کا ثبوت کتب اور روایات سے بخوبی ہوتا ہے - چنانچہ مَیں چند اقوال بطور نمونہ کے بیان کرتا ہوں -

ایک مرتبہ زید بن ثابت کے پاس بہت سے لوگ آئے اور کہا کہ آپ کچھ حدیثیں پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی ہمکو سنائیے - اُنھوں نے جواب دیا کہ جب آں حضرتؐ پر وحی نازل ہوتی تو مجھے آپ بلاتے اور مَیں لکھ لیتا اور باقی پیغمبر خدا کے سامنے جب دنیا کا ذکر ہوتا تو وہ ہمارے ساتھ اُسکی باتیں کرتے جب آخرتؐ کا ذکر ہوتا وہ اُس کا ذکر کرتے - جب کھانے پینے کا ذکر آتا آں حضرتؐ بھی اُسکی باتیں کرتے - پس کیا ان سب باتوں کا ذکر مَیں تم سے کروں اور یہ سب حدیثیں تمھیں سناؤں اور نیز حدیث شریف میں آیا ہے کہ اذا امرتکم بشئی من دینکم فخذوا بہ واذا امرتکم بشئی من رایی فانما انا بشر - کہ جب مَیں کوئی حکم متعلق امور دین کے دوں تم اُسکو لو اور جب کوئی کام دنیا کا بتاؤں اپنی رائے سے تو مَیں بھی بشر ہوں - اور محب طبری نے ریاض النضرت میں اور ملا علی متقی نے کنز العمال میں - اور حافظ عماد الدین نے مسند صدیق میں بروایت حاکم ابو عبد اللہ نیشاپوری کے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی روایت سے یہ لکھا ہے کہ میرے والد یعنی حضرت ابوبکر صدیق نے پانچسو حدیثیں پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی جمع کی تھیں - پس ایک شب وہ نہایت بے چین ہوئے اور حد سے زیادہ مغموم - میں نے پوچھا کہ پریشانی کا سبب کیا ہے

تو آپ نے کہا کہ وہ حدیثیں جو مَیں نے جمع کی تھیں - لے آ - جب میں لے گئی تو
آگ منگا کر اُنھیں جلا دیا - جب مَیں نے اس کا سبب پوچھا - تو کہا کہ مجھے اندیشہ
ہے کہ شاید مَیں مر جاؤں اور یہ حدیثیں میرے پاس رہجاویں - اور شاید میں نے
اعتبار اُن آدمیوں کا روایت میں کیا ہو جو درحقیقت لایق اعتبار نہ ہوں - اور
وثوق اُن باتوں کا کر لیا ہو جو در اصل صحیح نہ ہوں - اور یہ بھی لکھا ہے کہ ایک شخص
عبداللہ بن عباس کے پاس کتاب لکھکر اصلاح کے لیئے لایا - آپ نے اُسے لیکر پانی
سے دھو ڈالا - غرض کہ صحابہ نے یا بوجہ احتیاط کے یا بوجہ اس کے کہ اُن کو چنداں
ضرورت تالیف و تدوین کی نہ تھی - اور جو کچھ اُنہوں نے بلا واسطہ خود شارع کی زبان
سے سُنا تھا یا کرتے دیکھا تھا اُسے پیش نظر رکھتے تھے - احادیثوں کے جمع کرنے پر توجہ
نہ کی اور بعد اس کے تابعین کے زمانہ میں بھی اُسکی نوبت نہ آئی اور سنہ ۱۴۳ ہجری تک
ایک نے دوسرے سے اور دوسرے نے تیسرے سے زبانی روایت پر قناعت
کی مگر بعد اُس کے ضرورت تدوین اور تالیف کی ہوئی چنانچہ اُسکی مختصر کیفیت
یہ ہے -

دوسرا بیان بہ نسبت تاریخ اور مختصر کیفیت
کتب احادیث کی تالیف کے

موافق قول خطیب بغدادی کے اول تالیف امام عبدالملک بن عبدالعزیز
بن جریج بصری نے جو ۱۵۰ھ ہجری میں مرے - کی - اور بعض کہتے ہیں کہ اول مؤلف
ابو نصر سعید بن ابی عروبہ ہیں جو ۱۵۶ھ ہجری میں مرے - اور بقول ابو محمد رامہرمزی
کے ربیع ابن صبیح نے اول تالیف کی اور پھر بعد اس کے سفیان بن عیینہ اور مالک
بن انس نے مدینہ منورہ میں اور عبداللہ بن وہب نے مصر میں - اور معمر اور عبدالرزاق
نے یمن میں اور سفیان ثوری اور محمد بن فضیل بن غزوان نے کوفہ میں - اور حماد بن سلمہ
اور روح بن عبادہ نے بصرہ میں اور ہشیم نے واسط میں - اور عبداللہ بن مبارک
نے خراسان میں کتابیں لکھیں اور جو حدیثیں اُن کو ملیں اُنھیں جمع کیا اور جب

تالیف کا قاعدہ جاری ہوا تب بہت سے لوگ اس طرف جھکے اور مختلف طور سے مختلف غرضوں کے واسطے کتابیں لکھنے لگے یہاں تک کہ نوبت محمد اسمٰعیل بخاری اور مسلم رحمت اللہ علیہما کی آئی اور انہوں نے اعلےٰ درجہ کی کوشش جمع کرنے میں حدیث کے کی فعلیہما رحمت اللہ الی یوم القیامہ۔

پس ۲۴۳ھ ہجری سے لیکر اس زمانہ تک ہزارہا کتابیں حدیث کی تالیف ہوئیں اور مختلف غرضیں اُن تالیفات کا سبب ہوئیں کہ اُن سب کتابوں پر کتب احادیث کا اطلاق کیا جاتا ہے اور جو کچھ اُن میں لکھا ہے اُسپر حدیث کی نسبت کی جاتی ہے اور جب تک کہ تحقیق محققانہ نہ کی جاوے تب تک جو قول اُن کتابوں میں ہے وہ قول قول رسول اور جوبات اُن میں لکھی ہے وہ منسوب بشارع سمجھی جاتی ہے اور یہی امر غلت اور غلطی اور دھوکے کا سبب ہے اور ایک عالم کو اسی دھوکے نے گرداب بلا میں ڈال رکھا ہے۔

غرض کہ سب سے اوّل اس امر کو سمجھنا ضرور ہے کہ ہر محقق اور ہر کتاب مستند نہیں ہے اور ہر قول قول رسول اور ہر حدیث حدیث پیغمبر صلوات اللہ علیہ وآلہ نہیں ہے۔ بلکہ محدثین اور احادیث کی کتابوں کی مختلف صورتیں ہیں چنانچہ علاوہ صحاح کے میں اور کتب احادیث کے درجات کی کچھ مختصر کیفیت بیان کرتا ہوں۔

بعض کتابیں حدیث کی وہ ہیں جن کو مسانید اور جوامع اور مصنفات کہتے ہیں جو کہ بخاری و مسلم کے زمانہ میں یا اُس سے پہلے لکھی گئیں اور وہ صحیح اور حسن اور ضعیف اور معروف اور غریب اور شاذ اور منکر اور خطا اور صواب اور ثابت اور مقلوب کا مجموعہ ہیں اور جن کے بعد تالیفات کی کچھ شہرت بھی نہیں ہوئی اور جن کی پیچھے کسی نے کچھ خبر نہ لی یعنی نہ کسی نے شرحیں اُن کی لکھیں نہ کسی نے اُنکی تطبیق مذاہب سے کی نہ کسی نے اُن کے رجال کی تحقیقات کی مثل مسند ابو علی اور مصنف عبد الرزاق اور مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ اور مسند عبد بن حمید اور طیالسی اور کتب بیہقی اور طحاوی اور طبرانی کے کہ اُنھوں نے جو کچھ پایا وہ بھر دیا۔ نہ اُسے چھانٹا نہ صحیح کو غلط سے جدا کیا۔ پس اِن کتابوں کے اقوال پر عمل کرنا یا اُن کو ماننا اُسی کا کام ہے جو کہ محقق ہو اور جو صحت اُسکی ثابت کرے جیسا کہ حجۃ البالغہ میں لکھا ہے

فلا یباشرھا للعمل علیہ والقول بہ الا النحاریر الجہابذۃ الذین یحفظون اسماء
الرجال وعلل الاحادیث نعم ربما یوخذ منھا المتابعات والشواہد وقد جعل اللہ
لکل شئ قدرا۔

اور ان سے زیادہ نامعتمد وہ کتابیں ہیں جو بہت پیچھے تالیف ہوئیں اور وہ باتیں جو واعظوں کی زبانوں پہ تھیں اور وہ خبریں اور قصّے جو یہودیوں سے سنکر لوگوں نے یاد کر لیے تھے اور وہ حکیموں کی باتیں جنھیں لوگوں نے یونانیوں سے سیکھا تھا یا وہ رائیں جو قرآن وحدیث کے لفظوں سے استنباط کی گئی تھیں عمداً یا سہواً حدیثوں میں داخل کر دی گئیں۔ اور یہ سب صاحب الوحی کی طرف منسوب ہوگئیں مثل کتب خطیب اور ابی نعیم اور جوزقانی اور ابن عساکر اور ابن نجار اور دیلمی وغیرہ کے کہ انکی صحت کا اعلےٰ درجہ یہ ہے کہ حدیث ضعیف ہو جس میں احتمال صحت کا ہو اور ادنےٰ درجہ یہ ہے کہ موضوع ہو اور نری تہمت ہو اور یہی کتابیں دستاویز اُن فرقوں کی ہیں جو جادۂ حق سے منحرف ہو گئے اور سُنّت کی راہ چھوڑ کر رافضی و معتزلی بن گئے کہ وہ اپنے عقیدوں کے اثبات اور اہل حق کے الزام دینے کے لیے انہیں کتابوں کی روایت پیش کرتے ہیں اور جو محقق نہیں ہیں وہ دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ ان سب باتوں پر ایک خرابی اور مستزاد ہوئی کہ بعض شخصوں نے براہ مغالطہ علم حدیث کا حاصل کرکے احادیث صحاح وحسان کی روایت کرنی شروع کی۔ مگر اُسی درمیان میں اپنے عقاید باطلہ کو اُسی اسناد سے جو اُنہوں نے یاد کر رکھی تھی روایت کر دیا اور اکثر محدثین نے دھوکہ کھایا جیسا کہ جابر جعفی اور ابو القاسم سعد بن عبد اللہ اشعری قمی ہوا ہے کہ یہ ایسے استاد پرکار ہوشیار تھے کہ حقیقت میں تو رافضی تھے مگر بہت سے محدثین کو دھوکہ دیا اور غلط حدیثوں کو بصورت صحیح کے بنا کر اُن کو اُسکی صحت کا یقین دلا دیا۔ یہاں تک کہ ترمذی اور ابو داؤد اور نسائی نے جابر جعفی کی حدیثوں کو اپنی کتابوں میں نقل کر دیا یا اجلح نامی ایک شیعہ کی جس نے بیخ و بُن دین سُنّیوں کے اُکھاڑنے کی تدبیر کی تھی یحییٰ بن معین سے محقق نے توثیق کی۔ اور اُسپر اعتماد کیا یہانتک کہ آخر بعد تحقیق کے یہ حال کھلا اور ان فریبیوں کا فریب ظاہر ہوا لیکن جو کہ وہ روایتیں اُن کی حدیثوں کی کتابوں میں لکھ گئیں اس لیے اکثر آدمیوں کو دھوکا ہوتا ہے اور

حدیث کا نام سنکر اُن کے اعتقاد میں خلل پڑتا ہے اور واقع میں نہ وہ حدیث ہے نہ قول پیغمبر صلعم بلکہ ایک مفتری جھوٹے مکار کا لطیفہ ہے۔

علاوہ اس کے یہ امر بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ صدر اول مجتہدین کے زمانہ میں راویوں کے حالات کی بہت زیادہ تحقیقات نہیں ہوئی اور جرح و تعدیل کی نوبت نہیں آئی اس واسطے بہت لوگوں کو حدیثوں میں دھوکہ ہوا۔ اور غلط اقوال کو احادیث صحیح سمجھ لیا۔ یہاں تک کہ اُسی پر بعض نے احکام کی تفریع بھی کی بلکہ موضوع حدیثوں کو بھی غلطی سے مان لیا۔ یہاں تک کہ جب اس کا حال کھلا تب راویوں کے حالات تحقیق کرنے اور جرح و تعدیل سے بحث کرنے کی ضرورت معلوم ہوئی اور فن رجال میں تالیف شروع ہوئیں۔ چنانچہ اول ابن سعد نے ایک کتاب اسماء الرجال میں لکھی اور طبقات ابن سعد اُس کا نام رکھا۔ اور اسمٰعیل بخاری اور ابن ابی خیثمہ نے اپنی اپنی تاریخوں میں اور ابن ابی حاتم نے کتاب جرح و تعدیل میں کچھ کچھ حالات راویوں کے لکھے مگر اُس پر بھی رجال کا حال مشتبہ رہا یہاں تک کہ آخر ابن حبان اور ابن شاہین نے ثقات کو اور ابن عدی اور ابن حبان نے ضعفا کو علیحدہ علیحدہ کتابوں میں جمع کیا اور بعد اُسکے بعضوں نے خاص خاص کتابوں کے رجال کی تحقیق میں علیحدہ علیحدہ کتابیں لکھیں جیساکہ ابو نصر کلاباذی اور ابو بکر بن منجویہ اور ابو الفضل بن طاہر نے صحیح بخاری کے رجال کی نسبت اور ابو علی نے ابو داؤد کے راویوں کی نسبت اور عبد الغنی مقدسی نے صحاح ستہ کی رواۃ کی نسبت کتاب لکھی جس کا نام کتاب الکمال رکھا۔ پھر اس کے بعدوں نے اسے پورا کیا یہاں تک کہ آخر تہذیب الکمال اور تہذیب التہذیب میں ان سب فقروں کا خلاصہ جمع کر دیا گیا۔

جس طرح فن اسماء الرجال کی تالیف ایک زمانہ دراز کے بعد ہوئی اسی طرح فن درایت میں بھی اول اول کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ مگر جب حدیث کی نقل و روایت کی کثرت ہوئی اور صحیح اور غلط کا التباس ہو گیا تب فن درایت کی تالیف کرنے کی ضرورت ہوئی۔ چنانچہ سب سے اول قاضی ابو محمد حسن بن عبد الرحمٰن رامہرمزی نے ایک چھوٹی سی کتاب لکھی بعد اُس کے حاکم ابو عبد اللہ نیشاپوری نے اصول حدیث میں ایک کتاب تالیف کی مگر وہ بھی پوری نہ تھی کہ اُس کے بعد ابو نعیم اصبہانی نے

کچھ اور مسائل اُسپر بڑھائے - بعد اُس کے خطیب ابوبکر بغدادی نے اصول روایت میں
ایک کتاب لکھی جس کا نام کفایہ ہے - پھر ایک دوسری کتاب تحریر کی جس کا نام جامع
رکھا - آخر کو قاضی عیاض نے اُسے پورا کرنا چاہا اور ایک کتاب لکھی جس کا نام الماع ہے
اور اسی طرح ابوحفص اور حافظ ابوعمرو عثمان بن صلاح نے رسالے لکھے اور بعدہ بہت
سے عالموں نے اپنی اپنی قابلیت دکھائی اور بہت سی کتابیں تالیف کیں -
یہ مختصر کیفیت حدیث کے جمع ہونے کی ہے پس کہاں ہے دیدہ بینا اور گوش شنوا
کہ اِن تحقیقات کو دیکھے اور اُس سے فائدہ اُٹھاوے - ابتو اسلام کا مدار اس پر آرہا ہے
کہ چٹائی کی جانماز بغل میں اور مولود کا رسالہ ہاتھ میں ہے - اور جو اُن قصوں کہانیوں
کو نہ مانے اُسپر تکفیر کا حکم جاری ہے - حدیث وہ بات ہے جو کسی کتاب میں لکھی ہو -
قول رسول وہ قول ہے جس کے شروع پر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تحریر ہو نہ
کسی کو تحقیق کی خواہش نہ تنقیح کی آرزو بلکہ کافر ہے وہ جو تحقیق پر مستعد ہو منکر نبی
ہے - وہ جو اُس کے اقوال کو اَوروں کی باتوں سے جُدا کرنے پر [illegible] کیا خوب
ہے یہ اسلام اور کیا اچھا ہے یہ ایمان - ؎

گر مسلمانی ہمین است کہ حافظ دارد
وائے گر در پس امروز بود فردائے

تیسری بحث بہ نسبت تنقیح اس امر کے کہ روایت حدیث کی باالفاظ ہے یا بالمعنی

جب سے کہ حدیث کی تدوین اور کتابت کا قاعدہ جاری ہوا تب سے
الفاظ کی تصحیح اور اقوال کے ضبط اور روایت کی بلفظہ نقل کا ہونا مسلم ہے اور بلاشبہ
اُس وقت سے محدثین اور جامعین کتب احادیث نے نہایت احتیاط اور سچائی اور
راستی اور دیانت سے لفظوں کو نقل کیا ہے اور اگر راویوں کی روایت میں اختلاف
لفظوں کا ہوا ہے تو اُسکو بھی اکثر اپنی تالیفات میں لکھ دیا ہے لیکن جو زمانہ اس
سے پہلے کا ہے ہم اسکی نسبت اگر کوئی روایت باالالفاظ کا دعوے کرے تو وہ ثابت

نہیں ہو سکتا نہ عقلاً نہ نقلاً۔

عقلاً اس وجہ سے کہ جو کچھ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے اُسے سُننے والے سُنکر یاد رکھتے — پس جو لفظ آنحضرت کی زبان مُبارک سے نکلتے اور جس نظم و ترتیب سے بہ تقدیم و تاخیر کلمات آنحضرت تقریر فرماتے اُس کا ایک دفعہ میں سُنکر بلفظہ یاد کر لینا تو کسی طرح قیاس میں نہیں آتا اور نہ شاید کوئی شخص کسی بشر کی نسبت ایسا خیال کر سکتا ہے اور پھر جیسے کہ یہ خیال کیا جاوے کہ سُننے والے صرف وُہی لوگ نہ تھے جو ذہن اور حافظہ اور علم اور سمجھ میں کامل تھے اور جو روایت اور فقہ میں معروف تھے بلکہ ایسے بھی تھے کہ جو روایت اور فقہ میں مشہور نہ تھے اور جنہوں نے بات کے سمجھنے میں بھی خطا کی ہے[1]۔ پس کیا کوئی آدمی یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ لاکھوں آدمی جو

---

[1] ماہرین کتب حدیث پر روشن ہے کہ طبقہ اولے کے لوگوں سے بھی ایسی غلطیاں ہُوئی ہیں چنانچہ میں چند حدیثوں کا بطور تمثیل کے بیان کرتا ہوں - ایک مرتبہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم چلے جاتے تھے کہ ایک یہودیہ مر گئی تھی اور لوگ اُس کے رو رہے تھے - آں حضرت صلعم نے فرمایا کہ وہ تو قبر میں مبتلائے عذاب ہے اور یہ لوگ رو رہے ہیں - مگر عبد اللہ بن عمرؓ کا یہ قول تھا کہ مردہ کو بسبب رونے زندوں کے عذاب ہوتا ہے - جب حضرت عائشہؓ نے یہ سُنا تو یہ فرمایا کہ" یغفر اللہ لابی عبد الرحمن اما انہ لم یکذب ولکنہ نسی او اخطاء انما مر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی یہودیۃ یبکی علیہا فقال انہم یبکون علیہا وانہا لیعذب فی قبرہا" کہ خدا ابن عمر کو بخشے وہ جھوٹ نہیں کہتے مگر وہ بھول گئے یا اُن سے چوک ہو گئی اصل حال اس کا یہ ہے پھر اُنھوں نے اصل حال اُس کا بتادیا (بخاری ومسلم)

(۲) موسیٰ بن طلحہ سے روایت ہے کہ کسی نے حضرت عایشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ ابن عمر کہتے ہیں کہ" موت الفجاءۃ سخطۃ علی المومنین فقالت یغفر اللہ لابن عمر انما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موت الفجاءۃ تخفیف علی المومنین وسخطۃ علی الکافرین" کہ مرگ مفاجات سختی ہے اوپر مومنوں کے تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ خدا بخشے ابن عمر کو پیغمبر خدا نے تو یہ فرمایا ہے کہ مرگ مفاجات تخفیف ہے مومنین پر اور سختی ہے کافروں پر۔

(۳) جلال الدین سیوطی نے رسالہ عین الاصابہ میں لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ جس نے

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع رہتے تھے سب کے سب ایسے قوی الحافظ تھے کہ ایک دفعہ جو بات سُنتے اُسے اُسی نظم و ترتیب سے ملفظہ یاد کر لیتے اور کبھی اُل چُک

مُردہ کو غسل دیا اُس پر بھی غسل لازم ہے - جب حضرت عائیشہؓ نے سُنا تو فرمایا" او ینجس موتی المسلمین" کہ کیا کہیں مُردے مُسلمانوں کے بھی نجس ہو جاتے ہیں -

(۴) طبرانی نے لکھا ہے کہ ابو ہریرہ نے کہا کہ" من لم یوتر فلا صلوۃ له" کہ بے وتر کے نماز نہیں ہوتی - جب حضرت عایشہؓ نے یہ سُنا تو فرمایا کہ کس نے آں حضرت م سے ایسا سنا ہے ابھی تو کچھ زمانہ نہیں گذرا کہ یہ بات پیغمبر خدا کی بھول گئے - آپ نے تو یہ فرمایا تھا کہ" من جاء بصلوۃ الخمس یوم القیٰمۃ حافظا علی وضوئھا و مواقیتھا و رکوعھا و سجودھا ولم ینقص منه شیئا کان له عند الله عھدا ان لا یعذ به الخ" اب دیکھنا چاہیئے کہ کسقدر فرق سمجھ میں ابو ہریرہؓ کے ہوا اور کیا کا کیا سمجھے -

(۵) ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن سے عین الاصابہ میں یہ روایت ہے کہ اُنھوں نے حضرت عایشہؓ سے کہا کہ" ان جابر بن عبد الله یقول الماء بالماء فقالت اخطاء جابر ان رسول الله قال اذا جاوز الختان الختان فقد وجب الغسل" یعنی جابر کا یہ قول تھا کہ جب پانی نکلے تب پانی واجب ہوتا ہے یعنی غسل بعد منی نکلنے کے واجب ہوتا ہے - حضرت عایشہؓ نے فرمایا کہ جابر نے اس میں خطا کی ہے - پیغمبر خدا نے فرمایا ہے کہ بعد ادخال کے غسل واجب ہوتا ہے - دیکھنا چاہیئے کہ اصل بات کے سمجھنے میں کس قدر فرق ہوا -

(۶) بخاری میں حضرت ابن عمر سے منقول ہے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے بدر کی لڑائی فتح ہونے کے بعد کافران مقتول کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ" هل وجدتم ما وعدکم حقا ثم قال انھم الان یسمعون ما اقول فذکر ذلک لعائشة فقالت انما قال رسول الله صلی الله علیه وسلم انھم لیعلمون الان ما کنت اقول لھم حق" کہ تم نے پایا جو کچھ خدا نے تم سے وعدہ کیا تھا اور پھر فرمایا کہ اب وہ میری باتوں کو سُنتے ہیں مگر جب حضرت عائیشہؓ نے یہ سُنا تو آپ نے کہا کہ نہیں پیغمبر خدا نے یہ فرمایا تھا کہ اب اُن کو معلوم ہو گیا کہ جو کچھ میں اُن سے کہتا تھا - وہ سچ ہے - تو اب دیکھنا چاہیئے کہ دونوں باتوں میں کس قدر فرق ہے -

(۷) مکحول سے روایت ہے کہ کسی نے حضرت عائیشہ سے کہا کہ ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ تین چیزوں کی

اُن سے نہ ہوتی۔ ایسا دعویٰ سوائے اُن لوگوں کے کہ جن کو عوام اہل الحدیث کہتے ہیں کوئی نہیں کرسکتا نہ ہمارے مذہب کے محققین نے کیا ہے۔ اور پھر اگر اس طبقہ کے لوگ اپنی سُنی سنائی باتوں کو لکھ لیتے اور کتابوں میں جمع کردیتے تو بھی الفاظ کی صحت کا ظن ہوسکتا تھا۔ مگر جبکہ اُس طبقہ نے ایسا نہیں کیا اور حدیثوں کو نہیں لکھا اور اگر کسی نے لکھا اور اُس نے اُسے معدوم کردیا تو کیونکر قیاس میں آسکتا ہے کہ دوسرے طبقہ نے جس نے پہلے طبقہ سے حدیثوں کو زبانی سُنا اُن کے لفظوں کو یاد کرلیا ہو اور اسی طرح سے دوسرے سے تیسرے نے اور تیسرے سے چوتھے نے جو کچھ سُنا بلفظہ یاد رکھا۔ اور پھر جب یہ خیال کیا جاوے کہ احادیث کی نقل میں بہت سے واسطے ہوگئے اور آٹھ آٹھ دس دس آدمیوں سے بھی زیادہ راویوں کے سلسلے بیچ میں آگئے اور ڈیڑھ ڈیڑھ سَو برس تک وہ جمع نہیں کی گئیں۔ تو کیونکر یہ بات مانی جاوے کہ جو لفظ آنحضرتؐ

منحوسی لی جاتی ہے۔ گھر میں۔ عورت میں۔ گھوڑے میں۔ حضرت عایشہؓ نے کہا کہ ابوہریرہ کو یاد نہیں رہا۔ وہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آں حضرت صلعم یہ فرما رہے تھے کہ "قاتل اللہ الیھود یقولون الشوم فی ثلاثۃ فی الدار والمراۃ والفرس" کہ خدا یہودیوں کو مارے۔ وہ کہتے ہیں کہ منحوسی تین چیزوں میں لی جاتی ہے۔ گھر اور عورت اور گھوڑی میں مگر ابوہریرہ نے اخیر کے لفظ سُنے اوّل کے لفظ نہیں سُنے۔

(۸) شیخ جلال الدین سیوطی نے رسالہ عین الاصابہ میں لکھا ہے کہ ابوہریرہ نے کہا کہ پیغمبر خدا نے فرمایا کہ ایک عورت نے ایک بلی کو نہ پانی دیا نہ کھانا نہ اُسے چھوڑا کہ وہ مرگئی اس لیئے خدا نے اُسے عذاب دوزخ کا دیا۔ تو حضرت عایشہؓ نے فرمایا کہ خدا کے نزدیک مومن کی ایسی عزت نہیں ہے کہ ایک بلی کے پیچھے اُسے دوزخ میں ڈالے۔ وہ عورت کافرہ تھی سا اور یہ کہکر کہا کہ ابوہریرہ ذرا سمجھکر پیغمبرؐ خدا کی حدیث کی روایت کیا کرو۔

(۹) اور پھر اُسی کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کسی کے پیٹ میں پیپ اور خون بھر جاوے تو بہتر ہے شعر سے۔ حضرت عایشہؓ نے سُنکر کہا کہ ابوہریرہ کو یاد نہیں رہا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ بہتر ہے اُس شعر سے جو ہجو میں کسی کے کہا جاوے فقط۔ خیال کرنا چاہیے کہ کس قدر دونوں میں فرق ہے۔ ۱۲

کی زبان مبارک سے نکلے تھے وُہی لفظ باوجود ان واسطوں کے اور باوصف اس تسلسل کے بجنسہ باقی رہے۔ ہاں یہ بات وُہی آدمی تسلیم کرسکتا ہے جو کہ تمام راویوں کو اور سب ناقلین احادیث کو مثل جبرئیل امین کے نقل اور روایت میں غلطی سے معصوم جاننے اور سب کی نسبت اعجاز وکرامات کا معتقد ہووے۔

لیکن ہم ایسا اعتقاد بھی رکھتے اگر حدیثوں کے الفاظ خود ہمارے اس اعتقاد کو غلط اور باطل نہ کردیتے مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ہی مضمون کی حدیث جو کئی راویوں سے منقول ہے اُس کے الفاظ اور عبارت میں اختلاف ہے تو کیونکر ہم کہہ سکتے ہیں کہ روایت حدیث کی بالالفاظ ہے۔ پھر اگر ہم دیکھتے کہ ہمارے مذہب کے عالموں نے احادیث کی روایت کو بالالفاظ مانا ہے تو بھی اجماع کے خوف سے روایت بالالفاظ کا اقرار کرتے اور جو بات عقلاً محال ہے اُسے بے سمجھے بوجھے مان لیتے مگر ہمارے عالموں میں سے جتنے محققین گذرے ہیں اُنھوں نے بھی ایسا دعویٰ نہیں کیا بلکہ نہایت دانشمندی اور عقل سے اصول دین کی تنقیح کرکے یہ قاعدہ ٹھہرایا ہے کہ احادیث کی روایت بالالفاظ جائز ہے۔ اور بعضوں نے تو صاف لکھدیا ہے کہ احادیث کی روایت بالالفاظ پر کسی طرح یقین نہیں۔

چنانچہ مَیں اِس مقام پر چند اقوال محدثین اور علماء محققین کے اپنے کلام کی تائید میں پیش کرتا ہوں۔

شرح مشکوٰۃ میں بعد ایک بڑی بحث کے بہ نسبت روایت بالالفاظ اور بالمعنی کے لکھتے ہیں کہ والنقل بالمعني واقع في الكتب الستة وغيرها صحاح ستہ وغیرہ کُتب حدیث میں نقل حدیث بالمعنی واقع ہے۔

شرح صحیح مسلم میں امام نووی اسی بحث میں لکھتے ہیں کہ قال جمهور السلف والخلف من الطوائف المذكورة يجوز في الجميع اذا جزم بانه ادي المعاني وهذا هو الصواب تقتضيه احوال الصحابة ومن بعدهم رضي الله عنهم في رواياتهم القضية الواحدة بالفاظ مختلفة ثم هذا في الذي يسمعه في غير المصنفات اما المصنفات فلا يجوز تغيرها وانكان بالمعني کہ سب اگلے پچھلوں نے روایت بالالفاظ جائز رکھی ہے۔ احادیث میں پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی اور

اقوال ہیں اوروں کے بشرطیکہ یقین معانی کی صحت پر ہووے اور یہی صحیح اور درست ہے اور حالات صحابہ اور اُن کے مابعد کے لوگوں سے بھی ٹھیک معلوم ہوتا ہے کیونکہ ایک بات کو مختلف لفظوں میں اُنھوں نے روایت کیا ہے۔ علامہ اثیرالدین ابی حیان محمد بن یوسف بن حیان اندلسی کتاب تذئیل وتکمیل میں جو شرح تسہیل الفوائد وتکمیل المقاصد کی ہے لکھا ہے کہ مصنف نے قواعد کلیہ کے اثبات میں استدلال حدیث کے لفظوں سے کیا ہے حالانکہ یہ اُسکی غلطی ہے۔ آج تک میں نے ایک کو بھی اگلے پچھلے میں سے ایسا کرتے نہیں دیکھا اور کسی نے الفاظ حدیث سے ایسا استدلال نہیں کیا کیونکہ اُن کو وثوق اسپر نہیں ہوا کہ یہ لفاظ وُہی ہیں جو پیغمبر خدا نے فرمائے تھے اور اگر ایسا وثوق ہوجاتا تو وہ الفاظ مثل الفاظ قرآن کے قواعد کلیہ کے استخراج میں مانے جاتے اور عدم وثوق کے دو سبب ہیں۔ اول یہ کہ راویوں نے نقل بالمعنی کرنا جائز سمجھا تھا دوسرے بہت سی حدیثوں میں موافق کلام عرب کے لفظی غلطیاں ہیں کیونکہ اکثر راوی غیر عرب تھے۔

چوتھی بحث نسبت اس کے کہ کل احادیث صحیحہ مفید یقین ہیں یا نہیں

ہمارے محققین نے لکھا ہے کہ احادیث متواتر مفید یقین ہیں اور احادیث احاد مفید یقین نہیں ہیں جیسا کہ تلویح میں لکھا ہے کہ والاول ای المتواتر یوجب علم الیقین والثانی ای المشھور یفید علم طمانیة والثالث وھو خبر الواحد یوجب العمل دون علم الیقین وقیل لا یوجب شیئا منھما اور نیز اخبار احاد کی نسبت لکھا ہے کہ ان خبر الواحد یحتمل الصدق والکذب وبالعدالة یترجح جانب الصدق بحیث لا یبقی احتمال الکذب وھو معنی العلم وجوابه انا لا نسلم مرجح جانب الصدق الی حیث لا یحتمل الکذب اصلا بل العقل شاھد بان خبر الواحد العدل لا یوجب الیقین وان احتمال الکذب قایم وان کان مرجوحا والا لزم انقطع بالنقیضین عند اخبار العدلین یعنی خبر متواتر تو مفید یقین ہے اور

خبر مشہور سے علم اطمینانی حاصل ہوتا ہے نہ یقینی۔ اور خبر احاد عمل کے لیئے کافی ہے نہ یقین کے لیئے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ اخبار احاد مفید علم ہے نہ واجب العمل اور خبر احاد کی نسبت اگر کوئی کہے کہ بلا شبہ خبر احاد میں احتمال صدق وکذب کا ہے لیکن جب عدالت راوی سے جانب صدق غالب ہوگی باین حیثیت کہ احتمال کذب نہ رہا تو یہی معنی علم کے ہیں اس لیئے خبر احاد بھی مفید یقین ہوگی۔ جواب اس کا یہ ہے کہ ہم نہیں مانتے کہ جانب صدق احاد میں ایسا غالب ہے کہ احتمال کذب کا باقی ہی نہیں رہا بلکہ عقل اسپر شاہد ہے کہ خبر ایک آدمی کی گو وہ عادل ہے مفید یقین نہیں اور احتمال کذب اس پر قایم ہے گو وہ احتمال ضعیف ہی ہو اور اگر ایسا نہ ہو تو یقین کرنا دو نقیض پر لازم ہو جاوے۔ ان اخبار میں جو دو عادل راویوں سے منقول ہیں اور باہم متناقض ہیں اور شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ جتنی حدیثیں غیر متواتر صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ہیں ان کی نسبت محققین کا یہ قول ہے کہ وہ صرف مفید ظن ہیں نہ مفید یقین کیونکہ وہ احاد ہیں اور احاد سے صرف علم ظنی ہوتا ہے نہ علم یقینی اور جبکہ یہ قاعدہ بہ نسبت اخبار احاد کے ٹھہر چکا تو کچھ فرق بخاری اور مسلم اور غیر بخاری اور مسلم میں نہیں ہے اور اس بات سے کہ عمل کرنا ان حدیثوں پر اجماعاً ثابت ہے یہ بات نہیں ثابت ہوتی کہ اسپر بھی اجماع ہے کہ احادیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی یقینی پیغمبر خدا کا کلام ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس فقط کسی کتاب میں لکھے ہونے سے یہ بات ثابت نہیں ہو سکتی کہ یقینی وہ کلام کلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جب تک کہ بتواتر منقول ہونا اس کا ثابت نہ ہو کیا خوب کہا ہے قاضی ابو بکر باقلانی نے کتاب الانتصار میں۔ کہ اگر کوئی مسئلہ ایک کتاب میں کیا ہزار کتاب میں بھی پایا جاوے اور کسی امام کی طرف منسوب ہو تو اس سے یہہ ثابت نہیں ہوتا کہ یقینی وہ مسئلہ اس امام نے فرمایا ہے۔ جب تک کہ بتواتر اس کا منقول ہونا اس امام سے ثابت نہ ہو حالانکہ یہ بہت ہی مشکل ہے فقط۔ پس ایسا ہی خیال کرنا چاہیئے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قولوں کی نسبت کہ جب تک بتواتر ان کا منقول ہونا ثابت نہ ہو جاوے تب تک اسپر کامل یقین نہیں ہو سکتا۔

فواتح شرح مسلم الثبوت میں لکھا ہے کہ ابن صلاح اور چند اہل حدیث نے یہ گمان کیا ہے کہ روایت بخاری اور مسلم کی مفید یقین ہیں حالانکہ یہ بڑا دھوکہ ہے کیونکہ جو شخص اپنے

دل میں سوچیگا وہ اس بات کو بالبداہتہ مانیگا کہ فقط اُن کا روایت کرنا یقین کے لیئے کافی نہیں اور کیونکر ہو سکتا ہے اس لیئے کہ اُن میں بہت سی ایسی حدیثیں ہیں جو ایک دوسرے کی نقیض ہیں۔ اور اگر اُن سب پر یقین کیا جاوے تو متناقض باتوں کا ماننا لازم آوے۔ بہر حال یہ بات اگر مانی جاوے کہ اُن کے راوی جامع شرایط تھے تو اس سے صرف زیادہ ظن ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ بات کہ اُن کی روایت پیغمبر خدا صلعم سے یقینی ثابت ہے اسپر ہرگز اجماع نہیں ہے اور کیونکر اُس کا اجماع ہو حالانکہ اُسپر بھی اجماع نہیں ہے کہ جو کچھ اِن دونوں کتابوں میں ہے وہ سب صحیح ہے کیونکہ بعض راوی اُن کے قدری تھے بعض اہل بدعت تھے۔ اور اہل بدعت کی روایت کا قبول کرنا مختلف فیہ ہے۔ تو اجماع کا دعوےٰ اُن کی مرویات کی صحت پر کہاں باقی رہا۔ غایۃ ما فی الباب یہ ہے کہ حدیثیں بخاری و مسلم کی اُن کی شرط پر صحیح ہوں اور اِس سے سوائے ظن کے یقین کا فایدہ نہیں ہوتا۔

پانچویں بحث نسبت اس کے کہ کتب صحاح کی احادیث کی صحت بمرتبہ یقین ثابت ہے یا نہیں

یہ بات مسلمات سے ہے کہ منجملہ کتب احادیث کے ستہ اور موطائے امام مالکؒ اعلےٰ درجہ کی ہیں اور اُن کے جامعین نے نہایت احتیاط اور کمال محنت سے احادیث کی تصحیح کی ہے۔ پھر اُن میں سے صحیحین یعنی صحیح بخاری و مسلم اعلےٰ درجہ پر ہیں اور اُن کی تحقیق بہت بڑھی ہوئی ہے۔ مگر یہ کہنا کہ کُل احادیث اُن کی ایسی صحیح ہیں کہ جن کی صحت بمرتبہ یقین کا ہو صحیح نہیں ہے۔ چند وجوہ سے۔ اوّلاً جو احادیث متواتر نہیں ہیں اُن کی صحت کا بمرتبہ یقین ہونا ایسا امر ہے جس کا کسی محقق نے دعویٰ نہیں کیا۔ ثانیاً اُن کتابوں میں بعض حدیثیں ایسی بھی ہیں جن کی عدم صحت بالبداہتہ ظاہر ہے اور جسے شارحین اور محققین نے صاف صاف لکھدیا ہے اور پھر بعض راوی ایسے بھی ہیں کہ جن کی جرح اور محدثین نے کی ہے تو کیونکر یہ دعویٰ کیا جاوے

جاوے کہ مثل آیات قرآن کے ہر حدیث قطعی اور یقینی ہے۔ چنانچہ میں بطور تمثیل کے چند اقوال اور چند احادیث کو نقل کرتا ہوں۔

شرح اصول بزدوی میں لکھا ہے کہ ابو عمرو دمشقی نے لکھا ہے کہ بخاری نے ایسی جماعت سے استناد کیا ہے جس کی نسبت اور متقدمین نے جرح کی ہے مثل عکرمہ اور اسمٰعیل اور عاصم اور عمرو بن مرزوق وغیرہم کے۔ اور مسلم نے بھی سوید بن سعید وغیرہ سے استناد کیا ہے جس پر اوروں نے طعنہ کیا ہے۔

جامع الاصول میں لکھا ہے کہ حدیثیں جو ہمارے اماموں نے روایت کی ہیں بعض انہیں سے صحیح ہیں بعض سقیم۔ اور اس کا سبب اختلاف جرح و تعدیل رواۃ ہے۔

دار قطنی نے کہا ہے کہ دو سو دس حدیثیں صحیحین کی ضعیف ہیں جنہیں اسی مخصوص بخاری اور تیس مخصوص مسلم اور سو مشترک دونوں میں ہیں۔

منجملہ اُن احادیث کے جن کی عدم صحت کا اقرار محدثین اور شارحین نے کیا ہے چند حدیثیں لکھی جاتی ہیں۔

اوّل صحیح بخاری میں لکھا ہے عن عروۃ ان النبی خطب عائشہ فقال لہ ابو بکر انما انا اخوک فقال انت اخی فی دین اللہ۔ فتح الباری میں اس حدیث کو غیر صحیح لکھا ہے کما قیل فی صحۃ ھذا الحدیث نظر لان الحلۃ لابی بکر انما کانت بالمدینۃ و خطبۃ عائشہ کانت بمکۃ فکیف یلتئم قولہ انما انا اخوک اس حدیث کی صحت میں صرف ایک تاریخی واقعہ کے مخالف ہونے سے کلام کیا گیا۔ کیونکہ حلۃ ابو بکر صدیق رض مدینہ میں ہوئی اور خطبہ عائشہ صدیقہ رض مکہ میں قبل اُس کے۔ پس قبل از حلت و اُخوت ابو بکر صدیق رض کا کہنا انما انا اخوک صحیح نہیں ہو سکتا۔

دوسرے صحیح بخاری میں لکھا ہے عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یلقی ابراھیم اباہ فیقول یا رب انک وعدتنی الا تخزنی یوم یبعثون فیقول انی حرمت الجنۃ علی الکافرین۔ اس حدیث کی عدم صحت کا بھی اقرار محققین نے کیا ہے کما قیل وقد استشکل الاسماعیلی ھذا الحدیث من اصلہ وطعن فی صحتہ فقال ھذا حدیث فی صحتہ نظر اور اس حدیث کی صحت میں اس لیئے کلام کیا ہے کہ حضرت ابراہیم کی شان سے خلاف ہے کہ جب خدائے عز وجل نے اُن کو شفاعت سے پہلے

باپ کی دنیا میں منع کر دیا تو وہ کیونکر پھر قیامت میں خلاف حکم خدا کے شفاعت کریں گے ۔

تیسری روایت نماز پڑھنے پیغمبر خدا کے جنازہ پر ابن ابی سلول کے جو بخاری میں ہے محققین نے کلام کیا ہے اور باقلانی نے صاف اس حدیث کا انکار کیا ہے ۔

چوتھی صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس سے یہ حدیث منقول ہے کہ ان اباسفیان قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم اسالک ثلاثا فاعطاہ ایاھن منھن عندی احسن العرب ام حبیبۃ ازوجک ایاھا ۔ زاد المعاد فی ہدی خیر العباد میں لکھا ہے کہ فھذا الحدیث غلط ظاہر لاخفاء بہ کہ اس حدیث کی غلطی ایسی ظاہر ہوتی ہے کہ ذرا بھی اسکی غلطی پوشیدہ نہیں اور اسکی غلطی بھی اسی وجہ سے مانی گئی کہ وہ تاریخی واقعہ کے خلاف ہے کیونکہ حضرت ام حبیبہ عبداللہ بن جحش کی منکوحہ تھیں اور حبیبہ اپنے خاوند کے ساتھ ہجرت کو گئی تھیں ۔ جب وہ وہاں جا کر عیسائی ہو گیا اور ام حبیبہ اپنے دین پر قائم رہیں تب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کے ذریعہ سے ان سے نکاح کیا ۔ اور یہ امر قبل از فتح مکہ کے ہوا ۔ اور ابو سفیان فتح مکہ کے دن ایمان لایا اور پیغمبر صاحب کے سامنے آیا ۔ اسی واسطے اس حدیث کی غلطی ثابت ہوئی وقال ابو محمد بن حزم وھو موضوع بلا شک کذبہ عکرمۃ بن عمار وقال ابن الجوزی فی ھذا الحدیث ھو وھم من بعض الرواۃ لا شک فیہ ولا تردد ۔

پانچویں ۔ ملا علی قاری کتاب جمال میں لکھتے ہیں کہ روایت مسلم کی جابر سے قصہ حجۃ الوداع میں ایسی مختلف ہے کہ ان میں ایک ضرور جھوٹی ہے کیونکہ ایک میں لکھا ہے کہ آنحضرت نے طواف کر کے نماز ظہر کی مکہ میں پڑھی ۔ دوسری میں لکھا ہے کہ نماز ظہر کی منی میں ادا کی ولھذا قال ابن حزم فی ھاتین الروایتین احدھما کذب بلا شک ۔

اور اسی طرح حدیث اسراء قبل الوحی اور حدیث خلق تربت یوم السبت اور حدیث اول ما نزل من القرآن اور حدیث صلوۃ الکسوف بثلاث رکعات کی غلطی اور ضعف کا محققین نے اظہار کیا ہے اور اسی طرح حدیث فدک کی موضوعیت کا جو صحیح بخاری میں ہے صاف اقرار محققین نے کیا ہے ۔ پس باوجود اس کے

کی صحت کو قطعی اور یقینی سمجھنا خلاف تحقیق محققین سابق کے ہے ۔

اگر مستفتی کو اس تقریر پر یہ شبہ ہو کہ میرے نزدیک کوئی حدیث صحیح نہیں ہے اور نہ کسی پر عمل کرنا جائز ہے اور بخاری اور مسلم پر بھی اعتبار صحت کا نہیں تو یہ اُس کی سمجھ کی غلطی ہے کیونکہ میں نے اپنے اس جواب میں صرف اصولی مسائل کو بیان کیا اور محققین کے اقوال کو نقل کیا ۔ اور چونکہ ہمارے ابنائے جنس اصل بات کو تو دیکھتے نہیں اور مطلب پر غور نہیں فرماتے ۔ سرسری طور سے عامیانہ اعتراض کرنے لگتے ہیں ۔ اس لیئے حقیقت میں مطلب اَور کا اَور ہو جاتا ہے ۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ جن محدثین نے صحاح ستہ کو جمع کیا وہ بڑے محقق اور متورع اور امام اور دین کے پیشوا تھے ۔ اُن کی نیت نیک تھی ۔ اُن کی صداقت اور سچائی اعلےٰ درجہ پر تھی ۔ اور انہوں نے احادیث کو جہاں تک ممکن تھا نہایت احتیاط سے جمع کیا اور راویوں کے الفاظ اور کلمات کو بہت محنت سے یاد کیا ۔ اور اپنے نزدیک اُنھوں نے کوئی دقیقہ تصحیح کا باقی نہیں رکھا ۔ اور ان کتابوں میں حدیث کی صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا درجہ بڑھا ہوا ہے اور اُن کی احتیاط اور تحقیق بہت زیادہ ہے ۔ مگر جو کچھ ان محدثین نے لکھا اور جمع کیا اُسکی دو قسمیں ہیں ۔ ایک تو یہ کہ اُس کے راوی اس کثرت سے ہوں کہ جن پر عقلاً احتمال غلطی کا ہو ہی نہ سکے اُسے متواتر کہتے ہیں اور اُسکی صحت پر کامل تیقین ہے ۔

دوسری احاد ہیں جو اُس درجہ پر نہیں پہونچیں اس لیئے ایسا یقین صحت کا اُسپر نہیں ہے کہ اُس میں غلطی کا احتمال نہ ہو مگر اُس پر عمل کرنا جائز ہے جب تک کہ اُس کا تعارض اور مخالفت اُن اصول صحیحہ عقلیہ سے ثابت نہ ہووے جو واسطے تصحیح احادیث کے قرار دیئے گئے ہیں اور پھر ان اخبار احاد کی نقل میں محدثین نے نہایت احتیاط کی مگر پھر بھی وہ غلطی اور خطا سے نہیں بچے اور بعض بعض احادیث کی روایت میں اُن کو دھوکا ہو گیا پس ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ ہم اُن حدیثوں کو جو صحاح میں خصوصاً بخاری اور مسلم میں جو صحیح جانیں گے اور اُس پر عمل کرینگے لیکن جب اُسکی مخالفت کسی اصل صحیح سے منجملہ اُن اصول کے ثابت ہوگی تب ہم اُسکو صرف اس وجہ سے کہ یہ حدیث صحاح ستہ میں لکھی ہے واجب التسلیم نہ جانیں گے کیونکہ کسی محقق نے ایسا نہیں کیا نہ کوئی ایسا کر سکتا ہے اور جو ایسا دعویٰ کرے وہ کبھی اپنے دعوے پر قائم نہیں رہ سکتا ۔ اور

آخرکار اُسے بھی اُسی راہ پر آنا ہوگا جس پر ہم چلتے ہیں۔ پس بڑا فرق ہے درمیان اس کے کہ احادیث احاد مفید یقین نہیں ہیں اور درمیان اس کے کہ وہ غلط ہیں اور درمیان اس کے کہ وہ واجب العمل نہیں ہیں باوجود تعارض و تخالف کے اور درمیان اس کے کہ جائز العمل ہیں جب تک اُن کا تعارض ثابت نہ ہو۔ اور درمیان اس کے کہ محدثین معصوم اور محفوظ نہ تھے اور اُن سے غلطی ہونا ممکن تھی اور باوجود احتیاط کے اُن سے براہ بشریت غلطی ہوئی اور درمیان اس کے کہ وہ جھوٹے تھے اور جھوٹی باتیں اُنھوں نے جمع کیں پس جو کوئی دوسری بات کو ہماری طرف منسوب کرے اُس کا الزام اُس پر ہے نہ ہم پر۔ وھا انا بری مما یقولون +

استفتا

کیا فرماتے ہیں حضرات علماء کہ اگر زید معتقد یا قایل ان امور کا ہو جو کہ نیچے بیان کیئے جاتے ہیں اور پھر عمرو اُسے امام اور پیشوا اور مقتدائے دین سمجھے تو عمرو کی نسبت شرعاً کیا حکم ہے۔

(۱) اوّلاً اللہ جل شانہ جہت اور حیز اور صورت اور جسم اور مکان سے منزہ نہیں ہے۔

(۲) قرآن مجید نہ جامع ہے نہ مانع یعنی جس قدر نازل ہوا تھا وہ سب محفوظ نہیں رہا اور جو قرآن نہیں تھا وہ قرآن میں داخل ہو گیا۔

(۳) قرآن موجودہ غلطیوں اور کاتب کی بھولوں سے بھرا ہوا ہے۔

(۴) پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی کبھی ایسی حالت ہو گئی تھی کہ کہنا کچھ چاہتے اور زبان مبارک سے اَور کچھ نکل جاتا اور بہ سبب مسحور ہونے کے خود نہ جانتے کہ میں کیا کہتا ہوں۔

(۵) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بُتوں کی تعریف قرآن پڑھنے کی حالت میں مشرکین کے سامنے کی۔

(۶) خدا کو بعض آیتوں میں بندوں پر توارد ہوا یعنی جو کچھ پہلے کسی بندے کی زبان سے نکلا اُسی کو پھر خدا نے بذریعہ جبرئیل امین کے نازل کیا۔

(۷) باوجود نہ لیئے جانے نام خدا کے وقت ذبح کے اور عمداً ترک کرنے تسمیہ کے ذبیحہ حلال ہے۔

(۸) سوائے عربی زبان کے ترجمہ قرآن کا نماز میں پڑھنا جائز ہے۔

(۹) صحیح بخاری اور مسلم میں بھی موضوع حدیثیں ہیں۔

(۱۰) صحابہ کے اقوال واجب العمل نہیں ہیں۔ وہ بھی آدمی تھے۔ اور ہم بھی آدمی ہیں +

مُراسلات

مکرمی مولوی مہدی علی صاحب سلمہٗ۔

اشتیاقیکہ بدیدار تو دارد دل من
دلِ من داند و من دانم و داند دلِ من

آپ کی فصیح بلیغ تحریروں کو میں نے دیکھا۔ آپ کی استعداد کی کیا تعریف ہو سکے آپ کی لیاقت کا اظہار کون کر سکے۔ مگر نہایت بہتر ہوتا کہ آپ کی تحریریں معقولات اور دنیاوی تہذیب ہی پر ختم ہوتیں اور مذہبی عقاید پر آپ توجہ نہ کرتے۔ بھائی میرے یہ راہ باریک ہے اور رات تاریک۔ ایسی تیزی سے چلنا دانشمندی کے خلاف ہے۔ ع

مہدی مشتاب این رہ دین ست نہ صحراست
ہشدار کہ رہ بردم تیغ است قدم را

بارہ سو (۱۲۰۰) برس کی عمارت کو گرانا اور نئی بنیاد ڈالنا اور اسلام کی تصویر بدلنا عقل کے بھی خلاف ہے۔ اگر بے پابندی اسلام کے آپ نیا دین قائم کریں ہمکو کچھ عذر نہیں مگر اسلام اسلام کی ہمدردی کا جب آپ نام لیتے ہیں تب ہمارے بدن پر

لرزہ ہوتا ہے - اور تعجب کرتے ہیں کیا اس ہزار برس کے عرصہ میں کوئی بھی اسلام سے واقف نہ ہوا کسی کو حقیقت اسلام کی معلوم نہ ہوئی کہ آپ اسکی اصلاح پر مستعد ہیں - پھر اگر بقول آپکے جو اپنے دوست کو خط میں لکھا ہے عربی عمامہ سر پر ہوتا اور اونچے ٹخنہ کا پاجامہ تو بھی کوئی آپ کی بات سنتا - وضع کرشانی و دعوی مسلمانی ہیہات ہیہات - شیطان کے وجود سے انکار کرنا - شق القمر کا منکر ہونا - اجماع کو نہ ماننا - کتے کی طرح کھڑے ہو کر موتنا - اصحاب کو برا کہنا - سلف صالح کو اچھا نہ جاننا - مسلمانوں کو پاجی نالایق کہنا - اماموں کو صنم و بت بتانا - علماء کو مکار و دغاباز کہنا ہی اگر نشانیاں اسلام کی ہیں تو سلام ایسے اسلام کو -

گر ولی این است لعنت بر ولی

حضرت نہ محتسب ہے جس کے درہ کا خوف ہو - نہ قاضی ہے جس کے فتوے سے وار کا ڈر ہو - آزاد گورنمنٹ کی حکومت ہے - ورنہ اس آزادی سے بک بک کرنے کی کیفیت معلوم ہوتی - اب تک کب کی آزادی دنیا سے آپ کو حاصل ہوگئی ہوتی آپکو بڑا ناز مدرسۃ العلوم پر تھا مگر اخبار الاخیار لکھنؤ نے آپ لوگوں کی فریب دہی جو مسلمانوں کو کر رہے تھے ثابت کر دکھایا اور مدرسہ میانیہ جاری کر دیا - آگرہ اخبار میں بھی آپ لوگوں کی خوب خبر لی - کانپور کے مشہور دیندار عالم کے نام سے تو آپ کے بدن پر لرزہ پڑتا ہوگا جبکہ یہاں تک آپ لوگوں کی نوبت کی نوبت پہنچ گئی تو باز نہ رہنا وہی آزادی ہے جس کو سب بے حیائی کہتے ہیں - اگر آپ مسلمان نہیں تو آپ اشتہار دیدیں یا مسلمانوں کے سے عقیدے رکھو ورنہ قیامت کے دن سب حال کھل جاوے گا اور اپنے کیئے کو رو گے خوب آپ یقین کرلیں نہ اب آپ کا مدرسۃ العلوم چلیگا نہ فریب دہی مسلمانوں کی - اس سے بہتر ہے کہ آپ مذہبی تحریروں سے باز رہیئے - بدعت کے موجد نہ ہوجیئے ورنہ ناحق کوئی جلا ہوا مسلمان کچھ کر بیٹھے تو سب خیر خواہی اسلام کی معلوم ہو - جلے ہوئے برے ہوتے ہیں - یہ تو بتاؤ کہ تمکو ان باتوں میں کیا لطف ہے - اگر تمہارے خیال دین کی نسبت اچھے رہتے تو تم حقیقت میں بڑے کام کے آدمی تھے لیکن ہملوگوں کی بدنصیبی ہے کہ تم سے لوگ یوں بگڑتے جاتے ہیں - والسلام علی من اتبع الھدی فقط

اگر آپ تہذیب الاخلاق میں اِس خط کا جواب چھپوا دیں گے تو میری نظر سے گذر جاوے گا۔

راقم
مظہر الحق

مخدومی مدظلہم

سلامی چو الفاظِ تو دُر فشاں ✦ سلامی چو اخلاق تو مشکبو

عرض کرتا ہوں قبول ہو۔ مَیں نے آپ کا خط پایا۔ مشکور رہا۔ آپ کا شکر کیا۔ سبحان اللہ کیا خوب خط لکھا ہے۔ جس کے ہر فقرہ پر دل قربان ہوا جاتا ہے۔

خطت می بینم و گردِ سوادِ نامہ مے گردم
فدائے جنبشِ آں دست و طرزِ خامہ مے گردم

آپ نے جو نصیحت مذہبی تحریروں سے باز رکھنے کی فرمائی سب سے اوّل مَیں اُس کا شکر کرتا ہوں مگر افسوس ہے کہ آپ کی اِس آرزو کو پُوری نہیں کر سکتا مَیں نے قرآن مجید میں پڑھا ہے۔ لا تطع المکذبین ودوا لو تدھن فیدھنون۔ اِس لیے عزت کی خواہش اور مسلمانوں کی دلجوئی اور طعن و ملامت سے بچانے کی آرزو مجھے سچ کہنے اور حق لکھنے سے باز نہیں رکھ سکتی۔ نہ مداہنت کر کے جھوٹی تعریف کی تمنا میرے دل میں پیدا ہو سکتی ہے۔

برو بکارِ خود اے واعظ ایں چہ فریاد است
مرا فتاد دل از رہ ترا چہ اُفتاد است
بکام تا نرساند مرا لبش چوں نے
نصیحتِ ہمہ عالم بگوشِ من باد است

آپ لکھتے ہیں کہ رات تاریک اور راہ باریک تیزی سے چلنا اچھا نہیں مَیں بھی جانتا ہوں کہ رات تاریک ہے اور راہ باریک۔ لوگوں کو ٹھوکریں کھاتا اور مونھ کے بل گرتا بھی دیکھتا ہوں اسی واسطے روشنی دکھانے کے لیئے جلدی کرتا ہوں تاکہ خدا کے کلام کی روشنی پھیلے اور تاریکی جاتی رہے۔ نہ تو اُس وقت ہوتا کہ بے روشنی کے

چلتا۔ پس بھائی میرے۔ اندھیاری رات اور تنگ راہ میں نئے روشنی کے چلنا دانشمندی سے بعید ہے نہ روشنی دکھانے کے تیزی کرنا۔

آپ لکھتے ہیں کہ تم بارہ سو برس کی عمارت کو گرانا اور اسلام کی تصویر کو مٹانا چاہتے ہو۔ یہ آپ کی لطیفہ گوئی ہے جس کو سُن کر آپ کی سی طبیعت والے چند لحظہ قاہ قاہ ہنسیں گے مگر نہ میں بارہ سو برس کی عمارت کو گراتا ہوں نہ اسلام کی تصویر کو مٹاتا بلکہ اُن بوسیدہ دیواروں اور بدنما جھونپڑوں کو جو خدا کے گھر کے اردگرد لوگوں نے ڈال رکھے ہیں اور جس کے سبب سے خدا کی بنائی عمارت کی خوبی چھپ گئی ہے گرانے کی آرزو رکھتا ہوں اور ان تصویروں کو جو لوگوں نے بنا رکھی ہیں مٹانا چاہتا ہوں۔ آپ ہی فرماویں کہ یہ تصویریں جن کی آپ پرستش کر رہے ہیں خدا کی بنائی ہوئی ہیں یا آپکو خدا تک پہنچا سکتی ہیں۔ آخر بتایئے تو یہ کیا ہیں ماھذہ التماثیل التی انتم لھا عاکفون۔ اگر یہ تصویریں خدا کی بنائی ہوئی نہیں ہیں تو آپ کیوں اُن کو بغل میں لیئے پھرتے ہو اور کیوں اسلام کی اصلی تصویر کو مٹاتے ہو۔ کیوں ان بدنما مورتوں سے اپنے دل کے کعبہ کو بُتکدہ بنا رکھا ہے مالکم کیف تصنعون۔

پھر آپ لکھتے ہیں کہ میں کسی کو متقدمین میں سے اسلام سے واقف نہیں جانتا۔ یہ آپکی غلطی ہے۔ میرے نزدیک کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا جس میں اسلام کی خوبیوں کے ظاہر کرنے والے نہ گذرے ہوں اور جنہوں نے تقلیدی اسلام کو بُرا نہ کہا ہو اسیواسطے میں اس بات پر آمادہ ہوا ہوں کہ آپ لوگوں کو دکھاؤں کہ کتنے لوگ اسلام کی حقیقت جاننے والے گذرے ہیں اور تقلیدی علماء نے اُن کی باتوں کو ویسا ہی چھپا رکھا ہے جیسا کہ ابر آفتاب کو چھپا دیتا ہے۔

آپ کا یہ خیال کہ عربی عمامہ اور اونچے ٹخنے کا پائجامہ خلایق سے مطلب نکالنے کا وسیلہ ہے سچ ہے مگر فریب و دغا سے دنیا کمانے کے لیئے نہ سچائی و صفائی سے دین کی باتوں کو پھیلانے کے واسطے خیال شیطانی و دعوی مسلمانی۔ افسوس برین مسلمانی۔

آپنے ایک ظرافت کے ساتھ اصحاب کے بُرے کہنے سلف صالح کو اچھا نہ جاننے وغیرہ باتوں کو میری طرف منسوب کیا ہے اس لیئے مجھے بہ مجبوری کہنا پڑا کہ انا بری

مما تقولون حاشا و کلا کہ میں اصحاب کو برا کہتا ہوں یا سلف صالح کو اچھا نہ جانتا ہوں میں اُن کو بزرگانِ دین اور پیشوایانِ اسلام سمجھتا ہوں۔ ہاں تمہاری طرح اُن کو معصوم و رسول نہیں سمجھتا ہوں۔ سوائے اس بات کے کہ باقی اُن کی بزرگی اور پاکی کا ویسا ہی مجھے اقرار ہے جیسا کہ تھا۔

گوہرِ مخزنِ اسرار ہمان است کہ بود
حقۂ مہر بدان مہر و نشان است کہ بود
از صبا پرس کہ مارا ہمہ شب تا دمِ صبح
بوئے زلفِ تو ہمان مونسِ جان است کہ بود

شیطان کے وجود کی نسبت جو آپ نے لکھا ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے۔ میں تو اُس کے وجود خارج عن الانسان ہونے سے منکر نہیں۔ سید صاحب کو اُس سے منکر ہیں مگر اُس کے وجود حقیقی داخل ہونے سے اور اُس کی شیطنت اور اغوا کی تاثیرات سے منکر نہیں پھر ایسی تاویل کرنیوالے کو کیا کوئی کافر کہہ سکتا ہے۔ اگر آپ رسالہ تسویہ جو عربی میں ہے اور اسکی شرح جو ملا عبد الحلیم نے لکھی ہے ملاحظہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اور لوگ بھی وجود خارجی شیطان سے منکر ہو چکے ہیں۔ جن کو نہ کسی نے کافر ٹھہرایا نہ مرتد۔

شق القمر کے انکار پر کفر کا اطلاق کرنا اُس وقت زیبا ہے جبکہ آپ اس معجزے کو متفق علیہ قرار دیں حالانکہ جب بعض مفسرین اُس سے منکر ہیں اور بعض محققین نے دلائل اُس کا انکار کرتے ہیں تو شاید آپکو اس تیزی سے کفر کا کلمہ زبان پر لانا مناسب نہ ہوگا۔ تفہیمات الٰہیہ میں مولوی شاہ عبد العزیز کے والد نے صاف انکار کیا ہے اور لکھدیا ہے کہ عندنا لیست من المعجزات حدیثیں جو حضرت ابن عباس سے اس باب میں ہیں اُس پر بھی جرح ہو چکی ہے کہ وہ اُس وقت تک پیدا ہی نہ ہوئے تھے حضرت انس کی حدیثوں پر بھی یہی قدح ہو چکی ہے کہ وہ مدینہ میں چار برس کے تھے۔ پس جبکہ علما میں بحث اسکے منصوص و متواتر ہونے پر ہو رہی ہے تو کفر کا اطلاق کرنا اُس کے انکار پر تحقیق سے بے خبری پر دلیل ہے۔ اجماع کو نہ ماننے کو کفر جاننا نادانی ہے۔ ذرا آپ امام احمد کا یہ قول تو مسلم الثبوت میں ملاحظہ فرمائیے کہ من ادعی الاجماع فہو کاذب

کہ جس نے اجماع کا دعویٰ کیا وہ جھوٹا ہے اور کسی غیر منصوص مسئلہ میں اجماع اصطلاحی کا دعویٰ تو ثابت کر دکھایئے والی لکم ھذا۔ افسوس اُن کی سمجھ پر جو چند آدمیوں کی سمجھ کو ایسا تو حجت نہیں کہ اُسکے نہ ماننے کو کفر سمجھیں کھڑے ہو کر پیشاب کرنیکی نسبت جو آپنے ایک نامناسب لفظ لکھا ہے غالباً آپکو افسوس ہوگا جبکہ آپ ترمذی شریف کو ملاحظہ کرینگے کیونکہ اُسکے دیکھنے سے آپکو معلوم ہوگا کہ خود پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے ثبوت اسکا ہے چنانچہ بال قائماً صاف موجود ہے اور پھر محدث موصوف نے اسکی اباحت اکثر محدثین اور عالموں سے منسوب کی ہے یقیناً آپ کو بڑی شرم ہوگی جبکہ آپکو ان باتوں کا علم ہوگا اور آپ خیال کریں گے کہ جو کلمہ آپنے لکھا ہے اُسکا اثر کہاں تک پہنچا ہے اسی لیئے عاقل کو چاہیئے کہ بعد تحقیقات اور علم حاصل کرنے کے زبان سے کوئی بات نکالے تاکہ افسوس و ندامت نہو آپنے مجھے یہی نصیحت کی ہے کہ یا تو مسلمانوں کے عقیدے رکھو یا اسلام چھوڑ دینے کا اشتہار دو۔ سو میں اگر اسلام کو ویسا ہی سمجھتا جیسا کہ آپ سمجھتے ہیں تو میں ضرور اُسکے چھوڑنے کا اشتہار دیتا مگر جبکہ اصلی اسلام کی سچائی سے میرا دل بھرا ہوا ہے تو اُسکے اظہار کا اشتہار دیتا ہوں اور وہمی اسلام کا چھوڑنا چاہتا ہوں۔

میں نے مانا کہ آپ مجھے فاسد الاعتقاد جانتے ہیں اور تسلیم کیا کہ اور لوگ بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں مگر مجھے تو یقین ہے کہ میں سچا اور پکا مسلمان ہوں علی بصیرۃ من ربہ جس دن دلوں کے بھید کھلینگے جو کچھ ہمارے تمہارے دل میں ہے سب کھل جائے گا اگر آپ کا اسلام آپکو حوروں کے بوسہ و کنار کا مزہ دیگا جس کی تمنا میں تن توڑتے اور بھوکے رہتے ہو تو خیر ہمکو بھی اُمید ہے کہ ہمارا الحاد ہمکو خدا تک پہنچا دیگا جس کے لیئے ہم گالیاں کھاتے ہیں طعنے سنتے ہیں اور کافر و ملحد بنتے ہیں اور جسکے شوق میں نہ تو عیش کے مکان کی آرزو ہے نہ شہد دودھ کی نہروں کی تمنا نہ حوران بہشت کے وصال کا خیال ہے نہ ہی غلمان پری پیکر کے آغوش میں لینے کی خواہش۔

بسوزِ سینہ جنت را بسوزم
بآبِ دیدہ آتش را نشانم

آپ نے جو یہ لکھا ہے کہ نہ محتسب ہے جس کے دُرّہ کا خوف ہو۔ نہ قاضی جس کے فتوے سے دار کا ڈر ہو بلاشک سچ لکھا ہے۔ لیکن کیا آپکے جگر خراش طعنے محتسب کے دُرّہ سے اور آپکی دلسوز ملامتیں دار کے کھینچنے سے کم ہیں۔

آنچہ زخمِ زبان کند با مرد
زخمِ شمشیر جان ستان نکند

پس جبکہ ہمارا جوش و ولولہ اس خوف سے کم نہ ہوا اور ہمارے دل کے شعلہ زن لوگ آپ کی ملامت نہ بوجھا سکے تو محتسب کا دُرّہ کیا کرتا اور قاضی کے فتوے سے کیا ہوتا اگر دار پر بھی کھینچے جاتے تو یہی کہتے۔ کہ ؎

بجرم عشقِ تو ام مے کشند غوغائیست
تو نیز بر سرِ بام آکہ خوش تماشائیست

آپ نے مدرسۃ العلوم کی نسبت جو لکھا اُس سے مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ بلاشبہ لکھنؤ کے اخبار الاخیار نے ہماری فریب دہی ثابت کردی۔ آگرہ اخبار نے بھی ہمکو ملحد ٹھہرادیا اور مدرسۃ العلوم کا چندہ بند ہوگیا۔ لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ وہ لوگ یہ سُن کر مر نہ جاویں کہ قریب اسّی ہزار کے چندہ ہوچکا ہے اور ابتدائی مدرسوں کے تقرر کے لیئے جابجا سے درخواستیں چلی آتی ہیں اور اب چند روز میں شاخیں اُن مدارس ابتدائی کی جو رستی مدرسۃ العلوم کی ہیں جابجا قایم ہوا چاہتی ہیں۔ ہاں ایک بات کا مجھے بھی افسوس ہے کہ مدرسہ یمانیہ کی سی تعلیم ان الحادی مدرسوں میں نہ ہوگی وہ عاقلانہ خیالات جو اُس تعلیم سے پیدا ہوتے ہیں ان مدرسوں کے تعلیم یافتہ آدمیوں کو نہ ہوں گے۔ مَیں نے ابھی تھوڑے دن ہوئے مدرسہ یمانیہ کے اخبار الاخیار میں ایک بڑے مفتی و مجتہد علامی فہامی کا محققانہ قول دیکھا تھا کہ اُنہوں نے بُوم یعنی اُلو کی نسبت لکھا تھا کہ اخبار صحیحہ سے ثابت ہے کہ بوم اول بستی میں رہتا تھا جب سے امام علیہ السلام شہید ہوئے۔ اُس نے ویرانہ میں رہنا اختیار کیا۔ دن کو روزہ رکھتا ہے شام کو قوت مالا یموت پر افطار کرتا ہے۔ رات بھر امام کے غم میں مرثیہ پڑھتا ہے نعوذ باللہ من ھذہ الھفوات۔

پس ایسے عالی دماغوں کے دلوں پر ہمارے مدرسۃ العلوم کے مقرر ہونے کا داغ کیوں نہ ہو اس لیئے کہ ایسے نازک خیال والے اُس تعلیم کے بعد کہاں دکھائی دیں گے۔ اور ایسے اُلو کی حقیقت بتانے والے کہاں باقی رہینگے۔ آگرہ اخبار نے بھی اپنی محبت اسلامی کے ظاہر کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا ایسے لوگوں کے حق میں سوائے یا لیت قومی یعلمون کے اور کیا کہا جاوے افسوس اُن مسلمانوں پر کہ آنکھ رکھتے ہوں اور نہ دیکھیں۔ کان بھی ہوں مگر کچھ نہ سُنیں

دل بھی پہلو میں ہو مگر کچھ نہ سوچیں۔ ۵
چشم باز و گوش باز و این ذکا
خیرہ ام در چشم بندئیے خدا

مسجد میں جوتا پہنے نماز پڑھنا

چند روز ہوئے کہ تہذیب الاخلاق میں ایک مضمون تہذیب الایمان سے چھاپا گیا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ جوتا پہنے ہوئے مسجد میں جانا اور جوتا پہنے ہوئے نماز پڑھنا صرف جائز ہی نہیں ہے بلکہ سُنّت ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ لوگوں کو ابھی تشفی نہیں ہوئی اور وہ بدستور اُن لوگوں پر طعنہ کرتے ہیں جو کبھی کبھی جوتہ پہنے ہوئے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ اور جوتہ پہنے ہوئے مسجد میں جانے کو تو ایک قیامت جانتے ہیں اس لئیے ہم اُن کی تشفی کے لئیے متعدد روایتیں اہل سنت وجماعت کی معتبر کتابوں سے لکھتے ہیں جس سے بخوبی ثابت ہے کہ جوتہ پہنے مسجد میں جانا اور جوتہ پہنے نماز پڑھنا سُنّت ہے اور جو شخص اُن لوگوں پر طعنہ کرتا ہے جو جوتہ پہنے نماز پڑھ لیتے ہیں وہ گنہگار ہوتا ہے کیونکہ عادت جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے جوتہ پہنے نماز پڑھنا اور مسجد میں جانا ثابت ہے۔

ابن عدی اور ابن مردویہ نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے جوتہ کو زینت نماز فرمایا ہے اور اُسے پہن کر نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے کما روی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خذوا زینۃ الصلوٰۃ قالوا وما زینۃ الصلوٰۃ قال البسوا نعالکم فصلوا فیھا۔ عقیلی اور ابوالشیخ اور ابن مردویہ اور ابن عساکر نے حضرت انس سے روایت کی ہے کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فی قول اللہ عزوجل خذو ازینتکم عند کل مسجد اے صلوا فی نعالکم۔ یعنی
پیغمبر خدا کے اس قول میں کہ زینت سے ہر مسجد میں جایا کرو یہ فرمایا ہے کہ جوتہ پہنکر
نماز پڑھا کرو۔ ابن مردویہ نے مرفوعاً روایت کی ہے کہ مما اکرم اللہ بہ ھذہ الامۃ
لبس نعالھم فی صلواتھم کہ منجملہ ان باتوں کے جو خدا نے اس اُمت کی بزرگی کے لیئے
دی ہیں جوتہ پہنکر نماز پڑھنا ہے۔ ابوداؤد اور حاکم نے شداد ابن اوس سے یہ حدیث
روایت کی کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خالفوا الیھود فانھم لا یصلون
فی خفافھم ولا فی نعالھم۔ کہ مخالفت کرو یہود کی کہ وہ موزہ اور جوتہ پہن کر نماز
نہیں پڑھتے۔ اور بیہقی اور ابن حبان اور طبرانی نے بھی ایسی ہی روایت کی ہے۔
بخاری نے انس سے روایت کی ہے کہ اُن سے کسی نے پوچھا کہ پیغمبر خدا صلعم
جوتہ پہن کر نماز پڑھتے تھے۔ اُنھوں نے کہا ہاں۔ اور مسلم اور نسائی اور ترمذی نے بھی
ایسی ہی روایت کی ہے۔

بعض علماء نے ان احادیث سے ثابت کیا ہے کہ جوتہ پہن کر نماز پڑھنے کی عادت
معمولی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تھی جیسا کہ فتح المتعال میں لکھا ہے واما صلواتہ
علیہ الصلوٰۃ والسلام فی نعلیہ فالظاھر انہ کان فی المسجد فان فی الصحیحین وغیرھما
عن سعید بن یزید قال سألت انس ابن مالک کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یصلی فی نعلیہ فقال نعم وظاھرہ ان ھذا کان شانہ وعادۃ المستمرۃ دایما۔ کہ مسجد میں جوتہ
پہن کر نماز پڑھنے کی آپ کی مدامی عادت تھی۔

حنبلی اسی وجہ سے جوتہ پہن کر نماز پڑھنے کو سُنت کہتے ہیں جیسا کہ ردالمحتار میں
لکھا ہے کہ واخذ جمع من الحنابلۃ انہ سنۃ۔

بعض لوگ یہ فرماتے ہیں کہ جو جوتہ پہن کر سڑکوں اور گلی کوچوں میں پھرتے ہیں
اُس کو مسجد میں لیجانا اور نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ وہ جوتہ مسجد میں لیجانا جائز ہے
جس کے اوپر ایک اور جوتہ یا موزہ یا کوئی چیز ہو تاکہ جوتہ نجاست سے محفوظ رہے۔ مگر
یہ غلطی ہے جیسا کہ ردالمحتار میں لکھا ہے ولو کان یمشی بھا فی الشوارع لان النبی صلی اللہ
علیہ وسلم واصحابہ کانوا یمشون بھا فی طرق المدینۃ ثم یصلون فیھا۔ یعنی
اُسی جوتہ کو جسے پہن کر سڑکوں اور راہوں پر چلتے ہیں نماز پڑھنا جائز ہے اس لیئے کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام مدینہ کی گلیوں میں جوتہ پہنے پھرتے تھے اور اسی سے نماز پڑھتے تھے۔

ابو داؤد اور ابن حبان اور حاکم اور عبد بن حمید اور اسحاق ابن راہویہ اور ابو یعلی موصلی نے ابن سعید خدری سے روایت کی ہے کہ حضرتؐ نے نماز میں جوتہ اتار ڈالا تو صحابہ نے بھی اپنے جوتے اتار دیئے۔ حضرت نے بعد نماز کے صحابہ سے پوچھا کہ جوتے کیوں اتار ڈالے۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہم نے آپ کی تقلید کی۔ تب فرمایا کہ مجھے جبرئیلؑ نے خبر دی کہ میرے جوتوں میں نجاست لگی ہوئی ہے اس لیئے میں نے اتار ڈالے اور یہ فرمایا کہ تم مسجد میں آنے کے وقت اپنے جوتوں کو دیکھ لو۔ اگر کچھ نجاست لگی ہو تو پونچھ ڈالو اور جوتہ پہن کر نماز پڑھو۔ الفاظ ابو داؤد کے یہ ہیں۔ ثم قال اذا جاء احدکم المسجد فلینظر فان رایٰ فی نعلیہ قذرًا او اذی فلیمسحہ ولیصل فیھا۔

اگلوں میں سے بھی بعض خیالی ادب کرنے والے ایسے گذرے ہیں جنہوں نے اس فعل کو مکروہ جانا۔ مگر علمانے اُن کے قول کو رد کیا جیسا کہ علامہ مصری نے فتح المتعال میں لکھا ہے الذی یترجح ھو انہ لا وجہ لکراھتہ الصلوٰۃ فیھا لثبوت فعل ذلک من اصحاب الشرع واما الافضلیۃ فان اراد بہ اقتداء النبی صلی اللہ علیہ وسلم فنعم والا فھو فعل مباح من الرخص الشرعیۃ ھذا ھو الذی علیہ المحققون من الفقھاء والمحدثین۔ کہ قول راجح یہ ہے کہ کوئی وجہ جوتہ پہنکر نماز پڑھنے میں کراہت کی نہیں ہے اس لیئے کہ اصحاب شرع سے یہ فعل ثابت ہے۔ باقی رہی افضیلت۔ پس اگر جوتہ پہن کر نماز پڑھنے سے مقصود پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا اقتدا ہے تو بلاشبہ جوتہ پہن کر نماز پڑھنا افضل ہے ورنہ یہ فعل مباح ہے منجملہ مباحات شرعیہ کے اور یہی قول منصوص ہے محققین فقہا اور محدثین کا۔

لوگ تعجب کرینگے کہ جوتہ میں تو نجاست لگتی رہتی ہے تو نجس چیز کو مسجد میں لیجانا یا اُس سے نماز پڑھنا کیونکر جائز ہوگا۔ مگر اُن کو چاہیئے کہ اپنے ہی محدثین کی روایت کی ہوئی حدیثوں کو دیکھیں اور ہم سے نہ پوچھیں کیونکہ احادیث سے ثابت ہے کہ اگر جوتہ میں کچھ نجاست بھر جاوے تو رگڑ ڈالنا اور مٹی سے مل دینا ہی اُسکی طہارت ہے۔

جیساکہ ابوداؤد نے روایت کی ہے اذا وطی احدکم بخفیہ فطہورھما التراب اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں لکھا ہے کہ اذا وطی احدکم بنعلیہ فان التراب لہ طہور۔ ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ ایک عورت نے آنحضرت صلعم سے پوچھا کہ ہم جس راہ سے مسجد کو آتے ہیں وہ راہ نجس اور غلیظ رہتی ہے۔ تو جب پانی برسے تو ہم کیا کریں۔ آپ نے فرمایا کہ کیا نجاست کے بعد صاف جگہ نہیں ملتی۔ اُس نے کہا کہ کیوں نہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ ھذہ بھذہ یعنی پس جگہ صاف پر قدم رکھنا نجس جگہ کی نجاست دُور کرنے کے لیئے کافی ہے۔

حافظ ابوزرعہ عراقی شافعی نے بھی ایسا ہی فتویٰ دیا ہے۔

بعض فقہا نے لکھا ہے کہ جو نجاست ایسی ہو کہ جس کا جرم نہ ہو مثل پیشاب و شراب کے۔ اگر وہ جوتہ میں لگ جاوے تو بے دھوئے پاک نہیں ہوتی۔ مگر یہ اُن کی خیالی طہارت ہے نہ مطابق حدیث کے۔ کیونکہ مٹی سے رگڑ دینا اُسکی پاکی کے لیئے کافی ہے اور یہ مسئلہ فقہا کا خود امام ابوحنیفہ صاحب و قاضی ابویوسف کے فتوے کے خلاف ہے۔ جیسا کہ قاضی ابوعلی نسفی نے امام ابوبکر محمد بن فضل سے روایت کی ہے کہ انہ قال اذا اصاب نعلیہ بول او خمر ثم مشی علی التراب او الرمل حتی لزق بہ بعض التراب وجف ثم مسحہ بالارض یطہر عند ابی حنیفۃ وھکذا ذکرہ الفقیہ ابوجعفر عنہ وعن ابی یوسف مثل ذلک الا انہ لم یشترط الجفاف اُنہوں نے فتویٰ دیا ہے کہ اگر جُوتہ میں شراب یا پیشاب لگجاوے پھر مٹی پہ چلے یا ریت پر اور کچھ مٹی یا ریت جُوتہ میں لگجاوے اور خشک ہوجاوے اور پھر پونچھ ڈالی جاوے تو پس جُوتہ پاک ہوگیا۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور ابوجعفرؒ نے بھی امام ابوحنیفہؒ سے اس مسئلہ کو منقول کیا ہے اور قاضی ابویوسفؒ نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے مگر اُنھوں نے خشک ہوجانے کی شرط نہیں کی۔

بعضے آدمی فاخلع نعلیک کے حوالہ سے جوتہ اُتارنے کو ادب تصور کرتے ہیں اور اگلے لوگوں میں سے بھی بعض نے ایسا شبہ کیا تھا۔ مگر شکر خدا کا ہے کہ اگلے ہی عالموں نے اُسکی سخافت ظاہر کردی جیساکہ فتح المتعال میں ہے ان امر خلع النعل لموسی لادلالۃ لہ علی کراھۃ دخول المسجد متنعلاً ولو دل علیہ بالفرض فلا یصونا

لوجود ما ینسخہ فی شریعتنا ومن ھھنا ظہر سخافۃ ما فی منیۃ المصلی ؛
یہ سب حدیثیں اور روایتیں جن کو ماننا مقلدین پر فرض ہے کیونکہ انہیں کے مقبول عالموں نے نہ صرف روایت کی ہیں بلکہ اُسپر فتویٰ دیا ہے ایک طرف رہیں گی اور ہمارے ہندو مسلمان توبہ توبہ ہند کے مسلمان اپنی ہی رسم پر چلیں گے نہ خدا کی سنیں گے نہ رسول کی۔ اس لیئے اُن کا دین اور دین کا ادب خیالی ہے اور رسمی۔ نہ حقیقی ہے اور شرعی ؛

التماس
بخدمت حضرت کاشف الغطاو کشاف حقیقت

چند پرچے اخبار نورالانوار کے جن میں میرا حال یا میری بعض تحریروں کا جواب تھا میرے پاس پہونچے۔ معلوم نہیں کہ یہ عنایت اڈیٹر صاحب کی ہے یا مہربانی اُن کے کارسپانڈنٹ کی۔ بہر حال میں دونوں کا شکر کرتا ہوں خصوصاً اُن تہذیب بھرے فقروں کا جن سے اُن کی طینت کی پاکی ایسی ہی ظاہر ہوتی ہے جیسے آئینہ سے عکس۔ غالباً اُن کے بھیجنے سے ہمارا آگاہ کرنا ہے کہ تمام مسلمانوں کو ہماری تحریروں پر توجہ اور ہمارے حال پر مہربانی کی نگاہ ہے۔ اور یقیناً یہ بھی مقصود ہوگا کہ اُس کا کچھ جواب دیا جاوے مگر جہاں تک اُن تحریرات کو ہمارے ذاتی خیالات سے تعلق ہے اُس کا جواب شکر ہے کیونکہ جس قدر بُرائیاں ہم میں ہیں اُن میں سے تو کچھ بھی بیان نہیں کیں۔ باقی جس قدر دارالعلوم اور تہذیب الاخلاق سے متعلق ہیں وہ ہماری دلی خوشی کا سبب ہیں۔ اُن تحریرات سے اندازہ اُس قوت اور مضبوطی کا ہوتا ہے جو ہماری رایوں کو بہ نسبت مسلمانوں کی موجودہ حالت اور اُن کی تعلیم و تربیت کے ہے

اور جس کے سبب سے ہمکو اُن میں ایک عظیم تبدیلی کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ جس شخص نے اُن تحریرات کو دیکھا ہوگا وہ ضرور اُس رائے کو تصدیق کرے گا جو انڈین ابزرور نے نسبت مسلمانوں کے دی ہے۔

ہم نے وہ فتوے بھی دیکھے جو لکھنؤ کے مولوی صاحبوں نے نسبت دارالعلوم کے لکھے ہیں مگر افسوس ہے کہ اُس پر اتنے دستخط اب تک نہیں ہوئے جتنے کہ ہندی کے دفتر ہو جانے اور فارسی کے اٹھ جانے کی نسبت ہو چکے ہیں۔ کیا ان مولوی صاحبوں سے اس سے زیادہ اور کسی فتوی کی اُمید تھی۔ ہمارا رونا تو اسی موجودہ حالت کے دیکھنے پر ہے اور دارالعلوم کی تجویز ایسے ہی تنگ و تاریک خیالات کے مٹانے کے واسطے ہے۔ کیا کوئی دانشمند منصف آدمی ان فتووں کو بھی دیکھکر مسلمانوں کے حال پر آٹھ آٹھ آنسوؤں سے نہ روویگا۔

ہم نے وہ اشتہار بھی دیکھا جو پرچہ نور الآفاق لرفع الظلمۃ اہل النفاق کے جاری کرنے کی غرض سے مشتہر کیا گیا ہے۔ اس اشتہار نے ہمکو خوش کیا اور بہت خوش کیا کیونکہ اُس کا صرف اُس لحاد کے روکنے کے لیئے جاری کیا جانا مقصود ہے جو تہذیب الاخلاق کے ذریعہ سے پھیلتا جاتا ہے۔ ہمکو اُمید ہے کہ اچھے تربیت یافتہ عالم اُسکی مدد کرینگے اور اپنے علم کے جوہر دکھاوینگے۔ اور ہمارے الحادی پرچہ کو بھی اُس سے فائدہ ہوگا کیونکہ پھول کی خوبی اُس وقت تک ظاہر نہیں ہوتی جب تک کہ کوئی خار اُس کے پہلو میں نہ ہو۔

اب میں اپنے پرانے دوست کاشف الغطا اور اپنے نئے مہربان کشاف حقیقت سے نہایت دلی درد سے ایک بات کہنے کی اجازت چاہتا ہوں اگر وہ تھوڑی دیر کے لیئے اپنے دل کو نرم کرلیں اور چند لمحہ کے واسطے منصف بن جاویں۔

سر کنم شکوہ اگر تاب شنیدن داری
سینہ بشگافم اگر طاقت دیدن داری

اے حضرات جامعان فضل و کمال۔ اگر آپ کو اپنی تحریروں سے صرف تھوڑی دیر کے لیئے دل خوش کرنا اور چند لحظہ کے لیئے مجلس کو گرم کرنا ہے تو خیر ہم منع نہیں کرتے آپکی خوشی کو روک نہیں سکتے۔ آپ شوق سے ذاتی عیوب لوگوں کے لکھو لیئے

اور رشک سودا بنیئے لیکن اگر اسلام اور مسلمانوں کی ہمدردی مقصود ہے اور تہذیب الاخلاق یا دار العلوم سے مذہبی یا اخلاقی یا اَور کسی قسم کی خرابیوں کا خیال ہے تو نہایت خوبی کی بات ہے کہ آپ اُسپر بحث فرمائیے ۔ مگر قبل مخالفت کے مخالفت کا وہ مضمون جو تہذیب الاخلاق میں چھپا ہے کسی وقت کا وظیفہ چھوڑ کر غور سے پڑھ لیجیئے کیونکہ مَیں نہایت افسوس سے کہتا ہوں کہ ہنوز آپ لوگوں کو مخالفت کرنی بھی نہیں آتی ۔
آپ یقین کیجیئے کہ ہم آپ کی مخالفانہ تحریروں کو بہت غور سے پڑھیں گے اور نہایت انصاف سے دیکھیں گے اور اَور لوگوں کو بھی ہماری رایوں کا آپکی تحریروں سے مقابلہ کرنے کا عُمدہ ذریعہ ملے گا ۔

غالباً آپ اسے تسلیم کریں گے کہ عموماً لوگوں نے مجادلہ اور مکابرہ کو مباحثہ سمجھ رکھا ہے اور بجائے تحقیق حق کے مخالف پر الزام اور تہمت لگانے اور اُسکی تمام باتوں کو غلط اور باطل ٹھہرانے کو مایہ ناز ٹھہرا لیا ہے ۔ صدہا کتابیں شیعوں نے سُنیوں کے رد میں ہزارہا رسالے سنیوں نے شیعوں کے جواب میں لکھ ڈالے مگر یہی غلط خیال دونوں کو تحقیق حق یا تسلیم حق کا مانع رہا ۔ آخر سب وشتم کی وہ نوبت پہونچی کہ مذہب بھی اُن گالی دینے والوں پر لعنت کرتا ہوگا ۔ پس جب تک یہ خیال آپ لوگ اپنے دل سے نہ نکال ڈالیں گے بجائے فائدہ کے خود اپنی قوم کا آپ نقصان کریں گے ۔

مَیں تسلیم کرتا ہوں کہ بلاشبہ تہذیب الاخلاق نے بڑی تبدیلی خیالات میں پیدا کی ہے اور ایک ایسا انقلاب پیدا کرنے کا سامان جمع کردیا ہے جو پہلے سے کبھی کسی کے خیال میں بھی نہ تھا اور دار العلوم کی تجویز بھی ایک نئی دنیا قایم کرنے کی تجویز ہے جس کا نقشہ عموماً مسلمانوں کے خیال میں بھی نہیں آسکتا ۔ مگر دیکھنا چاہیئے کہ اُس کا اثر کیا اور کیسا مسلمانوں پر ہوگا ۔

تہذیب الاخلاق کا اثر ظاہر ہے کہ اُس نے اپنی پُرزور فصیح تحریروں سے ایک طرف تو غیر قوموں کو دکھا دیا کہ اسلام اُس پست اور تاریکی کی حالت میں نہیں ہے جو وہ خیال کرتے تھے بلکہ وہ ایک روشن آفتاب ہے جو سیاہ بدلیوں میں چھپا ہوا تھا دوسری طرف مسلمانوں کو ہوشیار کردیا کہ وہ اُس گہرے عمیق تاریک بے تھاہ گڑھے کے کنارہ آلگے ہیں جس میں گرنے سے جان کا اندیشہ ہے ۔

ہاں اُس نے ایک اُن مردہ دلوں میں ایک کھلبلی ڈالدی ہے جن کو لوگ زندہ جانتے تھے اور اُن طبیعتوں میں ایک شور پیدا کر دیا ہے جن میں کسی قسم کی تحریک کی قوت باقی نہ تھی اُس نے رسم تقلید تعصب ساری بُرائیوں کے کھونے کی بھی جڑ قایم کردی ہے۔ اُس نے لوگوں کے خیالات میں بھی ایک تبدیلی پیدا کرنے کی راہ نکالی ہے اور جہاں تک خیال کیا جاوے مقصود اُس کا مسلمانوں کی بھلائی کے سوا کچھ نہیں۔

اگر آپ کو اس کے بعض یا کل مضمون مضر معلوم ہوں اُن سے علمی اخلاقی مذہبی برائی پیدا ہونے کا اندیشہ ہو اُسکی غلطیاں بتائیے اور اصلاح کیجیے۔ دل ما شاد چشم ما روشن۔

اگر آپ کو اُس کے مذہبی مضامین سے رنج ہوتا ہو جیسے ہم بھی جانتے ہیں کہ ضرور رنج ہوتا ہوگا مگر ذرا انصاف کیجیے اور ہمکو بتا دیجیے کہ وہ کون سا مذہبی مضمون لکھا گیا ہے جو کتاب و سنت سے مدلل نہ ہو اور جس کو نہایت مضبوط دلیلوں سے ثابت نہ کیا ہو اور جس میں بڑے بڑے عالموں محققوں کے قول کی سند پیش نہ کی گئی ہو۔ اب رہا یہ امر کہ من حیث المجموع کل یا بعض مضامین میں غلطی ہی ہوئی ہو تو کیا اُن سے اکیلے ہم کافر ہو سکتے ہیں۔ بلاشبہ قبل اس کے کہ آپ کا کفر کا فتوے ہم تک پہونچے اُن پر ہمسے پہلے پہونچے گا جو ہم سے پہلے ہمارا سا لکھ دے گئے ہیں۔

آپ یقین فرماویں کہ ہمکو ہرگز منظور نہ تھا اور نہ ہے کہ ہم مذہبی مضامین پرچہ میں لکھیں مگر کیا کیجیے۔

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم
کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

ہر امر میں معاشرت کی۔ تمدن کی۔ تعلیم کی۔ تربیت کی مذہبی مزاحمت ہوتی ہے اور اس لیئے اُس کی تحقیق کی ضرورت پڑتی ہے اور بمجبوری اُن غلطیوں کا جن سے اصل مذہب پر الزام آتا ہے ظاہر کرنا پڑتا ہے اور پھر بھی اب نہایت لاچار ہو کر میں لکھتا ہوں کہ موجودہ حالت مذہب کی قومی مانع ہر قسم کی ترقیات کی ہے اور اسے میں ثابت کرتا ہوں۔

مسلمان خیال کرتے ہیں کہ مذہب کی رُو سے کافروں سے محبت کرنا اختلاط رکھنا منع ہے۔ مَیں خیال کرتا ہوں اگر یہ سچا مسئلہ شریعت کا ہے تو مسلمانوں کو چارہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ یا تو اُن سے جزیرہ انڈمان بھرا جاوے یا وہ شمالی افریقہ کے حصّہ کو جاکر آباد کریں کیونکہ وہ کسی ہندو سے صاف نہیں مل سکتے۔ وہ کسی انگریز کو اچھا جان نہیں جان سکتے۔ وہ اُن سے صاف طینتی اور سچائی اور محبت سے اختلاط وارتباط نہیں رکھ سکتے تو پھر وہ اُن ملکوں میں جہاں غیر قوموں کے اختلاط وارتباط بغیر ایک دن زندگی کی کوئی ادنیٰ ضرورت بھی پوری نہیں ہو سکتی کیونکر رہ سکتے ہیں اُس حالت میں کہ وہ اپنے مذہب پر بھی قائم رہیں۔

اب مَیں زمانہ گذشتہ اور زمانہ حال پر نظر کرتا ہوں کہ مسلمانوں نے اسکی نسبت کیا خیال کیا اور کیسا برتاوا کیا۔ سو اوّل مَیں اپنے ہادی اور ساری دنیا کے ہادی حق خدا کا یہ معاملہ دیکھتا ہوں کہ جب نجاشی کے ایلچی آئے جن کا مذہب رومن کیتھلک تھا تو آپ نے خود اُن کی خدمت کی اور صحابہ کی درخواست پر فرمایا کہ اُنھوں نے میرے یاروں کی خدمت کی تھی۔ مَیں اُسکی تلافی چاہتا ہوں خاص مسجد نبوی میں رومن کیتھلک عیسائیوں کو نماز پڑھنے کی اجازت دی۔ کیا یہ وُہی برتاؤ ہے جو مسلمان نسبت غیر مذہب والوں کے از رُوئے اپنے مذہب کے خیال کرتے ہیں۔ پھر حال کے زمانہ پر نظر کرتا ہوں تو سلطان روم کو مع علماء فضلاء کے پیرس میں شاہنشاہ نیپولین کے ساتھ ایک میز پر بیٹھا ہوا کھانا کھاتے اور ملکہ معظمہ اور ولیعہد سلطنت کے ساتھ دوستانہ برتاؤ کرتے پاتا ہوں۔ کیا یہ لوگ کافر نہیں ہیں۔ ضرور ہیں۔ اگر مسلمان ہوتے تو شاہ بخارا یا خان خیوا کی طرح اپنے وحشیانہ برتاؤ سے ساری دُنیا میں روسیاہ ہوتے مسلمانوں کو آدمیت اور انسانیت سے کیا علاقہ۔ اُن کو کسی کے اختلاط ارتباط سے کیا سروکار۔

ان حالات پر بھی ہم نظر نہیں کرتے۔ کیونکہ اگلی حالتوں کو صدہا برس گذر گئے کون جانے کیا سچ ہے کیا غلط۔ روم میں بھی جو ہزاروں کوس دور ہے اللہ کو خبر ہے کہ یہ معاملہ صحیح ہے یا جھوٹھ۔ ہم خود ہندوستان کے حال پر نظر کرتے ہیں اور نہ اَور لوگوں بلکہ خود اپنے کافر کہنے والوں کے حال پر تو کیا پاتے ہیں کوئی کسی بابو کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے باغ کی سیر کر رہا ہے کوئی کسی سیٹھ کا پگڑی بدل بھائی ہونے پر ناز کرتا ہے کسی کا ہاتھ

اُسکی بغل میں ہے جو ابھی کالی کی پوجا کرکے آیا ہے - کسی کی مسند اُس کے قدموں
کے واسطے خالی ہو رہی ہے جس کے پاؤں کی گرد مندر کے طواف سے بھری ہوئی ہے
ہندوؤں کے ساتھ دوستی ہے - اختلاط ہے - ارتباط ہے - تو کیا یہ سب مسلمان
مسلمان نہیں ہیں - بلا شبہ کافر ہیں - کیونکہ اُن کے دل میں وہ بات نہیں ہے جس کا
برتاؤ وہ ظاہر میں کرتے ہیں - ہندوؤں کو بھی جانے دو - انگریزوں ہی کے ساتھ
جو برتاؤ ہے اُس پر نظر کرو جن کے ساتھ کسی قسم کا اختلاط رکھنا ہی کفر سمجھا جاتا ہے - بڑے
بڑے مسلمانوں کی مسلمانی اُس وقت معلوم ہو جاتی ہے جبکہ کسی سٹریل انگریز کے ساتھ
کچھ تعلق ہو جاتا ہے - اُن کی خوشامد - چاپلوسی - عاجزانہ بات چیت پر اسلام کا نور
چمکتا ہے - اور اگر کسی سے دوستی ہو گئی تب تو اُس مسلمان کی قدر و وقت کی اور اپنے
فخر و ناز کی کوئی حد باقی نہیں رہتی - چنانچہ مجھے یاد ہے کہ جب شاہزادہ ایڈنبرا کو کانپور
میں ایڈریس دیا گیا تھا تو ہمارے ایک مولنا قبلہ نے اُسے نہایت خوشی سے پیش
کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ ایسے مہمان کے قدم ہمارے سر پر ہماری آنکھوں پر - اُس وقت
اس کہنے پر اسلام نے ضرور اُن کا مونھ جنت کی شکر سے بھر دیا ہوگا - باقی رہی عام
دوستی انگریزوں سے وہ ظاہر ہے کہ اُس کا سبب نہ مسلمانوں کا اسلام ہے بلکہ اُن کی
ذلیل حالت کہ انگریز اُن کو دوستی کے لایق ہی نہیں جانتے ورنہ مسلمان اپنی طرف سے
ہر طرح کی خدمت کرنے کو حاضر ہیں چہ جائیکہ دوستی و محبت - وہ خداوند کہنے پر مستعد
ہیں - ہاتھ جوڑنے کو موجود ہیں - رکوع کرنے اور قدموں کے چومنے تک کو تیار ہیں
کیوں جناب کاشف الغطا اور کشاف حقیقت - ان حالات پر نظر کرکے بینی و بین اللہ
یہ فرما دیجیے کہ یہی اصلی اسلام ہے اور کیا ایسے ہی لوگ مسلمان ہوتے ہیں اور ایسے ہی
اسلام کو آپ قایم رکھنا چاہتے ہیں اور اسی سے مسلمانوں کی عزت کی توقع ہے - حاشا ثم حاشا
یہ وہ باتیں ہیں کہ مسلمان نہ شنود کافر مبیناد -

پس ہمارے پرچہ تہذیب الاخلاق کا قصور ہے تو یہ ہے کہ وہ سچائی سکھاتا ہے اور
دل اور ظاہر کو یکساں رکھنے کی نصیحت کرتا ہے - ہاں کافر مسلمان بننے کو منع کرتا ہے -

بڑا بھاری کفر جو آپ سے اُٹھائے بھی نہیں اُٹھتا وہ کہا ہے انگریزوں کے ساتھ
کھانا - سو اول تو آپ اُن اصحاب رسول کو کافر بتایئے جنہوں نے بیت المقدس کے

گرجے میں عیسائیوں کی دعوت کھائی ہے۔ پھر اُن مسلمان مخرِ اسلام بادشاہوں کی
تکفیر کیجئے جنہوں نے صیدا اور دمشق کے عیسائی امیروں کو اپنے ساتھ کھلایا تھا پھر
اُن تمام مسلمان ترکوں پر لعنت کیجئے جو روز مرغیاں چٹ فرماتے ہیں اور اُن خلیفۃ اللہ
ظل اللہ کو جن کا خطبہ مکہ کے اونچے ممبر پر صبح شام پڑھا جاتا ہے کرسٹان بتائیے
جو فرانس اور لنڈن اور آسٹریا کے بادشاہوں کے ساتھ ہم نوالہ اور ہم پیالہ رہتے
ہیں۔ جب ان سب کی تکفیر سے کچھ کفر بچے تو خیر بنارس اور مرزاپور بھی بھیجدیجئے مگر
مجھے تو اُمید نہیں ہے کہ کچھ بچے۔ کیونکہ کیا وہ لوگ محروم رہجاویں گے جو بت پرستوں کے
پگڑی بدل بھائی بن کر اُن کی جوٹھی پوریاں چٹ اور حلوائیوں کے مگد کے لڈو غٹ
فرمایا کرتے ہیں۔ اُن کے لیئے بھی تو کچھ آخر حصہ چاہیئے۔

اے حضرات ذرا گردن جھکائیے۔ کچھ تو انصاف کیجیے کہ کیا دل میں ہے اور کیا زبان پر
کہتے کیا ہو کرتے کیا ہو۔ حالت کیا ہے اور نصیحت کیا ہے۔ اتامرون الناس بالبرّ وتنسون
انفسکم وانتم تتلون الکتاب افلا تعقلون۔

مَیں اس وقت زیادہ لکھ نہیں سکتا۔ صرف محبت اور ارتباط پر اس مضمون کو ختم کرتا
ہوں۔ آیندہ انشاءاللہ چند عریضے اسی کے متعلق اَور لکھوں گا۔

اہل کتاب کے ساتھ کھانا

اہل سُنت کے اصول سے اہل کتاب کے ساتھ کھانے پینے کے جواز میں تو کچھ شُبہ
ہمکو نہ تھا نہ ہے۔ چنانچہ ہم اُسے بتفصیل لکھ چکے ہیں۔ مگر از رُوئے اصول مذہب امامیہ
کے ہم جانتے تھے کہ شاید جائز نہ ہو اس لیئے کہ اُن کے نزدیک غیر مسلم نجس ہے مگر
آج ہماری نظر سے ایک حدیث حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی جو تہذیب الاحکام
میں منقول ہے گذری۔ اُس سے معلوم ہوا کہ امام ممدوح نے بھی اُس کے جواز کا فتویٰ
دیا ہے اس لیئے ہم اُس حدیث کو نقل کرتے ہیں۔ اُمید ہے کہ حضرات شیعہ بھی اُسکے
جواز و اباحت میں کچھ شک نہ کرینگے۔

شیخ طوسی تہذیب حکام میں حسین بن سعید سے روایت کرتے ہیں کہ زکریہ ابن ابراہیم کہتے ہیں کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کی یا حضرت میں ایک آدمی اہل کتاب میں سے ہوں اور اب مسلمان ہوگیا ہوں مگر سب میرے گھر والے دین نصرانیت پر قائم ہیں اور میں اُن کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتا ہوں پس اُن کے کھانے میں سے میں کھاؤں یا نہیں۔ آپ نے پوچھا کہ وہ سُور کھاتے ہیں۔ میں نے کہا کہ نہیں لیکن شراب پیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اُن کے ساتھ کھا اور پی۔

اصل عبارت یہ ہے عن القاسم بن محمد عن معویتہ بن وھب عن عبدالرحمان بن حمزۃ عن زکریا بن ابراھیم قال دخلت علی ابی عبداللہ علیہ السلام فقلت انی رجل من اھل الکتاب وانی اسلمت وبقی اھلی کلھم علی النصرانیۃ وانا معھم فی بیت واحد لم افارقھم بعد فاکل من طعامھم فقال لی یاکلون لحم الخنزیر قلت لا ولکنھم یشربون الخمر فقال لی کل معھم واشرب انتھی ؀

مراسلہ مہدیؔ

عزیز من ماجد علی سلمک اللہ تعالے۔

خط تمہارا آیا۔ حال معلوم ہوا۔ میری کیفیت کیا پوچھتے ہو۔ عیاں راچہ بیاں۔

یک سینہ و صد ہزار شعلہ

یک دیدہ و صد ہزار باراں

تم نے پوچھا ہے کہ تہذیب الاخلاق میں مضمون لکھنا کیوں ترک کیا۔ کیا سید صاحب سے مخالفت کی یا کفر کے فتووں سے ڈر گئے۔ عزیز من۔ نہ میں سید صاحب سے مخالف ہوا نہ کفر کے فتووں سے ڈرا۔ بلکہ میرے سکوت کا اصلی سبب تم کو معلوم ہے کہ قطع نظر روحانی صدموں کے کئی مہینے سے ایسا بیمار رہوں کہ لکھنا پڑھنا دشوار ہے روزمرہ کا کام بھی بمشکل دوسروں کی مدد سے کرتا ہوں۔

عزیز من۔ سید صاحب سے مخالفت کا زمانہ گذر گیا۔ اب اس خیال کو جانے دو کہ پھر وہ زمانہ آوے گا۔ انا احمد واحمد انا۔ نحن روحان حللنا بدنا۔

کفر کے فتووں کا ڈر عاصیوں کو ہوگا جن کا ایمان برادری کے حقہ پانی پر ہے نہ اُن مردوں کو جو اسلام کی حقیقت ان کفر کے فتوے دینے والوں سے بھی زیادہ جانتے ہوں۔ وہ تو ان بادی کاغذوں پر جو کبھی مشرق سے مغرب کو اور کبھی مغرب سے مشرق کو اُڑتے پھرتے ہیں آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے اور پر مگس کے برابر بھی اُسکی وقعت نہیں سمجھتے۔ اُن کے نزدیک خدا نے اپنی جنت و دوزخ ان کفر کے فتوے دینے والوں کو ہبہ نہیں کر دی کہ جس کو چاہیں وہ جنت میں بھیجدیں جسے چاہیں کافر بنا کر دوزخ میں ڈالدیں۔

عزیز من۔ تم تاریخ سے ناواقف ہو۔ اگلے لوگوں کا حال تم نے نہیں پڑھا۔ ورنہ تم ان کفر کے فتووں پر تعجب نہ کرتے۔ یہ تو ایک پرانی رسم ہے کہ ہر مذہب میں اُسپر عملدرآمد رہا ہے اور مذہبی سرداروں نے اُسے اپنی وقعت و عزت کا ذریعہ ٹھہرا رکھا ہے تاکہ وہ پوجے جاویں اور خدا کے فرزند ٹھہریں۔ اور جو اُن کے آگے پیچھے سے نکلے وہ روح القدس کی آواز سمجھی جاوے۔ افسوس اُن ضعیف القلب وضعیف الایمان لوگوں پر جو اپنی دلی تصدیق پر اطمینان نہ رکھیں اور اُن کے دل ان ہوائی کاغذوں سے پتوں کی طرح اُڑتے پھریں۔

سنو میاں دُنیا میں جتنی نامور قومیں گذری ہیں۔ یا جو اب موجود ہیں اُن کی تاریخ اس پر شاہد ہے کہ جب کسی نے اپنے زمانہ کے لوگوں کے اوسط درجہ کے خیالات سے بڑھ کر کوئی بات زبان سے نکالی۔ یا ان کی معمولی سمجھ سے کچھ زیادہ کہا تو وہ مجنون اور دیوانہ ٹھہرا۔ اور اگر مونھ سے کوئی ایسی بات نکلی جو مخالف اُس زمانہ کے دینی خیالات اور مذہبی رسوم کے ہوئی گو وہ خیال اور رسم بالکل مذہب کے مخالف ہی ہو یا اُس سے مذہبی سرداروں کی عزت و شان میں کچھ فرق آیا تو وہ لامذہب اور کافر ہی سمجھا گیا۔ پھر یا جلا وطن کیا گیا یا مارا گیا یا زندہ جلایا گیا۔

دیکھو یونان میں سقراط کو زہر کا پیالہ کیوں پلایا گیا۔ اسی جرم میں کہ اُس نے بت پرستی کی برائی کی جسے اُس زمانہ کے لوگ اچھا جانتے تھے۔

جرہرٹ جب مسلمانوں کے مدرسہ سے معقولات سیکھکر اپنے مُلک میں گیا تو اپنی
قوم کے نزدیک کیوں کافر اور مرتد ٹھہرا۔ اسی قصور میں کہ وہ اُن علموں کو جاری کرنا
چاہتا تھا جسکی خوبی سے اُسکی قوم ناواقف تھی۔

کلمبس کیوں پاگل ٹھہرا۔ اسی لیئے کہ اُس نے وہ بات کہی جو کہ اُس زمانہ کے لوگوں
کی عقل اور سمجھ سے باہر تھی۔

ڈیوک تن نے جب بھاپ کے زور سے جہاز اور گاڑی چلانے کی نسبت اپنا خیال ظاہر
کیا تو وہ کیوں پاگل خانہ میں بھیجدیا گیا۔ اسی قصور میں کہ اس زمانہ کے اوسط درجہ کے
خیال سے اُس نے بڑھکر یہ بات کہی۔

دو جو بیکن کے کفر کا کیوں فتوے دیا گیا۔ اسی لیئے کہ وہ اُن مسائل سے مُنکر
تھا جسکو اُس زمانہ کے عالم حق اور سچ جانتے تھے۔

کوپرنیکس نے کیوں ہیأت کے صحیح مسائل کے اظہار پر جرأت نہ کی۔ اسی لیئے کہ
وہ پادریوں کی مخالفت سے خائف تھا۔

برونون حکیم کو روم کے پوپ نے کیوں زندہ جلادیا۔ اسی جرم میں کہ اُس نے زمین
کی گردش کا اقرار اور آسمان کے وجود جسمانی سے انکار کیا تھا۔ جس کو اُس زمانہ کے
پادری ہمارے وقت کے مولویوں کی طرح اپنی نادانی سے مخالف آسمانی کتاب کے
جانتے تھے۔

لوتھر کو کیوں شہر بشہر بھاگنا پڑا۔ اسی گناہ میں کہ پوپ کو نجات کے فرمان بھیجنے کا
مجاز نہ سمجھتا تھا۔

یہ چند نظیریں تو غیر قوموں کے نامور لوگوں کی ہیں۔ اب ہم اپنی ہی قوم اور
اور اپنے ہی مذہب کے نامور شخصوں کا حال بیان کرتے ہیں جن میں سے اب کوئی تفسیر
کا۔ اور کوئی حدیث کا۔ کوئی فقہ کا۔ کوئی اصول کا۔ کوئی کلام کا امام سمجھا جاتا ہے اور جنمیں سے
کسی کا خطاب ہے امام المفسرین اور کسی کا امام الفقہا اور کسی کا حجۃ الاسلام اور کسی کا کبریت احمر
اور کسی کا اکسیر اعظم۔ تاکہ معلوم ہو کہ ان بزرگواروں نے اپنے زمانہ کے لوگوں سے
کیسے صدمے اُٹھائے۔

عبداللہ ابن عباس پر لوگوں نے طعنہ کیا کہ یہ بے سمجھے بوجھے قرآن کی تفسیر

کیا کرتے ہیں۔
عبداللہ بن زبیر کے زیادہ نماز پڑھنے پر لوگوں نے کہا کہ یہ مکار اور منافق ہیں۔
سعد بن وقاص کا کوفہ کے جاہلوں نے شکوہ خلیفہ تک کیا کہ اُن کو نماز پڑھنی بھی نہیں آتی۔
حضرت علیؓ کو تو خارجیوں نے کافر ہی بنا دیا۔
امام زین العابدینؒ کی نسبت لوگوں نے کہا کہ یہ تو بُت پرستوں کی باتیں کرتے ہیں۔
امام ابو حنیفہؒ کی نسبت وہ باتیں لوگوں نے کہیں کہ جن کا نقل کرنا بھی بے ادبی ہے۔ بعضوں نے اُن کو جاہل ٹھہرایا۔ بعضوں نے بدعتی بنایا۔ بعضوں نے کُفر کی نسبت کی۔
امام شافعیؒ سے پاک امام کو بدذاتوں نے اضر من ابلیس کا خطاب دیا اور اُن کے مرنے کی دُعائیں کیں۔
علماء عراق اور مصر نے اُن پر یہاں تک تہمتیں لگائیں کہ یمن سے دارالسلام تک ایسی بے حرمتی اور بے عزتی سے قید کر کے بھیجے گئے کہ ہزاروں آدمی ملامت کرتے اور گالیاں دیتے جاتے تھے اور وہ اُن کے حلقہ میں سر جھکائے ہوئے تھے۔
امام مالکؒ کی مصیبت ہمارے دل کی تسلی کے لیئے کافی ہے کہ پچیس برس تک جمعہ وجماعت کے لیئے باہر نہ نکلے اور ایسی ذلت سے قید کیئے گئے کہ جس کے سُننے سے بدن پر رعشہ ہوتا ہے۔ اس بے دردی سے اُن کی مشکیں باندھی گئیں کہ ہاتھ بازو سے اکھڑ گیا۔ پھر اُونٹ پر سوار کرائے گئے اور کہا گیا کہ اُس مسئلہ کی صحت کا اقرار کردیں جسے وہ دل سے غلط جانتے تھے۔ آخر امام نے اونٹ پر کھڑے ہو کر کہا۔ کہ جو مجھے جانتا ہے وہ جانتا ہے۔ جو نہ جانتا ہو وہ جان لے کہ مالک انس کا بیٹا ہوں اور صاف کہتا ہوں طلاق المکرہ لیس بشئ۔ اسپر ستر کوڑے مارے گئے اور قید رکھے گئے۔
امام احمد حنبلؒ کی مصیبت سُنو کہ ۲۸ مہینے تک وہ قید میں رہے اور بیماری جاری رہی

زنجیریں اُن کے پاؤں میں ڈالی گئیں اور یہ ذلت اُن کو دی گئی کہ مجلسوں میں بلائے جاتے اور لوگ اُن کو طمانچے مارتے اور مونھ پر تھوکتے اور ہر شام کو جیل خانہ سے نکالے جاتے اور کوڑوں کی مار اُن پر پڑتی۔ اور یہ سزا اُس قصور کے بدلے میں تھی کہ وہ ایک غلط مسئلہ میں موافقت اُس زمانہ کے لوگوں کی نہ کرتے تھے۔ امام محمد بن اسمٰعیل بخاری وطن سے نکالے گئے۔ نسائی مسجد میں شہید کیئے گئے۔ بایزید بسطامی پر بھی جلاوطنی کا فتوےٰ دیا گیا۔ ذوالنون مصری مصر سے بغداد کو اِس صعوبت سے بھیجے گئے کہ پا بدست دگرے۔ دست بدست دگرے۔ اور ایک جماعت مولویوں کی اُن کے کُفر و زندقہ پر گواہی دینے کے لیئے ہمراہ گئی۔ سہیل بن عبداللہ تستری باین امامت مرتد ٹھہرے۔ ابوسعید خراز پر بھی کُفر کا فتوےٰ دیا ہی گیا۔ جنید بغدادی کو عالموں نے کافر کہکر اسقدر تنگ کیا کہ وہ مسائل توحید علانیہ زبان پر نہ لا سکے۔ محمد بن فضل بلخی باین جلالت اِس طور پر نکالے گئے کہ اُن کے گلے میں رسی تھی اور گلی کوچہ میں تشہیر کیئے جاتے۔ امام بن حسن رازی کو رے کے زاہدوں نے نکلوا ہی دیا۔ ابوعثمان مغربی بھی دربدر مارے پھرے۔ حضرت شبلی پر کُفر کا فتوےٰ دیا گیا اور اُن کے پاس کا بیٹھنا بھی ایک گناہ قرار دیا گیا۔ امام ابوبکر نابلسی کی باین علم و فضیلت مولویوں کے حکم سے کھال کھینچی گئی۔ ابن حبان باین تبحر و امامت زندیق قرار دیئے گئے۔ شیخ ابومدین بجرم زندقہ جلاوطن کیئے گئے۔ شیخ ابوالحسن شاذلی مغرب سے قید کرکے بگناہ زندقہ مصر کو بھیجے گئے۔ شیخ عزالدین بن عبدالسلام بھی کُفر کے فتوے سے نہ بچے۔ شیخ تاج الدین سبکی اباحیہ ٹھہرائے گئے۔ شیخ محی الدین ابن عربی اور شیخ نورالحسن اشعری اور امام حجۃ الاسلام غزالی رح کا کچھ بیان کرنا بے موقع نہ ہوگا۔ سب جانتے ہیں کہ شیخ محی الدین وہ شخص ہے جسکو امام الموحدین اور کبریت احمر اور اکسیر اعظم اور شیخ الطایفہ کہتے ہیں۔ اُسکی نسبت نہ فقط کُفر کا فتوےٰ ہوا بلکہ حضرت عالموں نے یہ فتوےٰ دیا کہ کفرہ اشد من کفر الیہود والنصارٰی کہ اُس کا کُفر یہود اور نصارٰی کے کُفر سے بڑھکر ہے۔ اور اِس پر بھی اُن ظالموں کو صبر نہ آیا بلکہ اُن کے تمام گروہ پر تکفیر کا فتوےٰ جاری کیا اور اُس پر بھی اُن کے دلوں کی آگ ٹھنڈی نہ ہوئی۔ بلکہ اُن کے کُفر میں شک کرنے والوں پر بھی کُفر کا فتوےٰ دیدیا اور صاف یہ لکھدیا کہ من لم یکفر طایفۃ ابن عربی کان لم یکفر الیہود

والنصاری ومن شک فی کفرہ ومن ھو مثلہ فھو کافر ومن شک فی کفرہ من شک فی کفرہ فھو کافر۔ شیخ ابوالحسن اشعری کی کیفیت ظاہر ہے کہ وہ سُنّیوں کے امام ہیں مگر اُن کو بھی یاروں نے الحاد کے الزام سے نہیں چھوڑا۔ اور کُفر کی نسبت اُن کی طرف کردی۔

امام غزالی کا حال سب جانتے ہیں کہ آج لقب اُن کا حجۃ الاسلام ہے مگر حضرت بھی اپنے زمانہ میں کافر ٹھہرائے گئے اور اُن کی کتابوں کا جلا دینا بلکہ اُن پر لعنت کرنا ثواب سمجھا گیا تھا۔ اس نامور امام کو کسی اُن کے دوست نے لکھا کہ تمہاری کتابوں پہ لوگ طعنہ کرتے ہیں اور خلاف سلف صالح کے عقاید کے جانتے ہیں۔ اُس کا انہوں نے ایک نہایت عمدہ جواب لکھا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اے یار عزیز۔ ان حاسدوں کی باتوں پر خیال نہ کر۔ اور اُن جاہلوں کی طعن و لعن سے کچھ رنجیدہ نہ ہو۔ اُن کی باتوں پہ صبر کر اور اُن کو بکنے دے استحقر من لا یحسد ولا یقذف واستقصر من بالکفر والضلال لا یعرف دلیل جان اُس آدمی کو جس کا لوگ حسد نہ کریں اور حقیر سمجھ اُس شخص کو جس کی طرف کُفر اور گمراہی کی نسبت نہ کیجاوے ایسے لوگوں کی صلاح کی اُمید نہ کر جو صرف حسد سے بُرا بھلا کہتے ہیں۔ اور ایسے جاہلوں کی بات نہ سُن جو تھوڑی سی مخالفت کو بھی اگلوں کی کُفر جانتے ہیں۔ اور اُن مفتیوں اور مولویوں کی باتوں پر کچھ خیال نہ کر جو ذرہ سی بات پر قد کفر قد کفر بکنے لگتے ہیں۔ کیا وہ فقہ کے پڑھ لینے اور نجاست کے ازالہ اور زعفران کے طلا کے مسئلے جان لینے سے کُفر و ایمان کی حقیقت سمجھ سکتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی طرف توجہ نہ کر اور اُن کی باتوں کے سُننے میں اپنی اوقات ضایع نہ کر اور اپنے دھندے کو نہ چھوڑ۔

ان بزرگوں کو جانے دو۔ ہندوستان کے بعض نامور شخصوں کو خیال کرو کہ اُن کو بھی یاروں نے نہ چھوڑا۔ حضرت شیخ احمد فاروقی نقشبندی کے کفر کا فتویٰ دیا گیا۔ مولانا ولی اللہ پر بھی بدعت و گمراہی کا الزام لگایا گیا۔ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل شہید فی سبیل اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تکفیر کا فتویٰ مکّہ کے مفتیوں سے یار لوگ لکھوا ہی لائے اور ایسے پاک شخص کے کافر ٹھہرانے میں دریغ نہ کیا۔ غرض کہ کوئی زمانہ ایسا نظر نہیں آتا کہ جس میں کوئی نامور اور مصلح ایسا گذرا ہو جس کی مخالفت لوگوں نے نہ کی ہو بلکہ

ہم تو ہر ایک نامور کو ایسا ہی دیکھتے ہیں کہ یاروں نے اُس کا حسد کیا ، دشمنوں نے اُس پر طعن کیئے - جاہلوں نے اُسکی ہنسی اُڑائی - حضرت مولویوں نے اُس کے کفر کے فتوے دیئے - ایک بھی تو اُن کے پنجۂ ظلم سے نہیں بچا - اور کوئی بھی تو تکفیر کے فتوے سے محفوظ نہیں رہا - پھر اِس زمانہ کے مولویوں سے کافر کہنے کی اگر کوئی شکایت کرے - تو وہ نادان ہے یہ تو اُن کی معمولی عادت اور پرانی سنت ہے ولا تجد لسنتهم تبديلا -

ایک زمانہ میں حضرات فقہا نے تکفیر کی یہ شدت کردی کہ ذرہ ذرہ سی بات پر کفر کے فتوے دیدیئے اور ایک ادنیٰ فروعی مسئلہ کی مخالفت پر مسلمانوں کو قتل کرایا - صدہا مسلمان ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے پر کافر ٹھہرے اور بہت سے ایمان دار گردن اور کان کے مسح نہ کرنے پر مارے گئے خلق قرآن کے مسئلہ نے مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہادیں - خلافت و امامت کی بحث میں شہر کے شہر ویران کردیئے - پس ہمارے زمانہ میں شیطان کے وجود خارجی اور آسمان کے وجود فرضی کے انکار پر اگر کفر کے فتوے ہوئے - تو کوئی نئی بات نہیں ہے -

گھائل تیری نظر کا بنوع دگر ہر ایک
زخمی کچھ ایک بندۂ درگاہ نہیں

عزیز من سنو - ایمان ایک نور ہے - جو خدا دل میں پیدا کرتا ہے - وہ نور خود آدمی کو اپنے ایمان کی حقیقت سے واقف کر دیتا ہے - اُس کی تصدیق قلبی دوسروں کی شہادت کی محتاج نہیں رہتی - نہ کسی کی تکفیر سے اُسمیں خلل و زلل ہوتا ہے -

ومن يك وجده وجداً صحيحاً ۔ فلم يحتج الى قول المغني
له من ذاته طرب قديم ۔ وسكر دايم من غير دن

امام ابو حنیفہؒ سے یوسف بن خالد نے وتر کا مسئلہ پوچھا - امام نے کہا کہ واجب ہے اُس فقیہہ نے کہا کہ کفرت یا ابا حنیفة کہ اے ابو حنیفہ تم کافر ہو گئے - بجواب اُس کے امام نے فرمایا کہ ايهولني اكفارك اياي وانا اعرف الفرق بين الواجب والفرض - کہ کیا تیرے کافر کہنے نے مجھے ڈرا دیا حالانکہ میں واجب و فرض کا فرق جانتا ہوں - پس کیا کافر کہنا ہمارے زمانہ کے لوگوں کا اُن کو ڈرا دیگا جو کفر و ایمان کی حقیقت جانتے اور حق و باطل میں تمیز کر سکتے ہیں -

عزیز من میں آج تک کفر کے فتوے کو نہیں سمجھتا کہ یہ کیا ہے۔ آیا کوئی نوشتہ خدا کا ہے جو جبریل امین لائے ہیں یا جہنم کے داروغہ کے نام کا وارنٹ ہے جو مولوی صاحبوں نے فرمایا ہے۔ آخر یہ کیا بلا ہے غایۃ ما فی الباب وہ ایک عالم یا چند عالموں کی رائے ہے۔ اُسکی ہمارے نزدیک اُسی قدر وقعت ہے جس قدر کہ حدیث موضوع اور بے سند کی شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے نزدیک تھی یعنی گوز شتر۔ میں نہیں خیال کر سکتا کہ کوئی شخص یہ سمجھتا ہو کہ کسی آدمی کے کہہ دینے سے گو وہ مکہ کا مفتی ہی ہو کوئی مسلمان کافر ہو جاوے گا یا خدا اُس کے فتوے پر دوزخ میں بھیج دے گا۔ ہاں یہ سچ ہے کہ تقلیدی مسلمان جن کو انسان کہنا بھی زیبا نہیں اور جن کی شان کالانعام بل ھم اضل ہے وہ ان خوفناک کاغذوں کو دیکھ کر ڈر جاوینگے اور ایک کالے کاغذوں کو وحی آسمانی سمجھ کر کافر کہنے لگیں گے۔ اس سے زیادہ کوئی اَور نتیجہ ان فتووں کا نہیں ہے۔

لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْن

اخبار نور الانوار میں میری نسبت ایک بزرگ نے یہ مشتہر فرمایا ہے کہ وقت آنے حیدرآباد کے میں اُن سے ملنے گیا اور انہوں نے پوچھا کہ حیدرآباد سے بھی شغل تحریر بحر یہ کا رہیگا بجواب اُس کے میں نے کہا کہ ہر روز سے زیادہ ہوا کہ میں نے اس تحریر کو ترک کر دیا ہے اور یہ تحریر میری حسب ظاہر کے تھی ورنہ باطن میرا وہ ہے جو اہل اسلام کا ہے"۔ یہ تحریر حضرت کی سراسر جھوٹ اور محض تہمت ہے سبحانک ھذا بہتان عظیم۔ چند روز پیشتر لوگوں نے ایسی ہی بیہودہ خبریں اُڑائی تھیں اور میرے خاص دوستوں نے بھی مجھ سے استفسار کیا تھا۔ میں نے بجواب خط عزیزی حامد علی کے اصلی کیفیت اپنی مشتہر کر دی تھی۔ اب حیدرآباد آنے سے پھر منافق مسلمانوں کو یہ خیال شاید ہوا ہو اور اُن کو اپنے غلط خیال کے موافق گمان تبدیلی خیالات اور وضع کا میری نسبت پیدا ہوا ہو مگر میرے مذہبی خیالات اور دلی ولولوں میں کچھ فرق نہیں ہوا

مسلمانوں کے مذہبی اوہام کی غلطیاں ظاہر کرنے اور اُن میں تہذیب و شائستگی پھیلانے
کا خیال جیسا تھا ویسا ہی ہے ۔

اُنھیں خوئے دل آزاری جو آگے تھی وہ اب بھی ہے
وفا کی ہمکو بیماری جو آگے تھی وہ اب بھی ہے

میں نے نہ اپنے اعتقاد کو بدلا ۔ نہ اپنے خیال کو نہ اپنی وضع کو نہ اپنے لباس کو نہ اپنی
طرز معاشرت کو اور انشاء العزیز۔

تا ز میخانہ و مے نام و نشان خواہد بود
سر ما خاک رہ پیر مغاں خواہد بود
حلقۂ پیر مغانم ز ازل در گوش است
ما ہمانیم کہ بودیم وہماں خواہد بود

مولوی محمد علی صاحب کی تحریروں کی تاثیر بھی میری توبہ کی ایک خیالی وجہ
قرار دی گئی ہے مگر میں سچ کہتا ہوں اور سراسر سچ کہتا ہوں کہ اُن کی اکثر تحریرات کا اثر
اگر کسی کے دل پر ہو سکتا ہے تو اتنا ہے کہ اسلام شہرت بازی اور ظلم اور فساد اور بداخلاقیوں
کا ذریعہ اور جھوٹی کہانیوں اور بیہودہ خبروں اور عقل و حقیقت کی مخالف باتوں کا ایک مجموعہ
ہے نہ اسلام سے دنیوی برکتیں ہوئیں نہ بنی نوع انسان کی معاشرت اور اخلاق میں اُس سے
اصلاح ہوئی ۔ حق یہ ہے کہ مولانا صاحب پادریوں پر احسان کر رہے ہیں اور اُنکو اسلام
کی غلط بُرائیوں کے ظاہر کرنے اور اُسکی اصلی خوبیوں کے چھپانے میں مدد دے رہے
ہیں ۔ جو سیاہی موجودہ اسلام کے چہرہ سے دُور کی جاتی ہے مولوی صاحب اُسے
پھر لگا دیتے ہیں ۔ اور جو الزام مُسلمانی مذہب سے دُور کیا جاتا ہے مولانا صاحب
اُسی کو پھر جما دیتے ہیں پس جبکہ میرے نزدیک مولانا صاحب کا دل و دماغ ایسا ہو اور
میرے دل پر اُن کی تحریرات کا ایسا اثر ہوتا ہو تو اُس سے مجھے کیا ہدایت ہو سکتی ہے
ہاں اُن کی تحریرات سے کبھی کبھی طالب علموں کی کج بحثیوں کا مزہ آجاتا ہے ۔ یا
ضریری و مصباح پڑھنے والوں کے لفظی مباحثوں کی تصویر آنکھوں کے سامنے
پھر جاتی ہے وگرہیچ ۔ اس وقت مجھے ایک حکایت منظوم یاد آئی ہے کہ شائقین
کے نذر کرتا ہوں ۔ سُننے والے اُسے میری زبان سے سُنیں اور داد دیں ۔

عارفے از کوہ بصحرا گذشت
دید عزازیل بدامان دشت

دل زغم و وسوسہ پرداختہ
دیدہ زنیرنگ تہی ساختہ

گفت بدو عارف صحرا نورد
کز چہ دریں بادیہ ہرزہ گرد

طبع تو آسودہ ز وسواس چیست
ایں قدرت کندی الماس چیست

کار تو در صومعہ و خانقاہ
باز چرا ماندہ از کارگاہ

تفرقہ بخش صف طاعت نہٗ
رخنہ گر سلک جماعت نہٗ

در صف اصحاب نہیب تو کو
جادوئے جبریل فریب تو کو

شعبدہ انگیزی خوبیت کجاست
خوئے بدِ عمر بدہ جوبیت کجاست

رہزن دوران بدل بدسگال
طنز کناں داد جواب سوال

کز برکات عُلمائے زمان
فارغم از کشمکش این و آن

داشت مرا باز ازیں جد و جہد
حیلہ گریہائے فقیہان عہد

یک تن ازیں طائفہ بوالہوس
از پئے گمراہی کونین بس

اَب مَیں اپنے دوستوں اور یاروں کی خدمت میں صاف صاف عرض کرتا ہوں۔ کہ اگر کوئی میری نسبت ایسی لغو اور بیہودہ اور جھوٹی خبریں اُڑاوے اُسے غلط اور تہمت سمجھیں۔ اور ناصحین دلسوز کی حضور میں بھی یہ التماس ہے کہ آیندہ نصیحت سے معاف فرماویں اور اپنا اور میرا وقت ضایع نہ کریں۔

من ترک عشقبازی و ساغر نمیکنم
صد بار توبہ کردم و دیگر نمیکنم
شیخم بہ طنز گفت حرام است مے مخور
گفتم مگو کہ گوش بہ ہر خر نمیکنم
تقصیر ایں ہمیں است کہ چوں زاہدان شہر
ناز و کرشمہ بر سر منبر نمیکنم

کتاب الرحلت

الموسوم

بالواسطۃ الیٰ معرفۃ مالطا وکشف المخبا عن فنون یورپا

یہ کتاب جیسا کہ اُس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے ایک سفرنامہ ہے جس میں جزیرہ مالٹا کا حال اور یورپ کے علوم و فنون کی کیفیت لکھی ہے ۔ لکھنے والا اُسکا ابو العباس شیخ احمد افندی ہے جس کا گھر غالباً ٹونس میں ہے وہ مصاحب سید حسین امیر الامراء پریسیڈنٹ مجلس انتظامیہ ٹونس کا تھا ۔ جب یہ سید الامراء فرانس کی سیر کو گیا اور پیرس دار السلطنت فرانس میں وہاں کے حالات دریافت کرنے کے لیئے ٹھہرا تب یہ شیخ بھی سفر کو نکلا اور مالٹا اور لنڈن اور پیرس وغیرہ یورپ کے شہروں میں برس تک سیاحت کرتا رہا اور توریت کے ترجمہ کرنے کی خواہش سے بہت دنوں تک ڈاکٹر لی کے ساتھ کیمبرج میں رہا ۔ اس شیخ نے اپنے زمانہ سیاحت میں یورپ کے حالات اور وہاں کے علوم و فنون اور لوگوں کے چال و چلن اور امیروں کے گذر کرنے کے طور و طریقوں کی ایسی تحقیقات کی جیسا کہ کوئی طالب علم علوم کی تحقیقات کرتا ہو اور بوجہ اپنی عزت اور وقعت کے اُسے ایسا موقع بھی ملا کہ وہ یورپ کے امیروں کا بلکہ نوابوں کا مہمان ہوا اور اُن کے عام اور خاص سرکاری جلسوں میں شریک ہوسکا اور اُن کے اخلاق اور عادات اور خیالات سے بخوبی واقفیت حاصل کی ۔ پھر یورپ کے مدرسوں اور بڑی بڑی یونیورسٹیوں اور دیگر کارخانوں میں بھی اُن کے حالات تحقیق کرنے کے لیئے گیا اور وہاں مدتوں رہ کر اُن کے اصول و فروع سے واقف ہوا ۔ بعد اس کامل تجربہ کے اور اعلیٰ درجہ کی تحقیقات کے اس نامور عالم نے یہ کتاب لکھی ہے ۔ اس کتاب کے

[1] یہ مضمون حصہ دوم کے متعلق تھا ۔ سہواً غلطی سے حصہ سوم میں درج کیا گیا ۔ ۱۲

دیکھنے سے ہمکو رنج بھی ہوا اور خوشی بھی رنج تو اس بات کا ہوا کہ جو عادتیں اور خراب خصلتیں ہم ہندوستان کے مسلمانوں میں ہی معلوم ہوتا ہے کہ وہی ہو بہو اُن ملکوں کے مسلمانوں میں بھی ہیں جہاں اس وقت اُن کی سلطنت قایم و برقرار ہے - اور خوشی اس خیال سے ہوئی کہ اُن ملکوں کے رہنے والے مسلمان بھی خواب غفلت سے جاگنے لگے ہیں اور بعض شخص اپنی قوم کی بھلائی پر آمادہ ہوئے ہیں اور ایک تربیت یافتہ قوم سے اپنی جہالت کو مقابلہ کرکے اُس کے دُور کرنے کی تدبیریں کرتے ہیں سٹنبول اور مصر کے حالات تو اخباروں اور سیاحوں کی زبانی ہم سنا کرتے ہیں اور جو ترقیاں وہاں کے مسلمان کر رہے ہیں اُس کی کچھ کچھ کیفیت بھی معلوم ہوتی رہتی ہے مگر تونس کے نام سے بہت کم مسلمان واقف تھے اب دو کتابوں کی بدولت جو ہمنے پائیں ہمکو نہ صرف تونس کے نام سے واقفیت ہوئی بلکہ وہاں کے وزیر اور امیر کے عمدہ حالات بھی ہمکو معلوم ہوگئے اور جو اسباب مسلمانوں کے تنزل اور ادبار کے ہمارے ذہن میں تھے اُسکی تائید ہوئی اور جو غلط خیال اور بیہودہ اوہام مسلمانوں کے دلوں میں سما رہے ہیں اور جن کو ہم چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے دلوں سے نکلیں اُس میں ہمکو اُن سے مدد ملی - اُن دو کتابوں میں سے ایک کتاب اقوام المسالک ہے جو امیر الامرا سید خیر الدین وزیر تونس نے لکھی ہے اور جو جناب خلیفہ سید محمد حسن صاحب وزیر اعظم پٹیالہ کی عالی ہمتی سے اُردو میں ترجمہ ہوکر چھپ رہی ہے اور دوسری یہ کتاب ہے جس کا اب ہم کچھ انتخاب لکھتے ہیں - یہ کتاب عربی زبان میں لکھی گئی ہے جس کی عبارت نہایت فصیح اور مسجع ہے وہ جس سے قابلیت اور اعلیٰ درجہ کی استعداد علم معانی و بیان میں اُس کے لکھنے والے کی ظاہر ہوتی ہے - الفاظ قلیل مطلب کثیر - اور مبالغہ اور فضولی سے معرا - بہت کم کتابیں عربی کی مثل اس کے تالیف ہوئی ہوں گی - اس کتاب کا وہ حصہ نہایت دلچسپ اور پڑھنے کے لایق ہے جہاں مولف نے انگریزوں کے اخلاق و عادات کا تذکرہ کیا ہے اور اپنے ملک کے لوگوں سے اُس کا مقابلہ کرکے اپنے ملک کی حالت پر افسوس کیا ہے -

مولف نے اس کتاب کو سنہ ۱۲۷۹ ہجری میں تمام کیا اور سنہ ۱۲۸۳ ہجری میں مطبع تونس میں چھاپی گئی - اُس کے دو حصے ہیں - ایک حصہ ٦٦ صفحہ کا ہے جس میں فقط انشا کا بیان ہے - دوسرا حصہ ۳۲۰ صفحہ میں ہے - جس میں یورپ کے علوم و فنون اور وہاں کے

مختلف حالات کا ذکر ہے۔

اس کتاب کو شیخ موصوف نے اس غرض سے لکھا ہے کہ مسلمانوں کو یورپ کے حالات اور اہل یورپ کے خیالات سے واقفیت ہو تاکہ وہ جانیں کہ اُن میں اور اہل یورپ میں کس قدر فرق ہے۔ کیا بلحاظ علوم وفنون کے اور کیا بنظر اخلاق اور عادات کے۔ بعد تالیف کے یہ کتاب امیر الامرا سید خیر الدین وزیر ٹونس کی حضور میں پیش کی گئی۔ وزیر موصوف نے (جو کہ ایک نامی عالم اور بڑا مدبر اور منتظم اور مسلمانوں میں ایک مشہور امیر ہے۔ اور جس نے خود ایک عمدہ کتاب اقوام المسالک اسی قسم کی لکھی ہے۔) جب اس کتاب کو دیکھا تو مؤلف کی بڑی قدر کی اور ایک عمدہ خلعت سے اُس کا دل خوش کیا جس میں ایک بیش قیمتی ہیرے کی ایسی انگوٹھی تھی جو بادشاہوں کے لائق ہو۔ اس کتاب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے اپنی نہایت سچی رائے بہ نسبت یورپ و وہاں کے علوم وفنون اور طریق تمدن کے ظاہر کی ہے اور جو خیال اُس کا بہ نسبت کسی چیز کے بُرائی بھلائی کے گذرا اُسے ویسا ہی ٹھیک ٹھیک بیان کر دیا ہے۔ بناوٹ یا تکلف کو ذرا بھی دخل نہیں دیا۔ شیخ موصوف اپنی کتاب کے صفحہ ۳ میں لکھتا ہے کہ خدا جانتا ہے کہ باوجودیکہ میں نے یورپ کے شہروں میں کثرت سے عجیب وغریب چیزیں دیکھیں اور بہت سے دل کے بہلانے والے اور جی کے خوش کرنے والے مشغلے پائے مگر میں ہمیشہ غمگین اور منغص رہا۔ کوئی جلسہ خوشی کا میں نے نہ دیکھا جس میں مجھے رنج نہ ہوا ہو۔ اور کوئی خوبی اور عمدگی میری نظر کے سامنے نہ آئی جس نے میرے دل کو نہ دکھایا ہو۔ کیونکہ جب میں وہاں ایسی نعمتیں دیکھتا اور ایسی عزت اور خوشی کے سامانوں پر نظر کرتا اور وہاں کے طرز معاشرت اور طریق تمدن پر خیال کرتا تو رنج اس بات کا ہوتا کہ ہائے ہم مسلمانوں کے شہر ان باتوں سے خالی ہیں۔ نہ ہمارے شہروں میں یہ سامان ہیں نہ ہم لوگوں کے ایسے عمدہ چال وچلن ہیں۔ نہ کسی علم وفن میں ہماری شہرت ہے۔ مگر ہاں ایک بات سے کچھ دل کو تسلی ہوئی کہ ہمارے ملک کے لوگ خوش اخلاق اور سخی ہیں خصوصاً اپنی عورتوں کی نسبت بڑی غیرت رکھتے ہیں مگر جب پھر میں یورپ کے

۱؎ یہ شخص تو کوئی دوسرا سید احمد ہے۔ ۱۲

شہروں کے انتظام اور وہاں کے رہنے والوں کی زندگی بسر کرنے کے سامان اور اُن کی عزت اور شہرت اور صنعتوں اور مفید کاموں پر خیال کرتا تو پھر مجھے پریشانی ہوتی اور حسرت میرے دل کو گھیر لیتی اور یہی حال میرے دوست امیر الامرا سید حسین پریسیڈنٹ مجلس انتظامیہ ٹونس کا تھا۔ مگر شکر خدا کا ہے کہ اُنھوں نے مدتوں پیرس میں رہکر واقفیت حاصل کی اور پھر شہر ٹونس میں جا کر یہاں کے انتظام جاری کیئے مگر مجھ سے کیا ہو سکتا ہے سوائے اس کے کہ میں اس کتاب کو لکھتا ہوں تاکہ آور مسلمان برانگیختہ ہوں اور اُن کو طریق تمدن و حسن معاشرت میں ترقی کرنے کی فکر ہو۔

اِس کتاب کے پہلے حصہ میں مالٹا کا بیان ہے اور وہ اس خوبی سے لکھا گیا ہے کہ ایک اچھے جغرافیہ نویس کے شایاں ہو۔ یہ حصہ اس قابل ہے کہ ہم مسلمان اُس کو کسی شہر یا کسی مُلک کے حالات لکھنے کے لیئے نمونہ ٹھہرالیں۔ ہم اِس وقت اُس کا انتخاب نہیں لکھ سکتے مگر دوسرے حصہ سے کچھ باتیں منتخب کرتے ہیں۔

دوسرے حصہ میں مؤلف نے اپنے سفر کا حال لکھا ہے جو کہ ۱۸۴۸ء میں اُس نے مالٹا سے کیا۔ مالٹا سے لنڈن میں پہونچنے تک جو سیر اُس نے دیکھی اور جو واقعات اُسکی آنکھ سے گذرے اُن سب کو لکھا ہے۔ اور جن شہروں اور قلعوں اور نہروں اور دریاؤں کا ذکر کیا ہے اُن کی مختصر تاریخ بھی نہایت خوبی سے بیان کی ہے۔ بعد اس کے چند صفحوں میں اس کتاب کے لنڈن کے حالات اور اُس کی پرانی تاریخ اور حال کی آبادی اور ترقی کا ذکر ہے پھر انگلستان کے چند دیہات کی کیفیت لکھی ہے جہاں اس شیخ کو جانے کا اتفاق ہوا مگر معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے اُن دیہات میں کوئی عمدگی اور خوبی نہیں پائی کیونکہ بلاد شام کے دیہات سے اُن کو کچھ فوقیت نہیں دی بلکہ اپنی تکلیف کا جو کھانا نہ ملنے سے ہوئی اُن دیہات کی نسبت بُری رائے دی ہے۔

دیہات کی پیداوار اور بونے جوتنے کے طریقوں اور غلہ اور ترکاری اور میوہ کی قسموں کو جو وہاں پیدا ہوتی ہیں اچھی طرح بیان کیا ہے اور نیز تعجب ظاہر کیا ہے کہ وہ جسم اور وزن میں ہمارے ملک سے زیادہ ہوتے ہیں اور وہاں کے پالتو جانوروں اور اُن کی فربہی اور جسامت کی بھی بہت تعریف کی ہے۔ پھر لنڈن کے سواد اور چراگاہوں اور سبزہ زاروں کا بیان کیا ہے اور فرانس کے سواد اور چراگاہوں سے اُن کو اچھا خیال کیا ہے اور اُسکے

ساتھ اُن کے محاصل اور آمدنی اور اخراجات اور مصارف کا بھی ذکر لکھا ہے لنڈن
اور اُس کے مقامات اور قریات کی خوبیوں میں سب سے زیادہ یہ خوبی بیان کی گئی ہے
کہ وہاں نہ سانپ ہے نہ بچھو۔ نہ گوہ نہ گیدڑ۔ نہ مچھر نہ پسو۔ اور اگر کہیں ہیں تو نہایت کم۔
پھر لنڈن کے مکانات اور عمارات اور اُسکی خوبیوں کا بیان کیا ہے۔ لکڑی کی صفائی
اور شیشوں کی چمک اور فرش فروش سے آراستگی کی خوبی کی زیادہ تعریف کی ہے بلکہ
ایک مقام پر لکھا ہے کہ مَیں ایک امیر کے ہاں مہمان ہوا۔ وہاں رفع ضرورت کے لیے
مجھے ایک مکان بتا دیا گیا۔ اُسکی زرنگار دیواروں اور آراستگی نے مجھے ایسا متحیر کیا کہ
میں سمجھا کہ یہ امیر شاید مجھ سے ہنسی کرتا ہے اور وہ اس طرز سے بنایا گیا تھا کہ مَیں اُس کے
کھولنے اور اندر جانے سے عاجز رہا۔ اس مقام پر لنڈن کی تعمیرات کی قدیمی تاریخ اور
حال کی نئی نئی ایجادوں کا حال بھی نہایت خوبی سے لکھا ہے صفحہ ۸۶ میں مؤلف نے
بڑی تعریف لنڈن کے رہنے والوں کی اس باب میں کی ہے کہ وہ اپنے مکانات کو نہایت
خوبی سے آراستہ کرتے ہیں یعنی اوّل تو جو ضروری چیزیں انسان کو چاہئیں وہ سب انکے
مکان میں ہوتی ہیں۔ دوسرے اُس ترتیب اور قرینہ سے سجائی اور لگائی جاتی ہیں کہ
جس سے زیادہ اچھا ہونا ممکن نہیں ہے بلکہ حق یہ ہے کہ ساری دنیا میں انگریزوں سے
بڑھکر اسکی لیاقت کسی میں نہیں ہے اور یہ ایک عادت ہے جو اُن کے خمیر میں ملی ہوئی ہے
دوسرا آدمی اُس کا برتاؤ کر نہیں سکتا نہ اُس طرح پر استعمال کرسکتا ہے اور چونکہ وہ اُسکے
عادی ہو رہے ہیں اس لیے بے ایسی ترتیب اور سجاوٹ کے وہ خوش نہیں رہ سکتے
اگر وہ لوگ مسلمانوں کے شہروں میں جاویں تو ایک دن بھی آرام اور خوشی سے نہ رہیں
اس کے بعد مؤلف لنڈن کے دریاؤں اور میناروں اور بحری نشانوں کا حال اور
اُن کی تاریخ اور تعداد اور اُن کے مصارف کا ذکر کرتا ہے اور ایسے موقع پر دنیا کی نہایت
عجیب عمارتوں کی کیفیت لکھتا ہے۔

صفحہ ۸۹ میں انگریزوں کی جسمانی طاقت اور اُن کی عمر کا تذکرہ ہے جس میں مؤلف نے
لکھا ہے کہ خاص انگلستان اور ویلز میں تین برس کے اندر ۲۶۶ آدمی ایسے مرے کہ جنکی
عمر سَو برس سے زیادہ تھی اور جن کے حواس بخوبی صحیح اور جن کی طاقت اچھی طرح باقی
تھی بلکہ ایک آدمی ایک سَو تیرہ برس کی عمر کا ہو کر مرا اور کبھی اپنی زندگی میں ایک دن کو

بھی بیمار نہ ہوا تھا اور ستر برس کی عمر تک تو اکثر آدمی انگلستان کے ایسے جوان رہتے ہیں کہ بڑھاپا اُن کی صورت پر معلوم نہیں ہوتا۔ اور سبب اس کا مؤلف نے یہ بیان کیا ہے کہ بڑے سبب بڑھاپے کے غم اور تکلیف اور خوف ہیں خصوصاً بے اطمینانی جو حاکموں اور عاملوں کی طرف سے ہوتی ہے جیسا کہ ہم مسلمانوں کی سلطنتوں میں ہے انگلستان میں اگر کسی کے پاس کروڑ روپیہ ہو تو اُسے نہ ملکہ کا خوف ہے نہ کسی حاکم کا بلکہ ملکہ اور حاکموں کو اُن کی دولت پر اور فخر ہوگا کیونکہ وہ اپنی رعیت کی دولت کو اپنی دولت اور اپنے ملک کی عزت جانتے ہیں۔ سوائے اس کے سامان خوشی کے اور جلسے عیش و طرب کے انگلستان میں اس قدر ہیں کہ ادنے ادنے آدمی دلی خوشی حاصل کر سکتا ہے خلاف ہمارے ملکوں کے کہ کوئی ایسا سامان نہیں اسی واسطے اکثر آدمی روکھے ترش رو کشیدہ خاطر ہوتے ہیں پھر لنڈن کے بہار کے موسم اور وہاں کے لوگوں کے کھیلوں اور وہاں کے میلوں اور لوگوں کے خوشی کرنے کا بیان کیا ہے اور برف کے گرنے اور دریاؤں کے جم جانے اور اس پر آدمیوں کے دوڑنے اور طرح طرح سے دل بہلانے والی باتوں کا ذکر ہے۔

صفحہ ۹۲ میں جہاں برف اور سردی کا بیان اس مؤلف نے کیا ہے وہاں ایک خوش طبعی بھی کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اگر یہاں کے رہنے والے مسلمان ہوتے تو جنت کی صفات سن کر اسکی تمنا نہ کرتے کیونکہ جب کوئی انسان برف اور سردی میں مبتلا ہو تو وہ کب اس مقام کی آرزو کریگا جہاں پانی بہتا ہو اور گھنے سایہ دار درخت ہوں اور ٹھنڈی ہوا چلتی ہو۔ ہاں وہ جب خوش ہوتے اگر جنت کی تعریف یوں ہوتی کہ اُس میں خوب آگ روشن ہے۔ اچھے اچھے آتشدان بنے ہوئے ہیں۔ بڑے بڑے ڈھیر جلانے کی لکڑیوں کے لگے ہوئے ہیں۔ نہ کبھی وہاں کی آگ بجھتی ہے نہ آتش خانے سرد ہوتے ہیں پس تاپو جہاں تک تاپا جاوے اور گرم ہو جہاں تک گرم ہوا جاوے۔

پھر چند صفحوں میں انگلستان کی کانوں اور معدنیات کا حال اور اُن کی پرانی تاریخ کو بتفصیل بیان کیا ہے اور لکھتا ہے کہ کوئلہ اور لوہے کی کان اُن کے حق میں چاندی سونے کی کان سے زیادہ مفید ہے اور انگلستان کی دولت کی ترقی کا بڑا ذریعہ ہے۔ چنانچہ صرف کوئلہ کی کان پر کام کرنے والے مزدور بیس ہزار سے زیادہ ہیں۔

پھر دخانی گاڑیوں اور آہنی سڑکوں کا بیان اور اُن کے تاریخی حالات اور اُنکے منافع اور فائدوں کا بیان کیا ہے اور یورپ میں جہاں جہاں یہ آہنی سڑکیں جاری ہیں اُن کی تفصیل لکھی ہے۔

صفحہ ۱۰۸ سے کچھ بیان عورتوں اور اُن کی ظاہری باطنی خوبیوں کا ہے اوّل تو مؤلف اُن کے حسن و جمال کی صفت کرتا ہے یہاں تک کہ وہ لکھتا ہے کہ اگر کوئی اُن عورتوں کو دیکھے جو خدمتگاری کرتی ہیں تو یہی خیال کرے کہ کوئی امیرزادی ہے۔ پھر اُن کی سادگی کی تعریف کرتا ہے کہ نہ وہ مہندی لگاتی ہیں نہ مسّی سُرمہ سے اپنے دانتوں اور آنکھوں کو سیاہ کرتی ہیں نہ رنگ برنگ کے نیلے پیلے کپڑے پہنتی ہیں بلکہ جیسا خدا نے بنادیا ہے ویسی ہی صورت رکھتی ہیں۔ سارا تکلف اُن کا بالوں کے گوندھنے اور کپڑوں کی تراش اور وضع میں ہے جو ہزار زیور اور جواہر سے زیادہ خوشنما ہوتا ہے پھر مؤلف اُن عورتوں کی قناعت اور اپنے مردوں کی فرمانبرداری اور خانگی انتظام کی تعریف کرتا ہے خصوصاً اُن کی اس خوش اخلاقی کی کہ اگر کوئی ادنیٰ تحفہ بھی اُن کو دیا جاتا ہے تو بہت خوشی سے قبول کرتی ہیں اور دینے والے کا زبان سے شکر ادا کرتی ہیں اور ایسے مقام پر وہ افسوس کرتا ہے کہ زبان سے شکر کرنے اور تھینک ادا کرنے کی عادت عرب اور مسلمانوں میں نہیں ہے اور اُن کا سکوت ایسے موقع پر جبکہ انگلستان کے لوگوں کے تھینک کہنے سے مقابلہ کیا جاوے تو نہایت ہی بُرا معلوم ہوتا ہے۔

انگلستان کی عوام عورتوں کی جہالت اور اُن کی فال و نجوم اور رمل و سحر وغیرہ پر اعتقاد رکھنے کی بڑی بُرائی بیان کرتا ہے اور ایسے جاہلانہ خیالات میں ایک ہزارہا عوام عورتوں کو پھنسا ہوا بیان کرتا ہے۔ صفحہ ۱۳۱ میں بیان کیا ہے کہ عورتیں قصبات اور دیہات کی اکثر پاکدامن اور صاحب عصمت ہوتی ہیں اور وہ بہ نسبت شہریوں کے زیادہ خوش رہتی ہیں۔ مگر کیا دیہات اور کیا شہر دونوں جگہ عورتوں میں عصمت و عفت کا بڑا خیال ہے اور وہ بہ نسبت فرانس کی عورتوں کے زیادہ باوفا اور صاحب عصمت اور حاضر و غایب یکساں رہتی ہیں۔

صفحہ ۱۴۱ میں مؤلف نے لکھا ہے کہ اکثر دیہاتی مرد و عورت جاہل اور بے پڑھے ہوتے ہیں یہاں تک کہ ۱۸۵۵ء میں اکتیس لکھ پچاس ہزار چار سو ستر آدمیوں کا نکاح

سوا جس میں سے فی صدی چالیس عورتیں ایسی تھیں کہ وہ اپنا نام لکھنا نہ جانتی تھیں اور جنہوں نے بجائے نام کے رجسٹر میں صلیب کا نقش کر دیا اور فی صدی ۹ مرد بھی ایسے ہی تھے اور باقی جنہوں نے اپنے نام لکھے اُن میں سے دو تہائی ایسے تھے کہ جن کو پڑھنا لکھنا کہنا شایاں نہیں[1]

پھر صفحہ ۱۵ میں مؤلف نے شریف عورتوں کی خوبیوں اور اُن کے انتظام خانہ داری کی صفت بیان کی ہے یہاں تک کہ وہ لکھتا ہے کہ حق یہ ہے کہ جس نے کسی انگلستان کی عورت سے شادی کر لی اُس نے سارا عیش پا لیا اور سب رنجوں سے چھوٹ گیا۔ یہ ضرور نہیں کہ وہ زیادہ مالدار اور صاحب دولت ہی ہو تب خوش رہے بلکہ تھوڑی سی آمدنی میں عورتیں اپنی لیاقت سے ایسا انتظام کرتی ہیں کہ گھر بھی پاکیزہ اور صاف اور ستھرا رہتا ہے اور ساری ضروری چیزیں بھی مہیا کر لی جاتی ہیں۔ کفایت شعاری سے خرچ بھی کیا جاتا ہے۔ آمدنی پر بھی ہمیشہ نگاہ رہتی ہے اور اپنی عزت اور غیرت کا تو خیال کسی وقت نہیں جاتا۔ یہ سب عورتوں کی خوش انتظامی کا نتیجہ ہے۔ اس کے بعد مؤلف نے انگریزوں کے اخلاق کا ذکر کیا ہے اور وہاں کے لوگوں کو پانچ طبقوں پر تقسیم کیا ہے۔ پہلے طبقہ میں ڈیوک اور لارڈ اور خاندانی امیروں کو داخل کیا ہے دوسرے طبقہ میں اُن رئیسوں کو شمار کیا ہے جو موروثی جائیداد رکھتے ہیں نہ صرف اپنی ذاتی تجارت سے بلکہ خاندانی عزت سے ممتاز ہیں تیسرے طبقہ میں اُن لوگوں کو داخل کیا ہے جو کہ بحیثیت سرکاری یا مذہبی کاموں کے اعلےٰ رتبہ رکھتے ہیں۔ چوتھے میں معزز و ممتاز تاجروں اور نوکری پیشوں وغیرہ کو شمار کیا ہے۔ پانچویں میں باقی عام تجارت کرنیوالوں اور اہل حرفہ اور عملوں وغیرہ کو لکھا ہے۔

مؤلف لکھتا ہے کہ پہلے طبقہ کی عادتیں کسی طبقہ سے کچھ مناسبت نہیں رکھتیں اور عوام کے طبقہ سے تو اسقدر کلی مباینت ہے کہ خیال میں نہیں آ سکتا کہ یہ دونوں طبقے ایک ہی قوم اور ایک ہی ملک کے ہیں لیکن قومی محبت اور ملکی فخر کا جوش سب کے دلوں میں یکساں ہے۔

---

[1] یہ حال اٹھارہ برس پیشتر کا تھا اب اس عام تعلیم میں بہت ترقی ہو گئی ہے۔

مؤلف نے طبقہ آخر کی بے مروتی اور خودغرضی کی نہایت شکایت کی ہے۔ مگر طبقہ اعلیٰ کے اخلاق و عادات اور عالی دماغی اور بلند نظری اور تواضع کی اس درجہ ثنا و صفت کی ہے کہ انسانوں کے طبقہ سے بھی اُن کو بڑھا دیا ہے۔

صفحہ ۱۴۵ سے مؤلف نے عام اخلاق اور عادات اور ملنے جلنے کا طریق بیان کرنا شروع کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ جب کوئی کسی سے بات چیت کرتا ہے تو نہایت نرمی سے کرتا ہے کچھ خشونت اُسکی آواز میں نہیں پائی جاتی اور عورتوں کی آواز میں تو خاص ایک قسم کی نرمی ہوتی ہے۔ اگر غیظ و غضب میں بھی کسی سے خطاب کریں تب بھی سوائے (سر) کے اور کچھ نہیں کہتیں۔ خطوں میں بہت اختصار۔ القاب و آداب میں کرتی ہیں تھوڑے ہی سے فرق مغایرت اور مساوات اور محبت اور یکجہتی کے درجہ ظاہر کرتی ہیں۔ مثلاً عام القاب سر ہے اور جس سے کم شناسائی ہو اور لائق عزت کے ہو اُسے ڈیر سر لکھتی ہیں جس سے محبت ہو اُسے مائی ڈیر سر لکھتی ہیں۔ جس سے نہایت ہی ایک جہتی ہو اُسے ڈیر سید احمد لکھتی ہیں برخلاف ہم لوگوں کے کہ کسی سے جان پہچان ہو یا نہ ہو وہ القاب آداب لکھتے ہیں کہ جن کا پڑھنا مشکل ہوتا ہے۔ اسی طرح ملنے کے وقت بھی کچھ زیادہ آؤ بھگت نہیں کرتے اگر کسی سے ملاقات ہوئی۔ تو معمولی باتیں کر کے اور اپنا مطلب ظاہر کر کے ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں برخلاف ہم لوگوں کے کہ اگر پہلی ملاقات بھی نہ ہو تو بھی ایسی خوشی سے ملتے ہیں کہ گویا دونوں میں نہایت درجہ کی دوستی ہے۔ ملاقات کے وقت یہ امر خلاف آداب اور اخلاق کے سمجھا جاتا ہے کہ کوئی بضرورت کسی کا نام اور نسب اور وطن اور مقصد کا سوال کرے اور یہ سب عمدہ عادتیں انگریزوں نے صرف تعلیم اور تربیت کے ذریعہ سے حاصل کی ہیں۔

یہ بھی اُن کی عادت ہے کہ اگر کوئی کسی سے ملنے آوے اور اُس کے پاس کوئی عورت بیٹھی ہو تو وہ کبھی نہیں پوچھتے کہ یہ کون ہے۔ برخلاف ہم لوگوں کے کہ اگر ایسا موقعہ ہو تو پہلا سوال یہی کریں گے کہ یہ کون ہے کہاں سے آئی ہے تم سے کیونکر شناسائی ہوئی۔ یہ لوگ حاسد بھی نہیں ہوتے اور کسی کی امارت یا علم یا عزت پر حسد نہیں کرتے بلکہ اسپر فخر کرتے ہیں کہ کوئی شخص اُن کی قوم کا عالم یا امیر یا معزز ہو برخلاف ہمارے شہروں کے کہ ایک آدمی بھی ایسا نہ ملیگا جو حسد کی بیماری سے خالی ہو۔

پھر یہ بھی عُمدہ صفت اُن کی ہے کہ کسی کی عزت اور علم کو نہیں چھپاتے بلکہ اُسکے ترقی دینے کی فکر کرتے ہیں اور ہر طرح سے اُسکی مدد کرتے ہیں تاکہ وہ اپنی عزت اور علم اور فن کو بڑھا دے اور اَور لوگوں کو اُسکی پیروی کرنے کی رغبت ہو برخلاف ہمارے شہروں کے کہ اگر کسی شخص نے تھوڑی ہی عزت حاصل کی یا کسی علم و فن میں کمال پیدا کیا تو سب جل جاتے ہیں۔ کوئی اُسے دغا باز۔ کوئی گدھا کوئی خود غرض کہتا ہے۔ یہ بھی اُن کی عادت ہے کہ ایک دوسرے سے وحشیانہ برتاؤ نہیں کرتا۔ یہانتک کہ کوئی نوکر اپنے آقا پر طعنہ نہیں کرتا نہ اُس کی بُرائیاں پیچھے بیان کرتا ہے گو وہ کیسا ہی اُس سے ناراض ہو برخلاف ہملوگوں کے شہروں کے کہ کسی نوکر کو کوئی ایسا نہ پاوے گا جو اپنے ہی مالک کا شاکی نہ ہو اور اُسکی بُرائیاں نہ بکتا پھرے۔ وہ اپنے نوکروں بلکہ خدمتگاروں سے بھی تہذیب کی گفتگو کرتے ہیں اور (مسٹر) کہکر بولتے ہیں یہاں تک کہ اگر پانی مانگیں گے تو کہیں گے (مسٹر) میں اُمید کرتا ہوں آپ سے پانی ملنے کی اگر آپکو تکلیف نہ ہو اور وہ بھی نہایت ادب سے سر جُھکاکر تعمیل کرتا ہے اور خفگی اور گالی گلوج کا تو کیا ذکر ہے۔ مگر نہ کبھی آقا خدمتگار سے ہنسی کرتا ہے نہ بے ضرورت اُس سے بات کرتا ہے نہ اُسے موںھ لگاتا ہے برخلاف ہمارے امیروں کے کہ کبھی تو ایسے خفا ہوں گے کہ گالیاں دیں گے اور پھر تھوڑی دیر کے بعد اُسکو اپنا یار بنائیں گے۔

ان لوگوں میں عادت غمازی اور غیبت کی بھی نہیں ہے نہ باہم بیہودہ بک بک کرنے کی عادت رکھتے ہیں برخلاف ہملوگوں کے شہروں کے کہ جہاں چار آدمی بیٹھے ہوں تو ایسی قیل و قال کریں گے کہ معلوم ہوگا کہ جن بول رہے ہیں۔ پاک طینتی بھی ان لوگوں کا خمیر ہے اور یہی سبب ہے کہ ایک دوسرے پر کچھ شک و شبہ نہیں کرتے چنانچہ ملکہ نے اپنی بیٹی یعنی شاہزادی کے ہاتھ کا بنا ہوا [illegible] کسی فوجی افسر کو جبکہ وہ لڑائی میں مصروف تھا بھیجا کسی نے سوائے نیکی کے بُرا خیال نہ کیا۔ اگر ہمارے مُلک میں کوئی امیرزادی کسی کو ایسا تحفہ بھیجتی تو طرح طرح کے خیالی لوگوں کو پیدا ہوتے اور مہینوں اُس کے چرچے رہتے۔

عُمدہ عادات سے اِن لوگوں کی ایک یہ ہے کہ اپنی اوقات کے نہایت پابند ہوتے ہیں۔ ہر کام کے لیئے اُن کا ایک وقت ہے اور ہر ایک وقت کے لیئے ایک خاص کام یہاں تک پابندی رکھتے ہیں کہ اگر کوئی کسی سے بے وقت ملنے جاوے تو وہ نہایت

نرمی سے کہدیتے ہیں کہ آپ مجھے معاف فرمائیے مجھے اس وقت اور ضرورت ہے اور وہ سُننے والا واپس چلا جاتا ہے اور کچھ بُرا بھی نہیں مانتا برخلاف ہملوگوں کے کہ نہ کسی کام کا کوئی وقت ہے نہ کوئی وقت کسی بات کے لئیے مخصوص ہے بیہودہ فضول ملاقاتوں میں تمام عمر گُذر جاتی ہے اور ملاقاتی جنازہ تک بھی پیچھا نہیں چھوڑتے۔

ان لوگوں کی عُمدہ عادتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اپنی عورتوں سے بدگمانی بھی نہیں رکھتے۔ مثلاً اگر کوئی آدمی باہر سے آوے اور اپنی بی بی کو کسی مرد سے بات چیت کرتا پاوے تو اُسکی خیانت اور فسق پر کچھ شبہ نہ کرے گا لیکن اگر خیانت عورتوں کی معلوم ہو جاوے تو اُس کے بعد پھر رحم نہیں کرتے اور سوائے چھری یا زہر کے دوسرا بدلا نہیں لیتے۔ بیخوفی بھی جو ایک نتیجہ عمدہ انتظام کا ہے ان لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے لڑکے رات دن گلی کوچوں میں پھرتے رہتے ہیں۔ نہ پولیس کا اُن کو ڈر ہے نہ فوج کا۔ نہ کسی جرنیل کا نہ کسی مجسٹریٹ کا۔ بلکہ بادشاہ تک کی بھی ہیبت اُن پر نہیں ہوتی لڑکیاں جو دس برس تک کی عمر کو نہیں پہونچتیں آدھی رات کے بعد پولیس اور کوتوالی میں چلی جاتی ہیں اور اس طرح پر سوال و جواب کراتی ہیں کہ گویا اپنے کسی عزیز کے پاس گئی تھیں مگر ہمارے مشرقی شہروں میں جن کو خدا بچا رکھے یہ حال ہے کہ اگر عورت کسی برقنداز یا چوکیدار سے بھی رات کو بولے تو وہ پہلے اُس نیکبخت کا ہاتھ پکڑے گا اور اپنی طرف کھینچکر اُسکی بے حرمتی کرے گا اور پھر کیا مجال ہے کسی کی کہ اُس برقنداز یا چوکیدار سے بول سکے۔

مؤلف کتاب کا اس بے خوفی کی نسبت اپنی یہ رائے لکھتا ہے کہ ایسی بیخوفی سے وہاں کے لوگوں کے قوائے جسمانی شگفتہ رہتے ہیں اور عقل بڑھتی جاتی ہے۔ اور ضعیفی اور بڑھاپا دیر کرکے آتا ہے کیونکہ وہ چھٹپن سے خوف اور دہشت کے عادی نہیں ہوتے اور چھوٹے بچے کے دل میں رُعب اور خوف کا سمانا ایسا ہے جیسا کہ ایک نرم اور نازک پودے پر بادِ صرصر کا تُند جھونکا۔ ہملوگوں کے شہروں میں اوّل تو حاکم کا دوسرے ظالم نوکروں کا تیسرے بددیانت آدمیوں کا خوف چھٹپن ہی سے ہوتا ہے ماوراے اس کے ہملوگوں کے ہاں بچوں کی مائیں اُن کے دلوں میں بھوت پلید دیو جن کا ایسا خوف ڈال دیتی ہیں کہ جو جوانی کے زمانہ میں بھی اُن کے دل سے

نہیں نکلتا۔ اور سچ یہ ہے کہ اگر مشرقی لوگوں خصوصاً مسلمانوں کی طبیعتوں میں مقدر
پر اعتماد نہ ہوتا تو کسی ایک پر بھی اُن میں سے مردمی و انسانیت کا اطلاق کرنا زیبا نہ ہوتا۔
انگریزوں کی عادتوں میں سے یہ بھی ہے کہ بہت مختصر اور ادب کے ساتھ اپنے مخاطب
سے کلام کرتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی چھوٹے کو اپنے بڑے سے کچھ کہنا ہو تو یوں کہتا ہے کہ میں اُمید کرتا ہوں کہ
آپ مجھ پر میری فلاں حاجت کے بر لانے سے احسان کریں گے اور میں آپکا شکر گذار
ہوں گا اور اس مختصر با ادب انسانیت کی تقریر سے اُن کو وہ فضول اور لمبی چوڑی خوشامد
کرنے کی حاجت نہیں ہوتی جس کا رواج ہم لوگوں میں ہے کہ جب کسی سے خطاب کریں گے
تو کہیں گے کہ یا بدر الکمال یا بحر النوال وغیرہ وغیرہ جس تقریر کا خاتمہ چند ساعت تک
بھی نہیں ہوتا۔ پھر وہ بڑا جس سے چھوٹے نے اپنی حاجت عرض کی ہے بجواب اُسکے
یوں کہتا ہے کہ میں آپ کے کام کرانے میں کوشش کروں گا اور آپ کو جلد خبر دوں گا۔
اور اس سے اُن کو اس کہنے کی حاجت نہیں رہتی جو ہم لوگ کہتے ہیں کہ بسر و چشم میں
آپ کا کام کردوں گا آپ کا نفع تو عین میرا نفع ہے اور آپ کا کام خود میرا ہی کام ہے آپ
اطمینان رکھیں ضرور یہ کام کر دیا جاوے گا حالانکہ انگریزوں میں سے جو کوئی کوشش کرنیکا
بھی اقرار کرتا ہے وہ اُس حالت میں جبکہ وہ کر سکے ورنہ صاف کہدیتا ہے کہ آپ مجھے معاف
کیجئے میں معذور ہوں۔ آپ کا کام مجھ سے نہیں ہو سکتا اور اگر وعدہ کیا تو اُس سے
زیادہ کوشش کرتا ہے جو اُس سے کہا ہو۔ اور پھر فوراً اُس کے ہست و نیست کا
جواب دیدیتا ہے۔ برخلاف ہمارے شہروں کے کہ اُس چیز کا وعدہ کر دیتے ہیں
کہ جسکو وہ خود جانتے ہیں کہ اُن کے اختیار سے خارج ہے اور پھر کبھی خیال
نہیں کرتے کہ اُس کے پورے کرنے میں کوشش کریں یا اُس بیچارہ کو صاف جواب
دیں تاکہ وہ اپنی فکر کرے اُس شخص کا کام تمام ہو جاتا ہے مگر اُن کا وعدہ تمام
نہیں ہوتا یہاں تک کہ ہم لوگوں کے امرا کی یہ عادت ہے کہ اُن سے اگر کوئی نوکری
کا طالب ہو تو جواب دینا نہیں جانتے فوراً یہ کہتے ہیں کہ یا حضرت آپ سے بڑھکر
لایق دوسرا شخص کون ہے بلاشبہ مجھے بھی آپ سے بڑھکر کوئی دوسرا آدمی نہ ملے گا
لیکن آپ چند روز صبر کیجئے مجھے ایک ضرورت ہے وہ رفع ہو جاوے تب
میں آپ کو نوکر کرلوں گا۔ پس اِس وعدہ کی رسّی میں باندھے رہتا ہے۔ اور یہ

جب کبھی وہ متقاضی ہو تو کوئی حیلہ کر دیتا ہے یہاں تک کہ اخیر کو وہ محروم اپنی قسمت کو روتا ہوا پھر جاتا ہے مگر انگریز کبھی ایسی باتوں کے پاس نہیں پھٹکتے اور اسی لئے انکی بے اعتباری نہیں ہوتی۔

انگریزوں کی دیانت کا یہ حال ہے کہ اگر کوئی چیز کسی کے پاس امانت رکھی جاوے تو وہ اپنی چیز سے زیادہ اُس کی حفاظت کرتا ہے اور دیانت صرف مال و اسباب ہی میں نہیں ہے بلکہ ہر چیز میں اس کا اثر پایا جاتا ہے۔ مثلاً کوئی کسی کا خط نہیں کھولتا اور اگر کسی کی معرفت خط آوے تو وہ مکتوب الیہ تک پہنچانے میں کوشش کرتا ہے یا ڈاک گھر واپس کر دیتا ہے۔

یہ ایک عمدہ عادت اُن کی ہے کہ اگر کسی کے ملنے کو کوئی جاوے تو ہرگز اُسکی کسی چیز یا کتاب یا خط یا کاغذ پر ہاتھ نہیں بڑھاتا نہ اُسے دیکھتا ہے برخلاف ہمارے شہروں کے جن کو خدا بچا رکھے کہ جب کسی سے ملنے کو جائیں گے گو ملاقات بھی نہ ہو مگر پہلے ہاتھ اُس کے کاغذ اور کتاب کی طرف بڑھائیں گے اور بے پوچھے دیکھنے لگیں گے یہاں تک کہ جتنے اُس مجلس میں بیٹھے ہوں گے خدا کی عنایت سے سب کے پاس ہاتھوں ہاتھ وہ پہونچے گا اور ایک دوسرے سے چھینے گا اور اسکو بڑی بے تکلفی سمجھیں گے حالانکہ انگریزوں میں کوئی ایسا کرے تو پھر کبھی اُس سے بات نہ کریں اور احمق سمجھکر نکال دیں۔

یہ مؤلف ایسی قسم کی اپنے مُلک کی بدعادتوں اور انگریزوں کی عمدہ خصلتوں کا مقابلہ کرتے کرتے اخیر کو نہایت درد و حسرت سے لکھتا ہے والی من المشتکی و این النصیر فیالیت شعری متی نصیر نحن ولد آدم بشرا کھولاء البشر ومتی نعرف الحقوق الواجبۃ لنا و علینا کما ان التمدن معناہ ان یکون الناس فی مدینۃ وفیھا ذباب وسباع کلا ثم کلا جیران اجتمع الخروف والذئب فی مرعی واحد لیوجب علی الیھود ان یومنوا بمجی المسیح یعنی کس سے شکایت کی جاوے اور کس سے مدد مانگی جاوے کہ ہائے افسوس ہم بنی آدم کب انسان ہوں گے مثل ان انسانوں کے اور کب ہم پہچانیں گے اپنے حقوق کو اور غیروں کے حقوق کو کیا خیال کیا

جو اُن باتیں عورتوں کی بھلائی سے متعلق ہوں کہجا دیں - تو وہ اشراف زادیاں اُس کہنے والے کو سمجھیں کہ یہ کوئی پیغمبر ہے جو خدا کی طرف سے آیا ہے اور واسطے دُور کرنے جہالت اپنی قوم کی عورتوں کے مبعوث ہوا ہے - پس اِس خیال ہی سے وہ اُس کی اتنی خاطر داری کریں گی کہ جس کا بیان نہیں ہو سکتا اور اُن کو فوراً یقین ہو جاوے گا کہ ضرور یہ اپنے وطن میں لوٹ کر عورتوں کی تعلیم و تربیت کی فکر کرے گا مگر اِن بدبختوں کو یہ خبر نہیں ہے کہ یہ حضرت مشرقی اپنے دل میں اُسی وقت کہتے جاتے ہیں کہ تم بڑی بیوقوف عورتیں ہو کہ میرے فریب میں آئی ہو۔ عورتیں ناقصات العقل ہوتی ہیں افسوس کہ ہزاروں کتابیں تمہارے کتب خانوں میں ہیں اور صدہا قصے مکر و فریب کے اُن میں لکھے ہوئے ہیں اور تم نے دیکھے بھی ہونگے مگر پھر بھی تم میرے دموں میں آگئیں اور تم نے نہ جانا کہ میں یہ باتیں صرف تمہارے خوش کرنے کو کرتا ہوں - مگر بہر حال وہ اشراف زادیاں اُس کے اس کہنے سے اُس کی اس قدر عزت کریں گی کہ کوئی چاء کا پیالہ اپنے ہاتھ سے بڑھا دے گی کوئی رات کے کھانے کی دعوت کرے گی +

الغرض اس مؤلف نے نہایت تفصیل سے ہر قسم کی باتوں کو اِس
باب میں بیان کیا ہے - کہاں تک اُس کا انتخاب اِس چھوٹے سے
ترجمہ میں کیا جاوے - اگر کوئی مسلمان نصیحت کا طالب
ہو تو اُس کے لیے یہ بھی بہت ہے - ورنہ
دفتر کے دفتر لکھنا
بھی فضول
ہے

تمت

جو فائدہ باتیں عورتوں کی بھلائی سے متعلق ہوں کیجاویں۔ تو وہ اشراف زادیاں اُس کہنے والے کو یہ سمجھیں کہ یہ کوئی پیغمبر ہے جو خدا کی طرف سے آیا ہے اور واسطے دُور کرنے جہالت اپنی قوم کی عورتوں کے مبعوث ہوا ہے۔ پس اِس خیال ہی سے وہ اس کی اتنی خاطرداری کریں گی کہ جس کا بیان نہیں ہو سکتا اور اُن کو نور یقین ہو جاوے گا کہ ضرور یہ اپنے وطن میں لوٹ کر عورتوں کی تعلیم و تربیت کی فکر کرے گا مگر اُن نیکبختوں کو یہ خبر نہیں ہے کہ یہ حضرت مشرقی اپنے دل میں اُسی وقت کہتے جاتے ہیں کہ تم بڑی بیوقوف عورتیں ہو کہ میرے فریب میں آئی ہو۔ عورتیں ناقصات العقل ہوتی ہیں افسوس کہ ہزاروں کتابیں تمہارے کتب خانوں میں ہیں اور صدہا قصے مکر و فریب کے اُن میں لکھے ہوئے ہیں اور تم نے دیکھے بھی ہونے مگر پھر بھی تم میرے دموں میں آگئیں اور تم نے نہ جانا کہ میں یہ باتیں صرف تمہارے خوش کرنے کو کرتا ہوں۔ مگر بہر حال وہ اشراف زادیاں اُس کے اس کہنے [illegible] اُس کی اس قدر عزت کریں گی کہ کوئی چاہ کا پیالہ اپنے ہاتھ سے بڑھا دے گی [illegible] رات کے کھانے کی دعوت کرے گی +

الغرض اس مؤلف نے نہایت تفصیل سے ہر قسم کی بابوں کا اس
[کت]اب میں بیان کیا ہے۔ کہاں تک اُس کا انتخاب اِس چھوٹے سے
[ر]سالہ میں کیا جاوے۔ اگر کوئی مسلمان نصیحت کا طالب
[ہے تو] اُس کے لیے یہ بھی بہت ہے۔ ورنہ
[د]فتر کے دفتر لکھنا
بھی فضول
ہے

تمت